







Atlantis  
Publications

Edited by Hina Rizwan

# بادلوں کا اُس پار

انسپیکٹر جمشید ٹیم، انسپیکٹر کامران مرزا ٹیم، اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

اشتیاق احمد



**Atlantis Publications**

تفویج پبلیس . انٹرنیٹ پبلیس

اٹلانٹس پبلکیشنز سروسز - اسلامی اور علمی ادب کی تمام اقسام کی کتب کی قیمت اور  
کے بارے میں ہم کے ویب سائٹ پر ملے گا۔ کتاب کی قیمت اور بارے میں ہم کے ویب سائٹ پر ملے گا۔

بادلونگ اس پار

نمبر 787 (64 واں خاص نمبر)

پبلشر قاریق احمد

قیمت 960 روپے

ISBN 978-969-601-069-02

بزرگ حقوق محفوظ ہیں

اٹلانٹس پبلکیشنز کی پبلیشنگ سروسز کے تحت اس کتاب کے کسی حصے کی کاپی کسی قسم  
کی ذخیرہ کاری، جہاں سے اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکے اور یا کسی بھی شکل میں اسے کسی بھی  
ذریعے سے ترسیل نہیں کی جاسکتی۔ یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو دوبارہ  
بازاریابی کے بغیر دوبارہ فروخت یا کسی بھی شکل میں اسے دوبارہ فروخت نہیں کیا جاسکے گا۔  
مطلوبہ حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے متنوع طریقے پر رابطہ کریں۔

**اٹلانٹس پبلکیشنز**

A-36 اسلام آباد، 18-B مارٹ بکری

0300-2472238, 32578273, 34268800

ای میل: atlantis@cyber.net.pk

www.inspectofajmahadsaeries.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمود، قاریق، فرزاد، انسپیکٹر جمشید  
آصف، آفتاب، فرحت، انسپیکٹر کامران مرزا  
اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

64 واں خاص نمبر

**بادلونگ اس پار**

**اشتقاق احمد**

**اٹلانٹس پبلکیشنز**



## دوباتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بادلوں کے اس پار کی موٹائی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں اپنے ماضی کی طرف چھٹانگ لگا چکا ہوں، اگرچہ میرا ایسا ارادہ قطعی نہیں تھا۔

یہ ناول شروع کیا تو اس کا نام بھی ذہن تک میں نہیں تھا... یعنی یہ گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ایک عدد خاص نمبر بن جائے گا اور وہ بھی آٹھ سو صفحات کا... کیا کیا جائے... ان خاص نمبروں میں بس یہی بات تو بری ہے کہ بات بے بات خاص نمبر بن جاتے ہیں اور میری ایک نہیں سنتے... بلکہ صورت حال یہ ہو جاتی ہے۔

”اندھے گائیں بہرے بجائیں“

جب میں نے محسوس کیا کہ یہ ناول خاص نمبر کا رخ اختیار کرتا جا رہا ہے تو میں نے فوراً فاروق احمد صاحب کو فون کیا... اور صورت حال انہیں بتائی... وہ سن کر کہنے لگے۔

”کوئی حرج نہیں... ناول اگر طویل ہو رہا ہے تو ہونے دیں...“

چار سو صفحات کا خاص نمبر چھاپ دیں گے۔“

ان کا جواب سن کر میں شروع ہو گیا... لیکن دس پندرہ دن



جہاں کا مسٹر پتہ لکھا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ اسے جس سے ملنا ہے وہ  
 تھا۔ مطالبہ ہوا کہ وہ جا خاص نمبر لکھیں۔ جہاں کا نام لکھا گیا تھا  
 وہ اس سے بھی بڑا تھا۔ پھر یہ مطالبہ سامنے آیا کہ وہ جا خاص نمبر  
 میں اساتذہ کے صفات میں آپ کی جگہ لیں۔ جہاں تک اس کا تعلق  
 صفات سے۔ پھر ایک ہزار صفات کے خاص نمبر بھی لکھے گئے۔ سبھی  
 پتہ ان کے بہت قریب دیکھا۔ اور ان کے پاس، وہ چھوٹے صفات کا خاص نمبر  
 بنا گیا۔ وہ وہ صفات میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی صفات  
 کا یہ سفر جاری و ساری رہا۔ دیکھا گئے اس پار و تار کے اس پار  
 جسے خاص نمبر لکھے گئے۔ جہاں تک کہ اس کے سامنے، جہاں صفات  
 صفات کا بنا گیا۔ کارکن بہت خوش ہوئے۔ لیکن اس کے بعد  
 انہوں نے بہت زوردار مطالبہ خارج کیا کہ آج کے خاص نمبر وہ ہزار  
 صفات کا ہوا ہے۔

اس زمانے میں ہر چھ ماہ بعد خاص نمبر شائع کیا جاتا تھا۔  
 وہ ہزار صفات کا مطالبہ سن کر میری سخی کم ہو گئی۔ لیکن یہ مطالبہ حقیقت  
 بنا اور اللہ کی مہربانی سے جادو کا سلسلہ رکھ گیا۔

یہ اس وقت کی سب سے زیادہ حماقت تھی۔ میں نے سمجھا  
 کیا تھا کہ اب میں اس سے زیادہ حماقت کا خاص نمبر نہیں لکھوں گا۔  
 پھر تو حالات بھی ایسے نہیں رہے۔ لیکن بہت دیر تک  
 قوت خرید بہت کم ہو گئی۔ لہذا وہی وہ صفات دیکھ کر  
 آگیا۔ ان حالات میں انھوں نے ایک بار پھر جادو کا سلسلہ

میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔

میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔

میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔

میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔  
 میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جادو ہے۔



## ٹھک ٹھک

خاور باغی کے دروازے کی کھنٹی بج اٹھی... ان کی بیٹی نے پتھر  
کر اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

”امی! شاید مہمان آگئے۔“

”میں اندر جاتی ہوں... نادیر! تم دروازے پر جا کر بات  
کرو۔ اگر یہ ہمارے مہمان ہی ہوں تو ذرا ٹھک روم کا دروازہ کھول کر  
اندر آ جانا۔“

”جی اچھا امی! آپ فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر نادیر دروازے پر آگئی... اس نے دبی آواز میں کہا۔  
”کون؟“

”ارسلان اودھی... ماگی پور سے آیا ہوں... جاوید باغی صاحب

کو میری آمد کی اطلاع ہے... کیا وہ گھر میں نہیں ہیں۔“

”یہ وقت ان کے گھر میں ہونے کا نہیں... آخر کا وقت ہے

میرا... مجھے کچھ ہی صاحب سے کوئی گھبراہٹ ظاہر نہ کی... وہ ناول  
پڑھ رہا تھا اور غائب تھا... اب تک اوقات سو رہا ہے۔  
اب یہاں سے مسجد کے بعد باہر لوں کے اس پار کھٹا گیا ہے۔  
اب یہاں سے قریب سے اور مجھے اس خطامت کے چکر سے بچائے  
تھے... تم فرماتے اور مجھے اس خطامت کے چکر سے بچائے  
تھے... لیکن حالات کا دھارا اگر  
ہو... اس میں مسئلہ کے ناول ہی کھٹ رہوں... لیکن حالات کا دھارا اگر  
مجھے بھالے کیا... مالوں کے اس پار لے بھی کامیابی کا رخ اختیار  
کر لیا تو ہو سکتا ہے... اس خطامت کا طوفان ہمیں مستقل طور پر اپنی  
پینٹ میں لے لے... اور ہم سب اس کی پینٹ میں آئے بغیر نہ رہ  
سکتے... لیکن یہ پینٹ اور دعائی پینٹ نہیں ہوتی چاہیے... خیر و عافیت  
والی پینٹ کی چاہیے۔

مجھے! میں اس لٹا پینٹ کی پینٹ میں آ گیا ہوں... ہے کوئی تک  
بگڑا ہوا حیرت ہو سکتی۔

ان حالات میں آپ سے اجازت لے لینا ہی بہتر ہوگا...  
یہ کہ آپ بھی تو اتنی طویل دو باتیں اکیے کر گھبرا گئے ہوں گے... میں  
کے آپ کو گھبراہٹ میں جھکا کروں... آپ کو ناول شروع کرنے کے  
لیے آئے ہیں یہ چھوڑ دوں... آپ بھی تو آخر ناول شروع کرنے کے  
لیے آئے ہیں گے... اب آپ کی بے مابلی کا کیا امتحان لینا...  
جیتے ہمارے اس باہر کی پینٹ میں چلے جائیے...  
اور اس کی صدا لیا ہے۔

سب؟



وہ تیرا ہوا ہے آج کے ... جاہم وہ آپ کے بارے میں  
لاٹھ مارے گئے ہیں۔ لیکن آپ کو تو صبح سات بجے آنا تھا جب کہ  
اب نہ آتا ہے۔ وہاں لے لے رہے ہیں آپ کا انتظار کر کے جا چکے ہیں۔

”اے بیرونی گھڑی لین ہوگی ... انہوں نے میرے بارے  
میں کچھ نہیں جانے سے پہلے۔“  
”جی امیر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتی ہوں۔ آپ دروازہ  
کھلے کے ایک منٹ بعد اندر آئیے گا۔“

”یہ کیوں؟“  
”اس گھر کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔“  
”وہ اچھا یہ تو اچھی بات ہے۔“  
”شکریہ۔ آپ ساتھ والے دروازے پر آجائیں۔“  
”اچھی بات ہے۔“ باہر سے کہا گیا۔

یہ دروازے سے بہت کر ڈرائنگ روم میں آئی ... اس نے  
دروازہ کھولا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ پھر بیرونی دروازے کی  
بلکی کھینچ کر وہاں سے فوراً اچھی اور اندرونی دروازہ عبور کرتے ہوئے  
اس کی پہلی کھینچ۔

”کنا چلی ... تمہارے لیے دروازہ کھولی دیا۔“ اس نے اپنی

والدہ کی آواز سنی۔

”کنا اچی جان۔“

”میں مہمان کے لیے ناشتا چاہ رہی ہوں۔ یہ کتنا ...“  
کے پاس ہاتھ کر چٹنی گراوا اور کھانا کھا کر ... مہمان کے اگلے کمرے  
پر چھترم دروازے کی چٹنی کھا رہا تھا۔

”جی اچی جان، میں ایسا ہی کروں گی۔“ یہ بولی اور  
سنائی دی۔

پھر اس نے اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق اسے کھلی اور  
دروازے کے پاس سے بہت گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسوں نے  
تھاں تک کر دیکھا تو اسے وہاں نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا مہمان کے  
کمرے والی تھی۔

دونوں اندرونی کمرے میں آکر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔  
جاہم ان کا ذہن مہمان میں اٹکا ہوا تھا۔ اگر مہمان کوئی صاحب گھر  
موجودگی میں آجائے تو ان کے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ  
خواہتیں نہ جانتیں کہ وہ اس وقت دلچسپی محسوس نہ کر سکتے تھے۔  
حالات میں وہ دلچسپی محسوس کر رہی تھیں۔ اگر نگاہوں سے  
اپنی بیٹی سے کیا۔



"ہم وہاں کولہ نہ کریں کہ تھہارے ابو کو بلا لیں۔" وہ ہنسنے لگی۔

"گھر آجائیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر نادیہ نے چھوٹی میز پر رکھا موبائل اٹھا لیا۔ ابھی اس نے من دبایا نہیں تھا کہ گھر میں ٹھک ٹھک کی آواز گونج اٹھی۔ اس نے موبائل واپس میز پر رکھ دیا اور والدہ کی طرف دیکھا۔

"جادو بنی، پہلے مہمان سے پوچھ لو۔۔۔ کیا کہتے ہیں۔"

"جی اچھا۔"

نادیہ باہر آئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکر اس نے

کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"معاف کیجیے گا۔۔۔ ٹھک چاہیے۔ میں کھانے میں ذرا زیادہ

ٹھک کا عادی ہوں۔"

"جی اچھا ابھی الٹی۔"

اس نے باورچی خانے سے ٹھک اٹھایا اور پھر ڈرائنگ روم کے

دروازے پر آئی۔

"شیشی ادھارے کے ساتھ رکھ دی ہے۔ چٹنی گراہی ہوں۔"

"آپ ہاتھ باہر نکال کر شیشی اٹھالیں۔"

"شکریہ۔" اندر سے کہا گیا۔

نادیہ نے چٹنی گراہی اور قدر سے پیچھے ہٹ گئی۔ فریاض مہمان کا ہاتھ باہر نکالا اور ساتھ ہی دروازہ پورا کھل گیا۔ اس کا دل وچھل کر رکنے میں آ گیا۔ شیشی اٹھانے کے لیے پورا دروازہ کھلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے آ گیا۔ مہمان دروازہ عبور کر کے صحن میں آچکا تھا۔ وہ بہت لمبا چہرہ اور

طاقت ور انسان تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ سادگی سے کھڑی رہ گئی۔ اس کی پچھلی پچھلی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔ اس کی کیفیت بھانپ کر اس نے دلی آواز میں کہا

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم لوگوں کو بالکل کوئی نقصان

نہیں پہنچاؤں گا۔ ہاتھ ٹک نہیں لگاؤں گا۔"

"مجھ۔۔۔ پھر؟" بہت ہی مشکل سے اور پورا زور لگا کر اس

کے منہ سے نکلا۔

"اس کمرے میں چلو۔ جس میں تمہاری والدہ ہیں۔ منہ سے

آواز نہ نکالنا۔۔۔ ورنہ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک ڈاگ۔۔۔ پلا رہا تھا۔

"تاکہ میں اپنا کام اطمینان سے آسکھوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کو مجھ کو بتانا ہے کہ میں"

"یہاں ایک طرف آرام سے لیٹی رہوں گی۔ کوئی حرکت کرنے کی۔"

"یہ نہیں ہو گا۔ آپ کو اپنے انہ پانچ باندھنے پڑیں گے۔"

"اور جلدی کریں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"یہ کہتے ہوئے اس نے بایاں ہاتھ جیب سے نکالا۔"

"میں ریشم کی ڈوری کا ایک ٹھوس سا ٹکڑا تھا۔ گویا وہ ایک کام ہے۔"

"اسی کر کے آیا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"بیکم لودھی نے اپنے ہاتھ آگے کر دیے۔"

"رکتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ سے ان کے بازو پکڑ لیے۔ پھر وہاں"

"پر باندھ دیے۔ اس کے بعد یہی سلوک باویہ کے ساتھ کیا۔ وہ اسکا"

"کام ہو گیا تو اس نے پستول جیب میں رکھ لیا اور ان دونوں کو انہیں میں"

"بھی باندھ دیا، یعنی ان کے گرد ریشم کی ڈوری کسائی۔"

"اب تم دونوں یہاں آرام سے لیٹی رہو۔ میں اطمینان سے"

"اپنا کام شروع کرتا ہوں۔"

"یہ کہتے ہوئے اس نے میز پر سے ان کا موبائل اٹھائے ہوئے"

"وہ موبائل لکھ آؤ۔ اب تو اس کا رنگ اگلیا۔۔۔ حلق خشک ہو گیا۔"

"مجھے یاد آئے اس کا رنگ کمرے کی طرف ہو گیا۔ پھر وہ اس سے"

"پچھلی طرف ہٹ گیا۔"

"نہیں۔" مارے ٹوٹ کے بیکم لودھی کے منہ سے نکلا۔

"میرے۔۔۔ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔۔۔ میں"

"آپ دونوں کو بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"تک۔ کیا تم ڈڈا کو ہو۔" مہر تھر کا پتی آواز میں بیگم

"لودھی کے پوچھا۔"

"ارے نہیں۔ بالکل نہیں۔ ایک چیز کی تلاش مجھے یہاں لے"

"آئی ہے۔۔۔ میں جوئی مجھے وہ چیز ملی۔۔۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا"

"اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ لہذا آپ اطمینان رکھیں۔۔۔ آپ کو"

"کچھ نہیں کہوں گا۔"

"اور وہ چلے گیا ہے۔۔۔ جس کی تلاش میں تم ہو۔"

"یہ آپ کے جاننے کی بات نہیں۔۔۔ بس مہربانی فرما کر آپ"

"میں اپنے ہاتھ پاؤں بندھا لیں۔" اس نے بایاں ہاتھ جیب

"میں ڈالتے ہوئے کہا۔"

"کیا کہہ۔۔۔ بندھا لیں۔۔۔ یہ کیوں؟" بیکم لودھی گھبرا گئیں۔



لیکن انہوں نے بھی اب تک راجد نہیں کیا۔

”کیا خبر انی۔ انہوں نے فغان کیا ہو۔ کچھ سوچا تو اس نے آف کر دیا ہے۔“

”ہاں! میرا مطلب ہے۔ دفتر پہنچے ہی انہوں نے فغان لیا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ مہمان آگیا ہے یا نہیں۔“

”غیر... صبر کریں۔ صبر کے سوا تم کر ہی کیا کتے ہیں۔“

دونوں بے چارگی کے عالم میں چلی رہیں۔ اس طرح ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دو مہمان اندر داخل ہوئے۔ اس نے موبائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے اپنا کام کر لیا ہے۔ آپ کا موبائل میز پر رکھ دیا ہے۔ آپ دونوں کو میری وجہ سے تکیف اخالی چلی۔ میں سوائی چاہتا ہوں... اچھا میں چلا۔“

”ارے ارے... ہمیں کھولتے تو جائیں۔“

”اس طرح تو آپ میرے پیچھے پولیس گا دیں گی۔“

”نہیں۔ ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ سوائی لڑا کر ہمیں

کھول دیں۔“

”نہیں... میں ری کسی قدر ذہیلی تھی۔ یہاں تک کہ آپ

نے اسے جوتا دیا۔ جب میں نکلا۔ ان کا ایک لقمہ ڈالتے ہوئے اس

نے کہا۔

”جوتے سے پہلے یہ موبائل میز رکھ جاؤں گا... فکر نہ کریں۔“

”وہ کیا کہیں۔ لپٹتے بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ سکتیں اور وہ اس کے کمرے سے غل گیا۔“

”یہ کیا پتہ ہے۔ نادیہ بڑبڑائی۔“

”میری کچھ میں نہیں آیا نادیہ۔“

”اب ہم کیا کریں۔ پتا نہیں، یہ کیا کرنا چاہتا ہے...“ نادیہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے تو کچھ کریں گے نا۔“

”میرا جی نے جے کے انداز میں کہا۔“

”لیکن انی جان! یہ تو تہا جان کے دوست کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔“

”میں نے ان جان کو فغان کیا تھا کہ میرے دوست کو آپ کے شیر

میں کچھ کام ہے۔ وہ کس طرح لفظ آدمی کو یہاں بھیج سکتے ہیں۔“

”بھئی! میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں... میری تو عقل

آف ہے۔ نہ جانے کیا پتہ ہے۔ کہیں ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ

ہوئے! ال۔۔۔ تمہارے ان جان کو پتا بھی ہے۔ کہ مہمان کو آنا ہے

"اللہ کا شکر ہے... آپ کے فون تو کیا آپ کو لہجہ بہت  
 دیر سے بند تھا... میں نے تو بار بار کوشش کی ہے۔"  
 "کیا مطلب... میرے فون کہاں ہیں؟" ہادیہ کے بے بسی کے  
 عالم میں کہا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں... انہیں ایک گھنٹہ سا عطا کر  
 آگیا تھا۔ یہ لیں آپ ان سے بات کر لیں۔"  
 دوسرے ہی لمحے ہادیہ نے اپنے والد کی آواز سنی۔  
 "بھئی ہادیہ... تم نے موبائل بند کیوں کر رکھا تھا... مہمان کی  
 کیا خبر ہے۔"

"او! پہلے آپ اپنی سنا میں۔"

"معمولی چوٹ ہے... فکر نہ کرو۔"

"آپ ہیں کون سے ہسپتال میں۔"

"ریجن روڈ پر... تم نے ریجن ہسپتال تو دیکھا ہوا ہے... دفتر کے

راستے میں بس وہیں ہوں۔"

"ہم آ رہے ہیں۔"

"تم نے بتایا نہیں... مہمان۔"

"وہیں آکر بتائیں گے تو۔"

اٹھ کر کے ہادیہ بعد خود کو رسی سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو  
 چکی... اس وقت تک میں بھی محض مقام پر پہنچی جاؤں گا۔"  
 "بھئی... ہادیہ کی... لیکن یہ تو بتاتے جائیں... آپ یہاں  
 کرتے کیا آئے تھے۔"

"ارے داد... یہ بتا دوں تو پھر ہاتھ کیا رہ جائے گا۔" وہ ہنسا۔  
 پھر وہ باورچی خانے سے چاقو اٹھا لایا اور رسی کو ایک جگہ سے  
 کاٹ دیا... چاقو بھی وہیں گرادیا اور جانے کے لیے مڑا۔  
 "خدا حافظ... میں چلا۔"

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں... اس کے بعد انہوں نے  
 ہلکا سا شروٹ کیا... رسی چونکہ کٹ چکی تھی... اس لیے اس کے بل  
 آہستہ آہستہ کھلنے لگے... اس کوشش میں آدھ گھنٹا لگ گیا... تب کہیں  
 ہادیہ کو خبر کہ اس رسی سے نجات ملا سکیں... پھر وہ فون کی طرف  
 جھکی... ہادیہ نے فوراً اپنے والد کا نمبر ڈائل کیا... دوسری طرف  
 سے ایک اچھی آواز سنائی دی۔

"ہی ہادیہ۔"

"آپ کون... میں نے تو اپنے فون کو فون کیا ہے۔" ہادیہ نے

نہان ہو کر کہا۔



”میں سمجھا نہیں۔“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

”میرا خیال ہے... ہم آپ کو گھر میں کرنا نہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کیا کہتے ہیں... کیا انہوں نے آپ کو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔“

”ہاں بالکل... میں نے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر صاحب سے دفتر بھی فون کر دیا تھا... دفتر والوں نے کہا ہے کہ گھر نہ کریں۔ آپ کی رخصت لکھ دی گئی ہے... وہ چار دن تمام کریں... یہی طرح ٹھیک ہو جائیں... تو آجائے گا... تم تو جانتی ہی ہو... دھارے اوارے کے مالک... فرحان حبیب کہتے مہربان آدمی ہیں۔“

”جی ہاں! اس میں تو خیر شک نہیں... تو پھر چلیں۔“

”ہاں چلتے ہیں۔“

انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور گھر آ گئے... اب اطمینان سے بیٹھنے کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا۔

”آپ کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد مہمان آ گئے... مانیہ نے ان کے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا اور اندر آ گئی... پھر ہم نے ناشتے کی ٹرے دروازے پر رکھ دی... انہوں نے اٹھائی... اسی طرح انہوں نے ناشا شروع کیا... ایسے میں مہمان نے ڈرائنگ روم

دور سے سنا کہ وہ گھر آیا... جلد ہی وہ ایک رکشے میں اس ہسپتال کو دھکا کر دی گئیں... تھوڑی دیر بعد ہسپتال کے کمرے میں وہ ڈاکٹر صاحبہ کے پاس بیٹھی تھیں اور لودھی صاحبہ کہہ رہے تھے۔

”مولا سائیکل پر سڑے سے دفتر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے آئے والی ایک کار کی سائیڈ لگ گئی... میں گر پڑا... کار والے نے خود ہی مجھے ہسپتال تک پہنچایا... میں اس وقت تک بے ہوش ہو چکا تھا... ہسپتال والوں نے ساری بات سن کر اسے جانے کی اجازت دے دی... کیونکہ چوٹ معمولی تھی... اور بس... اسی لیے میں آپ کو فون نہ کر سکا... خیر کوئی بات نہیں، اللہ نے بہتر ہی کیا... اللہ کا لا کھ لاکھ شکر ہے... ہاں! مہمان کے بارے میں بتائیں۔“

”مہمان آئے تھے... اور چلے گئے... لیکن اپنے پیچھے ایک ہارسہرہ لگاتی چھوڑ گئے۔“

”کیا ہارسہرہ لگائی... کیا مطلب؟“

”جانتی ہیں! ان حالات میں جب کہ آپ زخمی ہیں... ہمارا اس بارے میں اتنا احتیاط بھی ہے یا نہیں۔“ بیگم نے کہا۔

”کیا مطلب... کیا کوئی پریشان کن بات ہو گئی۔“

”بات کی بات سچی ہے۔“ بیگم نے کہا۔

ہم نے تو اسے دیکھا تھا ہی تھی۔

”خیر۔ پہلے تو ہمیں پتہ نہ تھا کہ وہ کونسا ہے۔“  
 چاہیے۔ وہ کیا لے گیا ہے۔“

”تو ہاں! یہ تو ایک ہے۔“ ماہیہ نے جلدی سے کہا۔

اب تینوں نے پار سے گھر کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ انہیں گھر کی ہر چیز جگہ پر جوں کی توں ملی۔ کہیں کوئی چیز گم نہیں تھی۔ گھر کی اور زیورات بھی سب موجود تھے۔ یوں جی جھکی ہوئی اجڑا ہوا گھر لگتا تھا جس میں کمرے میں تھے جس میں وہ انہیں باندھ کر ڈال گیا تھا اور اس کمرے میں تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

”گھر کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔“

”تب پھر وہ کیا کرنے کے لیے آیا تھا۔“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”آپ اپنے دوست سے کیوں نہیں پوچھتے۔“ جیسوں نے آپ

کو اس کے لیے کہا تھا۔“

”اوہ ہاں! سب سے پہلے تو اس سے بات کر لی جاتی ہے۔“

اب انہوں نے اپنے اس دوست کو فون کیا۔ جس نے مہمان کے بارے میں سفارش کی تھی۔ اس کا دوست جیسوں گروہاں ایک

کے اندر وہی گاڑی پر ٹھک ٹھک کی۔ گاڑی نے جا کر پوچھا تو اس نے کہا۔ ٹھک چاہیے۔ گاڑی نے ٹھک دانی اور گاڑی نے پر رکھ دی اور کئی گرا کر کہا۔ ٹھک دانی اس طرف رکھی ہے۔ اٹھالیں۔۔۔ مہمان نے دروازہ کھولا اور۔۔۔ بیگم یہاں تک کہہ کر رک گئیں۔

”مہمان نے شیشی اٹھالی۔۔۔ لیکن بیگم اس میں عجیب بات کیا

ہو گئی۔“

”اس میں عجیب بات یہ ہو گئی کہ شیشی اٹھانے کے ساتھ ہی وہ

دروازہ مہمان کے صحن میں آگیا۔“ بیگم نے بتایا۔

”کیا!؟“ مارے خوف کے خاور لودھی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”جی ہاں! پھر اس نے پستول نکال لیا۔“

”سن۔۔۔ نہیں۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

پھر بیگم لودھی نے جلدی جلدی ساری تفصیل سنادی۔۔۔ ہر لمحے

خاور لودھی کے خوف میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔۔۔ یہاں تک کہ بیگم نے بات مکمل کر لی۔

”اس۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ کوئی ڈاکو تھا۔“

”ہمیں معلوم نہیں۔۔۔ وہ کیا تھا۔۔۔ اور کیا نہیں تھا۔۔۔ ہمیں تو

جوئی آپ کے بارے میں پتا چلا تھا کہ آپ ہسپتال میں ہیں۔۔۔ بس



دوسرے شہر کا آباد میں رہتا تھا۔ انہوں نے اس کا نمبر ملا یا تو جلد ہی اس کی آواز سنائی دی۔

”کیا حال ہے یار لودھی۔“ دوسری طرف سے خوش گوار انداز میں کہا گیا۔

”فاضل کرمانی... یہ سب کیا ہے۔“

”کیا مطلب لودھی... کیا کہنا چاہتے ہو؟“ دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

”تم نے یہ کیسے آدمی کی سفارش کی تھی... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔“

”میں نے کیسے آدمی کی سفارش کی تھی... اور تمہیں مجھ سے یہ امید نہیں تھی... میں سمجھا نہیں... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میں اس مہمان کی بات کر رہا ہوں... جن کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ وہ ادھر آرہے ہیں... چند گھنٹے تمہارے پاس ٹھہریں گے۔“

”مگر یار میں نے جنہیں کوئی فون دون نہیں کیا تھا... میری تو تم سے کئی ماہ بعد بات ہو رہی ہے۔“

”کیا!!!“ خاور لودھی زور سے چلائے۔

”ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں... تم نے مجھے نہیں فون کیا تھا۔“

... نہ کسی کو تمہاری طرف اصرار مہمان کی بات کی تھی۔

”یہ غلط ہے... تم نے مجھے فون کیا تھا۔“

آیا تھا... تمہارا نام آیا تھا... تم نے کہا تھا... سچا ایک دوست اس

طرف آرہا ہے... وہ چند گھنٹے کے لیے تمہارے پاس مہمان ٹھہرے گا۔

میں نے کہا تھا... ٹھیک ہے... بسم اللہ! ان پھر وہ مہمان میرے گھر آئے گا۔“

”کیا!!!“

اس بار چلانے کی ہاری فاضل کرمانی کی تھی... اب تو ادھر

کی اور ادھر فاضل کرمانی کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حرکت آگئی۔

☆☆☆☆☆

## دوسرا پہلو

کچھ دیر تک دونوں طرف خاموشی طاری رہی، پھر فاضل کرمانی کی آواز سنائی دی...

"میرے دوست خاور! یہ سچ ہے... میں نے تمہیں کوئی فون نہیں

کیا تھا۔"

"تب... تب پھر فون کس نے کیا... اور کیا بھی تمہارے خیر سے... یہ کیسے ممکن ہے۔" خاور لودھی نے کہا۔

"یہ اس طرح ممکن ہے کہ میرا موبائل کسی نے اڑا لیا تھا... میں نے اسی روز نیا موبائل خریدا تھا اور اپنی نئی سم نکلائی تھی... گویا جس شخص نے موبائل اڑایا... اسی نے فون کیا تھا... اور شاید وہ آواز جسے کاناہر تھا... یا پھر تم نے آواز کی طرف دھیان نہیں دیا ہو گا۔"

"یہ بات نہیں... آواز بالکل تمہاری تھی۔"

"تب پھر اس شخص نے میری آواز میں تم سے بات کی تھی۔"

لیکن آخر کیوں... وہ اُٹھ کر آیا تھا... تم کہتے ہو... تمہارے گھر میں کوئی بدلتا کی ہے۔"

"یہ اس معاملے کا دوسرا حیرت انگیز پہلو ہے۔" خاور نے کھوٹے کھوٹے انداز میں کہا۔

"دوسرا حیرت انگیز پہلو... کیا مطلب؟"

"وہ آیا تھا... میں اس وقت دفتر کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔"

وہ گھر میں آیا... اس نے میری بیگم اور بیٹا کو کسی سے بانٹ دیا۔"

"کیا!!!" مارے خوف کے فاضل کرمانی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں کرمانی... باندھنے کے بعد وہ میرے گھر میں ایک گھنٹہ

بٹھرا رہا... اور ایک گھنٹے تک وہ کیا کرتا رہا... ہم یہ بات ابھی تک معلوم نہیں کر سکے۔"

"کیا!!!" فاضل چیخا۔

"ہاں... ہمیں نہیں معلوم... اس نے گھر میں وہ کر کیا کیا۔"

گھر کی کوئی چیز غائب نہیں ہے۔"

"لیکن وہ بلا وجہ تو ایک گھنٹے تک گھر میں نہیں رہا ہو گا۔ اس

نے ضرور کوئی کارروائی کی ہو گی۔ میری مانو... فوراً پولیس کی مدد



کے عالم میں کہا۔

”تب پھر... موٹر سائیکل کون لائے گا۔ انہیں جگہ ہی جگہ جانا ہو گا۔ لیکن آپ فکر کریں۔ میں اتنا بھی زخمی نہیں ہوں رکشے میں بیٹھ کر وہاں جاچ ہوں۔ ان شاء اللہ جلد ہی موٹر سائیکل لے آؤں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

خاور لودھی نے گھر سے نکل کر ایک رکشہ پکڑا اور اس جگہ پہنچا گیا۔ جہاں وہ کار کی گھر سے گرا تھا۔ موٹر سائیکل اسے ایک دکان کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔ وہ سیدھا اس کی طرف چلا گیا۔

”بھائی صاحب! یہ موٹر سائیکل میری ہے۔ ایک کار نے مجھے گھر دے ماری تھی۔ میں زخمی ہو گیا تھا۔ کار والا مجھے ہسپتال لے گیا تھا۔ لہذا اب میں اپنی موٹر سائیکل لے جانے کے لیے آیا ہوں۔“

”ضرور کیوں نہیں۔ آپ کی چیز ہے۔ آپ نہیں لے جائیں گے تو اور کون لے جائے گا۔ اس پاس کے سب لوگوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ میں نے بھی آپ کو دیکھا تھا۔ آپ وہی ہیں۔“

”شکریہ اہستہ بہت۔“

یہ کہہ کر وہ موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا۔ جلد ہی وہ گھر کی

موصول کر۔ یہ ضرور کوئی چکر ہے۔“ فاضل کرمانی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”مجھ جیسے معمولی آدمی کے معاملے میں پولیس کہاں دلچسپی لے گی۔ ان ہمیں پریشان کرے گی۔ ہمارے لیے یہی بہت ہے کہ کوئی تمام چیزیں موجود ہیں اور بس۔“

”لیکن ایک مدت تک ذہنوں میں یہ سوال گونجتا رہے گا۔ نامعلوم شخص کون تھا۔ کیا کرنے آیا تھا۔“

”گو مجھے وہ... پولیس کی پریشانی سے یہ سوال بہتر ہے۔“

”اچھا جیسے تمہاری مرضی...“ یہ کہتے ہوئے دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

خاور لودھی نے اپنی بیوی اور بیٹی کی طرف دیکھا۔

”اوہ میں بھول گیا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

”آپ بھول گئے... لیکن کیا۔“ نادیا نے حیران ہو کر کہا۔

”اپنی موٹر سائیکل۔ وہ وہیں ہو گی۔ کسی نے ایک طرف کھڑی کر دی ہو گی۔ اور کسی دکان دار کو اس کا خیال رکھنے کے لیے کہہ دیا ہو گا۔ لہذا مجھے جا کر موٹر سائیکل تو لانا ہو گی۔“

”لیکن ابھی آپ کی چوٹ تازہ ہے۔“ بیگم لودھی نے پریشان

ضرور رہو گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر سے الیہ اول سے (مکمل)  
ہیں۔

”من نہیں۔“ بات طرف کے حکم اور دیکھ کے کہ وہ  
وہ تکیں چینی چینی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھے۔  
”اب... اب کیا ہو گا۔“

”ہاں کچھ نہیں ہو گا۔ ہم اس خط پر عمل کریں گے۔ انکسپری  
ہیلم... ہم قریب لوگ ہیں... اور یہ معاملہ ہے بہت سبب و سبب  
اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کار مجھ سے تعلق ہے  
بھی اس منصوبے میں شامل تھی۔ یعنی کار کا کمرہ کر مجھے ہسپتال پہنچاتا  
تاکہ میں گھر نہ پہنچ سکوں... ورنہ اگر میں دفتر ہوتا اور طبیعت مسلم  
کرنے کے لیے آپ کو فون کرتا تو موبائل بند پا کر میں گھر کی طرف  
دوڑ پڑتا... اور اس طرح اس شخص کے کام میں خلل نہ ہو سکتا تھا۔ اس  
لیے انہوں نے سوچا، مجھے زخمی کر کے خود ہی ہسپتال پہنچا دیں۔“  
”اوہ... آپ کی بات دل کو لگتی ہے او۔“

”سوال یہ ہے کہ آپ کے دوست فاضل کرماتی نے اس شخص کی  
سفارش کیوں کی۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے... اسے کسی جی کی حوصلہ دہی...

طرف اور رہا تھا۔ ایسے میں اس کی فکر ایک تہہ کیے کاغذ کا پتلی  
کاغذ پتلی میں پھنسا دیا گیا تھا۔

اس نے تہہ الٹا ہو کر اس کاغذ کی طرف دیکھا... کاغذ اس نے  
وہاں نہیں لگایا تھا... پھر یہ کیسا کاغذ ہے... وہ سوچتا رہا... اور چلتا رہا  
آخر گھر پہنچ گیا... موٹر سائیکل گھر کے اندر کھڑی کر کے اس نے  
وہ کاغذ نکالا اور اسے کھول ڈالا...

”اللہ کا شکر ہے... موٹر سائیکل مل گئی...“ ہیلم لودھی کی آواز  
سنائی دی... وہ اسی طرف آ رہی تھیں۔

”ہاں ہیلم... اللہ کی مہربانی سے وہیں کھڑی تھی۔“

”یہ کاغذ کیسا ہے آپ کے ہاتھ میں۔“

”موٹر سائیکل میں لگا گیا کوئی... ابھی دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ کی تہیں کھول ڈالی تھیں... انہوں نے  
دیکھا... وہ ایک خط تھا... خاور لودھی کے نام... خط میں لکھا گیا تھا۔  
”مسٹر خاور لودھی۔“

اس معاملے میں خاموشی اختیار کر لو... اسی میں تمہاری بھلائی  
ہے... اس سلسلے میں اگر تم نے کرید کی... کسی سے اس واقعے کا ذکر  
کیا تو تمہارے ہاتھ تو کچھ نہیں آئے گا، البتہ بہت بڑے نقصان ہو



جج کی جالی تھی یہ ہم کس جانتے۔ اسے وہ ججز مل گئی یا نہیں  
اس بارے میں بھی ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔  
میں نے فریجھوڑیوں۔ اچھن ریتی ہے تو رہے۔ اب ہم /  
کی کیا تھے ہیں۔ اسلم لودھی لے برا سامنہ بنا کر کہا۔  
"میں رستم۔ کہا؟ گائیں۔ بہت بھوک محسوس ہو رہی  
ہے۔"

"اگرے دن اتر جائے سے پہلے خاور لودھی اخبار دیکھ رہا تو کہ  
ایک خرنے اسے بری طرح چوٹا دیا۔ اس کی پیشانی پر تین پڑ گئے  
خبر پڑھی

شہر میں ایک انوکھی ادارات

شہر کے ایک شخص جو احسن کے گھر میں ایک شخص سہا  
غیر اس نے رات کے وقت گھر کے افراد کو رسیوں سے باندھ  
دیا اور خود اپنے کسی کام میں مصروف ہو گیا۔ پھر وہ گھر سے  
بھاگ گیا۔ صبح خاور کام کرتے کے لیے آئی تو گھر کا دروازہ کھولا  
نہ تھا۔ اندر داخل ہونے پر اس نے گھر کے افراد کو رسیوں  
سے باندھا پلا۔ اس نے اس سب کو کھولا۔ گھر کے افراد  
نے سارے گھر کی جالی لی۔ لیکن کوئی جج نہیں چھالی گئی تھی

تمام ججز ہیں جن کی توں سولہ تھی۔ خود پانچ بھائی تھے  
تھیں بھائی کیا تھا۔ گھر والوں کو یہ خبر سننے سے اچھا لگا  
نہ تھا۔ پہلے اس کی طرف کسی کا سہا نہیں لیا تھا لیکن  
جب اس کو کو چھوٹا کیا تو اس میں کھانا تھا۔ اس نے اپنے  
کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا۔ وہ دن اچھا نہیں تھا۔ تھیں پھر لگا  
بعد میں ملا تھا۔ اس لیے توہر باور چھل گئی تھی۔ اس کے گھر  
ایک اخبار کی بارہ نگار رہتا ہے۔ اسے رستم معلوم ہوتا تو اس  
نے فوراً خبر المباد میں لگا دی۔ توگ اب جھمکے ہیں کہ اس  
یہ واردات کیوں کی گئی۔ اس کا مقصد کیا تھا  
خبر پڑھ کر خاور لودھی کے حیرت سے لگیں بھٹکیں۔ کہ اس

نے اپنی رستم لاد بچی سے کہا۔

"وہا یہ خبر پڑھیں۔"

"کولی خاص خبر ہے۔" وہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"جانی بہت خاص۔" اس نے کھولے کھولے کہا۔

"وہوں خبر پڑھ گئے۔" وہوں نے چلتے چلتے کہا۔  
کی آنکھیں رات بھر خوف کے گھٹتی جا رہی تھیں۔ اس کو  
کر کے رستم لودھی نے کہا۔

"میرا خیال ہے... یہ ایک ہی کردار کا کام ہے... اور وہ کسی خاص چیز کی مثال میں ہے... اور میرا یہ بھی خیال ہے... جو کہ ہے وہ ہمارے گھر سے وہ چیز لے لیا ہو... لیکن ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ کیا چیز ہے... مہربانی کر کے آپ اپنی چیزوں کا ایک بار پھر جائزہ لے لیں... ہم اپنی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ ایک بار پھر چیزوں کو دیکھنے لگے... ایک ایک کر کے انہوں نے ہر چیز کو دیکھ لیا، لیکن... کوئی ایسی چیز یا نوٹ آسکی... جس کے بارے میں کہا جاسکتا کہ وہ غائب ہے... تھک ہار کر خاورِ اودھی لے گیا۔

"نہیں... میری کوئی چیز غائب نہیں۔"

"میں ایک ترتیب بتا سکتی ہوں... اس طرح شاید ہم جان لیں کہ کیا چیز غائب ہے۔"

"اور وہ کیا۔"

"انپکڑ ہیشیہ کے بچے۔"

"کیا کہا... انپکڑ ہیشیہ کے بچے؟" مارے حیرت کے خاورِ اودھی

"وہ ان کی جگہ کے منہ سے نکلا۔"

"ان انپکڑ ہیشیہ کے بچے... اگر ہم حیرت سے انہیں لے لیں تو وہ بہت ہلکا یہ بات معلوم کر لیں گے کہ کیا چیز غائب ہے۔" لیکن ہمارے ہم انہیں کیسے دے سکتے ہیں... اور وہ کون سے بچے کوئی دوا سے غائب ہیں کہ دوسرے ہم انہیں کون سے دوا سے آجائیں۔"

"وہ بالکل آجائیں گے۔" ہاں یہ سب سچیں باتیں ہیں۔

"اور تم یہ بات اسے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں ان کے بارے میں اخبار میں پڑھتی ہوں... وہ ان قسم کے کاموں سے ماہر ہیں... غریبوں کے صحت ہیں... کوئی غریب سے غریب آدمی بھی انہیں دوا کے لیے پکارے تو وہ اس کی مدد کر دیتے ہیں۔"

"لیکن تاویہ... اس کا معلوم کھس نے ہمیں چھٹی دے چکی ہے۔"

"اب یہ بات یاد نہیں رہی... دوسری جگہ کی دوا کے لئے یہ بات ظاہر کر رہی ہے... لہذا ہمارے پیپا نے اسے کوئی کام نہیں ہو گا... دوسرے یہ کہ ہم انہیں فیہ حور پر لائیں گے... پتے ہی ساری بات سمجھا دیں گے۔"



## جال

نادیہ نے فوراً کہا۔

”ایک سلام! میرا نام نادیہ ہے۔ نادیہ لودھی۔ آپ کیجیے  
جشید کے گھر سے بات کرو، ہے جی۔“

”جی ہاں! محمود بات کر رہا ہوں۔ فرمائیے۔“

”وہ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ایک گریب و غریب

معاملہ پیش آیا ہے۔ ہمیں کچھ بھائی نہیں دے رہا کہ ہم کیا کریں

سوچ سوچ کر آپ لوگوں کا خیال ذہن میں آیا ہے۔ کیا آپ کو کوئی

مدد کریں گے۔۔۔ یہ میں پہلے ہی بتا دوں کہ ہم لوگ بہت غریب ہیں۔“

”ہم دوسروں کی مدد اس بنیاد پر نہیں کرتے کہ وہ غریب ہے یا

امیر۔ آپ بات بتائیں۔ اگر معاملہ ایسا ہو کہ ہمیں اس کو جیل خانہ

میں لینا چاہیے تو ضرور ایسا کریں گے، ورنہ آپ کو کوئی مسئلہ نہیں تو

دے ہی سکیں گے۔“

”لو، فون نمبر کیسے حاصل کریں؟“ خاور لودھی نے کہا۔

”سیر سے پاس ان کے گھر کا نمبر ہے۔ ایک بار اخبار کی فز

میں نمبر شائع ہوا تھا۔ میں نے اپنی فائری میں نوٹ کر لیا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ پھر تم خود ہی فون کرو۔“ خاور نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں انسپکٹر جشید صاحب سے تو بات

کروں گی بھی نہیں۔ ان کے بچوں سے بات کروں گی۔ اگر انہیں

نے مناسب جانا تو اپنے والد سے بات کریں گے۔۔۔ ورنہ ہمیں کوئی

نقصان نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ نادیہ۔۔۔ تم فون کرو۔“ نیگم لودھی نے فوراً

کہا۔

اور پھر نادیہ نے نمبر ملا ڈالے۔۔۔ دوسری طرف کھنٹی بجتی سنائی

دی۔۔۔ پھر ریسور اٹھا کر کہا گیا۔

”اسلام علیکم۔۔۔ فرمائیے۔“

☆☆☆☆

کر لیں۔ اور کسی کے لیے بھی دروازہ نہ کھولیں۔ ہم تو اسے نہ صرف  
 ہلاک سے لیے دروازہ کھولیں۔ آپ ہمیں بھی تو چھوڑیں۔  
 "اخبارات میں آپ کی تصاویر دیکھتی رہتی ہوں۔"  
 "بس ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ بعد دوبارہ آؤں گا۔"  
 ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ وہی بات جسے  
 بوجھ اور ان کی ٹیم میں ہی چلی تھی۔ لہذا اب اس کے پس منظر  
 کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ آخر پانچ منٹ بعد موبائل کی گھنٹی  
 بجی۔ نادیا نے دیکھا، فہم اسلم جھید ہی کا تھا۔ اس نے فہم کو ہاتھ  
 آن لیا۔

"نادیا بات کر رہی ہوں۔"

"ہم نے خبر پڑھ لی ہے۔ معاملہ پر سو رہے ہیں۔ ہم آپ  
 کے ہاں آ رہے ہیں۔ جب ہم دستک دیں تو پہلے آپ کی گھر سے  
 باہر چھت پر جا کر ہمیں دیکھ لیں۔ ہم دونوں بھائی بہن کے ساتھ  
 نظر آئیں تو دروازہ کھولیں۔ ورنہ ہرگز نہ کھولیں۔"  
 "جی اچھا! جی! آپ ذرا جلدی آنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ  
 ہم بہت خوف محسوس کر رہے ہیں۔"

"اللہ کو یاد کریں۔ اہل حفاظت کر لے گا۔"

"بہت بہت شکریہ! آپ نے میری الجھن رفع کر دی۔ اب  
 میں بے سہارا ہو کر اپنی بات بتا سکتی ہوں۔"  
 "بالکل ٹھیک۔ بات بتائیں۔"

نادیا نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات بتا دی۔ آخر  
 میں اس نے یہ بھی کہا۔

"لیکن آپ لوگ اگر ہمارے گھر آئیں تو خفیہ طور پر آئیں۔  
 گھنٹیں ایسا نہ ہو کہ ہم مصیبت میں پھنس جائیں۔ اور یہ بھی بتا دوں۔  
 شہر میں بالکل ایسی ہی ایک اور واردات بھی ہو چکی ہے۔"

"اوہو اچھا۔ وہ کہاں۔ اور آپ کو کیسے معلوم ہوئی یہ

بات۔"

"آپ آج کے روزنامہ امن میں دیکھ لیں۔ اس کے پہلے  
 صفحے پر خبر موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم پہلے وہ خبر ہی پڑھ کر دیکھ لیتے ہیں۔ پھر  
 آپ نوٹوں پر بتائیں گے کہ اب ہم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔  
 کیونکہ اسے کا ارادہ ہے بھی یا نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ! ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ دیے اٹھائیں! آپ دروازے اندر سے بند



"السلام علیکم۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"علیکم السلام! فکر یہ ہے۔ آپ نے اسے لے لیا ہے۔"

خاور لودھی اور اس کی ٹیم کی تواریخیں ابھریں۔

"یہ تو تمہارا فرض ہے۔ اب آپ کو فکر نہ کرنے کی ضرورت

نہیں، اگر ہم نے محسوس کیا کہ آپ لوگوں کو یہاں خطرہ ہے۔ تو ہم

آپ کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیں گے۔"

"الہل۔۔۔ لیکن مجھے تو دفتر جانا ہوتا ہے۔" پانچویں اندر نے

بھلا وہ مجھے کتنے دن کی چھٹی دے دیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ کام ایک آدمی دن کا ہے۔ ہم غلام کو

گرفتار کر لیں گے اور یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ یہ پکار کیا ہے۔ اب

ذرا ہم تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ وہی نہیں ہوں نہ ہمیں یہ نکل

ہیں۔ لیکن ایک بار اور بتا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ لوگ بیٹھ جائیں۔ سکور لودھی نے

کہا۔

اب وہ کمرے میں موجود کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باقی نے ہمارے

ساری تفصیل سنائی۔

"ہوں۔ وہ کاندھ کہاں ہے۔ جس پر پیغام لکھا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

فون بند کر دیا گیا۔۔۔ میں منت بعد ان کے دروازے پر دستک

ہولی۔ تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"جاؤ جی! پہلے چست پر سے دیکھ آؤ۔" خاور لودھی نے فکر مندانہ

انداز میں کہا۔

"جی ٹھیک ہے۔"

وہ فوراً اوپر چلی اور نیچے آگئی۔

"لو۔۔۔ یہ وہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ بسم اللہ پڑھ کر دروازہ کھول دو۔" اس کی

والدہ نے کہا۔

اور پھر نادیہ نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ تینوں اندر آگئے۔ انہوں

نے فوراً ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"السلام علیکم۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"علیکم السلام۔"

"تو آپ نادیہ ہیں۔"

"جی۔۔۔ انو انی اندر ہیں۔۔۔ آئیے۔"

وہ انہیں اندر وئی کمرے میں لے آئی۔

شاہد وہی نے کاغذ نہیں اسے دیا، تینوں نے اس کو دیکھا۔  
 سے دیکھا۔ انہوں نے اس کاغذ کو سوکھا بھی۔ یہ دیکھ کر گھر کے  
 تینوں افراد کو بہت حیرت ہوئی۔

”یہ کیا... آپ اس کاغذ کو سوکھ رہے ہیں۔“

”ہاں! اس سے خوشبو آرہی ہے، جس شخص نے یہ تحریر لکھی  
 اس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔“

”اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اور یہ خوشبو کوئی عام خوشبو نہیں... خاص قسم کی ہے... اس کا  
 مطلب ہے... وہ شخص خوشبو کا بہت شوقین ہے... عام خوشبو لگانا پتہ  
 نہیں کرتا... اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ وہ کافی دولت مند ہے۔  
 خیر یہ کاغذ ہم رکھ رہے ہیں... ہمارے کام آئے گا... کیا آپ انوار  
 لگا پائے ہیں کہ آپ لوگوں کو باندھ کر وہ کس کمرے میں گیا تھا“

”جی نہیں... بعد میں ہم نے تینوں کمرے دیکھے تھے... کسی  
 کمرے میں کوئی چیز ادھر سے ادھر نظر نہیں آئی تھی... مطلب یہ کہ ہر  
 چیز اپنی جگہ پر تھی... لہذا ہم کیسے جان سکتے تھے کہ اس نے ایک کھانا  
 کس کمرے میں گزارا... یا اس نے کیا کیا۔“

”ہوں... خیر... ہم دیکھ لیں گے... آپ لوگ یہیں بیٹھیں

... ہم ہمارے گھر کا پتہ دے کر یہاں آجائیں گے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

اب انہوں نے پورے گھر کا جائزہ لیا۔ کچن کھنکھاتی تھی  
 نظر نہ آئی جس سے وہ کوئی خیر کمال نکلتے۔ آخر کتب خانہ میں اس  
 کمرے میں آئے۔

”ہم کوئی خاص چیز جانیں نہیں کر سکتے... جی نہیں اس سے  
 بارے میں تو آپ جانتے ہیں۔“ گھبراہٹ سے کہا۔  
 ”جی... کس چیز کے بارے میں۔“

”جو چیز وہ لے گیا ہے۔“

”کیا مطلب... کیا یہ ضروری ہے کہ وہ کوئی چیز لے گیا  
 ہے۔“

”ضروری نہیں... امکان اسی بات کا ہے... آپ ایک بار کچر  
 اپنی اپنی چیزوں کا جائزہ لیں... خوب غور کریں... ہم وہاں پہچان  
 رہے ہیں... وہاں سے ہم اس کا ردالے کا نام نہ معلوم کریں گے  
 اس سے ضرور اس شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے گا...  
 یہاں آیا تھا... کیونکہ وہ وہاں ساکھیں نکلتے ہیں... اسے تو آپ کے  
 خوف کا معاملہ... فی الحال ہم یہاں ایک ساوا لہاں والے شخص کی



ڈیوٹی لگوا دیتے ہیں۔ وہ آپ کے گھر کے بالکل نزدیک رہ کر گولی  
کرے گا۔ کوئی اس طرف آیا تو فوراً ہمیں فون کرے گا۔ اور خود  
بھی آپ کی حفاظت کے سلسلے میں حرکت میں آئے گا۔ وہ عام پولیس  
والا نہیں ہو گا۔ خفیہ پولیس کا آدمی ہو گا۔

”اچھی بات ہے۔ آپ کا شکریہ۔“

محمود نے اکرام کے تہہ ملائے۔ صورت حال اسے بتائی  
خاور لودھی کے گھر کا پتا فوٹ کرایا اور پھر کہا۔

”یہاں ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دیں۔ ہم ابھی یہیں ہیں۔  
جب آپ کا آدمی آجائے گا۔ تب جائیں گے۔ کیونکہ یہ بلی  
خوف محسوس کر رہے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ اکرام نے فوراً کہا۔

جلد ہی اس کا بھیجا ہوا آدمی وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے خود بھی  
بدلیات دیں۔ اور گھر کے افراد کو بے فکر رہنے کا کہتے ہوئے باہر  
آگے۔ اب وہ ہسپتال پہنچے۔ خاور لودھی سے انہوں نے وارڈ نمبر  
معلوم کر لیا تھا۔ اس وارڈ کی نرس کا حلیہ بھی وہ پوچھ چکے تھے، لہذا  
نرس تک پہنچنے میں انہیں کوئی وقت نہ ہوئی۔ اپنا تعارف کرانے کے  
بعد محمود نے کہا۔

”تین چار گھنٹے پہلے ایک رٹھی کا ایک کارڈ ملے گا۔ آگے  
رٹھی کا نام خاور لودھی ہے۔ آپ نے اس کارڈ کے نام پر تو شرط  
نوٹ کیا ہو گا۔“

”بالکل! یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے۔ نام پتا کئے بغیر ہم یہاں  
سے کسی کو نہیں جانے دیتے۔“

”شکریہ! آپ ہمیں ان کا نام پتا اور فون نمبر دے دیں۔“  
پتا دے دیا۔ لے کر وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔  
تاز کا کوئی تلاش کرنے میں انہیں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ دھک سے  
جواب میں ایک ملازم باہر نکلا۔  
”فیروز خان ہیں۔“

”فیروز خان۔۔۔ یہاں تو کوئی فیروز خان نہیں رہتے۔“  
”کیا کہا۔۔۔ یہاں کوئی فیروز خان نہیں رہتے۔ یہ گل تاز کا کوئی  
ہے نا۔۔۔ اور اس کو بھی کا نمبر 9 ہے۔“

”جی بالکل ہے۔ لیکن یہاں فیروز خان نامی شخص نہیں رہتا۔“  
”اوہ۔۔۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔“

”آپ ایک منٹ یہیں ٹھہریں۔ ہم فوراً فون پر پھر سے پوچھ  
ہیں۔“

”یہ مناجاتی گویا میری جیبت سے نکلتی ہے۔“  
 ”کیا؟“ ”جیبت کے لٹکے ہوئے ایک سادہ لکھا۔  
 اور ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ معاملہ یہ ہے کہ سرور سے  
 پر اسرار ہونا چلا جا رہا تھا۔

~~~~~

وہ آتے ہوئے اس زس کا نمبر لے آئے تھے۔ انہوں نے  
 کا نمبر ملایا۔ اس کی آواز سن کر انہوں نے اسے بتایا کہ تعویذ  
 پہلے ہی وہ کارڈ والے شخص کا نام پتا لکھ کر لائے تھے۔ لیکن اس نے  
 پر اس نام کا شخص نہیں رہتا۔

”ادبہو اچھا۔۔۔ یہ تو عجیب بات ہو گئی۔“

”کیا آپ نے اس کا شناختی کارڈ نمبر لکھا تھا۔“

”جی ہاں لکھا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ آپ ہمیں وہ نمبر لکھو اور میں۔۔۔ کیونکہ لٹا۔

۔۔۔ اس نے پتا غلط لکھوایا تھا۔“

”جی لکھ لیں۔“

پھر نوٹ کر کے انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور سلسلہ کا

دیا۔۔۔ اب انہوں نے اکرام کا نمبر ملایا۔

”انکل۔۔۔ ایک شناختی کارڈ نمبر نوٹ کر لیں۔۔۔ اس شخص کا

بارے میں فوری طور پر معلومات درکار ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ نمبر بتاؤ۔“

محمود نے نمبر بتا دیا۔۔۔ ملازم کا شکریہ ادا کیا اور اپنی کار

آہٹے۔۔۔ جلد ہی اکرام کا فون موصول ہوا، وہ کہہ رہا تھا



## ایک اور

چند لمحے تک وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر  
کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

"یہ کیا بات ہوئی... یعنی وہ کار والا باقاعدہ اس منصوبے کا  
تھا۔"

"اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے... خاور لودھی کو جان بوجھ کر  
رکھی کیا تھا تاکہ وہ اس پر اسرار مہمان کے ہوتے ہوئے گھر نہ چلا جاسا  
۔ اس نے خود ہی اسے ہسپتال تک پہنچایا۔ دراصل وہ اتنا دقت  
کن کر رہا ہے تھے کہ مہمان خاور لودھی کے مکان میں اپنا کام کر لے  
جاسا۔ یہ سب... ساتھ ہی انہوں نے یہ انتظام بھی پہلے ہی کر لیا  
کہ کار والا بھی نہ پائے۔ لہذا اس کے پاس پہلی شناختی کارڈ  
اس ساری صورت حال کا مطلب یہ ہے کہ اس منصوبے پر جو کام  
کام کر رہے ہیں وہ برائے نام کی دنیا میں سے نہیں ہیں... یہ تو ہم

سمجھ کر اٹھا رہے ہیں۔ تاکہ محفوظ رہیں۔ میں اور اپنا کام بھی کر  
گزر رہیں۔" فرزانہ ہنسی چلی گئی۔

"چلو یہ تو ٹھیک ہے۔ سوال پھر وہی سامنے آگیا۔ وہ  
یہ لوگ چاہتے کیا ہیں... خاور لودھی کے گھر میں ایک گھنٹہ تک وہ  
کیا کرتے رہے ہیں۔" فرزانہ نے منہ دکھایا۔

"ہم نے خاور لودھی کے گھر کو بہت اچھی طرح دیکھا تھا۔  
لیکن ہم یہ نہیں جانتے تھے۔ اب اس کا اصل صرف ایک ہے۔ ہم  
اس دوسرے گھر کو بھی دیکھ لیں۔ وہاں بھی بالکل ایسی ہی واردات  
ہوئی ہے۔۔۔ بلکہ وہ واردات تو اخبار میں بھی آگئی ہے۔"

"اوہ ہاں! اخبار میں اس گھر کے مالک کا نام اور پتا بھی آگیا  
ہے۔۔۔ آؤ چلیں۔ نام ہے جواد احسن۔ اور پتا ہے۔۔۔ منصور ٹاؤن  
309۔"

وہ اسی وقت اپنی کار میں منصور ٹاؤن کی طرف روانہ ہوئے۔  
انہیں وہاں مکان نمبر 309 تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔  
عمود نے آگے بڑھ کر دھجک دلی۔ نورانی دروازہ کھلا۔ ایک دروازہ  
پر آگئی باہر نکلا۔

"ہاں ہاں... کیا بات ہے۔" اس نے اس کے ساتھ ساتھ آگے

میں کیا۔

"ان اخبار میں آپ کے گھر سے متعلق ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ یہ کہ ایک شخص مہمان بن کر آپ کے گھر میں آیا تھا۔ ایک آدمی گھنٹے تک وہ گھر میں رہا اور کچھ کرتا رہا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا کرتا رہا۔ پھر وہ چلا گیا۔ جانتے وقت اس نے جسم کی ضرورت تھی کہ اس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ذکر باہر نکل گیا۔ بہر حال اس کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔" محمود کہتا چلا گیا۔ پھر ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے کہا۔

"آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے گھر کے اندر رہ کر کیا کیا تھا۔"

"جی نہیں! ہم سر توڑ کوشش کر کے بھی یہ بات معلوم نہیں کر سکے کہ گھر کی کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے۔ کسی چیز کو ہلانے جلانے کے بھی آثار نہیں ہیں۔ مگر آپ کون ہیں، اور ان سوالات سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"جی لادے نام گھر۔" کوئی اور لڑکا ہے۔ آپ سے پہلے بھی لڑکیاں اس بات پر غور کرتی تھیں کہ وہ لڑکی ہے اور ہم چراغ لگا رہے ہیں کہ وہ لڑکی ہے، لڑکا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور ہوا تو آپ لوگ اپنا جوشیہ کے سنے ہیں۔"

"جی ہاں! اب آپ بتائیں کہ گھر میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی آپ کو۔ یا کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل گئی تھی؟"

"میں نے پہلے بھی بتایا کہ ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔"

"تب پھر وہ ایک گھنٹے تک کیا کرتا رہا؟"

"اس بات پر تو ہمیں بھی حیرت ہے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے گھر کا نمونہ سے جائزہ لے لیں۔ شاید ہم جان لیں کہ وہ کیا چیز لے گیا ہے۔ یا وہ کیوں لے گیا تھا۔"

"ضرور کریں۔ ہم تو خود الجھن میں ہیں۔ اور جاننا چاہتے ہیں۔ کہ یہ پتھر کیا ہے۔"

"بس تو پھر ہم گھر کا جائزہ لے رہے ہیں۔ آپ چاہیں تو جارتے ساتھ رہیں یا آرام کریں۔ ہم اپنا کام کر لیں گے۔ آپ اپنے گھر کے افراد کو یہ بات بتائیں۔"

"آپ لگ نہ کریں۔ آزادانہ انداز میں اپنا کام کریں۔ آپ کے کام میں کوئی شخص رکاوٹ نہیں بنے گا۔"

"بہت بہت شکریہ!"



”معاذ چارہاں ہے۔ تین تھوڑا لیاں ہے۔ قرآن لکھا  
تو تینوں کی۔“

”جی۔ کیا مطلب۔“ تینوں نے یہ تک کہہ دیا۔

”وہ شخص ہاں وہ خاور لودھی کے گھر میں ایک گھنٹہ نہیں رہا۔“

اس نے وہاں کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کی ہے۔ باہر وہ گھر کی جہ

چنے لے گیا ہے۔ گھر والوں کو وہ چنے یاد نہیں آ رہی۔ ہم انہیں اس

روز یاد آئے گی جب اس چنے کی ضرورت پڑے گی۔ تو ہمیں۔“

انہوں نے اچانک کہا۔

”جی۔ کیا فرمایا۔۔۔ تو چلیں۔۔۔ کہاں چلیں۔“

”خاور لودھی کے ہاں اور پھر جوہر احسن کے ہاں۔ ان شاء

اللہ میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ کیا کرنے کے لیے آیا تھا۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہو جائے گی۔ اگر آپ یہ بات معلوم کر

لیں۔“

”ان شاء اللہ!“ انہوں نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ خاور لودھی کی کوٹھی پہنچ گئے۔ دستک کے جواب میں

فورا ہی دروازہ کھلا۔ خاور لودھی کی صورت نظر آئی۔ انہوں نے محسوس

کہ فاروقی اور فرزانہ پر نظر پڑتے ہی کہا۔

انہوں نے بہت غور سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا۔ لیکن کوئی  
بات معلوم نہ کر سکے۔ آخر وہ مایوس ہو کر جوہر احسن کے پاس آئے۔

”فسوس! ہم کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے۔ اگر آپ کو کوئی بات  
معلوم ہو جائے تو ہمیں ضرور بتائیے گا۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ اپنا موبائل نمبر لکھوا دیں۔“

”نہیک ہے۔“

وہ باہر نکل آئے۔ تینوں چپ چپ تھے۔ کیونکہ وہ ابھی تک

کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ اس حالت میں گھر پہنچے۔ ان

کے والد دفتر سے آچکے تھے۔ ان کے لٹکے ہوئے چہرے دیکھ کر ہنس

پڑے۔

”لگتا ہے۔ تمہاری ساری سرائی سانی دھری کی دھری رہی گی

ہے۔“

”آپ کا اندازہ بالکل نہیک ہے ابا جان۔“

”معاذ ہے کیا۔ مجھے تفصیل سناؤ۔ شاید میں تم لوگوں کی کچھ

بھی کر سکوں۔“

”جی ایسا!“ انہوں نے کہا اور تفصیل بتا دی۔ لیکن جیسے فوراً

سے سننے لگے۔ پھر ان کے غصہ کی دھڑکی انہوں نے کہا۔

”اوہ! آپ ہیں۔“

”بلکہ ہمارے والدہ ساتھ ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”اوہ اچھا! السلام علیکم۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا اور ان سے ہاتھ

مٹایا۔ پھر انہوں نے کہا۔

”یہاں پیش آنے والے واقعے کا پتا چلا۔۔ اس میں عجیب ترین

بات یہ ہے کہ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شخص یہاں کیا کرنے

کے لیے آیا تھا۔“

”جی ہاں! اس پر ہم سب کو حیرت ہے۔“

”یہ تینوں اگرچہ آپ کے گھر کا اچھی طرح جائزہ لے چکے ہیں

لیکن میں بھی اپنے طور دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ دراصل ہم سب یہ

جاننے کے لیے بے چین ہیں کہ ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے۔۔۔ وہ کیا

کرنا چاہتے ہیں۔۔ اور ابھی تک ہم یہ بات معلوم نہیں کر سکے۔“

”شوق سے مکان کا جائزہ لے لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اب انہوں نے ان تینوں سے ہاتھ ایک ایک کمرے کا جائزہ

لیا۔ ایک کمرے کا اندازہ دیکھ کر انہوں نے لنگر آیا۔ شوق ان کے دروازے

پر تالیاں تھپتھپاتی تھیں۔

”اس کمرے میں کیا ہے۔“

”اس میں۔۔ اس میں یہی کتابیں تھیں۔“ مجھے کتابیں دیکھ کر

اور پڑھنے کا بہت شوق ہے۔“

انہوں نے تینوں کی طرف دیکھا۔

”تم نے اس کمرے کو بھی دیکھا تھا۔“

”جی ہاں! لیکن کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔“

”کھول لے دروازہ! میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

خاور لودھی نے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے دیکھا۔ کمرے

میں تین طرف دیواروں کے ساتھ کتابوں کے ایک گلوے تھے۔

ان میں کتابیں ترتیب سے لگائی گئی تھیں اور ہر ایک ایک اور کمرے کی بھی

لاہیری بن گیا تھا۔

”اچھا شوق ہے۔ اور یہ شوق مجھے بھی ہے۔ لیکن میرا اور

آپ کا شوق مختلف ہو سکتا ہے۔۔۔ ہوا آپ کس قسم کی کتابیں پڑھنے کا

شوق رکھتے ہیں۔“

”میں عام طور پر سائنسی کتابیں پڑھتا ہوں۔ یا سائنسی حوالے

سائنسی ایجادات سے مجھے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔“



"ہاں... یہ شوق تو میرا بھی ہے... اس کے علاوہ میں اسلامی  
کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا بہت زیادہ شوقین ہوں... تحقیقاتی  
کتابیں پڑھتا ہوں... بہر حال آپ کی لائبریری دیکھ کر خوشی ہوئی  
کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں... وہ شخص آپ کی کوئی کتاب تو نہیں لے  
سکا۔"

"جی... کیا کہا۔" مارے حیرت کے خاور لودھی کے منہ سے  
نکلے۔

"ہاں! اس بات کا امکان ہے... مہربانی فرما کر آپ اپنی  
لائبریری کو چیک کر لیں۔"

"لیکن جناب! یہ تو سیکڑوں کتابیں ہیں... بھلا میں انہیں کس  
طرح چیک کر سکتا ہوں۔"

"کیا آپ نے ان کی کوئی فہرست نہیں بنائی... اس کے ذریعے  
تو چیک کرنا اتنا مشکل کام نہیں ہو گا... ہاں اس کام میں وقت ضرور  
لگ سکتا ہے۔"

"فہرست میرے پاس ہے... ان کتابوں کو اس ذریعے سے  
چیک بھی کیا جا سکتا ہے... لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیوں... کیا وہ شخص  
کوئی کتاب چرانے آیا تھا؟"

"ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے... اس بات کا امکان بہر حال ہے  
پہلے میں اس کمرے کو غور سے دیکھ لوں۔"

انہوں نے کہا اور تمام رکوں کا بہت بائیک بینی سے جائزہ لیتے  
گئے۔ انہوں نے کوئی ایک... ایک بھی دیکھ نہیں سکا۔

فاروق اور فرزانہ کا بہت برا حالی تھا۔ انہوں نے اس کمرے کا جائزہ  
ضرور لیا تھا، لیکن رکوں کو اس حد تک بائیک بینی سے نہیں دیکھا تھا۔  
دراصل یہ بات تو انہوں نے سوچنی ہی نہیں تھی کہ ان کے علاوہ شخص کوئی  
کتاب چرانے کے لیے بھی آ سکتا تھا۔ یہ خیال تو ان کے والد نے  
دایا تھا۔ ایسے میں انہوں نے اپنے والد کی توجہ نہ سنی  
۔۔۔ تم تینوں ذرا یہاں آنا۔"

انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... وہ ایک دیک سے  
جگے کھڑے تھے... تینوں تیزی سے ان کے نزدیک ہو گئے۔

"اس ریک کی کتابوں کو غور سے دیکھو... کیا کتابیں اپنی جگہ  
سے ہلی ہوئی نظر آتی ہیں... جیسے کوئی شخص ریک سے کتابیں نکالتا ہے تو  
وائیں بائیں کی کتابیں کسی قدر اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہو جاتی ہیں  
اور اس کتاب کی جگہ پر غلط بھی پیدا ہوتا ہے... اس غلط کو برقرار کرنے  
کے لیے بائیں تو وہاں کوئی اور کتاب لگائی جاتی ہے یا کتابوں کو سرکا دیا جاتا ہے۔"

ہو کی۔ مہربانی کریں اور فہرست کے مطابق تمام کتابوں کو چیک کر  
 لائیں۔ ہم ذرا جواد احسن کے ہاں ہو آئیں۔  
 ”جواد احسن کون۔“

”شہر میں دو دوسرا آدمی۔ جس کے گھر میں بالکل آپ جیسی  
 واردات ہوئی ہے۔۔۔ اگر یہاں سے واقعی کوئی کتاب غائب ہے۔ تو  
 پھر ضرور اس گھر سے بھی کوئی کتاب غائب ہو گی۔ اور اگر ایسا ہے تو  
 یہ ایک بہت پر اسرار واردات ہو گی۔۔۔ بے چینی بہت بڑھ گئی ہے۔  
 اب ہم یہاں رک نہیں سکتے۔۔۔ ہمیں فوراً جواد احسن کے ہاں پہنچنا  
 ہے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ جاکیں۔۔۔ میں فہرست کے مطابق  
 کتابیں چیک کرنا شروع کرتا ہوں۔۔۔ جو کتابیں موجود ہیں، ان پر نشان  
 لگاتا رہوں گا۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“

وہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔۔۔ جواد احسن کے  
 مدعا کے پر جا اترے۔۔۔ باہر ایک کارکنزری نظم آئی۔ محمود نے آگے  
 بڑھ کر اندازے کی گفتی بھالی۔ ایک منٹ ڈیرت کے بعد وہ اب کوئی آواز  
 محسوس نہ ہوا تو محمود نے پھر گفتی بھالی اور اس کے لئے تین تہہ لہو،

ہے۔۔۔ اب تم تینوں اس جگہ کو غور سے دیکھو۔ کیا یہاں کتابیں  
 سرکانے کے آثار ہیں۔“

تینوں لگے غور سے دیکھنے۔۔۔ آخر انہوں نے نفی میں سر ہلادیا۔  
 ”جی نہیں۔۔۔ یہاں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔“

”جب کہ میں کہتا ہوں۔۔۔ یہاں سے ایک کتاب نکالی گئی  
 ہے۔“

”کیا!!!“ ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت پھیل گئی۔

”یہاں کتابوں کو سرکانے کے آثار ہیں۔۔۔ اس نے یہاں کوئی  
 کتاب نہیں رکھی۔۔۔ بلکہ ایک طرف سے کتابیں سرکا کر کسی اور ریک کی  
 آخری کتاب نکالی اور اس ریک کے آخر میں رکھ دی۔۔۔ خاور صاحب  
 کیا آپ کی فہرست ریکوں کے مطابق ہے۔۔۔ یعنی یہ معلوم کیا جا  
 سکتا ہے کہ اس ریک میں کون سی کتاب فہرست کے مطابق نہیں ہے۔  
 یا فہرست کے مطابق کون سی کتاب غائب ہے۔“

”تمہیں آجے معلوم نہیں ہو گا۔۔۔ فہرست میں تو بس تمام کتابیں  
 کے نام درج ہیں۔ کوئی نئی کتاب لاتا ہوں تو وہ آخر میں درج کر  
 لیتا ہوں۔“

”ہاں۔۔۔ اب انہوں نے نہایت ہلے کے لئے آپ کو ملت آوا



"بات صرف اتنی ہے کہ میں آپ کی کتابوں پر ایک نظر لگاتی  
ہوں... اور میں... آپ بے شک اپنے دوست کے پاس بیٹھے رہیں۔  
ہم اپنا کام خود کر لیں گے... اور اگر گھر میں کوئی اور مردہ موجود ہے تو  
ہمارے ساتھ انہیں کر دیں۔"

"یہاں میں اور میری بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ آپ  
میری کتابیں کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ بات ہم پھر بتائیں گے۔ آپ جس ہمیں کتابوں والے  
کمرے میں پہنچا دیں اور خود اپنے دوست کے پاس بیٹے جائیں۔"  
"اچھی بات ہے... آئیے... ایسے مجھے حیرت ہے۔ آپ  
میری کتابوں کو کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"ہمارا خیال ہے... جو شخص یہاں ایک گھنٹے تک مصروف رہا  
وہ آپ کی کوئی کتاب لے گیا ہے۔" (اسکا جعبہ لے پر کھنکھار میں  
کہا۔

"کیا!!!" (چلا اٹھا۔ ہمارے محلے کے اس کی آنکھیں کھلی  
گئیں۔ آخر میں لے گیا۔

"آئیے... کوئی نہیں کتابیں... میرا خیال ہے کہ انہی کو لے لیں  
نہیں۔ میرے پاس تو صرف کوئی خاص کتاب نہیں ہے۔"

دور سے بھائی... آخر قریب کی آمد پر اس کی آنکھیں کھلیں۔  
انہوں نے دیکھا دروازہ خود ہوا، احسن نے کھولا تو  
مطلب ہے... اس کے گھر میں کوئی غلام نہیں تھا... پہلے شب کو  
قانونی اور فردا آئے تھے، اس وقت بھی اس نے ہی دروازہ کھولا  
اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"خیر تو ہے جناب اور دروازہ دہرے سے کھولا؟"

"میرے ایک دوست ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں... ان سے  
باتیں کر رہا تھا... بس بات مکمل کر کے دروازے کی طرف آیا۔"  
احسن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اوہ اچھا! معاف کیجیے گا... ہم غلط وقت پر آ گئے...  
مشکل یہ ہے کہ معاملہ بہت پراسرار ہے... اور ہمیں اس کی تہہ میں جا  
نا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا، پھر گویا ہوا۔  
"آپ... آپ تو پہلے ان کے ساتھ نہیں آئے تھے... ہوا  
مطلب ہے... آپ کون ہیں۔"

"میں ان کا والد ہوں... مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"  
"اوہ... اوہ... ہمارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔"

کر رہے ہیں۔ اور یہ کام سرکاری نویت کا ہے۔  
 "اچھی بات ہے۔ میں اسے فارغ کر دے گا۔ آپ  
 کتابوں کو جانوروں کے لیے لیں۔" یہ کہہ کر وہ اسے ہاتھ لگا کر  
 طرف سے اور قور سے دیکھ کے ایک ایک آگے بڑھنے لگے۔ ایسے  
 میں اسٹیکل جمشید نے چونک کر کہا۔

"یہ دیکھو۔ کتابوں کے سرکے کے آثار موجود ہیں۔"

"اور اہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔"

یعنی اس لمحے انہوں نے کار اشارت ہونے کی آواز سنی۔

☆☆☆☆☆

"اس شخص کو کسی خاص کتاب کی ضرورت ہے۔  
 ایک اور جگہ بالکل ایسا ہی کر چکا ہے۔ آپ کو شاید یہ بتا دے۔  
 "جی ہاں... آئیے۔" اس نے قدرے غصے سے اسے گرا کر  
 کہا۔

اور پھر وہ انہیں ایک کمرے میں لے آیا۔ "اس کمرے  
 صرف ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کا ایک ریک لگا دیا گیا ہے  
 میں کتابیں سلپتے سے رکھی گئی تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ جائیں۔ ہم دیکھ لیں گے۔  
 آپ کے پاس ان کتابوں کی کوئی فہرست ہے۔"

"جی نہیں۔ یہ اتنی زیادہ کتابیں تو ہیں کہ  
 میں نے بھی فہرست کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"اگر کوئی یہاں سے کوئی کتاب چالے تو کیا آپ کو  
 پتا ہے کہ کون سی کتاب گم ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں بتا سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ پہلے دوست سے فارغ ہو لیں  
 بلکہ ہو سکے تو اس سے معذرت کر لیں۔ وہ پھر کسی وقت آکر ملے گا۔  
 کیونکہ ہم اس وقت ایک بہت عجیب اور پر اسرار معاملے کی تحقیق



محمود تھوڑی سی باہر اٹھ گیا۔ چھوٹے کمرے میں بیٹھ گیا۔

ہوئی۔

”اوہ، وہ نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”باہر جو کارہم نے دیکھی تھی، وہ بھی نہیں ہے۔“

”کدوست بھی نہیں ہے اور وہ خود بھی نہیں ہیں۔“

”کیا؟“ اسٹینڈر جو شید چلا اٹھے۔

پھر چاروں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں کوئی بھی نہیں

تھا۔ ایسے میں اندرونی کمرے سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ... کیسی بھاگ دوڑ کی آوازیں ہیں... باہر کیا ہو رہا

ہے۔“

آواز عورت کی تھی... ظاہر ہے... وہ جواد احسن کی بیوی کی

آواز تھی... وہ فوراً آواز کی طرف مڑے... خاتون اندرونی کمرے

میں تھی... اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر بات کی تھی...

”محترمہ! کیا آپ جواد احسن صاحب کی بیوی ہیں۔“

”جی ہاں!“

”کیا ہمارے آنے سے پہلے کوئی ان سے ملنے کے لئے آیا

ارے باپ رے

”چلو یہ اچھا ہے، جواد احسن نے اپنے دوست کو گھر پر

اب ہم اطمینان سے جائزہ لیں گے... ہاں تو میں کہہ رہی

دیکھو... اس جگہ سے کتاب نکالی گئی ہے... اور پھر کتابوں کو

کو پڑھایا گیا ہے۔“

وہ بھی اس جگہ کو دیکھنے لگے... ان کے والد کی بات

ادست تھی... انہیں بہت حیرت ہوئی...

”اب تو شاید جواد احسن بتا سکیں گے کہ وہ کون سی کتاب ہے

وہ نامعلوم شخص لے گیا ہے۔“

”ہاں! ہاں!“

ایک منٹ گزر گیا... جواد احسن کی واپسی نہ ہوئی۔

”دوست تو چلا گیا... یہ جواد احسن کہاں رک گئے...“

دیکھنا تو۔“

"ہاں! انہوں نے بتایا تھا... کوئی ملے کے لیے آیا تھا۔  
وہ ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے۔ اس کے سرف ایک منٹ اور  
دروازے کی گھنٹی بجی تھی... غالباً آپ لوگ آئے تھے۔"  
ہے۔"

"آپ کے خاتمہ غائب ہیں... وہ کار بھی غائب ہے۔  
پر کوئی جواد احسن صاحب سے ملنے کے لیے آیا تھا۔"  
نہیں... وہ... وہ کہاں گئے؟"

"میں خود معلوم نہیں محترمہ... تاہم آپ فکر نہ کریں۔  
بہت جلد انہیں تلاش کر لیں گے... کیا آپ کو معلوم ہے کہ  
پہلے ان سے کون ملنے آیا تھا۔"

"مجھے کچھ معلوم نہیں... انہوں نے بس یہ کہا تھا کہ کوئی ملے  
لے آیا ہے۔"

"کیا آپ کو ان کے کسی دوست کا نام، پتا یا فون نمبر  
معلوم ہے۔"

"ان کے دوستوں کے نام پتے اور فون نمبر تو ان کی ڈائری  
سے مل جائیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے... جو شخص ملنے آیا تھا۔"

ان کا دوست ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ جب ان کا کوئی دوست آتا ہے تو  
وہ نام لے کر کہتے ہیں۔ وہ آیا ہے۔ چلے گا۔ انہیں اس شخص  
کے آنے پر انہوں نے کہا تھا۔ کوئی آیا ہے۔ وہ پھر ڈرائنگ روم  
میں جا بیٹھے تھے۔ بس اس کے سرف ایک منٹ بعد آپ آگے۔"  
ہوں۔ خیر۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم ان کی تلاش شروع  
کر دیتے ہیں۔ وہ کار سرخ رنگ کی مڑا تھی۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے اکرام کے نمبر ملائے۔ اور سرخ کار کے  
بارے میں ہدایت دیں۔ گویا اب اکرام کو تمام پولیس اسٹیشنوں کو  
فون کرنا تھا۔ فون کرنے کے بعد انہوں نے جواد احسن کی بیوی سے  
کہا۔

"ہم اس کے تعاقب میں جا رہے ہیں... آپ گھر کا دروازہ  
بند کر لیں... اور جب تک ہم نہ آئیں... کسی کے لیے دروازہ نہ  
کھولیں... ہاں اگر جواد احسن آجائیں تو ان کے لیے دروازہ کھل  
دیجیے گا... لیکن پہلے اطمینان کر لیجیے گا یا اوپر سے انہیں دیکھ لیے گا۔"  
جی اچھا... پتا نہیں... کیا پھر شروع ہو گیا... لانا تو ایسے  
کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں... ہم تو سیدھے سادے حل میں مبتلا ہیں۔"



"ہمارا بھی سچا خیال ہے، جو احسن صاحب کا کہہ رہا تھا۔ ہم آپ کو وہی ہی بتائیں گے۔"

"جی اچھا۔"

اور پھر وہ اپنی کار میں تین سڑک پر آگئے۔ جو احسن صاحب کی شروعات میں ہی تھا۔ یعنی سڑک کے ساتھ ہی تھا۔

"اب کیا کریں۔ اس وقت ہمارے پاس ایک کار موجود ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص دائیں طرف چلا گیا ہے تو اس کے بائیں طرف کا رخ کر لیا تو ہماری کوشش بے سود ہوگی۔ اور اگر بائیں طرف گیا ہے اور ہم دائیں طرف جاتے ہیں تو بھی کوشش بے سود ہوگی۔"

لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں... کسی ایک سمت میں تو ہمیں جانا ہی ہوگا... دیر چونکہ پہلے ہی بہت ہو چکی ہے... اس لیے ہم اگر اکرام سے مدد لے کر بھی اس تک شاید ہی پہنچ سکیں۔"

"تب پھر... بسم اللہ کریں۔ دائیں طرف چلیں۔" فرزان نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر وہ تیزی رفتاری سے روانہ ہوئے... ان کا سفر جاری رہا... یہاں تک کہ وہ شہر سے باہر نکل آئے۔

"یہ سڑک تو شہر سے باہر لے آئی۔ کاش..."

اور جو احسن صاحب نے کہا ہے۔

"بھٹے تو ارگہ رہا ہے۔" فرزان نے گھر والوں کو بتایا۔

"اب فوراً اس کے لیے موقع ملے گا۔ یہاں میں کون جا رہا ہے۔"

"جی ہاں۔" فرزان نے فوراً کہا۔

"تک تو خیر نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"کچھ دور اور چلتے ہیں۔ پھر واپس آجائیں گے۔" فرزان نے خیال ہے، ہماری یہ دوز دھوپ بے کار جانے کی۔

"اللہ مالک ہے۔"

آدھ گھنٹے تک وہ اور آگے گئے، پھر واپس ہو کر واپس روانہ ہوئے... ایک بار پھر جو احسن صاحب کے گھر پہنچے۔

"میں دی ہیں جو کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے۔ آپ کی حالت میں ہم شہر سے باہر تک ہو آتے ہیں۔ پہلے آپ کا کمرہ واپس تو نہیں آئے اب تک۔"

"بالکل نہیں... مارے پریشانی کے میرا تو بہت برا حال ہے۔ ہوں! پریشانی والی بات تو ہے... لیکن ہم کریں کیا سکتے ہیں... اپنی سی کوشش کر رہے ہیں... ہم اب پولیس کے ذریعے تلاش شروع کراتے ہیں... کیا ہم آپ کے ڈرائنگ روم میں بڑا ادھر ادھر فون کر سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں... اس نے اب بھی دروازے کی اہٹ نہ کہا... پھر بولی۔"

"میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیتی ہوں... آپ اندر آئیے گا۔"

"کمال ہے... آپ بچوں سے بھی پردہ کرتی ہیں۔"

"آپ کے تینوں بچے بالغ ہیں... بالغ بچوں سے بھی پردہ ہے۔"

"ہوں آپ ٹھیک کہتی ہیں... آپ بہت اچھی ہیں۔"

"میں اس سب کو یاد نہیں کروا رہی ہوں۔"

"یہ نہ کہیں... ان محنت نگاروں پر غصے کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں... اگلے دن میں یہ سب یاد آئے گا۔ موجود ہے... نہ کرنے والے گویا دین کا الٹا کرتے ہیں۔" جلدی سے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... جو وہ اس کی جگہ سے جھٹک رہا تھا۔"

اب وہ ڈرائنگ روم میں آگئے... انہیں جھجھکے آواز میں کچھ ضرورت حال بتائی... جہاد احسن کا حلیہ نکالا... تاکہ تمام پولیس اسٹیشنوں کو اس کا حلیہ نشر کر دیا جائے... انہوں نے چھ لاکھ ٹھکانے... اس نے اندرونی دروازے سے آواز آئی۔

"چائے حاضر ہے... بیٹا نرے لے لیں۔"

"اوہو ایہ کیا کیا آپ نے... ہم تو اپنے وقت کے طمع چاہتے نہیں پیتے۔"

"مجھے معلوم نہیں تھی یہ بات۔"

"خیر... فرزانہ نرے لے لو... اب انہوں نے جان لی ہے۔"



”تم بیگم جواد کو جانتی ہو۔“

فرزانہ اندر گئی اور پھر باہر آگئی۔

”ہمارے جانے کی بات سن کر وہ ان کی طرف دیکھ کر ہنس نکلی۔  
وہ ہیں بھی اکیلی۔ کوئی اور گھر میں نہیں ہے۔“

”ہیں۔“

”تم انہیں بتاؤ۔ ہم ان کے شہر کی سڑکوں پر جا رہے ہیں۔  
تاہم اگر وہ زیادہ پریشان ہیں تو ایسا کرتے ہیں فرزانہ۔ تم انہیں  
گھر لے چلو۔ ہم بائیں طرف والی سڑک پر دوڑتے ہو آتے ہیں۔  
پھر سیدھے گھر آئیں گے۔ اس دوران ہم ان کو ہم سے بھی مطمئن کرتے  
رہیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ ایسا کر لیتے ہیں۔“ وہ یہ کہہ چکی تھی  
فکر سے آدمی ہو جائیں گی۔“

فرزانہ بیگم جواد کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ انہوں نے  
اپنی کار میں بائیں سڑک کا رخ کیا۔ وہ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ  
شہر میں باہر تک ہو آئے۔ لیکن جواد احسن کے کہیں کوئی آواز نہ  
آئے۔ واپس لوٹتے ہوئے انہوں نے اکرام سے پوچھا۔

”ہاں بھئی... کوئی خبر؟“

”جی ہاں۔“  
”شہر پر ایسا آپ کو امید ہے۔“ میرے شہر مل جائیں گے۔

”وہیں۔“  
”اے جانے چاہا تو۔ بس آپ دعا کریں۔ ہم اپنی کوشش کر

رہے ہیں۔“  
”ہاں بھئی۔“

”کیا رپورٹ ہے۔“

”ہاں اکرام۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ لیکن  
پیش قدمی ہو رہی ہے۔ جوئی کوئی پیش رفت ہوئی۔ میں آپ کو  
فوری اطلاع دوں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

”فائل بند کر کے وہ ان تینوں کی طرف مڑے۔“

”سم سڑک کے دائیں طرف گئے تھے۔ کیوں نہ اب بائیں  
طرف ہو گئے۔“

”نہیں تو بہت دیر ہو چکی۔“

”اگر انہیں پھر لکھنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔“  
”جی ہاں۔“

وہ بھی افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے۔

”آخر انہیں ہوا کیا... انہیں سمجھی کیا؟“

”میرا خیال ہے... انہیں خاور لودھی کا خیال آ گیا ہے۔“

لوگ جواد احسن کے چکر میں انہیں بھول گئے... جو لوگ جواد احسن کو

اس لیے اغوا کر کے لے گئے کہ وہ ہمیں بچو نہ دے سکیں۔ وہ لوگ

بھلا خاور لودھی کو کیوں چھوڑے رکھیں گے... ہم وہ بات ان سے بھی تو

پوچھ سکتے ہیں... بس یہ خیال کر کے ہی انہیں جان دوز بنے۔ گویا وہ

سیدھے لودھی صاحب کی طرف جا گئے... انہیں یہ چلیں۔ غرور و

تمکنتی چلی گئی۔

”اچھا!“ اکرام نے فوراً کہا۔

آندھی اور طوفان کی رفتار سے کار چلاتے آخر وہ خاور لودھی کے

گھر کے سامنے پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا... انشپلر جیشہ باہر کار میں

بیٹھے تھے... اور اس طرح بیٹھے تھے، گویا انہیں کوئی کام نہ ہو... وہ

انہیں اس حالت میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ کہاں تو وہ اس قدر

جلدی میں ادھر آئے تھے... اور کہاں اب آرام سے بیٹھے ہیں۔“

”لگتا ہے... ادھر کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی...“ اکرام جتا۔

”گڑبڑ ہو کر ختم بھی ہو چکی...“

”جیسا کہ ہم نے دیکھا...“

”نہیں سر... جواد احسن کا آپ ٹھکانہ کونسا جانتے ہیں؟“

”اچھی بات ہے... تم گھر آ جاؤ... اب ہمیں باقاعدہ

شروع کرنی ہوگی... اپنے خاص ماتحتوں کو بھی لے آؤ۔“

”اوکے سر۔“

جلد ہی وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے... بیگم جواد اب گھر

کے پاس تھیں اور وہ بہت اچھے طریقے سے ان کا دل بہلا رہی تھیں۔

”سر! آخر یہ کیا چکر ہے...“ اکرام نے پریشانی کے ساتھ

کہا۔

”ابھی تک ہم صرف اتنا معلوم کر سکے ہیں کہ ان دونوں افراد

سے کوئی کتاب جہائی گئی ہے... لیکن یہ بات ابھی یقین سے نہیں

جا سکتی... خاور لودھی اور جواد احسن سے بات ہوئے پر اسلحہ

سامنے آئے گی اور شاید اسی لیے جواد احسن کو غائب کیا گیا۔“

”اے باپ دے۔“

یہ الفاظ کہتے ہی وہ بری طرح اچھلے اور پھر انہوں نے باہر

طرف دوڑ لگا دی... جب تک باقی لوگ باہر نکلتے... وہ گاڑی میں

بٹھ جاتے... انہوں نے ان کا انتظار بھی نہیں کیا، یہ جا وہ جا۔

”انہیں جلدی کریں... ہم آپ کی گاڑی میں چلتے ہیں۔“



اب ہم شاید ان دونوں کو زندہ نہ پائیں۔۔۔

نہیں۔۔۔ وہ کانپ گئے۔

اس لیے کہ اگر وہ انہیں چھوڑتے ہیں تو پھر ہم ان سے ان

کتابوں کے نام معلوم کر لیں گے۔ اور یہی وہ چاہتے تھے۔۔۔

اٹھ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ یہ تو بہت خوف ناک بات ہو جائے گی

... ان بے چاروں کا تو اس میں کوئی قصور بھی نہیں۔ یہ تو بس مطالعے

کے شوقین تھے ہیں اور اپنے مطلب کی کتابیں خرید لیتے ہیں۔۔۔

سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے انہیں انوکھا کیا ہے۔۔۔ وہ اس

بات کو کیوں چھپانا چاہتے ہیں کہ وہ کون سی کتابیں لے گئے ہیں۔۔۔

یہ اس کیس کا اہم ترین سوال ہے اور ہمیں اس کا جواب

حاصل کرنا ہے۔۔۔ ابھی تک ہم ان کتابوں کا جائزہ نہیں لے سکے۔۔۔

دیکھنا چاہیے۔۔۔ ان دونوں گھروں میں کس قسم کی کتابیں موجود ہیں۔۔۔

ہاں واقعی۔۔۔

وہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے ماریہ کو آواز دی تو وہ

دوڑتی ہوئی آئی۔۔۔ اس معصوم سی اور خوب صورت سی بچی کو دیکھ کر ان

کے دل تڑپ اٹھے۔۔۔ پھر انہیں ہمیشہ نے خود کو سنبھال کر کہا۔

”بچی! ہم کتابوں والے گھر۔۔۔ کو ادا کیا ہو پھر آجکے دن

”وہ لوگ خاور لودھی کو بھی لے گئے۔۔۔ گھر کے گھر والے

بار پھر باندھ کر چھوڑ گئے۔۔۔ میں تم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا

اب بہت سنجیدہ ہو گیا۔۔۔ وہ انسان غائب کر دیے گئے ہیں۔۔۔

مجرموں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں۔۔۔ اب ہمیں اس کیس کا

سنجیدگی سے کام کرنا ہو گا۔۔۔ دراصل پہلے یہ اس قدر اہم محسوس نہیں

تھا۔۔۔ اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔۔۔ کہ ان لوگوں

گھروں سے دو کتابیں اڑائی گئی ہیں۔۔۔ اور ان دونوں گھروں کے

افراد کو صرف اور صرف اس لیے غائب کیا گیا ہے کہ ہم ان سے

کتابوں کے نام نہ معلوم کر لیں۔۔۔

”کیا!۔۔۔“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے لہار۔

”ہاں! خود کرنے پر یہی بات سامنے آتی ہے اور کوئی بات

انہیں تک نہیں آتی۔۔۔ اور میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ اب

شاید۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے۔۔۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔

مے آس پاس کوئی نہیں تھا اور ان کی آواز گھر کے اندر سنی نہیں جا سکتی

تھی۔

”یہ المیہ جان کرنے کے بعد انہوں نے وہی آواز میں کہا۔

ہیں۔"

"چلے جائیے... میں اور انی تو اپنے کمرے میں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ کتابوں والے کمرے میں آئے... یہ کوئی باتا کاہنہ نہیں تھی... نہ خادر لودھی کوئی بہت دولت مند آدمی تھے۔ انہیں تو بچہ بچہ کتابوں کا شوق تھا، اس لیے کتابوں کا ایک ریک ہا لیا تو انہوں نے وہاں موجود کتابوں کا جائزہ شروع کیا... جلد ہی انہیں یہ بات جان لی کہ خادر لودھی کو سائنس سے بہت دلچسپی تھی... انہیں تمام کتب ہی سائنس پر تھیں... اور کچھ ایسی تھیں جن میں سائنس کا تعلق اسلام سے ثابت کیا گیا تھا... ابھی وہ کتابوں کو دیکھ رہے تھے کہ فرزانہ کو کوئی خیال آیا... اس نے باقی حضرات سے کہا۔

"میں آنٹی کے پاس بیٹھی ہوں... کچھ دیر ان کا دل بہلائے گا۔"

"کوشش کروں گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

وہ وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کے دروازے پر آگئی۔

"اسلام علیکم آنٹی! کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"

"آجائیں بیٹی۔" ان کی غم زدہ سی آواز سنائی دی۔

95

فرزانہ اندر چلی آئی۔ وہاں بہت سی کتابیں ڈھکی چھپی تھیں۔

"فرزانہ! یہیں! کیا آپ لوگوں کو ابھی تک کوئی کامیابی ہوئی؟"

"کوشش جاری ہے... آپ لوگ دعا کریں۔"

"ہم تو مسلسل دعا کر رہے ہیں۔ دل ہیں کہ آپ جلد سے

ہیں۔"

"خوصلہ رکھیں... بہت جلد لودھی صاحب آپ کے ساتھ ہوں

میں۔"

"ان شاء اللہ!" ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

"لودھی صاحب نے کتابوں کی کوئی فہرست تو نہیں بنائی ہوئی

تھی۔"

"معلوم نہیں... ہمیں تو دراصل ان کتابوں سے دلچسپی ہے نہیں

... ہم تو کہانیوں اور افسانوں یا شاعری کی کتب پسند کرتی ہیں۔ اور

ہماری کتب ہمارے اس کمرے میں موجود ہیں۔ لہذا ان کتابوں کے

بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔"

"ہوں... وہ جو آپ کا فرضی سہانہ آیا تھا... آپ کے گھر سے

دراصل ایک کتاب چرا لے آیا تھا۔"

"کیا!؟" مارے حیرت کے ان سے منہ سے کچھ نہ نکلا۔



## یہ بٹن نہیں

اور وہ چیز ایک نھا سا سرخ رنگ کا بٹن تھا۔ اسے بٹن کا  
تھا۔ اس نے اس کی طرف بڑھے بغیر کہا۔

”یہ بٹن آپ کا ہے؟“

”نک۔۔۔ کون سا بٹن۔“ ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

”آپ اسے ہاتھ نہ لگائیے گا۔ یہ دیکھیے۔ یہ رہا بٹن۔“

اب اس نے اس کے نزدیک جا کر انگلی سے اشارہ کیا۔

”ارے ایہ کیا ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”تو یہ آپ کا نہیں۔“

”نہیں۔“

”تب یہ ان میں سے کسی کا ہے۔ جو یہاں آئے تھے۔“

وہ کتاب لے کے ہیں۔ آپ اسے چھوئے گا لیکن۔۔۔

ان میں سے کسی کی انگلیوں کے نیچے لگا ہوا تھا۔ وہ کتاب

”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ اور جب انہیں نظر پڑا تو وہ  
لوہی صاحب سے اس کتاب کا نام معلوم کر لیں گے۔ خود انہیں  
کر کے لے گئے۔۔۔ اسی طرح انہوں نے جوہر احسن صاحب کو  
کر لیا ہے۔“

”کیا! ان کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔

”اور ان کے گھر سے بھی انہوں نے وہی کتاب چرائی ہے۔

یہاں سے چرائی ہے۔“

”اوہ! اوہ۔“ ہمارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

ایسے میں فرزانہ کی نظریں فرش پر پڑی ایک تھوڑے جگہ پر

چراغ کی جگہ پر نظر آئی تھی۔

☆☆☆☆☆

کام آتے ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ باور پاک خانے میں چلے جائیں  
باقی لوگوں کو بھی اس کا معائنہ کرنا ہوگا اور اس کی تصویر بھی منظر  
نشات بھی اٹھانا ہوں گے۔  
"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔ فریاد انہوں نے  
کمرے میں گئی اور باقی لوگوں کو وہاں لے آئی۔  
"یہ دیکھیے۔ یہ رہا... ان دونوں نے اسے نہیں دیکھا  
پہلی بار جب وہ ان دونوں کو ہاتھ کر گیا تھا... اس وقت بھی وہ  
یہاں نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے جب وہ دوسری بار لوگوں صاحب  
انہوں نے لے لیے آئے۔ اس وقت یہ جن ان سے گرا ہے۔  
"ہاں! یہی بات ہے۔ اگر ام اس پر سے نشانات اٹھا  
اس کی تصاویر لے لو۔ تاکہ ہم اسے اٹھا کر دیکھ سکیں۔" انہوں نے  
جلدی جلدی کیا۔  
"جی ہاں!"

اکرام نے جلدی جلدی اپنا کام مکمل کر لیا۔ اب انیسٹر بیڈ  
نے اس جن کو اٹھا لیا۔ ساتھ ہی ان کے منہ سے نکلا:  
"یہ... یہ جن نہیں ہے۔"

"جی... کیا کہا۔ جن میں ہے تو پھر کیا ہے۔"  
"کسی ملک کا ایک سکہ۔"

"تب پھر ملک کا نام اس پر لکھا ہوگا۔"

"ہاں! ملک کا نام لکھا ہوا ہے۔ نام ہے۔" انہوں نے  
پوچھا ہے۔ "شہابی۔"

"سہراں... شہابی۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اور جہاں تک میرا خیال ہے... یہ سکہ جنس کا نہیں  
سونے کا ہے۔"

"سونے کا سکہ۔"

"ابھی چیک کر لیتے ہیں۔ یہ ہم کسی کے ہاتھ نہیں بھیج سکتے  
جوہری کو یہیں بلا لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کسی کو فون کیا۔ جلد ہی ایک صاحب وہاں  
پہنچ گئے۔ انہیں وہ سکہ دکھایا گیا۔ انہوں نے پھرتے ہی کہہ دیا۔

"یہ خالص سونے ہے۔ اس میں ایک ذرہ بھی کھٹ نہیں۔"

"ہوں! آپ جانتے ہیں۔ آپ کا شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔ ویسے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ ملک کا  
سکہ ہے۔" اس کی آنکھوں میں اچھی تھی۔



"کیوں... آپ نے یہ کیوں پوچھا۔"

"گلتا ہے... اس ملک میں سونے کے ذخائر ہی ذخائر ہیں  
خالص سونے کی کانیں ہی کانیں ہیں اور وہاں سونا اس طرح نکلتا  
ہے... جیسے ہمارے ہاں لوہا اور پتیل۔"

"یہ آپ کا خیال ہے... معلوم نہیں... ایسا ہے یا نہیں  
بہر حال ہمیں معلوم نہیں کہ یہ ملک کہاں ہے... ہم نے تو خود  
ابھی دیکھا ہے۔"

"حکمران! اس نے کہا اور حیرت زدہ رہا چلا گیا۔"

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ہنسنے لگے  
لودھی سے کہا۔

"آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں... ہم لودھی صاحب اور  
احسن کی ملاقات میں روانہ ہو رہے ہیں... آپ بے فکر رہیں... ہم  
اُنکی ساتھ لے کر ہی لوٹیں گے... ان شاء اللہ۔"

"اور ہم کہاں جائیں گے؟" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہمارے گھر... جواد احسن کی دیکھ بھی وہیں ہیں... سب لوگوں

کے ساتھ آپ کا دل لگا رہے گا، یہاں چھ آپ وہاں بہت پریشان  
رہیں گی۔"

"آپ... آپ لوگ بہت اچھے ہیں... بہت ہی اچھے۔"

"آپ ہمارے لیے دعا کریں... اور لودھی صاحب کے لیے  
بھی۔"

اور وہ انہیں گھر لے آئے... حکم کے حوالے کر کے انہوں نے  
جواد احسن کے گھر کا رخ کیا... اس گھر کی کتابیں اور دیکھا گیا تو وہ بھی  
سائنس کے موضوع پر تھیں... ان کی حیرت اور حیرت گئی... اسیکا جھپٹ  
نے تاریخ اور مغربی کے ماہر ایک دوست پر فیصلہ کر فون کیا... سلسلہ  
ملنے پر انہوں نے کہا۔

"ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں... ایک اہم ضرورت پیش آگئی  
ہے۔"

"آپ غیر اہم ضرورت کے لیے بھی بلا جھجھک آسکتے ہیں۔"  
پروفیسر صاحب نے ہنس کر کہا۔  
"ہم آ رہے ہیں۔"

جلد ہی وہ ان کے گھر پہنچ گئے... ان کا نام پروفیسر شہاب  
الدین تھا... وہ گرم جوش سے ملے... پھر انہیں آدھنگہ دھمکی سے  
آئے... اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد اسیکا جھپٹ نے سب کو  
ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ذرا اس سگے کو دیکھیں اور ہمیں بتائیں ملک کہاں ہے۔"

"بہران۔"

"جی ہاں! اس ملک کے سگے کا نام ہے شہلی۔"

"شہلی۔" "مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔"

"کیوں... کیا بات ہے۔"

"نہ دنیا کے گھٹنے پر اس ملک کا نام ہے۔ نہ اس کا نام۔"

"کسی ملک میں جاری ہے۔"

"سگے آپ کے سامنے ہے اور یہ ہے بھی خالص سولے کا۔"

"کیا کہا... خالص سونے کا۔" "مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔"

سے نکلا۔

"جی ہاں! ہمارے ہاں کے ایک جوہری کا کہنا یہی ہے۔"

نے خیال ظاہر کیا ہے... یہ ایسے ملک کا سگے ہے... جہاں سولے۔"

تھاڑ ہے... اس طرح جیسے یہاں لوہا یا پیتل ہے۔"

"اوہ... اوہ۔" "مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔"

"آپ کی حیرت ہم سے کچھ کہہ رہی ہے... یہ کہ آپ۔"

کسی جگہ کے بارے میں جانتے ہیں...

"ایک منٹ۔" انہوں نے بے گنتی کے کالم میں کہا۔

اٹھ کر ایک دیوار کی طرف بڑھ گئے۔ اس دیوار پر دیا کا نقشہ چھپا

تھا اور وہ بہت بڑا تھا... وہ اس نقشے پر ایک طرف نظروں اندازے

کئے... پھر انہوں نے ایک لمبا سانس لیا اور واپس جگہ سے واپس

بیٹھ گئے... ان کی نظریں اب غلامیں تک رہی تھیں... وہ اس طرح

خاموش تھے جیسے انہیں کچھ کہنا ہی نہ ہو... اب تو وہ بے چینی ہو گئے

... انپیکر جوشید تو خاموش نہ رہ سکے... انہوں نے کہا۔

"ہم بہت بے چینی محسوس کر رہے ہیں پروفیسر صاحب۔"

"ہاں! یہ بات ہے... ہماری اس زمین پر کچھ جتنے ایسے ضرور

ہیں... جن پر ابھی انسان کے قدم نہیں پہنچے... مطلب یہ کہ ہمیں

معلوم نہیں وہ کہاں ہیں... جن سمتوں میں علاقوں کے ہونے کے

امکانات نظر آتے ہیں... سیاح لوگوں نے اور سائنس دانوں نے اس

اس سمت میں سفر کیے ہیں... لیکن وہ کوئی نئی دنیا تلاش نہیں کر سکے

نہ کام ہو کر واپس آ گئے... لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ کسی ہرامت نے کوئی

نئی دنیا تلاش کر لی ہے... اور وہاں ہر قاعدہ آبادی بھی ہو گئی ہے

اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ لوگ غریب طور پر وہاں اپنے لوگوں کو

لے جا رہے ہوں اور آباد کر رہے ہوں... لیکن تمہارے کہنا...



صاحب خاموش ہو گئے۔

”اگر ایسا ہے بھی تو دنیا کے لوگوں کو بھلا اس سے کیا قصور کیا پریشانی ہو سکتی ہے... وہ تو جائیں وہاں آباد... زندگی... مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ اس جگہ کو دنیا کی نظروں سے چھوٹا کر چاہتے ہیں۔“

”اس لیے کہ وہاں سونا ہی سونا ہے... ہو سکتا ہے وہاں سر کی کانٹوں کے بجائے سونے کے پہاڑ ہوں۔“

”سس... سونے کے پہاڑ...“ فاروق نے بہت مشکل سے کہا۔

”ہاں! یہ ممکن ہے۔“ پروفیسر شہاب الدین نے سر ہلایا۔

”اس صورت میں تو انہیں واقعی اس سر زمین کو دنیا سے چھوڑ پڑے گا... لیکن وہ اس سونے کا کریں گے کیا... ہاں پوری دنیا نے اگر سونے کو فروخت کریں اور دنیا بھر کا ساز و سامان خریدیں تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں... پھر تو وہ نہ جانے کیا کچھ وہاں جمع کر سکتے ہیں۔“

”اگر ام نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

”ابھی یہ صرف باتیں ہیں... اندازے ہیں... پتا نہیں کوئی ایسی وادی ہے بھی یا نہیں... دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہے بھی یا نہیں... جو دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔“ اسپیکر جشید مسکرائے۔

”یہ بات تو غیر میں کہہ سکتا ہوں۔“ پروفیسر صاحب خاموش رہے۔

”کی... کون سی بات؟“

”اس دنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں... جو دنیا والوں سے پوشیدہ ہیں۔“

”جیسے وہ جگہ جہاں یاجوج اور ماجوج آباد ہیں۔“

”ماجوج کا تو انکار ممکن نہیں... ان کا ذکر تو قرآن مجید میں آیا ہے۔“

”جی ہاں ایہ تو ہے۔“

”بس تو پھر... اگر یاجوج اور ماجوج اس دنیا میں کسی جگہ موجود ہیں تو ایسے اور علاقے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔“

”اور ابھی تو دجال کے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے۔“

”آخر وہ بھی تو اسی دنیا میں کسی جگہ موجود ہے... کہا جاتا ہے...“

”وہ کسی جزیرے پر قید ہے... جب وقت آئے گا تب وہ وہاں سے نکلے گا۔“

”وہ جزیرہ بھی تو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے... تو پھر کوئی ایسی جگہ اور بھی ہو سکتی ہے۔“

”خیر! یہ بعد کی بات ہے... اس وقت ہمارا مسئلہ ہے وہ کتابوں کی کم شدگی کا۔“

”دو کتابوں کی کم شدگی کا... کیا مطلب؟“

خبردار کرنا پڑے گا... کیونکہ وہ لوگ چابی دیا کے لیے غصہ محسوس  
کرتے ہیں... ابھی یہ صرف اندازے ہیں... یعنی ایسے امکانات ہیں  
واقعی یہ بات ہے یا نہیں... یہ ہمیں معلوم نہیں... لیکن اس معاملے کو  
فوری طور پر بڑے بڑے ملکوں کے سامنے لا دیا جائے۔

”اچھی بات ہے... ہم اپنے ملک کے مسئلہ سے بات کرنے  
ہیں... دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔“

ایسے میں موبائل کی تھنٹی بجی... انسپکٹر ہمشید نے دیکھا... تو  
ان کے ایک ماتحت کا تھا... انہوں نے موبائل آن کیا تو دوسری طرف  
ماتحت نے جوش کے عالم میں کہا۔

”سر... ایک ویران ساحل پر اس طیلے کے دواؤں آدمی دیکھے  
گئے ہیں... جن کی تلاش کے امکانات نشر کیے گئے تھے۔“  
”تمہارا مطلب ہے... خادر لودھی اور جواد احسن۔“ انہوں نے  
جوش کے عالم میں کہا۔

”جی ہاں؟“

”وہیں ٹھہرو... ہم آرہے ہیں۔“

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆

”میں آپ کو تفصیل بتاتا ہوں۔“  
چونکہ انسپکٹر ہمشید نے دونوں گھروں میں ہونے والی واردات  
کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا... پروفیسر غور سے سن رہے تھے  
ان کے خاصوش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”مگر یہ سب واقعی ان سے گرا ہے... تب تو انہوں نے وہاں  
دیکھا اپنی سمیت قائم کر لی ہے... اور اس سونے کے بل پر وہ دنیا  
کی دولت سے بڑی چیز آسانی سے خرید سکتے ہیں... مثلاً۔“ کہتے کہتے  
پروفیسر شہاب الدین دنگ مکے... ان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔  
”غیر تو ہے... آپ ڈر سے مکے؟“

”ہاں میں واقعی خوف محسوس کر رہا ہوں... فرض کر لیتے ہیں  
وہ ہماری ہی دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں کو خرید لیتے ہیں  
دولت کے بل پر وہاں دنیا بھر کے ماہرین کو جمع کر لیتے ہیں اور انہیں  
ہر ممکن چیزیں حاصل کر لیتے ہیں... کیونکہ جہاں اتنا سونا ہو وہاں کے  
دولت کوئی بھی چیز خرید لینا کوئی مشکل ہے... یہ بات ہے یا نہیں۔“  
”جی ہاں! بالکل سچی بات ہے۔“

”تب بچہ... یہ مسئلہ صرف ملک کا نہیں... پوری دنیا کا بنتا ہے  
... ہمیں اس بارے میں فوری طور پر دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کو



ساحل سے وہ چوٹی کی ایک سمت میں چلا گیا۔ جس نے اس کو  
تو تباہ کیا۔ وہ کوئی دور واقع ایک پہاڑ سے جس ساحل سے وہ  
دو دن اب بھی آ رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو پہاڑ سے کی گولی سے  
لے لے کر یہاں آگیا تاکہ آپ کو جہاز کے لیے تیار کر دے۔  
"آؤ بیٹھو۔۔۔ گاڑی پر۔۔۔ سمت بتاؤ۔"

اس کی بتائی ہوئی سمت پر چلتے ہوئے آخر میں سمجھ بڑے ایک جگہ  
میں۔۔۔ سادہ لباس والے گاڑی وہاں موجود تھا۔ انہوں نے اس کو  
میں کہا۔

"دستک دو۔"

جھونپڑے کے دروازے پر دستک دی گئی۔ فوراً ہی ایک ماہر  
کمیر باہر نکلا۔ انہیں دیکھ کر اس نے فوراً کہا۔  
"پچھلی چابی صاحب۔ بالکل تازہ۔"

"نہیں! یہاں ہمارے دو ساتھی موجود ہیں۔ وہ قسمیں کھاتے  
ہے۔۔۔ انہیں باہر لے آؤ۔ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"  
"ہپ پولیس۔۔۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی تصور نہیں۔ کیا ہم  
ان دونوں کو شہر لے جانے والے تھے۔ وہاں پولیس اسٹیشن پر پہنچا  
ہوئے۔"

## خطرہ

وہ سب آندھی اور طوفان کی طرح سفر کرتے ساحل پر آئے۔  
پہنچے جس جگہ کی ان کے ماتحت نے نشان دہی کی تھی۔۔۔ ماتحت  
موجود تھا۔ اس کے چہرے پر جوش تھا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں؟" "انسپیکٹر ہشید نے سب جہاز الگ  
کہا۔

"بات بہت عجیب سی ہے سر۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ  
دونوں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ماہی گیروں کی ایک کشتی ساحل پر آئی تھی۔۔۔ اس کشتی میں  
دونوں موجود تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں  
نہیں۔ پھر اس کشتی سے سب ماہی گیر اتر پڑے۔ ان کے ساتھ ہی  
وہ دونوں بھی اتر آئے۔ میں انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا

”کیا مطلب؟“

”ان دونوں کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ لہجہ میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔۔۔ یا ان کی یادداشت کم ہو گئی ہے۔۔۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انہیں کیا ہوا ہے۔۔۔ اگر وہ آپ لوگوں کے ہیں تو آپ انہیں لے جائیں۔“

”وہ آپ لوگوں کو ملے کہاں؟“

”ساحل پر بھٹک رہے تھے۔۔۔ ہم اس وقت لپٹیں گے۔“

رہے تھے۔۔۔ ہم نے ان سے پوچھنا چاہی کی۔۔۔ ان کا یہ دماغ اور بہتر ہوں۔۔۔ ہم نے سوچا۔۔۔ یہ دونوں دماغی طور پر بے کار۔۔۔ راستہ بھول کر ادھر آ گئے ہیں۔۔۔ صبح شہر پہنچا دیں گے۔۔۔ انہیں کشتی پر سوار کر لیا۔۔۔ مچھلیاں پکڑ کر واپس آئے تو انہیں لے آئے۔۔۔ کیا ہم نے غلط کیا۔۔۔“

”اس کا فیصلہ تو بعد میں ہو گا کہ درست کیا یا غلط۔۔۔ آپ دونوں کو کشتی میں ساتھ کیوں لے گئے۔۔۔ جھوٹے میں چھوڑ جائے۔“

”خیر۔۔۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔۔۔ ان کے گھر۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ ہم انہیں لے جا رہے ہیں۔۔۔ ان کے گھر میں انہیں ملے گا۔“

”ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ جو کچھ ہے وہ بتا دو۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ پھر ہم تم لوگوں کو پولیس اسٹیشن لے جائیں گے۔۔۔ وہاں تم لوگوں سے سچا انکوائری کے۔“

”ہمیں تو یہ بھی یقین نہیں کہ آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے۔۔۔ پہلے آپ اپنے بارے میں تو یقین دلائیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اب یوں بات نہیں بنے گی۔“

”یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کو فون کیا۔۔۔ اسے ہدایات دیں۔“

”تم لوگوں کو لے جانے کے لیے گاڑی تیار کی۔“



جرات ہے اور کہا کہ انہیں شوگر کی آہلی کے نزدیک لے جاؤ۔  
اس کام کے انہوں نے نہیں چند سکے رہے۔ اب آپ سے کیا چاہتا  
ہو سکتے ہیں؟

اس کے بیب سے پانچ سیکے کال کر ان کے جانے کر رہے۔  
انہوں نے دیکھا وہ بالکل ویسے سیکے تھے۔ جیسا ایک سے انہیں تھا۔  
لوہی کے گھر سے مل چکا تھا۔ اب تو ان پر جوش سوار ہو گیا۔ انہیں  
بیشید نے کہا۔

”اب آپ لوگوں کو تھانے لے جانے کی ضرورت نہیں رہی  
یہ سیکے آپ کے جوئے۔۔۔ بس آپ ہمیں اس جزیرے تک لے جائیں  
جزیرے کے قریب پہنچا کر آپ بے شک واپس آجائیے گا۔“

”اور واپس کس طرح آجائیں گے؟“

”اپنی کشتی پر۔“ فاروق نے ہنس کر کہا۔

”اور آپ لوگ کیا پانی میں اتریں گے؟“

”ہاں! ہم تیر کر جزیرے پر چلے جائیں گے۔“

لاٹھی منگوا لیتے ہیں۔“

”اپنی لاٹھی۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! اور یہی بہتر رہے گا۔ میں لاٹھی منگوا کر آؤں۔“

اب وہ گاڑی میں آ بیٹھے۔۔۔ اور انتظار کرنے لگے۔  
نور ہو گئی اور جواد احسن۔۔۔ انہیں گاڑی میں بٹھا دیا گیا تو  
اکرام اپنے ہاتھوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

”اکرام ان لوگوں کو تھانے لے جاتا ہے۔“

”ہے۔“

”بہت بہتر رہے۔“

اس نے اپنے ہاتھوں کو اشارہ کیا۔ وہ ان کی طرف چلے

راہتیں ان کی طرف پہلے ہی تان لی گئیں تھیں۔

”نہیں۔“ وہ گھبرا اٹھے۔

”سچ اکل وہ مسکے تو تھانے جانے سے بچ جاؤ گے۔“

”تو مشکل میں چسومے۔“

”انہیں بات ہے۔ ہم کی قیادت دیتے ہیں۔“ ان میں سے ایک

جرات نے کہا۔

”یہ کئی ٹاپات۔“ انہیں جوشید مسکرا دیے۔

”یہاں سے کچھ دور ایک جزیرہ ہے۔۔۔ ہم اپنی کشتی میں آکر

طرف سے گزرے۔“ تو جزیرے پر موجود کچھ لوگوں نے ہمیں آواز دی

”اے کھانا۔ ہم قریب پہلے گئے تو انہوں نے یہ دونوں آدمی

ہو آگے ہٹا چکا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا 199 ہے۔ یہاں سے لڑا کر سونہری

پھوڑا دیں۔ اسے کہاں سے کر گئیں ہم اس کے ساتھ نہ رہے۔"

"یہ بات نہیں۔ میں نے تو یہ لڑا کر لے گیا ہے کہ

ہمارے ساتھ نہ تو اعلیٰ خانہ دکان میں اور نہ ہی اس کے پاس۔"

"اور ان کے ساتھ نہ تھا۔"

"یہ بات تو لاروی کی عقل ہے۔"

"آپ کیسے۔"

یہ کہہ کر وہ ہائی گئیں کی طرف مڑے۔

"وہ بڑا بڑا ہے جہاں سے آگے کے لڑے ہو۔"

"انٹریس میں تو لگ ہی ہا گیا ہے۔"

"یہ زیادہ حاصل نہیں۔ ہم خانہ دکان اور یہ لڑے جہاں سے

فون کر رہے ہیں۔ وہ جہاں آجائیں گے۔ اگر جیسے آگے ہا

خمس ہا تو پہلے ساحل پر آکر انہیں لڑے ہا۔ ہا لڑے گئے۔ ہا لڑے

جائیں گے۔ اس طرح تو قسمیں اتر رہی ہیں۔ ہا لڑے گئے۔

مستراحے ہوئے کہا۔

"ہا لڑے گئے۔ لاروی کے خوراک۔"

اب انہوں نے آتی ہی شاہراہ صاحب کو فون کیا  
موجودہ حال بتائی۔ لڑے جہاں بھولی تھی۔ اس ٹکڑ کی بھولی تھی۔  
اب سے آتی ہی صاحب نے کہا۔

"لڑے ابھی بھولا رہا ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے کمر فون کیا۔ حکیم کی آواز سننے کے بعد  
نے کہا۔

"حکیم۔ تم حکیم خانہ اور بھی اور حکیم خانہ اس کو فون دے۔"

ان کے خانہ دکان سلامت میں گئے ہیں۔ اور ہم انہیں دیکھ

رہے ہیں۔"

"یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ تو کیا آپ ان کے ساتھ

آ رہے۔"

"نہیں انہیں آگے ہٹا چکا ہے۔ امید ہے۔ یہ پتہ نہیں

تک آ رہا ہے۔"

"انگلی بات ہے۔"

اور یہ جلدی وہاں لڑے لڑے گئے۔ وہ اپنی لڑے ہا

ہوئے۔ انہیں جی لاروی کی آواز ابھری۔

"کم ہا تو وہ وہاں آجائیں۔ کہیں لڑے ہا۔ ہمیں آگے



اب پہلے انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کو فون کیا۔ فوراً ہی اس نے  
آواز نکالی دی۔

"یار خان رحمان... ہم اس وقت ایک ویران ساحل پر ہیں  
اور اس جگہ سے ایک جزیرے کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔  
مادوق، فردانہ اور محمود چاہتے ہیں... آپ دونوں بھی اس ہم سفر  
گھارے ساتھ ہوں۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے... میرا مطلب ہے... جی ہاں  
یہ جگہ ہے۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"خان رحمان... میرے خیال میں تم نے اس وقت موقع کے  
مطابقتی محاورہ نہیں بولا۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"نہ ہو گئی... ارے تو نہیں ہو گا موقع اور محل کے مطابق  
محاورہ ہے تو محاورہ۔" خان رحمان چبکے۔

"ہاں! وہ تو ہے۔"

"بس تو پھر آ جاؤ۔" پروفیسر صاحب کو بھی ساتھ لے آؤ۔

"فکر نہ کرو... ہم آ رہے ہیں... تم نشان دہی کرو۔"

"انہوں نے ویران ساحل کی نشان دہی کر دی... ساتھ ہی  
انہوں نے کہا۔

"ہم یہاں نہیں ملیں گے... نہیں فوراً مل جائے۔ تم  
جانا ہے... وہاں سے واپس لوٹیں گے اور آپ دونوں کو ساتھ لے لیں  
گے... فون تو اس لیے کیا ہے کہ آپ دونوں وقت سے بیٹے یہاں  
آ جائیں۔"

"تم فکر نہ کرو... اب یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ وہ بھگت تم  
نہیں آؤ گے... ہم یہیں انتظار کریں گے۔"

"خیر ہم آپ کو پابند نہیں کر رہے... کیونکہ ہو سکتا ہے... ہم  
واپس نہ آ سکیں... اس صورت حال میں تو آپ دونوں یہاں انتظار  
کرتے سوکھ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے... جو مناسب ہوا کر لیں گے... لیکن مسئلہ کیا  
ہے۔"

"وہ ہم ملاقات پر بتائیں گے... ویسے لگتا ہے... مسئلہ وہاں  
ہے۔"

"لیکن جمشید! تم یہ بھی تو سوچو... چھوٹے مسئلوں کے لیے  
تو ہم ہیں ہی نہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے... اچھا بس... باتوں کے لیے اب  
وقت نہیں... ہاں ہم لاٹھی پھیر رہے ہیں... پھر اسے دیکھ لیں گے۔"

”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر خان رحمان نے فون بند کر دیا۔  
اب انہوں نے مانی کیروں کو ساتھ لیا اور اپنا لالچ پورا کر کے  
اس پر ایک نے کہا۔

”اور ہم واپس کیسے آئیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ تم اپنی لالچ پر چلو۔ ہم تمہیں فارا  
خرچ ادا کر دیں گے۔“  
”ٹھیک ہے۔“

اب وہ اپنی لالچ پر اور یہ اپنا لالچ پر مائل ہو گئے۔  
کاسفر جزیہ سے کی طرف شروع ہو گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد جزیہ  
آنے لگا۔ ایک مانی گیر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ دیکھیے۔ وہ رہا جزیہ۔“

”بہت قریب! آپ جانا چاہیں تو یہیں سے واپس چلے جائیں۔  
جہاں کے لیے یہ کچھ رقم رکھ لیں۔“

”بہت بہت فکر یہ بننا۔“

نظری وصول کہ کے انہوں نے تو واپسی کی راہ لی۔  
جس کی طرف چلے۔ وہ اس وقت کافی بے چینی محسوس کر رہے

تھے۔ دور سے انہیں جزیہ سے پہنچی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔  
کی لالچ سنا رہے پر آگئی۔ اور وہ اس سے ان کے سامنے پہنچ گئے۔  
انہوں نے دور تک نظریں دوڑا ڈالیں۔ کوئی نظر نہ آیا۔ جزیہ کالی  
پر تھا۔ اس پر گھنے درخت بے تحاشہ تھے۔ اور بیت ادبے لہجے  
تھے۔ بالکل تاریک کے درختوں کی طرح۔ لیکن وہ ہر جگہ کے لیے  
تھے۔ اور ان پر کوئی پھل لگا ہوا تھا۔

”یہاں تو کوئی نہیں لگتا۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑاتے۔

”آگے چل کر دیکھتے ہیں۔“

وہ آگے بڑھے۔ اکرام بھی ان کے ساتھ تھا۔ باقی ماتحتوں کو  
انہوں نے ساحل سے ہی واپس لوٹا دیا تھا۔ اچانک فرزانہ نے دونوں  
بازو پھیلا دیے۔ وہ انہیں رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ پھر اس کے  
منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

”میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔“

☆☆☆☆☆



## گڑبڑ

انہوں نے ٹھٹک کر ادھر ادھر دور تک دیکھا۔ کہیں کوئی لوت والی بات نظر نہ آئی۔۔۔ آخر انپکڑ جھید نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ہم اب درختوں کی اوت لے کر آگے جائیں گے۔“

”کیا فائدہ اٹا جان۔“ محمود نے برا سا منہ بنالیا۔

”کیا مطلب؟“ فاروق نے اسے گھرا۔

”ہم درختوں کی اوت لے کر آگے جا رہے ہیں۔ وہاں تک کہ کات کر ہماری کمر کی طرف آجائیں گے۔۔۔ پھر تو اس طرح ہمارے سر پر رہے گا۔“

”اس خطرے میں بس یہی بات رہی ہے۔ اب دیکھ کر آجاتا ہے۔“ فاروق بڑبڑایا۔

”بے کوئی تک۔“ طرزا نے سہل کر کہا۔

”اب پھر ہم واپس ساحل کی طرف چلتے ہیں۔“

”اس صورت میں وہ اپنی جگہ دیکھ رہی تھی۔۔۔ بات کسی کے بارے میں تھی۔“

”ہوں۔۔۔ آؤ پھر دیکھا جائے گا۔“

انپکڑ جھید نے کہا اور بے دھڑک آگے بڑھنے لگے۔ اب وہ بھی مجبوراً ان کے پیچھے قدم اٹھانے لگے۔ ابھی چند منٹ ہی چلے ہوں گے کہ فاروق کی حیرت بھری آواز ابھری۔

”ارے۔۔۔ یہ کیا۔“

انہوں نے دیکھا وہ زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔۔۔ ان سب نے اس طرف دیکھا۔۔۔ وہاں سونے کا ایک بالکل ویسا ہی سکہ موجود تھا جیسا انہیں خاور لودھی کے ہاں سے ملا تھا۔

”دھت تیرے کی۔۔۔ پھر وہی سکہ۔“

”لیکن اس سکہ کے ملنے پر دھت تیرے کی کہاں سے نکل آیا۔“

”نکل آنے کی بھی ایک ہی کہی۔۔۔ کہیں سے بھی کچھ بھی نکل سکتا ہے۔“

”بے کوئی تک۔“

”یار چپ رہو۔۔۔ دماغ نہ چاٹو۔۔۔ ادھر دشمن منصوبہ بندی کے

تحت جس گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہا ہے ... اور تم نے اور ہم  
کی لگا رکھی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے تھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے ... اب ہم کچھ نہیں کہیں گے۔"

اور کیا۔" فاروق برا مان گیا۔

"اور یہ بتلے کے آخر میں ہاں نہیں تو اور کیا کہیں گے؟"

جمشید نے اسے گھورا۔

"یہ ایسے ہی اگل گیا منہ سے ... آپ اس کا خیال نہ کریں۔"

فاروق نے فوراً کہا۔

"اچھا نہیں کرتا خیال ... وہ خیال تو میں ایسا کرتا کرتا رہا۔"

رکھتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے باپ رے۔"

"اب یہ لبتا ارے باپ رے اپنے پاس رکھو۔" فرزانہ جل گئی۔

"اچھا" فاروق نے فوراً کہا۔

"خیر خیال ہے ... ہمیں بہت تیزی سے گھیرے میں لایا جا رہا ہے۔"

الہام نے ہلکا کر کہا۔

"اب پھر ... اس کا ایک ہی حل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے دلی

آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"ترکیب نمبر 19۔"

"جی ہاں۔"

جلد ہی وہ بہت تیزی سے پیچھے ہٹے گھر آئے۔ یہاں تک کہ

داخل تک آگئے ... کچھ ہی دور ان کی لالچ سوچا دھکی۔ انہوں نے

آؤ دیکھا نہ تاؤ ... پانی میں چھائیں لگا دیں ... اور تیر کر لالچ تک پہنچ

گئے ... لیکن جونہی وہ لالچ پر سوار ہوئے ... ان کے اوپر کے سانس

اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے ... ان کے سامنے وہ عدد بڑی لالچیں

کھڑی تھیں اور ان پر نصب توپوں کے رخ ان کی طرف تھے۔ گویا

وہ اس لالچ کے ذریعے اس جگہ سے فرار نہیں ہو سکتے تھے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... ایسے میں انسپکٹر جمشید

نے دلی آواز میں کہا۔

"ترکیب نمبر 19 فیل ہو گئی ... اب 17 پر عمل کرنا ہو گا۔"

یہ خیال رہے کہ ان لالچوں پر موجود دشمنوں کی نظریں ہم پر جمی ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

انہوں نے ایک بار پھر لالچ سے چھائیں لگا دیں اور سامنے

گئے ... اب یہاں سے انہوں نے ترکیب نمبر 17 پر عمل کرنا ہے۔



ترکیب نمبر 17 پر عمل کے قصویٰ وہ بعد ہی وہ اس طرح غائب ہو گئے۔  
جیسے گدھے کے سر سے سینک۔۔۔ آخر بڑے سے بڑے ایک کوئی  
آواز ابھری۔

”ارے ایسے لوگ کہاں غائب ہو گئے۔“

”بڑے سے بڑے ہی سر۔۔۔ جاگیں گے کہاں۔۔۔ لاچ تو ان کی  
ساحل پر کھڑی ہے۔“

”ہوں نکال کر دو۔۔۔ ویسے میرا خیال ہے۔۔۔ یہ لوگ درختوں پر  
چڑھ گئے ہیں۔“

”اس صورت میں یہ لوگ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے  
ہیں۔۔۔ لیکن خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ پہلا دھماکا کر دیا جائے۔“ کھر دلی  
آواز والے نے کہا۔۔۔ شاید وہ ان لوگوں کا انچارج تھا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کی لاچ ایک دھماکے سے لڑ  
گئی۔

”اوہ اتو ان کا یہ پروگرام تھا۔۔۔ یعنی ہم سمیت لاچ تباہ کر لے  
کا پروگرام تھا۔“

انہوں نے دل میں کہا۔۔۔ جلد ہی جڑ سے پر چاروں طرف دشمن  
ہی دشمن نظر آئے۔۔۔ وہ تھے بھی مسلح۔۔۔ وہ انہیں شکاری کتوں کی طرح

حاش کر رہے تھے۔۔۔ اور کچھ درختوں کی شاخوں پر اچھوٹے بادل بھی  
کر رہے تھے۔۔۔ آہستہ آہستہ وہ ان درختوں کی طرف آ رہے تھے۔  
جن پر انہوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔۔۔ وہ وہ اس اگلا میں گئے کہ گپ  
وہ ان کی زد میں آتے ہیں۔۔۔ کیونکہ ان پر قاتل کے لیے اب کوئی  
چارہ نہیں تھا۔۔۔ لاچ کی جالی نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ ہر  
حال میں ان کی جائیں لینا چاہتے ہیں۔۔۔ گویا انہیں یہاں تک لایا ہی  
اس لیے کیا تھا۔۔۔ اس لیے انہیں ایک اور خوفناک خیال سوجھا  
۔۔۔ اسٹیلر ہشید کو اپنے بدن میں منہسی کی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں۔  
وہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے لیے فکر مند ہو گئے۔۔۔ پھر انہوں نے  
سر کو جھٹک دیا۔۔۔ کیونکہ اس وقت مسئلہ تھا خود کو بچانا۔۔۔ پھر بھی انہوں  
نے موبائل نکالا اور جلدی جلدی۔۔۔ خان رحمان کے کام ایک نظام کھ  
کر بھیج دیا۔۔۔ ایسے میں ان کے دشمن ان کی زد میں آ گئے۔۔۔ انہوں  
نے ایسے درختوں پر پناہ لی تھی کہ ان دونوں لالچوں سے ان پر ہر قسم  
لایا جاسکتا تھا۔۔۔ آخر انہوں نے ایک ساتھ ڈانٹ شروع کر دی  
جلدی نو دس چیلیں غصا میں کھلبلی ہو گئیں۔۔۔ تو اب ان کے آخری  
دوڑتے نظر آئے۔۔۔ انہوں نے بھی حواش کرتے۔۔۔ ان کو کھانسی  
اس طرح کئی اور کر کے۔۔۔ ان کے ساتھ ہی وہ گئے کہ ان کے ساتھ

درختوں سے اتر آئے اور اب ان کا رخ اور ہی درختوں کی طرف تھا۔  
 انہوں نے دولت بد کے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان درختوں  
 انہوں سے انہیں دیکھ نہ لیا جاتے۔ پھر دوسرے درختوں پر چڑھ  
 کے بعد ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اس طرح درختوں  
 پر سے تھے کہ نہ تو انہوں پر سوار دشمنوں کو ان کی سست کا پتا نہ  
 بھاگ گئے والے دشمنوں کو۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ان کے دشمن اب  
 بار پھر بہت جلد آئیں گے۔ وہ گے انتظار کرنے۔ جلد ہی دشمن  
 ان درختوں کی طرف بڑھتا نظر آیا۔۔۔ جن پر وہ پہلے موجود تھے  
 جو اب وہ ان سے آگے نکلے۔۔۔ وہ نہایت احتیاط سے درختوں سے  
 آئے اور اب اس طرف بڑھے جس طرف سے ان کے دشمن آتے نظر  
 آئے تھے۔ لیکن ایسا کرتے وقت بھی انہوں نے درختوں کی اس  
 لینے کا خیال رکھا تھا۔۔۔ اور ان درختوں کے نزدیک پہنچ کر ان سے  
 دشمنوں نے درختوں کی اوت میں رو کر بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دی  
 ۔۔۔ دشمن تعداد میں کم از کم سم تھے۔ اور وہ سب ایک ساتھ ان درختوں  
 پر فائرنگ کر رہے تھے۔ یہ کام وہ اس خیال سے کر رہے تھے کہ  
 لوگ جہاں بھی ہوں۔ جس دولت پر بھی ہوں۔ بس ان کا  
 بن جائیں۔ جب کہ وہ ان سے دور اس طرف سفر کر رہے تھے

جہاں سے دشمن ان کی طرف دوسری بار آیا تھا۔  
 جلد ہی وہ اس جگہ تک گئے۔ جہاں ان کے دشمن نے گولی  
 پڑاؤ لگا دیا تھا۔ وہاں اسلحے کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔ اور اس ذخیرہ  
 کی حفاظت کے لیے۔ وہاں اس وقت چار افراد موجود تھے۔  
 انہوں نے درختوں کی اوت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ  
 کر ام نے اشاروں میں پوچھا  
 "اب کیا کیا جاتے۔" اگر ہم ان پر فائرنگ کرتے ہیں تو دشمن  
 فوراً دوسرے پلٹ پڑیں گے۔۔۔ ان کی تعداد پہلے ہی زیادہ ہے۔ اور  
 فائرنگ نہیں کرتے تو اسلحے کے ذخائر پر ہمارا قبضہ نہیں ہو گا۔"  
 انسپلر جمشید نے اشاروں میں جواب دیا۔  
 "میں کچھ کرتا ہوں۔ تم اپنی اپنی جگہ رکھو۔"  
 اب انہوں نے حلق سے سانپ کی پھنکار جیسی آواز نکالی۔ وہ  
 چاروں چوہے گئے۔۔۔ پھر ان میں سے ایک اس طرف آیا۔۔۔ جن میں  
 کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ پوری طرح چوہا تھا۔ وہی وہ اس  
 درخت کے نزدیک آیا جس کے پیچھے انسپلر جمشید تھے۔ انہوں نے اس  
 کی گردن اس طرح دبوچ لی کہ اس کے حلق سے آواز نہ نکلی۔  
 اور پھر انہوں نے اس کی گردن اس وقت چھوڑی جب اس کی



پردہ آگئی۔ ساتھ ہی انہوں نے اسے لٹا دیا۔ اب وہ لٹا کر  
گئے۔ انہوں نے اسے اس طرح لٹایا تھا کہ نزدیک اسے لٹا کر  
اٹھ نظر ہی نہیں آسکتی تھی۔

”ارے۔۔۔ کجو کہاں رو گیا۔۔۔ کبھی اسے سانپ نے اٹھا  
نہیں لیا۔“ ایک کی آواز ابھری۔

”مم۔۔۔ میں۔۔۔ دیکھتا ہوں۔“

جلدی دوسرا پہلے کی تلاش میں نزدیک آگیا۔ اب اسے اپنے  
ساتھی کی لاش نظر آئی۔

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو لگتا ہے۔۔۔ مرنے والا  
دوسرے کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔“

”کیا!“ اس کے دونوں ساتھی چونک کر بولے۔۔۔ پھر وہ تیر  
طرح اس کی طرف آئے۔۔۔ بس یہی وہ وقت تھا۔۔۔ جب انہوں نے

دوسرے کی گردن پر اپنے ہاتھ کی ہڈی دے ماری۔ ایک سیکنڈ سے  
کم وقت میں وہ لمبا لیٹ گیا۔۔۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اسے تڑپتا چھوڑ کر وہ آگے والے دو کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے  
اور درخت کے ایک طرف آگئے۔۔۔ جو وہی دونوں آگے آئے اور اپنے

دونوں مردہ ساتھیوں پر جھکے۔۔۔ انہوں نے ایک ایک ہاتھ سے ان کی

گردنیں دیوچی لیں اور ان کے سر کند سے گلاب۔۔۔ سر لٹا کر  
تہہ آگئی۔۔۔ لیکن یہ آواز اتنی نہیں تھی کہ ساحل تک پہنچے۔ وہ وہی  
وہ ساحل سے کافی فاصلے پر تھے۔ دونوں کے سر پہنچے تھے  
انہوں نے ان دونوں کو بھی پھونک دیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے آگے  
ہوئے۔

”جلدی کرو بھی۔۔۔ اسلحہ مختلف درختوں کی اٹھ میں لٹا کر  
کر رہا۔۔۔ وہ لوگ ادھر آنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ کیونکہ انہیں  
اپنے اسلحے کی فکر پڑ جائے گی۔“

انہوں نے ہدایت پر عمل شروع کر دیا اور صرف چند منٹ میں  
اسلحہ کئی درختوں کی اوٹ میں رکھ دیا۔۔۔ اب اگر ان کے دشمن آتے تو

سیدھے اپنے اسلحے کی طرف آتے اور اس صورت میں ان کا نشانہ بن  
جاتے۔ کیونکہ جن درختوں کی اوٹ میں انہوں نے اسلحہ رکھا تھا۔ انکی

درختوں کی اوٹ میں انہوں نے پوزیشن بھی سنبھال لی تھی۔  
انتظار کرتے ہوئے انہیں پندرہ منٹ گزر گئے۔ لیکن دشمن

طرف نہ آیا۔۔۔ اب تو ان کی پیشانیوں پر غل پڑ گئے۔  
”پندرہ منٹ گزر گئے۔۔۔ آگے میں ابھی وہ نہیں آئے۔“

۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ ان کا ہجوم قتلے کا جوشم ہے۔

انہوں نے ساحل کے پاس مورچے منجھال لیے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہیں اس طرف جانا ہوگا۔ لائنیں جو اس طرف ہیں۔ سوچ کے بغیر تو ہم ساحل کی طرف نہیں جاسکیں گے۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”کوئی چراغ نہیں مر۔ ہمیں کیا جلدی ہے۔“

”ہاں اگر نام اچھن ہم اتنی دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمیں چاہیے تو بہر حال ہوگا۔ لہذا چلتے ہیں۔ ہم درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے۔“ زائد اسلحہ اٹھائے ساحل کا رخ کریں گے۔ ”انہوں نے گویا ہدایت دی۔

اس کے ایک منٹ بعد ان کا سفر ساحل کی طرف شروع ہو چکا تھا اور وہ قدم بہ قدم ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چونکہ بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی، اس لیے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ آخر وہ ساحل کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس وقت انہیں حیرت کا ایک جھٹکا ہوا۔

”ارے! یہ کیا؟“

انہوں نے دیکھا۔ ساحل پر دونوں لائنیں نہیں تھیں۔ وہ چند لمحوں تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر فرزانہ کے منہ سے

۱۳۱۔

”حیرت ہے۔ کم از کم مجھے ۲ لائنیں تو ملنی چاہیے تھیں۔“ کی آواز سنائی دینی چاہیے تھی۔ ”ہاں واقعی فرزانہ۔“ انسپکٹر جمشید نے دہرائی تھی۔ ”تب پھر لائنیں نہیں کہیں ہیں۔ ان دونوں کو دھکی کر ساحل کے دوسری طرف لے جایا گیا ہے تاکہ ہم چھپ سکیں۔“ ”ہوں! شاید یہی بات ہے۔ لیکن اب میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”اور وہ کیا باتا جان۔“ تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

”یہ کہ... لائنیں اب یہاں نہیں ہیں۔ وہ جا چکی ہیں اور ہمیں آئی جی صاحب کو فون کر کے لالچ منگوانا پڑے گی۔“ ”لیکن اتا جان! پھر وہی بات! آخر میں نے ان کے احوال ہونے کی آواز کیوں نہیں سنی۔“

”اس کا جواب بھی تم ہی بتاؤ گے۔ سوچو۔“ ”مگر میں نے ان کے انجن اشارت ہونے کی آواز کیوں نہیں سنی۔“ ”سنائی دی۔“

اب تو وہ سمجھ میں آ رہا ہے۔



کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے پھوٹے ہی پاؤں پر

”ہاں جھید کیا۔“

انہوں نے جلدی جلدی سوڑے حال تالی۔ نئے ہی گنگ سب

نے کہا۔

”تم فکر نہ کرو جھید۔ ہم ساحل پر پہنچ گئے ہیں۔“

تہاڑی طرف لالچ روانہ کر رہے ہیں۔

”شکر یہ سارا“

ایک کھٹے بعد لالچ اس جڑوے پر آگئی۔ اس کا کام

ماتحت بھی تھے۔

”ساحل کی کیا خبر ہے۔“ انسپکٹر جھید نے بے تابانہ پوچھا۔

”ہم تو سیدھے اوھر آ رہے ہیں۔ ساحل کی طرف گنگ صاحب

روانہ ہوئے تھے۔“

”ہوں۔۔۔ چلیں پھر۔“

وہ جلدی جلدی لالچ پر سوار ہو گئے۔ اگر کام اپنے ہاتھوں میں

وہیں رک گیا۔ ابھی وہاں کافی کام تھا۔ اسطرح سوچا تھا۔

ولیرہ اٹھائے تھے۔ اور بھی کوئی تھے وہاں سے مل سکتی تھی

اب ان کی لالچ جھڑکی سے ساحل سمندر کی طرف۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ لالچیں آپ اور میں بھی تھیں

جب ان کے اوپر کور آگیا، تب انجن سٹارٹ کیے گئے۔ ان طرف

آواز ہم تک نہ پہنچ سکی۔ کافی فاصلے پر جا کر وہ پانی کی گنگ سے

ہوں گے۔ ان کا مطلب ہے۔۔۔ وہ بھاگ گئے۔“

”ضرور یہی بات ہے۔ لیکن۔“ انسپکٹر جھید کہتے کہتے رک

گئے۔

”لیکن کے بعد آپ رک کیوں گئے۔“ فادوق نے بے تابانہ

کہا۔

”لیکن۔۔۔ حد کیوں نہیں پہنچی۔۔۔ خطرے کو بھانپتے ہی میں نے

خان رحمان کو ایس ایم ایس کر دیا تھا۔ اور اس وقت تک انہیں لالچ

لے کر یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔۔۔ خیر میں انہیں فون کرتا ہوں۔ اس

وقت تو فون کیا نہیں جاسکتا تھا۔“

پہ کہہ کر انہوں نے خان رحمان کا نمبر ملایا۔۔۔ نمبر بند ملا۔ اب

انہوں نے پروفیسر صاحب کا نمبر ملایا۔۔۔ وہ بھی بند تھا۔

”باپ رے۔۔۔ ساحل پر بھی کڑ بڑ لگتی ہے۔“

”کیا!؟“ وہ ایک ساتھ چلائے۔

اور پھر انہوں نے آئی بی صاحب سے رابطہ کیا۔ جلد ہی ان

آدم گئے سے بھی کم وقت میں وہ ساحل پہ تھے۔ ان کا صاحب  
اور ان کے دوسرے آفیسر موجود تھے۔ ان کے پیروں پر نظر پڑا  
کی وہ پریشان ہو گئے۔

”پروفیسر صاحب اور خان صاحب غیرت سے توجہ میں رہیں۔“  
”خان صاحب ریسیوں سے بندھے بیٹے ہیں اور وہ ہیں۔“  
”ہوش! انہیں ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔ بس تمہارا انتظار تھا۔ ہم یہاں  
سے ہسپتال ہی چل رہے ہیں۔“

”اور پروفیسر صاحب اور وہ مافی گیر۔“

”وہ غائب ہیں۔“

”مطلب یہ کہ ہمیں گھیر کر اس جزیرے تک لے جانا تھا

تاکہ ہمیں قسم کر دیا جاتا۔“

”اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے جمشید۔ اور پروفیسر کو اغوا کرنا

تھا۔“

اب وہ ہسپتال پہنچے۔ انہیں فوراً اس کمرے میں لایا گیا۔

جہاں خان رحمان تھے۔ وہ ساکت نظر آئے۔

”تو ابھی انہیں ہوش نہیں آیا۔“

”جی نہیں۔۔۔ کوشش جاری ہے۔۔۔ گلا ہے۔۔۔ بے ہوشی کی

لہذا ہی منت چن رہی تھی ہے۔ لیکن یہ حال اس کا ہے کہ جلد ہی  
میں آجائیں گے۔“

اب ان کے پاس انتظار کے سوا کیا چارہ نہ تھا۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہم ان کیس میں ایک قوم کی آگے

نہیں بڑھ سکتے۔۔۔ بلکہ وہ پروفیسر داد کو ساتھ لے پاتے ہیں کاسب  
ہو گئے ہیں۔“

”ہاں جمشید۔۔۔ یہی بات ہے۔“

”اور یہ بات سنگین بات ہے۔۔۔ کیا ہم سمندر میں ان کے

مقابلے میں نہیں جا سکتے۔“

”نہیں جمشید۔۔۔ اس جزیرے کے فوراً بعد سمندر میں شاربھتان

کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔۔۔ اس طرح بحری جنگ چھڑ سکتی ہے

اور بحری جنگ چھڑی تو بڑی اور فضائی جنگ شروع ہو جائے گی۔“

”اور یہ بھی سوچ لو۔۔۔ جمشید۔۔۔ پورے ملک کی فضا پاک

نظریں ہم پر ہوں گی کہ یہ ہولناک جنگ جس نے پورے ملک کو اہل

لپیٹ میں لے لیا ہے۔۔۔ ان لوگوں کی وجہ سے چھڑی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اب ہمیں ان کی تلاش میں نکالنا ہو گا۔

تو نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں۔“



"یہ تم سے کس نے کہا ہے جشید... یہ کوشش تو ہمیں کرنی ہے۔"

"کہ۔"

"ٹھیک ہے سر... فی الحال ہم خان دھان کے ہوش میں آئے۔"

"کا انتظار کریں گے... کتنے تک وہ بھی تو نہیں کچھ تا میں گے۔"

"کے ساتھ کیا ہوا؟"

"ہاں کچھ نہیں۔" شیخ صاحب اس انداز میں مسکرا دیے۔

"کوئی مسئلہ ہے... یہ کوئی لمبا معاملہ ہے... پہلے بات

صرف یہاں تک تھی کہ ان لوگوں نے بڑے پراسرار انداز میں

کتابیں اڑائی تھیں... ہم ابھی تک اس کتاب کا نام معلوم نہیں کر سکے

ان لوگوں نے خاور لودھی صاحب اور جواد الحسن صاحب کو بھی انوا

کر لیا تھا... تاکہ ہم ان سے اس کتاب کا نام معلوم نہ کر سکیں۔"

پہلی نے بھی تو ایسی حالت میں کہ کچھ بتانے کے قابل نہیں ہیں۔"

جاننے انہوں نے کس طرح ان دونوں کی یادداشت غائب کی ہے۔"

وہ ہاں... ہم نے ان کے بارے میں رپورٹ نہیں لی... وہ دونوں

کہاں ہیں بھلا۔"

"دماغی دواؤں میں... اسی ہسپتال میں۔"

"تو ہم ذرا ان کی بھی خبر لے آئیں۔"

"ابھی بات ہے جشید... میں نہیں سمجھتا ہوں۔"

جس خان دھان ہوش میں نہیں آ جاتے... اس وقت تک یہاں سے نہیں

جاؤں گا۔"

"فکر یہ سر۔"

وہ وہاں سے دماغی دواؤں میں آئے... انہیں تو دماغی دواؤں تک

لے جایا گیا... دونوں ہوش میں تھے... لیکن انہیں کچھ ترانوں سے

پچاننے کی کوئی علامت ظاہر نہ کی... ان کی بیگمات اب وہیں تھیں

اور کافی فکر مند دکھائی دے رہی تھیں...

"آپ پریشان نہ ہوں... ملک کے بہترین ڈاکٹر ان کا علاج

کریں گے اور انہیں اپنی اصل حالت پر لانے کی فکر کوشش کریں گے

ہم دراصل دشمنوں کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی الجھ سکے ہیں... وقت ہم

سینک ان کے پاس رہتے... انہوں نے ہمارے بہت ہی اچھے دوست

پروفیسر داؤد صاحب کو اغوا کر لیا ہے اور دوسرے ساتھی خان دھان کو

جانے کیا چیز کھلائی ہے... یا کیا انکلیشن لگایا ہے کہ ابھی تک ہوش میں

نہیں آئے۔"

"ٹھیک ہے... ہم آپ کی کھدائی میں مددگار بنیں گے۔"

ان کے پاس جا لیں... اور اپنے ساتھیوں کو جاننے کی کوشش کریں۔"

آپ کی یکم صلب پہلے ہی ہمارا بہت خیال دیکھ رہے ہیں۔ اور  
یہ بات یہ ہے کہ ہم نے تو زندگی میں اس قدر مہربان خاتون کوئی نہیں  
دیکھی۔

”شکریہ اہم چلتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

اور پھر وہ خان رحمان کی طرف آگئے۔

”ان کے پوتوں میں حرکت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحبان نے

امید ظاہر کی ہے کہ چند منٹ تک یہ ہوش میں آسکتے ہیں۔“

”اللہ کا شکر ہے... ہم نے یہ حوصلہ افزا خبر تو سنی۔“

اور پھر ان کی نظریں خان رحمان پر جم گئیں... وہ ان کے لیے

دعا کرنے لگے... ساتھ ہی انہوں نے پروفیسر صاحب کے لیے دعا

شروع کر دی... آخر خان رحمان نے آنکھیں کھول دیں... چند منٹ

تک وہ پلکیں جھپکتے رہے... پھر انہیں پہچانتے ہی اس انداز میں مسکرا

اپنے... ان کے ہونٹ ہلے۔

”مجھے افسوس ہے جمشید... وہ پروفیسر صاحب کو لے گئے۔“

”تمہارا مطلب... وہ مایہ کیر۔“

”ہاں جمشید... ہمارے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ دشمن ہیں

بس جو فنی ہم وہاں پہنچے... انہوں نے ہم پر تان لیں۔“

مہربان قبضے میں لے لیے... اس کے بعد انہوں نے ہمیں دھس سے

باندھ دیا... پھر ان میں سے ایک ایک خط لکھنے لگا۔

”کیا کہا... خان رحمان... خط لکھنے لگا۔“

”ہاں... خط لکھنے کے بعد انہوں نے وہ خط میری جیب میں رکھ

دیا... اس کے بعد ایک انجکشن لگایا اور پھر میرا دماغ سمر کی طرح

مکھ گیا۔“

”کیا کہا... خط انہوں نے تمہاری جیب میں رکھ دیا... بہت

تیرے کی... تمہاری تلاشی لینے کا تو ہمیں خیال تک نہیں آیا۔“ انہوں

نے چونک کر کہا... پھر ان کی جیب سے وہ خط نکال لیا۔

اور پھر وہ سب اس خط پر اس تیزی سے ہنسنے لگے کہ ان کے سر ان

میں ٹکرا گئے... لیکن... یہ وقت ایک دوسرے پر فخر کرنے کا گاہ تھا

... ان کی نظریں خط کی تحریر پر دوڑنے لگیں...

☆☆☆☆☆



"ابھی بات ہے... ڈاکٹر صاحب... آپ کی طرف سے اہانت ہے۔"

"بہتر تو یہی تھا کہ یہ ابھی ایک آدمی آرام کرتے۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب... ہمارے دوست پروفیسر صاحب کو اور

مرزا کا بھائی ہوتا تو اور بات تھی... اب ہم نہیں رک سکتے۔"

اور وہ ہسپتال سے باہر نکل آئے... لیکن صاحب نے دھڑکی مار

لی... اور انہوں نے اپنے گھر کی... گھر میں ٹیکم بمبید نے ان کا

استقبال کیا... پروفیسر صاحب کی وجہ سے سب پپ پپ تھے... گھر

فرزانہ نے کہا۔

"کیوں نہ ہم انکل کا مرزا کو بھی اس مہم میں شامل کر

لیں۔"

"اچھا! میں انہیں فون کرتا ہوں۔"

انہوں نے انسپٹر کا مرزا کا نمبر ڈائل کیا... فون آگیا تھا

ٹیکم کا مرزا کا نمبر ملایا تو ان کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم بھائی جان۔"

"السلام علیکم... کہاں ہیں یہ لوگ۔"

"ان کا کوئی پتا نہیں۔"

## کالا جنگل

کالا کے الفاظ یہ تھے۔

"ڈیر انسپٹر جمشید... پروفیسر داؤد کی تلاش میں نکل پڑو... ہم

کالا جنگل میں تمہارا استقبال کرنے کے لیے تیار ہوں گے... امید ہے

آؤ گے... پروفیسر داؤد کے آرام بچیں اور کھانے پینے کا خیال رکھا

ہائے گا... اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کالا جنگل... ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور یہ کالا جنگل کہاں ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"جگہ باریک نام سنا ہے۔"

"کوئی بات نہیں... معلوم کر لیتے ہیں... خان رحمان ابھی تم

آرام کرو... ہم ذرا کالا جنگل کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔"

"نہیں! اب میں یہاں مزید نہیں کیڑا رہ سکتا... میں ساتھ چلوں

”سبھی مطلب یہ تو چونک اٹھے۔ انہوں نے موبائل کا انکڑا کر

کر دیا تھا۔ اس لیے بھی سن رہے تھے۔

”یہ ایک بہت پہلے کی بات ہے۔ یہ آفس میں تھے کہ ان کے

ایک دوست کا فون انہیں موصول ہوا۔۔۔ دوست نے ان سے اپنے گھر

آنے کی درخواست کی اور کہا کہ وہ ایک سلسلے میں بہت پریشان

ہیں۔ اور پریشانی بھی کچھ پراسرار قسم کی ہے، تو انہوں نے بچوں اور

ساتھ لیا اور دوست کے گھر پہنچ گئے وہاں جا کر پتہ چلا کہ ان کے

دوست موجود نہیں ہیں بلکہ اپنی لائبریری سے کوئی کتاب لے کر کسی سے

لے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ انسپکٹر کامران مرزا آئیں تو انہیں

بٹھائیں۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔۔۔ اب وہ لوگ وہاں انتظار کرتے رہے

اور میں یہاں ان لوگوں کا انتظار کرتی رہی، اور جب بہت دیر گزر گئی تو

میں نے ان کے نمبر پر فون کیا۔۔۔ تو ان کا نمبر بند جا رہا تھا، پھر میں نے

تینوں بچوں کا نمبر ملایا تو تینوں کا موبائل بند ملا۔۔۔ پھر بالآخر میں نے

اس گھر میں فون کیا تو پتہ چلا کہ ان کے اسی دوست کا فون آیا تھا اور

وہ کتاب کے سلسلے میں انہیں کہیں بلا رہے تھے اور یہ لوگ فوراً ہی چلے

گئے۔۔۔ اس کے بعد سے نہ ان کے دوست کا اور نہ ان لوگوں کا کوئی پتہ

نہیں۔“

”اور۔۔۔ انسپکٹر جمشید کے منہ سے اسے حیرت کے طور پر

”اور آپ کا یہ بیان ظاہر کر رہا ہے۔۔۔ اس طرف کی طرف

کے حوالے سے کوئی سلسلہ چل رہا ہے۔“

”ہاں بھابی۔۔۔ سنا ہے۔۔۔ اس طرف۔۔۔ گھروں سے ایسے کتاب

چرائی جا چکی ہے۔۔۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پروفیسر والا صاحب کو

انوار کر لیا گیا ہے۔۔۔ اور ان کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ ہم ان کی تلاش میں

نکل رہے ہیں۔۔۔ خیال آیا کہ ادھر سے بھی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے

لیں۔۔۔ لیکن وہ شاید ہم سے بھی پہلے کتاب والے معاملے میں الجھ چکے

ہیں۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ آپ نے تو ہماری پریشانی اور سزا دے

.. خیر آپ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم ان لوگوں کی تلاش میں نکل رہے ہیں۔“

”بہت بہت شکریہ بھائی جان۔۔۔ یہ تو بہت ہی اچھا سوچا ہے۔“

”کے۔“

”اللہ اچھا کرنے والے ہیں۔۔۔ آپ بس دعا کریں۔۔۔ ہم ان

کی تلاش میں نکل رہے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون لے کر اٹھ

۔۔۔ میں اسی لمحے موبائل کی گھنٹی بجی۔۔۔ انہوں نے جھک کر اسٹری

پر نظر ڈالی۔۔۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی وجہ سے وہی ہنس اٹھا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“



”کیا جدا کیا جان۔“ فاروق کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”شوکی کا خون ہے۔ اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔“

”کیا تمہارا آپ نے۔۔۔ آپ کو ڈر لگنے لگا ہے؟“

”ہاں۔“ انہوں نے واقعی پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اور آپ ڈر محسوس کر رہے تو ہم کس کیفیت کی سولی ہیں، ہم بھی

ڈر محسوس کر لیتے ہیں۔“ فاروق نے خوف کے عالم میں کہا۔

”یار چپ رہو۔۔۔“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے موبائل آن کر لیا

فورا ہی شوکی کی آواز سنائی دی۔

”ہم ایک نامعلوم جگہ پر قید ہیں۔۔۔ آپ فوراً ہماری مدد کے

لیے آئیں۔“

”کک۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو شوکی۔۔۔ تم ایک نامعلوم جگہ پر قید

ہو؟“

”ہاں انکل مہربانی فرما کر آپ یہاں پہنچ جائیں۔“

”جس جگہ تم قید ہو۔۔۔ اس جگہ کی کوئی نشانی بھی تو بتاؤ۔۔۔“

”مردہ کی نہیں کہ تم مزک یا آبادی کا نام بتاؤ۔۔۔ جس گھر میں تم قید ہو

۔۔۔ اس گھر کی کوئی خاص بات بتا سکتے ہو۔“

”خاص بات۔۔۔ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! خاص بات؟“

”ہمیں بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔۔۔ فوری آکر

تعلیٰ تو ہم نے خود کو اسی کمرے میں پایا تھا۔۔۔ اب ہوا کمر اس بات

میں کیا بتا سکتے ہیں۔“

”سوال تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے پاس موبائل کون

دے دیا۔“

”میرے پاس ایک بہت چھوٹے سائز کا موبائل ہے۔۔۔ جو میری

نے ابھی کچھ ہی مدت پہلے خریدا ہے۔۔۔ وہ ایک خفیہ جیب میں رکھا

ہوں۔۔۔ اور آف کر کے رکھتا ہوں۔۔۔ دن میں اس کی بیٹری بھی چارج

کر لیتا ہوں۔۔۔ بس یہ وجہ ہے کہ موبائل میرے پاس رہ گیا۔“

”ہوں! تم تو روز بروز عقل مند ہوتے جا رہے ہو شوکی۔“

”آپ کی مہربانی ہے۔۔۔ آپ کی دعائیں ہیں۔۔۔ اور آپ کی

تربیت ہے۔“

”اچھا بس۔۔۔ وقت نہ ضائع کرو۔۔۔ کمرے کے دروازے پر

کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو۔۔۔ کیونکہ اس سم کی مدد سے آلہ کار اور

صاحب بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”جی اچھا۔۔۔ میں بتاتا ہوں۔۔۔ یہ کہہ کر آلہ کار

اس کا ہے۔ اس کی دعاؤں پر کمالی صاف کر رہا ہے۔ قہر و  
 انداز سے دور کا ہے۔

اس کا بہت اہل ہے۔ کچھ لوگ بہت جلد پہنچیں  
 چاہتے ہیں۔

”جی ہاں، اہل آپ کے تو ہماری پریشانی ہی دور کر دی۔“  
 ”نہ تو بارگاہ شریک پریشانی دور کرنے والی دانت لک  
 کمال کی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

اب انہوں نے آلی بی انوار عالم کا فہر ملایا۔ ان کی آواز سن  
 ی انہوں نے کہا۔

سراٹھکی جوارز کو انوار کر کے اس شہر کی ایک عمارت میں رکھا  
 گیا ہے۔ اس نے ہمیں فون کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے... وہ  
 آپ کو اہل فون کر سکتا ہے۔ اور اس طرح آپ آسانی سے اس  
 عمارت تک آ سکتے ہیں۔ پھر انہیں آرام کرنا بہت آسان ہو گا۔  
 لیکن اس نے آپ کے پاس ہمیں فون کیا ہے۔ اس کا کیا  
 مطلب ہو سکتا ہے۔“

”حالت اور سوچ بات ہے۔ یہ فون اس نے خود نہیں کیا۔“

پھر اس نے اس سے کہہ دیا ہے جی۔ یہ بات ہے۔ تم  
 ہم ان کی ساری باتیں یہاں آ کر۔ اور ہم آپ کی مثال میں  
 لیں۔ مطلب یہ کہ وہ فون کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔ فون پر  
 کہ... اس کا فہر سے پاس ہے۔ ہم اس سے اس کے اس فہر  
 کا سراغ لگا لیں گے۔ اور ہمیں فون کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے  
 گی۔ اس لیے کہ وہ ہمیں فون کر چکا ہے۔ ہم اس فون میں  
 ہوئی ہے۔ لہذا اس کی سمت معلوم ہو جائے گی۔ اب وہ ہر  
 کہ وہ نہ جانے وہاں کس عمارت میں قید ہیں۔ تو اس بات کی کوئی  
 اہمیت نہیں۔ ہم اس پر سے علاقے کو کھیرے میں لے لیں گے۔“

”ٹھیک ہے سہرا آپ یہ کوشش شروع کر دیں۔ آپ کا یہ  
 خیال بالکل درست ہے۔ کہ وہ دراصل ہمیں الگ کرنا چاہتے ہیں۔“  
 ”یہ کون لوگ ہیں... اور ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔“

”ان کے مقاصد ابھی تک معلوم نہیں ہو سکے۔ انہوں نے اب  
 تک ہماری طرف جو وارداتیں کی ہیں۔ وہ بہت پورے قسم کی ہیں  
 فی الحال سب سے بڑی واردات یہ ہے کہ وہ پھر وہاں  
 انوار کر رہا ہے۔ ہم ان کی تلاش میں آگیا چاہتے ہیں۔ اس کے  
 ہم نے سوچا کہ (سیکرٹ) وہاں سے ان کو روکا جائے۔“



”صرف پروفیسر انگل کی وجہ سے مکمل ... شوقی بات اور آج  
کا مرزا مرزا پارٹی کی وجہ سے بھی ... ہمارے لیے سچ ہے۔“  
”میں کو تلاش کریں۔“

”جب کہ میرے خیال میں تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں اب  
حضرات کو مجرموں کی ایک ہی جماعت نے اٹھا لیا ہے۔“ (قرآن نے  
سترا کر کہا۔

”واقعی فرزانہ ... تم تو میرے بھی کان کاٹ رہی ہو۔“  
”نہیں نہیں تو ابا جان! آپ یہ تو نہ کہیں۔“ (فرزانہ نے ہنسنے لگا  
کہا۔

”اچھا نہیں کہتا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔  
”تب پھر ہم اب کیا کریں گے ... ہمارے سامنے تو کوئی راستہ  
بھی نہیں ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”غور کریں گے بھی ... ایسے ہی روانہ نہیں ہوں گے۔“  
یہ سمجھتا ہوں ... ہمارے سامنے کئی باتیں ہیں ... ہمارے لیے ہمارے  
دشمنوں نے ایک کتاب اڑائی ہے ... شاید پودے لگتے ہیں اور کتابت  
کی تین چار جلدیں مختلف جگہوں پر موجود تھیں اور وہ اب ہمارے  
چال ہیں۔ اگر ہم ان میں سے کوئی کتاب حاصل کر لیں تو ہم

بھی بامقصد ہیں۔ مطلب یہ ان کے بارے میں معلوم نہیں کر کہاں  
ہیں۔ ابھی ہم ان سے رابطہ کر لے کی کوشش میں ناکام ہوئے تھے کہ  
شوقی کا دن آگیا ... اس نے بتایا کہ وہ لوگ ایک جماعت میں تھے  
ہیں۔“

”لھیک ہے۔ تم لوگ اطمینان رکھو ... میں ایک بار دیکھ  
تک بتاؤں گا کہ ہم نے انہیں پایا ہے یا نہیں۔“  
”بہت بہتر سر! اور شکریہ۔“

”اور یہ تم نے شکریہ کیوں کہا۔“ انہوں نے ناراضی ظاہر کی۔  
”معافی چاہتا ہوں سر۔“

”یہ ہوئی بات۔“ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور فون بند کر  
دیا۔

”اب وہ کھٹے تک تو ہم سوائے انتظار کے کچھ کر نہیں سکتے۔“  
”تو پھر کچھ دیر آرام کر لیتے ہیں ... کھا پی لیتے ہیں ... کیونکہ  
مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری راجسی جلد نہیں ہو گی ... یہ کیس لہا  
جوت ہو گا۔“

”اللہ اپنا رحم فرماتے ... آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔“  
”ہم پہلے ہی پروفیسر انگل کی وجہ سے پریشان ہیں۔“

بات جان پاتے کہ دشمن کا منصوبہ کیا ہے۔ یا ان سناہوں کو اڑا کر۔  
 کوئی بات ہم سے چھپاتا چاہتا ہے۔ اور اگر وہ بات ہمارے علم  
 میں آجائی تو ہم کس پوزیشن میں ہوتے۔ ایک بات تو یہ ہے۔  
 دوسری بات انہوں نے ہمارے ساتھیوں کو اغوا کر لیا ہے۔  
 پروفیسر صاحب کو، شوکی برادرز کو اور انسپٹر کامران مرزا کو۔ اس طرح  
 گویا وہ ہمیں بے بسی کے احساس میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں۔ تیسری  
 بات ہمیں جو سکھ ملتا ہے۔ وہ بھی انہوں نے جان بوجھ کر گرایا تھا  
 گویا وہ خود چاہتے ہیں۔ ہم اسے دیکھ لیں۔۔۔ اس سے میں یہ  
 سوچنے پر مجبور ہوں۔ کہ وہ ہمیں کسی ایک جگہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔  
 صرف ہمیں ہی نہیں۔۔۔ شاید دوسرے ملکوں کے کچھ اور لوگوں کو  
 بھی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ دنیا بھر کے کچھ ماہرین کو ایک  
 جگہ جمع کرنے کے چکر میں ہوں۔ تاکہ ان کے اپنے منصوبے پر کام  
 کر سکیں۔ اور شاید وہ دنیا کا کوئی ایسا حصہ ہے۔۔۔ جو دنیا کی نظروں  
 سے اوجھل ہے۔ لیکن یہ لوگ وہاں کیسے پہنچ چکے ہیں۔۔۔ اگر میرے  
 اندازے درست ہیں، تب تو وہ ہمیں خود بخود کسی نہ کسی طرح وہاں لے  
 جائیں گے۔ ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

لیکن اتنا جاننا ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں سکتے۔ اس

طرح تو ہم انتظار کرتے کرتے سوکھ جائیں گے۔ انہوں نے تمہارا دل  
 میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ ہم آرام سے بیٹھے رہیں۔  
 مطلب یہ تھا کہ۔۔۔ ہمیں راحت وہ خود دکھائیں گے۔ اور ایسا جلد  
 کا۔

”پہلے ٹھیک ہے۔۔۔ ان کے دکھانے والے راستے پر ہم چلیں  
 پڑیں گے۔“

”ایک بات اور۔۔۔ یہ ہمارا اندازہ ہے کہ انہوں نے ان  
 کامران مرزا پارٹی کو اور شوکی برادرز کو اغوا کر لیا ہے۔ یہ ممکن ہے  
 یہ بات نہ ہو۔“

”شوکی برادرز کے بارے میں تو آئی جی انوار الحق صاحب کی  
 طرف سے ابھی تھوڑی دیر تک رپورٹ مل جانے کی۔۔۔ باقی رہے انہیں  
 کامران مرزا ان کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ  
 کوئی موم کی ناک نہیں ہیں کہ دشمن جدمہ چاہیں گے، ہرگز نہیں گے۔  
 ان سے بھی کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جائے گی۔“

اور پھر آئی جی انوار الحق صاحب کا فون آگیا۔ وہ کہہ رہے  
 تھے۔

”مجھے افسوس ہے جمید۔۔۔ ہم شوکی برادرز کو نہیں آتے۔“



”کمرے کا کچا ہے۔ جس میں انہیں قہہ کیا گیا تھا۔ لیکن  
 وہ اس سے کافی دور پہلے انہیں وہاں سے لے جا چکے تھے۔ شہر میں  
 ان پر ان کی جاتی جاری ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ہم انہیں نہیں پا  
 سکیں گے۔ وہ اس کمرے میں تم لوگوں کے لیے پیغام چھوڑ کے  
 چلے گئے۔ یہاں تک کہ اگر وہ خاموش ہو گئے۔“  
 ”اگر وہ پیغام کیا ہے سر۔“

”پیغام یہ ہے۔ اور اور جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ کالا جنگل  
 کچا جا رہا ہے۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔۔۔ شہر کی تمام طرف سے بھی اور  
 انہیں کامران مرزا پارٹی سے بھی۔۔۔ رہا یہ سوال۔۔۔ کالا جنگل کہاں  
 ہے۔ یہ معلوم کرو، تو جارا کام ہے۔۔۔“ انوار الحق یہاں تک کہ کر  
 خاموش ہو گئے۔

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ پیغام یہاں تک ہے۔“

”ہاں جلیل۔“

”تھیک ہے سر۔ ہم کالا جنگل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔“

”یہ کالا جنگل کی طرف ہے جلیل۔“

”میں معلوم نہیں سر۔“

”کیا۔۔۔“ وہ پٹالے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”جب پھر تم جیسے وہاں جاؤ گے۔“

”ہاں نہیں سر۔۔۔ لیکن ہمیں جانا ہو گا اور ہم جاتے گے۔“ انہوں

نے کہا۔

”تم۔۔۔ بہت عجیب ہو جلیل۔۔۔ بہت عجیب۔۔۔ انہوں کی  
 حفاظت فرماتے۔“

”آمین۔“ انہوں نے کہا۔

فون کا سلسلہ بند ہونے پر انہوں نے اکرام کے قبضہ والے کے  
 اس کی آواز سننے ہی انہوں نے کہا۔

”اکرام۔۔۔ تم کسی کالا جنگل کے بارے میں جانتے ہو۔“

”جی۔۔۔ کالا جنگل۔“ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

”اور! مجھے افسوس ہے اکرام۔۔۔ یہ سوال تم سے تھا۔“

جنگلات کے کسی ماہر سے پوچھنا چاہیے تھا۔۔۔ خیر کوئی بات تھی۔“

فون بند کر کے انہوں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا۔

جنگلات کے تو ماہر تھے ہی۔۔۔ جغرافیہ کے بھی ماہر تھے۔۔۔ ان کی آواز  
 سن کر انہوں نے کہا۔

”میرے دوست جلیل بات کر رہا ہوں۔“

”آہ۔۔۔ بہت دیر بعد آواز سنائی دی۔“

"میں کیا کیا جانتے... مجبوری کہہ لیں... یہ باتیں کالاجنگل

کہا جاتی ہیں۔"

"کالاجنگل؟" ہارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں کالاجنگل۔"

"یہ نام میں کبھی بار سن رہا ہوں... تاہم... آپ کچھ دیر انتظار

کریں... میں اپنی چند کتابوں کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کر

جائی۔"

"اچھی بات ہے... ہم انتظار شروع کر رہے ہیں۔" انہوں

نے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

اور پھر کوئی بیس منٹ بعد دوست کا فون ملا... وہ کہہ رہے تھے:

"مجھے افسوس ہے دوست... کالاجنگل نام کا کوئی جنگل میری

کتابوں میں نہیں ملا... اللہ جانے اس نام کا جنگل کہاں ہے۔"

"کیا آپ نے صرف اپنے ملک کی حد تک تلاش کرنے کی کوشش

کی ہے... یا پوری دنیا میں۔"

"ملک کے تو ہر جنگل کے بارے میں میں کتاب دیکھے بغیر بنا

سکتا ہوں... اس نام کا جنگل ملک میں تو ہر گز نہیں ہے... تمام شہر اور

مکتوں کے جنگلات کے نام بھی میں نے ٹیک کر لیے... لیکن معلوم

نہیں کر سکا... لہذا مجھے افسوس ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں... آپ پریشان نہ ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا... ایسے میں فردا نے کہا:

"ابا جان! ہم ایک صاحب کا نام بھول رہے ہیں... اس بات

کا زبردست امکان ہے کہ وہ کالاجنگل کے بارے میں جانتے ہیں۔"

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے... پھر انہوں نے حکمران

کہا:

"یہ بات تو مجھے پہلے ہی سوچ لینی چاہیے تھی۔"

"جی... کیا مطلب... کون سی بات؟" فاروقی اور مجھ کے

منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"منور علی خان سے یہ بات پوچھنی چاہیے تھی۔"

"اوہ ہاں۔" انہوں نے بھی چونک کر کہا۔

"اس طرح شاید وہ بھی اس مہم میں شامل ہو جائیں۔"

"مجھے امید ہے... اس مہم میں وہ بھی شامل ہوں گے۔"

"ان شاء اللہ! ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر انہوں نے منور علی خان کو فون کیا... تمام کی تمام باتیں



جی ہاں۔

”آپا جشید۔ کیسے یاد آگیا میں۔“

”تم تو ہم وقت یاد ہی رہتے ہو۔۔۔ سناؤ۔۔۔ ان دنوں کہاں

ہیں۔“

”میں بات گو چھوڑ۔۔۔ پہلے یہ سناؤ۔۔۔ فون کرنے کی کیا

ضرورت پیش آگئی۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”تو کیا تمہارا خیال ہے ہم ضرورت پیش آئے بغیر فون نہیں کر

سکتے۔“ اسکا جشید نے فوراً کہا۔

”کر تو سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت تو ضرورت کے تحت ہی فون

کیا ہے۔“

”اندازہ درست ہے۔۔۔ ہم جانتا چاہتے ہیں۔۔۔ کالا جنگل کہاں

ہے۔“

”گگ۔۔ کالا جنگل۔“ مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

”تو آپ جانتے ہیں۔۔ کالا جنگل کہاں ہے۔“

”نہی۔ نہیں۔۔ ہاں۔“

”ان کے منہ سے اور زیادہ خوف کے عالم میں نکلا۔“

☆☆☆☆☆

## گم شدہ دوست

وہ حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ منور علی خوف زدہ ہونے والے آدمی

نہیں تھے۔۔۔ وہ تو جنگل کے خوفناک ترین درندوں کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈالنے والے تھے۔۔۔ ان لمحات میں انہوں نے کبھی خوف محسوس

نہیں کیا تھا۔۔۔ لیکن کالا جنگل کے ذکر پر اس قدر خوف زدہ ہو جاتا کہ ان

کے لیے حیرت کی بات تھی۔۔۔ آخر انہوں نے کہا۔

”منور علی خان! یہ کیا۔۔۔ آپ اور خوف زدہ؟“

”بات ہے ہی خوف زدہ ہونے کی۔“

”آخر کیا۔۔ کیا بات ہے اس جنگل میں خوف اور ہونے کی

”یہ ہے کہاں۔“

”یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کالا جنگل کہاں ہے۔“

”مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔“

”تب پھر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا۔“

”چلو پھر ہمیں بتا دو... کیا وہ بن گئی تھی؟“

”میں ایک بحری جہاز پر سوار تھا... بہت قریب سے طوفان آئی  
اس قدر زبردست کہ بحری جہاز ایک بلی پھٹکی کشتی کی طرف... پھٹنے  
لگا... اور پھر وہ الٹ گیا۔“

”کیا!!!“ مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

”جہشید! پھر سمندر کی چھالیں ہمیں اوپر اچھالنے لگیں... لوگ  
بوٹوں کو بیٹھے... اور میں بھی۔“

”پھر... پھر کیا ہوا۔“

”مجھے پتا نہیں... باقی لوگوں کا کیا بنا تھا... مجھے تو بس اپنے  
بارے میں معلوم ہے... میری آنکھ کھلی تو میں ایک جنگل کے کنارے  
موجود تھا... اور مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر سمندر کی چھالیں نظر آ رہی تھیں  
... بھوک کی وجہ سے میں حد درجے کمزوری محسوس کر رہا تھا... مرنے لگا  
... لڑکھڑاتا اور گھسٹتا... جنگل کی طرف بڑھا... تاکہ پیٹ  
بھرنے کا کوئی سامان کر سکوں... کئی درختوں پر عجیب و غریب پھل نظر  
آئے... ان میں سے کچھ ٹوٹ کر درختوں کے نیچے بھی پڑے تھے...  
میں نے پہلے انہیں چکھا... پھر کھانے لگا... وہ مزے دار تھے...  
انفاس کی قسم کے تھے... ان میں پانی بھی تھا... وہ آگ پر پانی کی گواہ تھے۔“

”مجھے اب بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ جنگل کہاں ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی... ابھی تم نے کہا ہے... مجھے بھی نہیں معلوم

تھا۔“

”میرا مطلب ہے... میں بس اللہ کی قدرت سے کاا جنگل میں

نکل گیا تھا... یوں کہ میں کہ حادثاتی طور پر پہنچ گیا تھا... اور حادثاتی

طریقہ پر ہی وہاں سے نکل آیا تھا... اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ جنگل کہاں

ہے۔“

”کیا!!!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”یہی بات ہے۔“

”تب پھر منور علی خان... تم اس جنگل کا نام سن کر خوف زدہ

کیوں ہو گئے۔“

”اس لیے جہشید... کہ تم نے جب اس کا نام لیا تو میں سمجھ گیا

... اب ہمیں وہاں جانا ہو گا... اور وہاں جانا موت کو دعوت دینا

ہے۔“

”لیکن تم بھی تو وہاں ہو آئے ہو... تم تو زندہ سلامت

ہو۔“

”اس کی وجہ بن گئی تھی۔“



لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ ان کا پانی پی لیا۔ اس طرح بھوک تم ہو گئی۔ پیاس بھی جاتی رہی۔ اب میں اور آگے بڑھا۔ مجھے تو تم جانتے ہی ہو۔ جنگلوں کا بہت تجربہ ہے۔ پوری طرح اندر داخل ہونے سے پہلے ہی میں نے جان لیا۔ جنگل حد درجے خطرناک ہے۔ اب میرے ایک طرف سمندر تھا۔ اس کی خوف ناک پھالیں تھیں اور دوسری طرف وہ جنگل۔ میں نے تو اس جیسے درخت کبھی نہیں دیکھے تھے۔ نہ ان درختوں جیسے پھل دیکھے تھے۔ زندہ رہنے کے لیے اب ان پھلوں کو کھانے اور ان کا پانی پینے کے سوا میں کیا کر سکتا تھا۔ سمندر کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر آگے بڑھا۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں۔ وہ کس قدر خوفناک، ہولناک اور خطرناک تریں جنگل لگتا ہے۔ تمہیں اس جنگل کا رخ کرنا ہی ہے۔ اگر وہ ہمیں مل گیا تو تم دیکھ ہی لو گے۔

”چلو یہاں تک تو بات سمجھ میں آگئی۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ

وہ کالا جنگل تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جب جہاز ڈوب رہا تھا۔ تو اس کے کپتان نے خوف کے عالم میں کہا تھا۔۔۔ اوہ گاڈ۔۔۔ اگر ہم سمندر کی موجوں سے بچ بھی گئے تو کالا جنگل ہمیں نکل جائے گا۔“

میں نے اس کے یہ الفاظ سنے تھے۔ اور اس کے قریب ہی رہا۔ اٹ گیا تھا۔ اب ظاہر ہے۔۔۔ اسی جنگل کے کنارے مجھے جوں آواہ اور تو وہاں صرف سمندر تھا اور بس۔۔۔

”ہوں۔۔۔ آگے بتاؤ۔۔۔ تم وہاں سے کیسے بچ گئے۔“

”ہاں یہ اور زیادہ عجیب بات رہی۔ اس جنگل سے بچ جانا۔۔۔ یہاں بس میں وہاں سے نکل آیا۔ اصل قریب قریب ناممکن تھا۔ لیکن بس میں وہاں سے نکل آیا۔ اصل میں میں نے فیصلہ کیا تھا۔ اس زندگی سے بہتر ہے۔ یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں موت آتی ہے تو آجائے۔“

”تب پھر تم نے کیا کیا۔“

”میں سمندر کے کنارے چلا آیا۔۔۔ دیر تک اسے گھورتا رہا۔ بھوک لگتی تو درختوں کی طرف چلا آتا۔۔۔ جنگل میں اندر جانے کی ہمت نہیں تھی۔۔۔ کیونکہ وہاں بہت زیادہ خوفناک چیزیں تھیں۔ جن کے بارے میں بتا کر میں تم لوگوں کو خوف زدہ نہیں کر سکتا۔“

”اچھا خیر۔۔۔ نہ بتاؤ۔۔۔ یہ تو بتا دو۔۔۔ تم وہاں سے نکلے کیسے۔“

”میں تقریباً پندرہ دن تک صبح سے شام تک ساحل پر بھٹکتا رہا۔۔۔ آخر سولہویں دن لکڑی کا ایک تختہ بہتا نظر آیا۔۔۔ وہ آجھی ساحل کی طرف ہی رہا تھا۔ اس روز ہوا کا رخ جنگل کی طرف تھا۔ اس طرح

[illegible]

ان کی رفتار پر مجھے بہت حیرت ہوئی۔۔۔ ایک دن اور ایک رات میں  
 جیسا کہ میں نے پہلے بتایا تھا۔۔۔ بلکہ چپو چلانے کی ہمت بھی ختم  
 ہو گئی تھی۔ لیکن ہوا اس تختے کو اڑائے لے جا رہی تھی۔۔۔ میں اس پر  
 بیٹھ رہا۔۔۔ تختے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھا۔۔۔ اگر ایسا نہ  
 کرتا تو میں اس پر سے کبھی کا پانی میں گر گیا ہوتا۔۔۔ اور آخر تختے نے  
 مجھے ایک جزیرے پر لایا۔۔۔ وہ جزیرہ اس جنگل سے نہ جانے کتنے  
 برس پہلے۔۔۔ ہی مجھے اتنا یاد ہے۔۔۔ تختے پر پورا ایک دن اور پوری  
 رات گزار دی تھی۔۔۔ اس جزیرے پر ناریل کے درخت تھے۔  
 اب میں کچھ دن تک تو ناریل کھا

میں نے پہلی ہی بار چہرہ دین کا نے۔۔۔ بحر ایک بحری

جہاز دور سے گزرتا نظر آیا ... میں نے جتنا چاہا اتنی دیر ...  
تذرات ایک بار پھر مہربان تھی ... ہوا کا رخ جہاز کی طرف تھا ...  
مے دوش پر میری آواز جہاز تک پہنچی گئی ... جہاز نے الٹا رخ کر لیا ...  
کی طرف کر دیا ... آخر جہاز نزدیک آکر رگ گیا ... انہوں نے ایک  
سستی میری طرف روانہ کی ... وہ چھوٹی سی ایک لڑکی تھی ... اس نے  
ہینو کر میں جہاز پر پہنچا ... میں نے انہیں اپنی کہانی سنا لی ... انہوں نے  
جہاز پر مزدوروں کی طرح کام کرنے کی شرط پر مجھے جہاز پر آجایا ...  
ساتھ ہی بتایا کہ جہاز انشارجہ جا رہا ہے ... لہذا وہ مجھے انشارجہ کے  
داخل پر آتا رویں گے ... اس کے بعد انشارجہ کے کام جانیں ... تم  
جانو ... میں نے کہا ٹھیک ہے ... کیونکہ کوئی اور چارہ بھی تو نہیں تھا ...  
وہ تجارتی جہاز تھا ، اس پر مال لدا ہوا تھا ... اس طرح پندرہ دن کے  
سفر کے بعد ہم انشارجہ پہنچے ... جہاز کے کپتان نے مجھے کام کے  
حوالے کر دیا ... انہوں نے حوالات میں ڈال دیا ... کئی دن تک تو  
انہوں نے نے پوچھا بھی نہیں کہ میں کون ہوں ... اور کیا ہوں ... آخر  
مجھے ایک آفیسر کے سامنے پیش کیا ... میں نے پوری کہانی باہل کی  
سنائی ... وہ متاثر ہوا ... اور مجھے ایک ہوائی جہاز میں اس طرف بھیجے  
کا انتظام کر دیا ... بس میری کہانی تو اتنی سی ہے ...



”میں... آج کل روم میں ہوں۔ جین فگر کی بات ہے

تم جہاں کہو گے میں وہیں پہنچی جاؤں گا۔“

”میں ٹھیک ہے... میرا فون جلد ملے گا۔ آئیں اس وقت ایک

بہت اہم مہم درپیش ہے... انسپکٹر کامران مراد غائب ہیں۔ صوفی

برادر غائب ہیں... اور پروفیسر داؤد بھی غائب ہیں۔“

”ہائیں... ہائیں... جیشید... یہ تم کیا کیا کہہ گئے۔ اسے

لوگ غائب ہیں تو تم لوگ کیوں غائب نہیں ہو۔“

”یہ ایک لمبی داستان ہے... تھوڑی دیر بعد فون پر غلوں کا

پہلے میں کپتان کا سراغ لگا لوں۔“

”اچھی بات ہے جیشید... مارے فکر کے میرا تو برا حال ہوا جا رہا

ہے۔“

”حال کو برا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا... حوصلہ رکھو۔“

اللہ کو یاد کرو اور دعا کرو کہ وہ کپتان مل جائے۔“

”آمین۔“ انہوں نے کہا اور انسپکٹر جیشید نے فون بند کر دیا۔

اب انہوں نے انٹارجنڈ میں اپنے ایک خاص آدمی کو فون کیا۔ فوراً ہی

اس کی آواز سنائی دی۔

”السلام علیکم سر۔“

”میرے مورعلی خان کیا تم نے کپتان سے یہ بھی نہیں پوچھا

کہ وہ کون سا جگہ تھا۔“

”میں مجھے کون سا وہاں دوبارہ جانا تھا... وہاں تو جانے کے

فون سے بھی ہول آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے ان سے کچھ نہیں پوچھا

تھا۔“

”کپتان کا ہم معلوم ہے... کیونکہ زیادہ مدت کی بات تو ہے

نہیں... وہ مدت میں ہو گا اور اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔“

”اگر کپتان کا دم یاد ہے، اس لیے کہ جہاز کے عملے کے کئی

اگر کپتان کو پورے نام سے بلاتے تھے... وہ کہتے تھے۔“

”کیپٹن۔“

”میں ٹھیک ہے... میں کیپٹن زانا کا پتا کراتا ہوں... میرا کوئی

دھتھن اس سے ملاقات کر لے گا... اور یہ بات معلوم کر لے گا کہ اس

نے ایک شخص سے ایک شخص کو اٹھایا تھا... وہ جزیرہ کس سمت میں

ہے۔“

”میں معلوم ہو جاتا ہے تو شاید ہم اس جنگل کے بارے میں

مہم کر سکیں گے۔“ مورعلی خان نے فوراً کہا۔

”مورعلی خان تم اس وقت ہر کہاں۔“

”تبریک... انہوں نے اشارے میں کہا۔

”وہ کے سر۔“

”نہ بند ہو گیا... تھوڑی دیر بعد ہی ان کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے دیکھا... اسی آدمی کا خفیہ نمبر تھا... اب انہوں نے...

”انتارجہ کی بحری انتظامیہ میں کام ہے... ایک کپتان ہے... اس کا نام ہے کپتان زلانا... اس کا سراغ لگانا ہے... جو بھی اس کا چہ چلے اس سے ملاقات کرنی ہے... اسے کھلانا پلانا... اور باتوں باتوں میں اسے بتانا... تم بہت غلط ہیں... تمہارا ایک دوست غائب ہے... وہ ایک بحری جہاز پر سوار تھا... وہ بحری جہاز غرق ہو گیا... بس اتنا کہہ کر انتظار کرو... شاید وہ خود ہی بول پڑے... وہ اگر چونک کر یہ کہے... کہ اس نے ایک جزیرے سے ایک مسلمان کو اٹھایا اور جیل تک لے آیا تھا... تو بس سمجھ لو... کام ہو گیا... تم اس سے اس کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل کرنا... اس سلسلے میں کچھ تو تم ہی کیا پڑے تو فوراً اسے دینا... تم نے ساری بات ذہن سے لے لی ہے۔“

”مگر یہ۔“

”بہتر! میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔“

”آپ فکر نہ کریں سر... میں اسی وقت یہ کام شروع کروں گا۔“

”ہوں۔“

”شکریہ!“

فون بند کر کے انہوں نے بھی سکون کا سانس لیا... ایسے میں

فرزانہ نے کہا۔

”کیا آپ کو امید ہے کہ کپتان زلانا کا سراغ مل جائے گا۔“

”ہاں! اس لیے کہ انتارجہ میں نمبر ایک ہمارا ملازم نہیں ہے۔“

وہ اور اس کے چند ساتھی بے لوث کام کرتے ہیں... جان کی بازی لگانا پڑے تو بھی لگاتے ہیں... وہ سر توڑ کوشش کرے گا... اسے اپنے دین سے جنون کی حد تک محبت ہے... یہ لوگ مجاہدانہ کام کرتے ہیں... تمام اخراجات بھی پلے سے کرتے ہیں... مطلب یہ کہ یہ لوگ خالص اللہ کی رضا کے لیے کام کر رہے ہیں... لہذا تم دیکھنا... نمبر ایک کامیاب ہو گا ان شاء اللہ۔“

”ان شاء اللہ!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر انہیں انتظار کرنے میں تین دن گزر گئے... اللہ وہ عجب آگے

... آخر انہوں نے ایک بار پھر نمبر ایک کو فون کرنے کا ارادہ کیا۔



لیں اس سے پہلے ہی اس کا فون آ گیا...

"اسلام بیگم سر... بہت ہی مشکل سے کپتان زانا کا ہتال ہے۔ میری اس سے فون پر ابھی ابھی بات ہوئی ہے... میں اب اس سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے گھر پر بلایا ہے۔ وہ میری کوشش تھی کہ میری اس سے ملاقات کسی ہونٹ میں ہوتی ہے۔ اسے نہیں قسم کا کھانا کھاتا جس سے وہ بہت خوش ہوتا اور میری ہر بات کا جواب فوراً دیتا... لیکن اس نے میری دعوت قبول نہیں کی۔ اس نے یہ کہا کہ ملنا چاہتے ہو تو میرے گھر آ جاؤ..."

"نہ کوئی بات نہیں... امید ہے... تم اس سے اس جزیروں کا پتہ معلوم کر لو گے... کیونکہ تم تو اسے اپنے گم شدہ دوست کی کہانی سناتے ہو۔"

"نہ اس سر ابھی بات ہے۔"

"کوہاں کے گھر کا پتا کیا ہے۔"

"13 انٹرنیشنل سٹریٹ، ٹام مل۔"

"تھانک یو۔"

"اس سے ملاقات کے بعد آپ کو فون کروں گا۔"

"تھانک یو بہت زیادہ۔"

انہوں نے فون بند کر دیا۔ اب انہیں پھر اٹھ کرنا تھا۔ اس کا سارا کہیں... کپتان زانا سے ملنے والی معلومات میں سب آ رہی تھیں۔ اور ان کے پاس کوئی سراغ نہیں تھا۔ اس لیے وہ کافی بے چین محسوس کر رہے تھے...

اور پھر تین گھنٹے گزر گئے... نمبر ایک کا فون نہ آیا۔ اب تو وہ بے چین ہو گئے... اگرچہ اسے فون کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

لیکن اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا... اس لیے انہوں نے اس کا نمبر مانا۔ تاہم اس وقت وہ اپنے نمبر سے فون نہیں کر رہے تھے۔ ایک غیر ملکی سم سے فون کر رہے تھے... یہ سم تھی ایک غیر ملکی شخص کے ہم

... اور اس کا سراغ لگانا بھی آسان نہیں تھا... وہ ہمیشہ سفر پر رہتا تھا... آج یہاں کل وہاں... اور یہ سم ایسے ہی موقعوں کے لیے انہوں نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھی... تاہم اس میں یہ خطرہ بھی تھا کہ سم کے ذریعے یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ وہ کس مقام پر استعمال کی گئی ہے۔

اس لیے پہلے وہ اپنے گھر سے دور ایک ساحل پر پہنچے اور پھر وہاں سے اسے فون کیا... فون جلد ہی سنا گیا... لیکن دوسری طرف سے نمبر ایک کی آواز کے بجائے کسی اور کی آواز سنائی دی... انہوں نے فوراً ہی فون بند کر دیا اور ساتھ ہی سم بند کر دی... پھر وہاں سے فوراً ہی اپنے

گھر آئے۔ اس وقت محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 "یہ کیا ہوا ابا جان!"

"گتا ہے۔۔۔ نمبر ایک ان کے جال میں آ گیا ہے۔۔۔ کپتان کی  
 پے ی گمرانی ہو رہی تھی۔۔۔ یا پھر کپتان پہلے ہی گمرانی کرنے والوں  
 کے قابو میں آ چکا تھا۔۔۔ اور ظاہر ہے۔۔۔ وہ سرکاری لوگ ہوں گے۔۔۔  
 انہوں نے ہی کپتان سے کہا ہو گا۔۔۔ اس شخص کو گھر بلاؤ۔۔۔ ہوٹل میں  
 اس سے ملاقات نہ کرو۔"

"آپ۔۔۔ آپ کا مطلب ہے۔۔۔ نمبر ایک اب ان کے قبضے میں  
 ہے۔"

"حالات یہی کہہ رہے ہیں۔" انہوں نے شدید بے چینی کے  
 عالم میں کہا۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے بادل بہت گہرے ہو چکے  
 تھے۔ بہت کم موقعوں پر وہ اس قدر بے چین نظر آتے تھے۔

"کیا آپ کو نمبر ایک کا خیال سنا رہا ہے ابا جان۔"

"ہاں! اور کیوں نہ سنائے۔ اس جیسے کام کرنے والے میرے  
 پاس بہت کم ہیں۔"

"تم کہا اس ساری سازش کے پیچھے انشارج کا ہاتھ ہے۔"

"یہ تو غلطی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ انشارج میں بھی غیر ملکی ایجنٹ

سرگرم ہیں۔ اور وہ انشارج کے زمین بھی ہو سکتے ہیں۔"

"جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا لگتا ہے۔" قادی نے جواب دیا۔

"پوچھا۔۔۔ یہ کہ یہ کام انشارج کے سرکاری لوگوں کا نہیں ہے۔ جن  
 ضرور کچھ اور لوگوں کے قبضے میں ہے۔ انہی کے اشارے پر ان نے  
 نمبر ایک کو گھر بلایا تھا۔"

"تب پھر آپ وہاں موجود کسی دوسرے کارکن کو وہاں بھیجیں۔"

"وہ بھی کام سے جائے گا۔۔۔ یہ جال بہت گہرا ہے۔ تم فور  
 کرو۔۔۔ پروفیسر داؤد کو یہ لوگ اغوا کر چکے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر سکتے  
 ۔۔۔ شوکی برادرز غائب ہیں۔۔۔ کامران مرزا غائب ہیں۔۔۔ اور یہ کہانی  
 شروع ہوئی تھی۔۔۔ دو کتابوں کے چرانے سے۔۔۔ ابھی تک ہم اس  
 کتاب کا نام تک معلوم نہیں کر سکے۔۔۔ مطلب یہ کہ اس وقت تک ہم  
 اس کیس میں بالکل ناکام ہیں۔۔۔ بے بس ہیں۔۔۔ لیکن نہیں۔ انہوں  
 نے پُر عزم لہجے میں کہا۔

"لیکن نہیں کیا ابا جان۔" انہوں نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"اب ہم مزید یہاں نہیں رک سکتے۔۔۔ نہ اپنے کسی کارکن کو



رہا کرتے ہیں۔ جال چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ اور وہ جال  
کی تمام آدمی کا پھیلا یا ہوا نہیں ہے۔ ہمیں انشارجہ جانا ہوگا۔  
”تو پھر چلیے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”لیکن ایسے نہیں۔۔۔ یہاں سے اگر ہم براہ راست انشارجہ کے قریب  
ہم بھی ان کی نظروں میں آجائیں گے اور ظاہر ہے۔۔۔ نمبر ایک کے  
پہنچ جانے کے بعد وہ یہ پوری امید رکھیں گے کہ اس کے بعد ہم  
وہاں پہنچیں گے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ ہم وہاں پہنچیں گے ضرور۔۔۔ لیکن  
اس طرح نہیں۔۔۔ آؤ چلیں۔۔۔ اور اپنی والدہ سے ملاقات کر لو  
معلوم نہیں ہم اس صبح سے واپس آتے ہیں یا نہیں۔“

”ابا جان! ان کے منہ سے جذباتی انداز میں نکلا۔

”ہاں! بھئی۔۔۔ ایسا ہی ہے۔۔۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

جلدی وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے اور پھر کھانے کے  
اور ان آہستہ لہجے میں بیگم جمشید کو ساری بات بتا دی۔۔۔ وہ چھٹی پہنی  
آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو جھلکا رہے تھے  
۔۔۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ بیگم جمشید کی  
آنکھوں سے آنسو پپ پپ کرتے گئے۔

”ابا جان ہونے کی ضرورت نہیں بیگم۔“

”یہی ہم کہنا چاہتے ہیں اسی جان۔“ تنہا لے کر۔

اور پھر وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھوں میں  
جلدی وہ گھر سے نکل رہے تھے۔۔۔ بیگم جمشید ہوا۔  
”نسو آگئے۔۔۔ جلد ہی وہ گھر سے نکل رہے تھے۔۔۔ اور وہ گاڑی میں بیٹھے ہاتھ بلا رہے تھے  
میں کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھیں۔۔۔ اور وہ گاڑی میں بیٹھے ہاتھ بلا رہے تھے

یہاں تک کہ گاڑی موڑ مڑ گئی۔۔۔  
یہاں تک کہ وہ خان رحمان کے گھر آئے۔۔۔ خان رحمان وہ بھی  
اپنے گھر سے وہ خان رحمان کے گھر آئے۔۔۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”آخر اپنے بیوی بچوں سے ملنا تھا۔۔۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
”بہتر ہوگا کہ آپ لوگ ہمارے گھر چلے جائیں۔۔۔ کیونکہ یہ ہم

یہی بھی ہو سکتی ہے۔“

”جی اچھا۔۔۔ ایسا کر لیتے ہیں۔“ بیگم خان رحمان نے کہا۔

اس کے بعد وہ تجربہ گاہ پہنچے۔۔۔ شائستہ کو بھی انہوں نے جیسا  
مشورہ دیا۔۔۔ وہ بھی اسی وقت جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

”ابا جان! ہم خود ہی شائستہ کو گھر پہنچا دیتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن اس طرح ایک بار پھر الوداعی منظر

ہمیں نمکین کر دے گا۔۔۔ لہذا ہم اپنے گھر کے سامنے والی سڑک پر

شائستہ کو اتار دیں گے۔“ انہوں نے کہا۔

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

آخر کار کن کے ایک دوست ثنی دوست ہوا کی نے اس کو

دی... مگر انی نہیں کرائی تھی۔

انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... یہ پہلی کامیابی تھی جو انہوں نے حاصل کی تھی... اب وہ دشمن کی نظموں میں نہیں تھے... لیکن کسی رات بھی آسکتے تھے... اس لیے انہیں جو قدم بھی اٹھانا تھا... سوچ سچ کر اٹھانا تھا...

انہوں نے وہاں تین دن تک آرام کیا... مقصد آرام کرنا نہیں تھا... بلکہ یہ دیکھنا تھا... انہیں کوئی شک کی نظر سے تو نہیں دیکھ رہا تھا... آخر تین دن بعد انسپکٹر جمشید نے کہا...

"بہتر یہ ہے کہ پہلے صرف میں جاؤں گا اور کپتان سے ملاقات کروں گا... اب ظاہر ہے کپتان پہلے ہی خبر دار ہے... ہمارے دشمنوں نے اسے پہلے ہی ہوشیار کر دیا ہے... ان حالات میں اس سے کوئی بات معلوم کرنا انتہائی خطرناک بات ہوگی... ہم ہیں بھی اس وقت دشمن ملک میں... جو بھی ہماری کوئی حرکت سرکاری اہل کاروں کی نظر میں آئی... ہم پھنس جائیں گے... اس لیے پہلے صرف میں جاؤں گا... اور کوشش کروں گا... کپتان کو اغوا کر کے لے آؤں۔"

انہوں نے رات کو گھر کے قریب اتار دیا اور آگے بڑھے... اپنے ایک دوست کے گھر پہنچے... وہاں سے رات کی تاریکی میں دوست کی گاڑی میں نکلے... دوست نے انہیں اتر پورٹ تک پہنچا دیا... وہ ایک جہاز تک اپنے دوست سلطان برنائی کے ملک پہنچے... جے جی میک اپ میں... لہذا اتر پورٹ سے اتر کر سیدھے ایک ہوٹل میں آئے... بقیہ رات وہاں بسر کی... سلطان برنائی کو پہلے ہی سارے پروگرام کا علم تھا... اس نے ان کے لئے میک اپ کے مطابق ان کے کاغذات تیار کر دیے... سلطان برنائی کے ملک سے بھی انہیں انشارج نہیں جانا تھا... ایک اور دوست ملک جانا تھا... وہاں کے سلطان کو ان کے لئے کاغذات تیار کرانا تھے... یہ دوست ملک انشارج سے بہت دور تعلق رکھتا تھا... اس ملک سے آخر وہ انشارج کی طرف روانہ ہوئے... اب ان کے پاس جو کاغذات تھے... وہ اس ملک کے تھے... انہوں میں تبدیلی اس طرح کی گئی تھی کہ میک اپ بھی ثابت نہ ہو... اصل چوڑے بھی سامنے نہ آئیں۔

انشارج کے دارالحکومت کے اتر پورٹ سے ان کے کارکن نے انہیں وصول کیا اور اپنے گھر لے آیا... اب پہلے انہیں یہ جائزہ لینا تھا کہ ان کی مگرانی کرائی گئی ہے یا نہیں... اور اس کا پتا چند منٹ تک لگنا



”اے ماپے رستے۔“ ان کے منہ سے بار بار خوف کے لفظ  
”اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔“

”کیا اسے اغوا کرنا اتنا ہی آسان ہو گا۔“

”اچھائی مشکل ہو گا۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔  
اس دعا کرتے رہنا۔“ انہوں نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ ہم دعا کریں گے۔ لیکن اس موقع پر  
”ہاں ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔“  
”اور وہ کیا؟“

”ہمارے دشمنوں نے تو ہمیں خود کالا جنگل میں آنے کی دعوت  
دی ہے۔ تب وہ ہمارے وہاں پہنچنے میں رکاوٹ کیوں ڈال رہے  
ہیں۔“

”ان کا منصوبہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہمیں تو ابھی  
یہی معلوم نہیں کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔۔۔ سکوں کی جھلک دکھانے کا مقصد  
بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن خیر۔۔۔ کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے  
نہیں اپنے ساتھیوں تک پہنچنا ہی ہو گا۔ سو باتوں کی ایک بات تو  
یہ ہے۔ اچھا میں چلا۔“

انہوں نے کہا اور گھر سے نکل آئے۔ میزبان کی کار تیار تھی۔

”ہاں کون کے دروازے کا فرض انجام دیتا تھا۔  
”میں اسے باہر لے آؤں گا۔۔۔ پھر ہمیں کسی دیرین سائل پر جائے

جئے۔“ آپ فکر نہ کریں۔“

اس نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔۔۔ پھر سے ایک سمجھنے کی  
درايونگ کے بعد اس نے کہا۔

”ہم کپتان کے گھر کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔“  
”کار اس کے گھر کے دروازے تک لے چلیں۔“ انہوں نے

کہا۔

”جی بہتر!“

پھر جونہی کار رکی۔۔۔ انسپکٹر جشید نیچے اتر آئے۔۔۔ انہوں نے  
بات بے فکری کے انداز میں گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔۔۔ اس وقت وہ ایک  
نیرسمل ملک کے باشندے کے روپ میں تھے۔۔۔ ان کا ساتھی بھی اسی  
ملک کے لباس میں تھا۔۔۔

جلدی گھر کا دروازہ کھلا۔۔۔ کپتان کا حلیہ وہ منور علی خان سے

بڑھ چکے تھے۔۔۔ اس پر ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔۔۔ کیونکہ یہ ان

کے حق میں اچھی بات تھی۔۔۔ دروازہ کھولنے اور کوئی اور شخص آنا تو

میں کوئی دیر نہ کر لی تھی۔ انہوں نے گھوڑے ہی کہا۔

”میں نے کچھ کا محترم آپ کے دروازے کے سامنے ایک ہاں  
نہیں اٹھایا تو میں نے گاڑی روک لی۔ میں نے سوچا، حسب  
ہم آپ سے پوچھ لیا جائے، کہیں یہ آپ کا ہی نہ ہو۔“  
”کیاں ہے وہ ہاں۔“

”ہاں میں نے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر  
اٹھ آیا تھا۔ آپ بس ایک نظر دیکھ لیں۔ پھر ہم پولیس اسٹیشن میں  
لے جاکر اس کے۔“

”ٹھیک ہے۔ اس نے کہا اور آگے بڑھا۔

”میں نے انپکٹر جمشید آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول چکے تھے  
کار کی سیٹ پر کھلا پرس اور پرس میں نیلے رنگ کے بڑے کرنسی  
نوٹ بھانک رہے تھے۔ پکتان زانا تقریباً نصف دھڑ سے کار میں  
”غل“ کیا۔ یہی وہ وقت تھا، جب انپکٹر جمشید نے اسے ایک زور  
دار دھکے دیا، ساتھ ہی وہ خود اندر چلے آئے اور دروازہ بند کر دیا۔  
اس کے سامنے لے کر چلا دی ادھر ان کا ہاتھ اس کے منہ پر جم چکا تھا  
اسے میں اندر جینے ہوئے انپکٹر جمشید اس کے جسم کو پوری طرح  
بھاپ چکے تھے۔ اب ان کے منہ سے ایک سرسراہٹی آواز نکلی۔

☆☆☆☆☆

## پکتان

”ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بلکہ آپ کی جیب  
میں جو کچھ ہے۔ ہم وہ نکال لیں گے۔ اور آپ کو کسی جانی ہرج  
پر بھگوانت قسام کا رستہ اتار دیں گے۔“ وہاں کا ایسی کارروائی  
دے دیں گے۔ یہ صرف اس صورت میں ہو گا۔ اگر آپ کوئی  
شرارت نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے کوئی گڑبگڑ کرنے کی کوشش کی  
۔ تو اس صورت میں ہم آپ کو زخمی بھی کر سکتے ہیں۔“  
”نہیں نہیں۔ میں کوئی گڑبگڑ نہیں کروں گا۔“

”تو میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں۔ آپ پر سکون انداز میں  
میرے ساتھ بیٹھ جائیں۔ بالکل اس طرح جیسے وہ دوست آپوں میں  
باتیں کر رہے ہوں۔ کیا آپ ایسا کر لیں گے؟“ انہوں نے سرد آواز  
میں کہا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ میری جیبوں میں زیادہ نقدی نہیں ہے۔“



”تھوڑی سی نقدی کے لیے میں کیوں خطرہ مول لوں۔“ اس نے کہا۔  
”مخل مند ہیں۔“ فائدے میں رہیں گے۔“  
”شکریہ۔“ اس نے فوراً کہا۔

وہ واقعی زیادہ فکر مند نہیں لگ رہا تھا۔۔۔ اور اس کی وجہ ضرور یہی تھی کہ اس کے پاس زیادہ نقدی نہیں تھی۔۔۔ لہذا وہ خیال کر رہا تھا کہ سنا چھوٹ جائے گا۔۔۔ ادھر ان کا مسئلہ چوراہا کر اس کرنے کا تھا۔۔۔ چوراہے پر اگر وہ گڑ بڑ کرتا تو بات ٹریفک پولیس کے علم میں آسکتی تھی پھر جوئی چوراہا قریب آیا۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے پستول ہاتھ میں لے لیا اور اس کی ہال اس کی پسلیوں سے لگادی۔۔۔ ایک بار پھر ان کے حلق سے سرو آواز نکلی۔

”آرام سے اور سکون سے بیٹھے رہو۔۔۔ بلکہ میں تم سے ہنس ہنس کر بات شروع کر رہا ہوں۔۔۔ تم خوش و خرم انداز میں سر ہلانا شروع نہ کرو۔“ اس نے ہم چوراہے سے گزر جائیں گے تو گویا آپ کو چھوڑ دیں گے۔“ نقدی اگر آپ کے پاس زیادہ نہیں ہے تو آپ خوش قسمت ہیں۔“

”میں کہہ چکا ہوں۔۔۔ میں کوئی گڑ بڑ نہیں کروں گا۔۔۔ پستول نکالنے کی ضرورت نہیں۔“

”یہ احتیاط کے طور پر ہے۔۔۔ اور میں۔۔۔“  
”اچھی بات ہے۔“

اور پھر وہ چوراہا کر اس کر چکے۔۔۔ اب انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی نے سکون کا سانس لیا۔۔۔ کپتان لالٹا نے کوئی گڑ بڑ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ چوراہا کر اس کرنے کے کچھ ہی دیر بعد ان کے ساتھی نے کار ایک خالی سڑک پر اتار دی۔

”یہ کس طرف جا رہے ہیں آپ۔“  
”خالی سڑک تو پھر شہر سے باہر جا کر ملے گی اور اس کے لیے لسیا سڑکنا ہوگا۔۔۔ ہم اس سڑک سے واقف ہیں۔۔۔ اس میں آگے جا کر سکون ہی سکون ہے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ کیا میں نقدی نکال دوں۔“  
”اس سے پہلے آپ یہ دیکھ لیں گے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔ پستول ہے۔۔۔ تو پھر۔“

”میرا مطلب ہے۔۔۔ آپ بھی تو جیب سے نقدی کے بجائے

پستول نکال سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ تو یہ سوچ رہے ہیں آپ۔“

اس نے کیا ہم یہ بات نہ سوچیں۔" انہوں نے کہا۔  
 "اے باتوں میں لگائے رکھنا چاہ رہے تھے۔  
 "جیسے میرے پاس پستول نہیں ہے۔"

"ابھی بات ہے۔ آپ جیبوں سے نقدی نکال لیں۔  
 یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی جیب سے ایک روپال نکالا اور اس  
 کی پاک سے لگا دیا۔ وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔  
 "یہ کام ہم چورہا آئے سے پہلے نہیں کر سکتے تھے۔ اب کوئی  
 خطرہ نہیں رہا۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا سر۔" ساتھی نے کہا۔  
 جدی وہ اپنے ساتھی کے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ کار  
 اندر داخل کرتے ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب وہ  
 کپتان کو ان کے گھر کے آخری کمرے میں لے آئے۔ کار سے اور  
 وہ اس سے ہر قسم کے آثار مٹا دیے گئے۔ اب اگر پولیس وہاں  
 تک پہنچ جاتی تو بھی کپتان کو برآمد نہیں کر سکتی تھی۔ یہ آخری کمرہ گویا  
 اس مکان کا خزانہ ہی نہیں تھا۔ اور اس کا دروازہ گھر کی ایک قد آور  
 الماری میں چھپا تھا۔ گویا وہ اسے اٹھا کر الماری میں داخل ہوئے تھے  
 اور پھر خفیہ دروازہ کھولتے ہوئے اس کو پچھلے کمرے میں لے آئے تھے

پہلی فرسٹ میں وہ اس کی حفاظت کے لئے تھے۔  
 یہی سر اس کے پاس سے کوئی نو ہائیں لٹکا کر لیا۔  
 وہاں اس کے گھر میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ آج کل نو ہائیں کی بجائے  
 فوراً نشان دہی کر رہی ہیں کہ وہ کس جگہ ہیں۔  
 پہنچنے میں چند منٹ بھی نہیں لگتے۔  
 انہوں نے کپتان کو بستر پر لٹا دیا اور کوئی دوا اسے لگوا دی۔

یہی اس نے آنکھ کھول دی۔  
 "یہ... یہ کیا۔" وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ ان کا ساتھی بیٹھنا اس  
 کی طرف تانے چوکس کھڑا تھا۔  
 "یہ... بس وہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔  
 "بس وہی کیا۔"

"جو تم نے پوچھا ہے۔"  
 "کیا مطلب۔"

"تم نے کہا ہے نا... یہ... یہ کیا... جواب میں میں نے کہہ  
 دیا... بس وہی۔"

"کیا چاہتے ہو... تم تو صرف نقدی لوٹنا چاہتے تھے۔"  
 "دیکھو دوست... ہماری تمہاری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم



کرتے ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔  
 مکان سے رکھیں گے۔  
 ”تم پاگل ہو۔“ اس نے جھلا کر کہا۔  
 ”اوہ کیسے؟“

”پولیس تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائے گی۔“  
 ”یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔۔۔ تم موبائل گھر بھول آئے ہو۔“  
 ”کیا!؟“ وہ چلا اٹھا۔

”اور اگر موبائل تمہارے ساتھ ہوتا، تب بھی ہم پہلے اس سے  
 نجات حاصل کرتے۔۔۔ پھر کوئی اور کام کرتے۔۔۔ تمہارے گھر والے  
 پولیس کو فون کر چکے ہوں گے اور یہ بتا چکے ہوں گے کہ تم غائب ہو۔  
 پولیس تمہاری تلاش شروع کر چکی ہو گی۔۔۔ اسی لیے تم خیال کر رہے ہو  
 کہ پولیس یہاں آیا ہی چاہتی ہے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ تمہارا موبائل گھر وہ  
 گیا ہے۔ لہذا ہم کے ذریعے تو پولیس یہاں آئے گی نہیں۔۔۔ کوئی  
 اور ذریعہ بھی فی الحال وہ اختیار نہیں کر سکے گی۔“

”نہیں۔۔۔ یہ تمہاری بھول ہے۔۔۔ یہ انشارجہ ہے۔۔۔ یہاں کی  
 پولیس منٹوں میں سراغ لگا لیتی ہے۔“

”ہاں! یہ بات ہے۔۔۔ اور ہو سکتا ہے۔۔۔ ہمارے دروازے تک

پولیس آجائے۔۔۔ لیکن وہ گھر کی تلاش لے کر وہیں پہنچ جائے گی  
 نہیں برآمد نہیں کر سکے گی۔“  
 ”آخر کیوں نہیں کر سکے گی۔“

”یہ اس مکان کا ایک خفیہ کمرہ ہے۔۔۔ کوئی باہر قیادت ہی اس  
 کمرے کا سراغ لگا سکتا ہے۔۔۔ ورنہ باہر سے اور اوپر سے یا چاند  
 طرف سے اس مکان کو دیکھا جائے تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس  
 مکان میں کوئی خفیہ کمرہ بھی ہو سکتا ہے۔“  
 ”اس مکان میں ایسا کمرہ کسی نے کیسے بنا لیا۔“ اس نے

حیران ہو کر پوچھا۔

”کیوں۔۔۔ کیا انشارجہ میں جرائم پیشہ لوگ نہیں ہوتے۔۔۔ وہ  
 ایسے کام نہیں کراتے۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ انشارجہ میں تو بہت بڑے بڑے جرائم پیشہ موجود  
 ہیں۔“

”بس تو پھر۔۔۔ بنوایا کسی نے ایسا کوئی مکان۔“

”خیر ہو گا۔۔۔ مجھے کیا۔۔۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ تم یہ بتاؤ۔“

”مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔“

”ہاں! یہ براہ راست سوال ہے۔۔۔ اور ہونا بھی چاہیے۔“

الکچر چھٹے مسکرائے۔

”لیکن تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”ہمارا ایک آدمی غائب ہے۔ اس کے بدلے میں ہم نے

قنبیں غائب کر دیا ہے۔“

”کیا مطلب... تمہارا ایک آدمی غائب ہے۔“

”ہاں! انہوں نے سر ہلایا۔“

”وہ کون ہے... میرا اس کی گم شدگی سے کیا تعلق؟“

”میں تمہیں اس کی تصویر دکھاتا ہوں... امید ہے... تم فوراً ہی

جان جاؤ گے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے موبائل میں انٹارچ کے نمبر ایک کارکن کی

تصویر اس کے سامنے کر دی... وہ اس تصویر کو دیکھ کر بہت زور سے

اچلا... ساتھ ہی چلا یا بھی۔

”نہیں... نہیں۔“

”اب بات سمجھ میں آئی۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”ہمارا یہ آدمی تم سے اس جزیرے کا پتا پوچھنے آیا تھا... جس

سے تم نے ایک آدمی کو اپنے بحری جہاز پر سوار کیا تھا... وہ بے چارہ پتا

معلوم نہ کر سکا... فوراً غائب ہو گیا۔ اب اس کی جگہ ہم آئے ہیں۔

معلوم نہیں بھی وصول کریں گے اور تم سے پتہ نہ لگے گا کہ کونسا آدمی

اسے واپس بھی وصول کریں گے... اور انہیں گے... تم کیسے لکھتے تھے... پہلے

معلوم کریں گے... ہمارے آدمی کے بارے میں بتاؤ۔“

”وہ انٹارچہ کی قید میں ہے۔“

”کئی بات ہے... اسے جان سے تو نہیں ہوا گیا۔“

”نہیں... چیف نے کہا تھا... اسے پھرانے کے لیے کچھ لوگ

آئیں گے... ہم اس کے ذریعے انہیں بھی پکڑیں گے... لہذا ابھی

اسے ہلاک نہیں کریں گے... ہلاک کرنے کا وقت بعد میں آئے گا۔“

”ہوں... ٹھیک ہے... اب ہم اپنے اس آدمی کو تمہارے

بدلے میں حاصل کریں گے... اپنی بیوی کا نمبر بتاؤ... ہم صورت حال

اسے بتائیں گے... وہ پولیس سے رابطہ کرے گی... ادھر وہ ہمارے

آدمی کو رہا کریں گے... ادھر ہم تمہیں رہا کریں گے... لیکن پہلے

جزیرے کا نام پتا معلوم کریں گے... اور اگر تم نے غلط بیانی کی کوشش

کی تو اس کا انجام تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے... صرف اس بات پر

غور کر لو... کہ ہم تمہیں کس قدر آسانی سے یہاں لے آئے ہیں۔“

”ہاں! یہ بات ہے۔“



”میری آدھی آدھی سے اپنے آدمی کو لکھائے ہیں  
اس سلسلے میں کام بھی نہ لیں۔“

”ابھی بات ہے۔ میری بیوی کا نمبر لکھ لو۔“  
اس نے نمبر بتایا۔ نوٹ کر لیا۔ پھر اپنے ایک اور ساتھی کو  
دیکھ کر پوچھا: ”پکتان کی بیوی کا نمبر بتایا۔“  
”یہ کیا۔ تم نے میری بیوی کا نمبر کسی اور کو بتا دیا۔“  
”کیوں فون نہیں کیا اسے۔“ پکتان زلزلہ لانا نے حیران ہو کر کہا۔

”اس کی وجہ ہے۔ ہمارا وہ آدمی تمہاری بیوی سے بات کرے  
گا اور ساتھ ہی وہ جگہ چھوڑ دے گا۔ اس طرح پولیس اس کا سراغ  
نہیں لگا سکے گی۔ جب اس کا نہیں لگائے گی تو ہمارا کیسے لگا سکے گی۔“  
”اوہ۔“ ہمارے حیرت کے اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد ان کے دوسرے ساتھی کا فون ملا۔ اور جو اس  
نے انہیں بتایا وہ انسپکٹر جمشید نے پکتان کو بتایا کہ تمہاری بیوی نے  
پولیس اسٹیشن کو بلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ ہمارے ساتھی کو چھوڑنے پر تیار  
ہو گئی ہے۔ وہ جو نہیں محفوظ جگہ پر پہنچے گا۔ فون کرے گا۔ بس ہم  
نہیں چھوڑ دیں گے۔ لہذا اب جلد ہی تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ اس  
سے پہلے یہ بتا دو۔ وہ جزیرہ کہاں ہے۔ اس کا نام اگر کوئی ہے تو

”وہ نقشہ ہے اس جزیرے کا۔“  
”اور میں لکھ کہیں سے اسے۔“ اس نے نقشہ لکھ کر دیا۔

”بالکل ٹھیک۔ تم نقشے ساتھ نہیں لے پھرتے۔“  
”یہ او۔۔۔ ہم دنیا کا نقشہ تمہارے ساتھی کے پاس  
پہنچے ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر تم نے غلط نشان دیا تو ہم  
رہے ہیں۔ اور اس مرتبہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔“  
”آجائیں گے اور اس مرتبہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔“  
”ایسے طریقے ہیں۔۔۔ ایسے طریقے کہ تم سوچ ہی نہیں  
سکتے۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے غلط نشان دہی کرنے کی۔۔۔ وہ جزیرہ کیا  
میرا چچا لگتا ہے۔۔۔ تم وہاں شوق سے جاؤ۔ شوق سے رہو۔ جو جی  
چاہے کرو۔“

”یہ کہہ کر وہ نقشے پر جھک گیا۔ اس نے فون ہاتھ میں لے لی  
۔۔۔ اس کی نوک نقشے پر ادھر ادھر کرتا رہا۔۔۔ آخر اس نے کہا۔  
”یہ رہا۔۔۔ وہ جزیرہ۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ سندھ میں وہ  
مقام جہاں وہ جزیرہ ہے۔“

”اس جزیرے کے آس پاس کوئی جھل ہے۔“ انہوں نے اس

کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”جنگل۔“ وہ پوچھا۔

”ہاں جنگل۔ اور اس جنگل کا کوئی نام بھی ہے۔“

اچانک اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

\*\*\*

## سازش

انہوں نے حیران ہو کر کپتان زلانا کی طرف دیکھا۔ اس کے  
پیرے پر ایک رنگ آ رہا تو دوسرا جا رہا تھا۔۔۔ آخر اس نے کہا۔  
”تو آپ اس جنگل کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارے کچھ ساتھی غائب ہیں۔۔۔ انہیں غائب کرنے والوں  
نے کہا ہے کہ ان سے ملنا چاہتے ہیں تو اس جنگل میں آجائیں کیا  
ہم ہے بھلا اس جنگل کا؟“

”کا؟ جنگل۔“ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

”لیکن۔۔۔ آپ کا رنگ کیوں اڑ گیا۔۔۔ آپ تو ایک بحری جہاز  
کے کپتان ہیں۔۔۔ آپ کا کسی جنگل سے کیا تعلق۔“ انسپٹر جمشید کے  
لہجے میں حیرت تھی۔

”تعلق۔۔۔ کوئی نہیں۔۔۔ اس جنگل کی بہت ہولناکیاں ہوتی ہیں  
میں آتی ہیں۔۔۔ میں تو یہی کہوں گا کہ آپ لوگ ادھر نہ جا کیجئے۔“



”جی ہاں میں نہیں رہا کرتا۔“  
 ”جان کی بازی تو آپ نے اب بھی لگائی ہے۔“  
 ”جان جو کھوں کا کام تھا۔“  
 ”یہ سے مجھے لگواتا آسان کام نہیں تھا۔ تم مجھے زیادہ عزیز ہو چکی نسبت۔“  
 ”خیر چھوڑو اس بات کو۔۔۔ تم مجھے اچھا اب پس۔۔۔“  
 ”میں ملک میں رہ کر کام کر رہے ہو۔۔۔ اچھا اب پس۔۔۔“  
 ”جی بہتر!“

”فون بند کر کے وہ کپتان کی طرف مڑے۔“  
 ”معاہدے کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔۔۔ اس لیے آپ کو  
 رہائی میں قدرے دیر ہو جائے گی۔“  
 ”کیا مطلب۔“

”میرے ساتھی کی گمرانی ہو رہی ہے۔۔۔ یعنی جو بھی ہم آپ کو رہا  
 کریں گے۔۔۔ اسے پھر گرفتار کر لیا جائے گا۔۔۔ اب جب تک وہ محفوظ  
 مقام پر نہیں پہنچ جائے گا۔۔۔ ہم آپ کو رہا نہیں کریں گے۔۔۔ یا پھر  
 آپ اپنے حکام سے بات کر لیں کہ وہ اس کی گمرانی ختم کر دیں۔۔۔  
 لیکن نہیں۔۔۔ وہ تو کہہ دیں گے کہ گمرانی ختم کرا دی۔۔۔ اگرچہ ختم کرائی  
 نہیں گئی ہو گی۔“

”کیا مجھ رہے ہیں مسٹر زلاتا۔۔۔ ہمیں اپنے ساتھیوں کی جان  
 میں وہاں جانا ہے۔۔۔ معاملہ ساتھیوں کا نہ ہوتا تو اور بات تھی۔“  
 ”آپ کی مرضی۔۔۔ میں نے بتا دیا۔۔۔ اور نقشے میں اس پتہ کی  
 نشان دی کر دی۔۔۔ اس جزیرے سے مشرق کی طرف چلیں تو جنگل  
 آجاتا ہے۔۔۔ اور وہ جنگل دور نہیں۔“  
 ”بس ٹھیک ہے۔“

”کچھ دیر بعد ان کے ساتھی کے موبائل کی گھنٹی بجی۔۔۔ آواز فہم  
 ایک کی ہی تھی۔“

”سر! انہوں نے مجھے رہا کر دیا ہے۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے۔۔۔  
 میری گمرانی کرائی جا رہی ہے۔۔۔ تاکہ جو بھی ان کا آدمی ان تک پہنچے  
 وہ مجھے پھر گرفتار کر لیں۔“

”میں سمجھتا ہوں۔۔۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔۔۔ تم فوری طور پر پرواز  
 کر جاؤ۔۔۔ اور طے شدہ ملک میں پہنچ کر فون کرنا۔۔۔ اس کے بعد ہم  
 کپتان کو رہا کریں گے۔“

”بہت بہت شکریہ سر۔۔۔ آپ نے میرا اتنا خیال کیا۔“  
 ”میرے سب ساتھی۔۔۔ جو میرے لیے کام کرتے ہیں۔۔۔ مجھے  
 اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔۔۔ مجھے اپنی جان کی بازی لگانا پڑتی۔“

ابھی بات ہے میں ان سے کچھ نہیں کہتا  
 عین سو جائے گا، تب آپ مجھے چھوڑ دیجیے گا۔  
 "اب جی کر رہا ہو گا۔"

پھر چھ گھنٹے بعد نمبر ایک کی طرف سے اطلاع ملی۔ وہ کہہ رہا تھا

"میں اپنے ٹھکانے پر آ گیا ہوں سر۔ یہاں انشارجہ کا کوئی آدمی نہیں آ سکا۔ آپ بے فکر ہو کر کپتان زلانا کو رہا کر دیں۔ لیکن اس سے پہلے اس سے کالا جنگل کی نشان دہی نقشے پر کرالیں۔" ہم کراچے ہیں۔

"لیکن سر! اس بات کا فیصلہ کیسے ہو کہ اس نے غلط نشان دہی نہیں کر ہو گی۔" نمبر ایک نے پوچھا۔

"اس بات کا امکان ہے۔ لیکن اس کی بات کی جانچ یہاں نہیں ہو سکتی۔ وہاں پہنچ کر ہی ہو گی۔ تاہم نقشے پر جو جگہ اس نے بتائی ہے۔ وہ وہیں ہے۔ جہاں کے بارے میں ہم پہلے ہی اندازہ لگا چکے ہیں۔ منور علی خان کے الفاظ کی روشنی میں میں نے اندازہ لگایا ہے کہ کپتان زلانا نے غلط بیانی نہیں کی۔"

"تب تو پھر ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور انہوں نے فون بند کر

دیا۔ "کپتان زلانا! ہماری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی۔ ہم کسی کو بلاوجہ تکلیف نہیں دیتے۔ آپ نے تو ان ہم پر احسان کیا تھا۔ ہمارے دوست کو اس جزیرے سے اٹھا کر انشارجہ پہنچا دیا تھا۔ وہ بے چارہ وہاں نہ جانے کس حال میں زندگی کے دن چرے کرتا۔ ہم تو آپ کے احسان مند تھے۔ ان حالات میں آپ کو یہاں لو کر قید میں رکھا۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔ ہم معافی چاہتے ہیں۔ اور آپ کو جو تکلیف ہوئی۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے اپنی طرف سے ہم یہ چھوٹا سا تحفہ آپ کو دیتے ہیں۔"

"کیا کہا تحفہ؟" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! تحفہ۔ خاص طور پر آپ کے لیے۔" یہ کہہ کر

انہوں نے اپنی خفیہ جیب سے ایک چھوٹا سا موتی نکالا اور اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی۔

ہتھیلی پر رکھے موتی کو دیکھ کر کپتان زلانا چونک اٹھا۔ اس کے

منہ سے نکلا۔

"نہن۔۔۔ نہیں۔"

"چتا نہیں۔ کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ جیسی موتی نہیں



”جہاں رحمان نے منہ دیا۔“

”نہیں۔“ اس نے زوردار انداز میں کہا۔

”کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”میں کہنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں ایک بحری جہاز کا کپتان ہوں۔ اس قسم کی چیزوں سے میرا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قیمتی ہیرا ہے۔۔۔ عام موتی نہیں ہے۔“

”بہت خوب! یہ اچھی بات ہے۔۔۔ کہ آپ جانتے ہیں۔۔۔ وہ آپ خیال کرتے کہ ہم آپ سے مذاق کر رہے ہیں اور کوئی بے قیمت موتی آپ کو دے دیا۔“

”لیکن میں۔۔۔ میں تو آپ کا دشمن ہوں۔۔۔ میری وجہ سے ہی آپ کو یہاں آنا پڑا۔۔۔ آپ کا دوست میری وجہ سے یہاں کی جیل میں گیا۔ اور آپ مجھے اس قدر قیمتی ہیرا دے رہے ہیں۔“

”ہاں! اس لیے کہ ہماری وجہ سے آپ کو یہاں قید رہنا پڑا۔۔۔ یہ آپ کو ملے گا۔“

”اسے محبت کے اس کا برا حال ہو گیا۔۔۔ پھر اس نے ہیرا اٹھا لیا اور کہنے لگا۔“

”مجھے معاف کریں۔“

”آپ معافی کس بات کی مانگ رہے ہیں۔“

”اس بات کی کہ میں نے غلط نشان دہی کی ہے۔۔۔“

”نہیں جہاں سے میں نے آپ کے ساتھی کو لیا تھا۔“

”کیا!!“

”جی ہاں! اس جزیرے میں تو آپ الٹا اور زیادہ مصیبت میں

پھنس جاتے۔۔۔ وہ انٹارچ کے قبضے میں ہے۔۔۔ میں یہاں سے چلا نہیں سکتا۔۔۔ کہ میں نے اس جزیرے کی نشان دہی کی ہے۔۔۔ وہ اور زیادہ خوش ہوتے۔“

”لیکن اب۔۔۔ اب کیا ہو گا۔“

”میں نقشے پر درست جزیرہ آپ کو بتا دیتا ہوں۔“

”وہ حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ یہ خیال تو انہیں آیا ہی نہیں تھا کہ کپتان نے غلط جزیرے پر نشان لگا دیا ہے۔۔۔ اب اس نے پھر نقشہ پھیلا لیا۔۔۔ اور اس پر نشان لگا دیا۔۔۔ پھر راستے کی تفصیلات بتانے لگا۔۔۔ کئی منٹ تک وہ تفصیلات بتاتا رہا۔۔۔ اور وہ ان کو نوٹ کرتے رہے۔۔۔ آخر اس نے کہا۔“

”اب یہ بالکل وہی جزیرہ ہے۔۔۔ اور کالا جنگل اس جزیرے

کے بالکل قریب ہے۔۔۔ لیکن میں آپ کو اس جنگل میں جانے کا مشورہ

میں اس کا۔

"پتوں زلہ! ہم آپ کو بتا چکے ہیں ہمارے ساتھی۔  
 وہ اس جنگل میں نہیں ہو سکتے۔ وہ جنگل اس قدر خوفناک  
 ہے۔ اس قدر خطرناک ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ لہذا آپ  
 کے ساتھیوں کا زندہ سلامت ملنا ناممکن ہے۔ ہاں آپ کو ان کی خبروں  
 کے لئے ضرور ملیں گے۔"

"نہیں... آپ یہ نہ کہیں۔"

"میں ایسا کہنے پر مجبور ہوں۔ وہاں جو مخلوق رہتی ہے...  
 ان لوگوں کو کچا چبا جاتی ہے۔"

"کیا!!! وہ سب چٹا اٹھے۔"

"اور وہ انسان نہیں ہیں۔"

"تب پھر... کیا ہیں۔"

"گوریلوں جیسی مخلوق... جو تعداد میں بے تحاشہ ہے... اتنی کہ  
 آپ انہیں گن نہیں سکتے۔ غول کے غول جب آپ پر حملہ آور ہوں  
 گے تو آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ سوائے اس کے کہ ان کے  
 ہاتھوں میں آجائیں گے اور وہ آپ لوگوں کو کھا جائیں گے۔"

"نہیں... ہمارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔"

"اس مخلوق کی وجہ سے اس جنگل کو وہ جنگل کہتے ہیں۔  
 لیکن جس حکومت کو وہ جنگل لگتا ہے۔ اس نے جنگل کو اس  
 مخلوق سے پاک کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" مہوہ نے حیران ہو کر

پوچھا۔  
 "کوئی انتہائی طاقت اس مخلوق کی حفاظت کر رہی ہے۔  
 طاقت نہیں چاہتی کہ اس مخلوق کو ہلاک کیا جائے۔ ورنہ حکومتیں تو  
 بہر حال انہیں ختم کر سکتی تھیں۔ جنگل میں کوئی زہریلی گیس پھوڑی جا  
 سکتی تھی۔ اور بھی کئی طریقے اختیار کیے جاسکتے تھے۔" اس نے بتایا۔  
 "ہوں... اس میں شک نہیں کہ آپ نے ہمیں فکر میں ڈال دیا  
 ہے۔ ہم مجبور ہیں... اپنے ساتھیوں کی تلاش میں جائے بغیر ہم رو  
 نہیں سکتے۔"

"تب پھر آپ لوگ بھی وہیں پہنچ جائیں گے... جہاں آپ  
 کے ساتھی جا چکے ہیں... یعنی موت کے منہ میں۔"

"آپ ایسا نہ کہیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ خود بتائیں... اس مخلوق سے بچ کر  
 آپ لوگوں کے ساتھیوں نے کہاں پناہ لی ہوگی... جب کہ اس پورے  
 تہذیب پر اس مخلوق کا قبضہ ہے۔"



منور علی خان کا تھا۔

”ہاں... جیشید... کیا رہا۔“

”جیشید سے کا چٹا چلا لیا ہے... تم فوراً یہاں آ جاؤ۔“

”سلطان کے ہاں۔“ انہوں نے پوچھا۔

”ہاں... اور کہاں؟“

”میں نے درست اندازہ لگایا۔“ وہ ہنسے۔

”خریوزے کو دیکھ کر خریوزہ رنگ پکڑتا ہی ہے۔“ خان رحمان

بول اٹھے۔

”ہاتھیں... خان رحمان... تم بھی۔“

”تم بھی کیا...“ خان رحمان نے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے... تم بھی ان کے انداز میں ہاتھیں کرنے

گے۔“ منور علی خان ہنسے۔

”بس کیا کیا جائے... مجبوری ہے۔“

”اچھا بس... میں آ رہا ہوں۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“

انہوں نے فون بند کر دیا... اسی وقت انہوں نے قدموں کی

آواز سنی... انہوں نے دیکھا... سلطان برٹائی چلے آ رہے تھے۔

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں... لیکن وہ لوگ بھی کوئی عام لوگ نہیں

ہیں۔ ہاں... وہاں جا کر پھنس گئے ہوں تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے

اگر زندہ ہیں تو یقین کر لیں، وہ بہت بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے

ہو گئے۔“

”اچھی بات ہے... آپ جانتیں... آپ کا کام جانے...

آپ نے مجھ سے بھی اچھا سلوک کیا... مجھے قیمتی تحفہ دیا... اس لیے

بدلے میں میں نے بھی آپ لوگوں کو آپ کی منزل کی نشان دہی کر دی

ہے...“

”آپ کا شکریہ۔“

اور پھر انہوں نے تمام تر احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کے بعد

پکتان کو چھوڑ دیا... ویسے تو اب انہیں یقین تھا... کہ پکتان ان کے

بارے میں اپنی حکومت تک کو کوئی بات نہیں بتائے گا۔

پکتان کو فارغ کر کے وہ واپس اپنے دوست سلطان برٹائی کے

ملک پہنچ گئے... وہ نمبر ایک کو رہائی دلا چکے تھے اور وہ محفوظ مقام پر

پہنچ چکا تھا۔ اس لیے اب انہیں اپنا اگلا سفر شروع کرنا تھا...

دوسرے دن وہ سلطان برٹائی کے محل میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے

کہ انپنر جیشید کے موبائل کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا... فون

...

کے چہرے پر قہر مند کیلے کے آثار تھے۔ یہ دیکھ کر ان کا ہاتھ ٹوٹا۔  
"میری خیر۔ ان کے منہ سے نکلا۔

اچھے میں سلطان اندر آگے اور ایک صوفے پر گر سے گئے۔  
"گنا ہے۔ آپ نے کوئی پریشان کن خبر سنی ہے۔"  
"نہیں۔ یہ بات نہیں۔" سلطان مسکرایا۔

"پھر آپ کے چہرے پر پریشانی کے بادل کیوں ہیں۔"  
"پہلی بات۔ جو آپ سمجھ رہے ہیں، وہ بات نہیں ہے۔  
آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ آپ لوگوں کی وجہ سے مجھ پر کوئی پریشانی  
آئی ہے۔"

"ظاہر ہے۔ ہم تو جی سمجھ سکتے ہیں۔"  
"لیکن یہ بات نہیں ہے۔"  
"تب پھر۔"

"میری حکومت کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔"  
"بات تو پھر یہی ہوئی گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔  
"کیا مطلب۔"

"ہماری وجہ سے ہی آپ کی حکومت دشمنوں کو کھٹکنے لگی ہے۔"  
"ہاں ایہ بات ہو سکتی ہے۔ دراصل خفیہ طور پر میری حکومت

کے خلاف کام ہو رہا ہے۔ وہ میرا اقتدار الٹ دینا چاہتے ہیں۔  
آپ کو معلوم ہے۔ میرے ملک میں آپ کی طرح جو دولت مند ہیں  
میں ساری رعایا حکمران بن چکی ہیں۔ وہ ساری عمر حکمران رہتا  
ہے۔ مجھے بھی سابقہ حکمران کی وفات کے بعد... چنا گیا تھا  
میں۔ میرے تالیف تھے۔ میرے والد حکومت میں کوئی دن نہیں نہیں  
رہا۔ اس لیے تالیف کی وفات کے بعد مجھے سلطان بن لیا گیا۔"  
"اچھا۔ پھر؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

اس کے بعد سے اب تک پوری رعایا کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت  
نہیں ہوئی۔ کوئی ایسی بات کبھی ہوئی بھی تو میں نے آپ لوگوں کی  
مدد سے معاملے پر قابو پا لیا۔ اب غالباً انہوں نے کسی طرح یہ سراغ  
دیا ہے کہ آپ لوگوں کو جب کسی ملک میں خفیہ طور پر جانا ہوتا ہے تو  
آپ لوگ میری مدد سے جاتے ہیں۔ لہذا اب انہوں نے میرے  
خلاف سازش کا جال تیا رکھا ہے۔ اور چونکہ ان دنوں آپ میرے  
پاس آئے ہوئے ہیں۔ لہذا وہ آپ کی موجودگی میں وار کرنا چاہتے  
ہیں۔

"لیکن ان کے وار کرنے کا طریقہ کیا ہو گا۔"

"ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی حکمران تو سر کی کوئی حیانت کرے



تو کوئی ایک بندہ بھی حاکم کے خلاف قاضی کے پاس جا سکتا ہے۔  
 لیکن اسے اپنی بات ثابت کرنی ہوگی۔ جو نہیں وہ بات ثابت کر سکتا ہے۔  
 قاضی صاحب مجھے معزول کر دیں گے۔ میری جگہ رعایا اپنے لیے  
 کسی اور کو حکمران چن لیں گے۔ اور مجھے قید کر دیا جائے گا۔ قاضی  
 رزا سناریں گے۔

”تو کیا آپ پر کسی نے الزام عاید کیا ہے۔“

”عوام میں میں بہت مقبول ہوں۔ اگر مجھ پر کوئی الزام لگایا  
 گیا تو عوام کو بہت پریشانی ہوگی۔ لیکن معاملہ ہوگا بے گناہی ثابت  
 کرنے کا۔ اگر میں اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکا تو قاضی میرے  
 بارے میں کچھ بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی زور دار انداز میں دستک ہوئی۔ سب  
 لوگ بری طرح چوٹک اٹھے۔ اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی  
 دی۔ انہوں نے دیکھا۔ سرکاری درویوں میں کچھ لوگ چلے آ رہے  
 تھے۔ انہوں نے آتے ہی کہا:

”السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! سلطان قاضی کی عدالت میں  
 آپ کے خلاف مقدمہ درج کرایا گیا ہے۔ آپ کو صبح ان کی عدالت  
 میں پیش ہونا ہے۔ یہ رہا قاضی صاحب کا حکم!“

205  
 میں صبح حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ کہتے ہوئے  
 ہنسی سے دھنک کر رہے۔

سرکاری اہل کار اسی وقت کاغذ لے کر چلے گئے۔  
 ”وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔“

”آپ پر وہاں کیا الزام لگائے جانے کا ارکان ہے۔“  
 ”مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ غیر ملکی طاقتوں نے یہ  
 الزام لگایا ہے۔ تو کچھ سوچ کر ہی اٹھایا ہو گا۔ وہ کوئی ایسا الزام  
 نہیں ہے جس سے میں انکار نہیں کر سکوں گا۔“

”تب پھر۔۔۔ اس کا انجام کیا ہوگا۔“

”ظاہر ہے۔ مجھے معزول کر دیا جائے گا۔ آپ لوگوں کو  
 لڑی طور پر ملک چھوڑ دینے کا حکم جاری ہوگا۔ اور مجھے قید میں ڈال  
 دیا جائے گا۔“

”کیا عدالت میں آپ کو سفائی کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔“

”کیوں نہیں! موقع دیا جائے گا۔۔۔ وکیل کرنے کا بھی موقع دیا  
 جائے گا۔“

”اور کیا آپ کسی غیر ملکی وکیل کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔“

”یہ میری مرضی ہے۔۔۔ میں ملکی وکیل کروں یا غیر ملکی۔۔۔ اس پر

کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں قاضی صاحب کا عدم رضامندی  
درخواست سے نہیں دے سکتا۔ مطلب یہ کہ مجھے الٹا قاضی صاحب کی  
عدالت میں اپنا مقدمہ لڑنا ہو گا۔

”تب ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ آپ قاضی صاحب سے  
اپنا وکیل مقرر کرنے کا موقع دینے کی درخواست کریں گے۔ یہ ہم  
عدالت سے واپس آئیں گے اور میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کے وکیل  
کریں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ بات اگرچہ فکر والی ہے۔۔۔ عدالت میں  
سلطان کو بہت ہی مشکل سے عدالت میں طلب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ  
سلطان ایک ایسا آدمی ہوتا ہے۔۔۔ جس پر ساری قوم کو اعتماد ہوتا ہے  
۔۔۔ اس پر کسی کو بھی کوئی بے اعتباری نہیں ہوتی۔۔۔ لیکن جب کوئی بیٹا  
ہوتا ہے تو کوئی بہت بڑی وجہ ہوتی ہے۔۔۔ اور پیش ہونے والے کے  
لیے مشکلات کا ایک پہاڑ ہوتا ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔۔۔ آپ آرام کریں۔۔۔ کل عدالت میں  
جانے سے پہلے ملاقات ہوگی۔“

”بالکل ٹھیک۔“

”اگرچہ ایسا عجیب کے بہت مشکل رہی تھی۔ لیکن پھر میں ان کا بیٹا  
ڈراوا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا۔  
۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی حکومت کو پھر نہیں ہو گا۔

سازش کرنے والے جت کی کھائی گئے۔“

”لیکن کیسے؟“ انہوں نے کہا۔

”یہ کام آپ کا وکیل کرے گا۔“

”ہمارے ہاں اتنے قابل وکیل نہیں ملتے۔“ سلطان بردمانی اداس

انداز میں مسکرائے۔

”ہمارے ہاں تو ملتے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔“

”بس تو پھر آپ فکر نہ کریں، پہلے یہ دیکھ لیں کہ وہ آپ پر کیا

اقدام لگاتے ہیں۔“

آخر وہ عدالت پہنچ گئے۔۔۔ عدالت کا منظر ان کے ملک کی

عدالتوں سے بالکل مختلف تھا۔۔۔ قاضی صاحب اپنی جگہ پر ایک عام سے

تخت پر بیٹھے تھے۔۔۔ ان کے دائیں بائیں قطاروں میں کرسیاں بچھی

تھیں۔۔۔ ان پر بھی کچھ لوگ موجود تھے۔۔۔ دروازے کے پاس قاضی

صاحب کے تخت کے بالکل سامنے دو کرسیاں رکھی گئی تھیں۔۔۔ جو ان کی



سلطان ان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ عدالت میں بیٹھے ایک ایک نے سلطان کرنے کے انداز میں کہا۔

”سلطان تشریف لے آئے ہیں۔“

”اس وقت یہ سلطان نہیں... عدالت میں ایک ملازم ہے انہیں ملازم والی کرسی پر بٹھایا جائے۔“ قاضی نے کہا۔

سامنے والی دو کرسیوں میں سے ایک پر انہیں بیٹھنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”میرے ساتھ میرے چند مہمان ہیں۔“

”مہمان عام لوگوں کی کرسیوں پر بیٹھ سکتے ہیں کوئی اعتراض نہیں۔“ قاضی صاحب نے کہا۔

سلطان نے انہیں اشارہ کیا اور وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”سلطان پر کیا الزام ہے... الزام لگانے والا خود بیان کرے۔“

اس پر عام لوگوں والی کرسیوں میں سے ایک پر سے ایک کھڑا

اٹھا اور کہنے لگا:

”جی میں ہوں مدعی۔“

”سلطان کے ساتھ والی کرسی کے پاس چلے جائیں اور وہ

کریں، سلطان پر کیا الزام ہے۔“

جی بھڑا... اس نے کہا اور کرسی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

”قاضی صاحب! میرا نام محمد عثمان میرٹھی ہے... میں سلطان

کے محل میں ملازم ہوں... یعنی براہ راست ان کا ملازم ہوں... یہاں

عدالت میں چند عام لوگ بھی موجود ہیں... جو ابھی ابھی سلطان کے

ہاتھ سے آئے ہیں... یہ حضرات جیسے ہی آتے ہیں... سلطان ان کے

لیے غیر قانونی کام کراتے ہیں... مثلاً ان کے لیے جعلی پاسپورٹ تیار

کراتے ہیں... ان کی میک اپ والی تصاویر ان کے پاسپورٹوں پر

لگائی جاتی ہے... اس طرح یہ ان حضرات کو دوسرے ملکوں میں جانے

کی آسانی پیدا کرتے ہیں... اور ایسا ایک بار نہیں... کئی بار ہوا ہے

میں اس ساری صورت حال کے ثبوت پیش کروں گا... وہ پاسپورٹ

اور دوسرے کاغذات پیش کروں گا... اس کے بعد آپ سے انصاف

پاؤں گا کہ ایسا شخص کیا ملک کا سلطان رہنے کے قابل ہے یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے... آپ وہ ثبوت پیش کریں۔“

اس نے اٹھ کر قاضی صاحب کے سامنے کاغذات رکھ دیے۔

قاضی صاحب کافی دیر تک ان کاغذات کو غور سے دیکھتے رہے... پھر

سب حاضرین پر نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”ان کاغذات سے تو یہ بات بالکل ثابت ہے کہ سلطان غلط کام

کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کو جعلی کاغذات تیار کرنا کر دیتے رہے ہیں۔ لہذا سلطان اپنے ملک پر حکومت کرنے کے بالکل اہل۔۔۔  
 "ایک منٹ قاضی صاحب! کیا آپ سلطان کو اپنا صفائی کا اہل موقع نہیں دیں گے۔ کیا مدعا علیہ کو اسلام کوئی حق نہیں دیتا۔"  
 یہ الفاظ انسپکٹر جمشید نے اٹھ کر کہے تھے۔۔۔ اور بہت ٹھہرے ہوئے باوقار انداز میں کہے تھے۔۔۔ قاضی صاحب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔۔۔ ان کی پیشانی پر ایک لمبے کے لیے بل پڑ گئے۔۔۔ پھر فوراً ہی بل غائب ہو گئے اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، اب انہوں نے کہا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ سلطان اگر یہ چاہتے ہیں تو انہیں صفائی کا سرفہ دیا جاتا ہے۔۔۔ یہ چاہیں تو کسی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتے ہیں۔۔۔ لیکن میں نے ان کاغذات کو بہت غور سے دیکھا ہے۔۔۔ ان کی موجودگی میں سلطان خود کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔۔۔ اور عدالت میں فیصلے خیالات کی بنیاد پر نہیں دیے جاتے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔  
 قاضی صاحب ایک بار پھر چونکے۔۔۔ انہوں نے ایک حیرت بھری نظر ان پر ڈالی، پھر کہنے لگے۔

"میں فیصلہ خیالات کی بنیاد پر نہیں۔۔۔ ان کاغذات کی بنیاد پر کر رہا ہوں۔"  
 لیکن مدعا علیہ کو صفائی کا موقع دیے بغیر۔۔۔ انہوں نے کہا۔  
 "نہیک ہے۔۔۔ ہم صفائی کی بات بھی نہیں گئے۔"  
 "قاضی صاحب! کیا اسی وقت صفائی دی جائے۔۔۔ یا کل کی وقت۔۔۔ کیونکہ صورت حال اچانک سامنے آئی ہے۔۔۔ بہتر ہو گا، آپ ہمیں کل تک کی مہلت دے دیں۔"  
 "مہلت دی جاتی ہے۔۔۔ کل صبح اشراق کی نماز کے پندرہ منٹ بعد عدالت میں پیش ہوں اور صفائی دیں۔"

"بہت بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔  
 پھر قاضی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا۔۔۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف آئے۔۔۔ انہوں نے پہلے سلطان سے باادب انداز میں مصافحہ کیا۔۔۔ پھر ان لوگوں سے اور کوئی بات کیے بغیر عدالت سے چلے گئے۔۔۔ اور یہ لوگ سلطان کے ساتھ محل میں آگئے۔

"اب کیا ہوگا۔" سلطان کافی فکر مند تھے۔  
 "ہم کیس لڑیں گے! آپ پریشان نہ ہوں۔"



لیکن آپ کیسے لڑ سکیں گے۔ قاضی صاحب کی نظروں میں  
میں مجرم ہوں۔ سلطان نے کہا۔

ابھی انہوں نے ہمارا موقف نہیں سنا۔ جب ان میں سے  
تب دیکھیں گے۔ وہ کیا کہتے ہیں۔

بہر حال میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔

اور ہمیں آپ کے بارے میں ایک فیصلہ بھی خوف نہیں ہے۔  
اچھا۔ کمال ہے۔ وہ کیسے۔

یہ ہم کل عدالت میں بتائیں گے۔ آپ بس اللہ سے دعا  
کریں۔ ویسے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کاغذات تیار کرنا آپ کے  
کوئی جرم کیا ہے۔

بات میرے سمجھنے کی نہیں۔ قاضی صاحب کے سمجھنے کی  
ہے۔

بس! آپ ان کی فکر نہ کریں۔ ہم دیکھ لیں گے  
ان شاء اللہ۔

دوسرے دن وہ ٹھیک وقت پر عدالت میں داخل ہوئے تو قاضی  
صاحب ان سے بھی پہلے عدالت میں موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

## غدار

انہوں نے اندر داخل ہونے سے پہلے السلام علیکم رحمۃ اللہ  
پرکھنا کہا۔ اندر موجود سب لوگوں نے سلام کا جواب دیا۔ کل  
والے سب لوگ عدالت میں موجود تھے۔ لیکن ابھی مدعی نہیں آیا تھا۔  
قاضی صاحب نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پھر انہوں نے کہا۔

چند سیکنڈ باقی ہیں۔ اگر اس وقت تک مدعی نہ آئے تو ہم ان  
کی غیر حاضری میں کارروائی شروع کر دیں گے۔

میں حاضر ہوں قاضی صاحب! محمد عثمان حمیدی کی آواز  
گونجی۔

خوب! اچھا ہوا آپ وقت پر آ گئے۔ قاضی صاحب مسکرائے۔  
ہاں تو سلطان صاحب! آپ اپنی صفائی میں کسی وکیل کو پیش  
کریں گے یا خود صفائی دیں گے۔

میری میرے وکیل صفائی دیں گے۔

”آپ تو اپنے وکیل کو ساتھ نہیں لے سکتے۔“  
”جی میں ساتھ لایا ہوں۔“

”ہائیں! وہ ہم سب کو نظر کیوں نہیں آ رہا ہے؟“ قاضی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ ہیں میرے وکیل۔ انسپکٹر جمشید۔“

”کیا۔“ مارے حیرت کے قاضی صاحب کے منہ سے نکلا۔  
”یہ اپنے ملک کے نامور وکیل بھی ہیں۔ اور محکمہ سرائی کے ایک معروف ترین آفیسر بھی۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ عدالت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا کہ مدعا علیہ کے وکیل کرتے ہیں۔۔۔ یہ آپ کے وکیل ہیں۔ انہیں آپ کی صفائی پیش کرنے کی اجازت ہے۔“

”بہت بہت شکریہ جناب عالی۔“ انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ اس کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”جناب عالی! میرے موکل پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے چار مہمانوں کے لیے جعلی کاغذات تیار کرائے۔۔۔ یہی بات ہے۔“

”ہاں بالکل۔۔۔ یہ بات ان کاغذات سے ثابت ہے۔“

”بہت خوب! ہمارے دین میں سب سے بڑا کفر و فتنہ کی ہے۔“

”کسی خلیفہ کو، کسی سلطان کو، کسی ریاست کو یا کسی مہل کو۔“

”دین کو۔“ قاضی صاحب یہ کہتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔  
”یہ ان کی آنکھوں میں حیرت نظر آنے لگی تھی۔۔۔ گویا انسپکٹر جمشید کی بات سن کر حیران ہوئے تھے۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ جب دین کے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو کیا اس وقت ہم حکمت عملی کے تحت کوئی چال چل سکتے ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی فکر کر سکتے ہیں یا نہیں۔۔۔ جس کا مطلب ہے تدبیر کرنا۔“  
”ہاں! اس کی اجازت ہے۔“

”شکریہ سر۔۔۔ ہم جب بھی یہاں آئے۔۔۔ صرف اس ضرورت کے تحت آئے کہ ہمارے دین کے دشمن اپنے ملکوں میں ہمارے داخلے کے تمام راستے بند کر دیتے ہیں۔۔۔ معاملہ دین کا ہے۔۔۔ ہمیں اپنے دین کو نقصان پہنچانے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے ان کے ملکوں میں جانا ضروری ہوتا ہے اور ہم جاتے ہیں۔۔۔ اس کام میں سلطان برہائی ہماری مدد کرتے ہیں۔۔۔ دین کے خلاف کام کرنے والوں سے مقابلہ کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں۔۔۔ اب اگر دین کی نظروں میں یہ جرم ہے تب تو سلطان مجرم ہیں۔۔۔ ورنہ نہیں۔۔۔ اب میں جوش



کروں گا اس بات کے ثبوت کہ ہم نے جب بھی یہاں آ کر گفتگو  
ہوائے ہیں۔ وہ کہاں کہاں اور کس کس معجم میں استعمال ہوسکے۔ اور  
اپنے ساتھ بہت سے اخبارات لایا ہوں۔ ان میں یہ تمام تعلیمات  
شائع ہوئی ہیں۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ آگے آئے اور انہوں نے اخبارات کا پلندہ  
صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ اور کہا۔

”ان پر نشانات لگا دیے گئے ہیں۔ تاکہ تلاش کرنے میں وقت  
نہ ہو۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ جب تک ان اخبارات کا مطالعہ نہ کر لیا  
جائے۔ عدالت کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ  
بہت لمبی چوڑی تفصیل ہے۔۔۔ اس لیے اب یہ کیس دو دن بعد کے  
اور آج کے وقت کے مطابق لگے گا۔ اس وقت تک میں ان تمام  
اخبارات کو دیکھ چکا ہوں گا۔۔۔ لہذا صبح سویرے ہی فیصلہ سنا دیا جائے  
گا۔“

”جی بہتر!“

اس پر عدالت پر خاست ہو گئی اور وہ محل میں چلے آئے۔ اب  
سلطان کے چہرے کی رونق لوٹ آئی تھی۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

”جشید میرے دوست! آپ نے تو کمال کر دیا تھا۔“

”آپ ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں۔۔۔ میں نے تو  
آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔“ انسپکٹر جشید نے مسکرا کر کہا۔

”ارے ارے۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ آج اگر آپ نہ  
ہوتے تو میں تو پھر ہو گیا تھا معزول۔۔۔ اور پھر مجھے قید میں ڈال دیا  
جاتا۔ اور پتا ہے۔۔۔ پھر کیا ہوتا۔“ وہ کہتے چلے گئے۔

”کیا ہوتا؟“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”یہ ہوتا کہ دشمن کا سیلاب ہو جاتے۔۔۔ ملک کا سلطان ان کی  
مرضی کا بن جاتا۔۔۔ پھر گویا پوری ریاست ان کی جھولی میں جا گرتی۔۔۔

یہ بات کس قدر خوفناک ہوتی۔۔۔ یہ آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔“

”ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔۔۔ اگر ایک  
دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو کس کے کام آئیں گے۔“

”اب دیکھتے ہیں۔۔۔ دو دن بعد کیا ہوتا ہے۔“

”فکر نہ کریں۔۔۔ اخبارات میں جو تفصیل آئی ہوئی ہیں۔۔۔ وہ  
اسلام پسندوں کے لیے بہت خوشی کا سبب ہیں۔۔۔ اور ہمارا دین ہمیں  
اسلام دشمنوں کے خلاف ایسی کاروائیوں کی اجازت دیتا ہے۔۔۔ میری یہ  
بات پر سوں ثابت ہو جائے گی۔“

”اللہ نے چاہا تو۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

وہ دن بعد پھر وہ قاضی صاحب کی عدالت میں حاضر تھے۔  
سب لوگ موجود تھے۔ آخر قاضی صاحب کی آواز سنائی دینے لگی۔  
”میں نے تمام اخبارات پڑھے ہیں۔ اس وقت پوری فوج

دنیا اسلام کے خلاف سازشیں کر رہی ہے۔ ان عدالت میں اگر انہیں  
جمشید جیسے لوگ نہ ہوں تو اسلامی ملکوں کا نہ چائے گیا ہے۔ یہ وہ لوگ  
ہیں جو اپنے دین کے لیے دن رات ایک کرتے ہیں۔ اور اسلام

دشمنوں کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ ان جیسوں کی اگر  
سلطان جیسے لوگ مدد نہ کریں تو کیا کریں۔ میں سلطان کے کام  
سراہتا ہوں۔ انہوں نے قابل تعریف قدم اٹھائے ہیں۔ تمام اسلامی

ملکوں کو انسپکٹر جمشید جیسے لوگوں کی اسی طرح مدد کرنی چاہیے۔ عدالت  
انہیں با عزت بری کرتی ہے۔ ان پر کوئی الزام نہیں اور عدالت نے  
عثمان حمیدی کو گرفتار کر کے اس سے تفتیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ  
شخص ضرور ان غیر مسلم طاقتوں کا آلہ کار بنا ہے۔“

اسی وقت پولیس نے حمیدی کو گھیر لیا۔ اور اسے رسیوں سے بکڑ  
لیا۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”قاضی صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو اس سے تفتیش جی ہم

کریں۔ ہم بہت جلد اس سے انکوائریں کر کے کچھ کہنے پر اس نے

قدم اٹھایا تھا۔“

”آپ کو اجازت ہے۔ اور اس سلسلے میں ملکی اختیار ہے۔“

”آپ لوگ اس شخص کو محل کے الگ کمرے میں پہنچا دیں اور

خود ہی پھرے پر وہیں رہیں۔“

”جی اچھا۔“

اسی وقت قاضی صاحب اپنے تخت سے اٹھ کر ان کے پاس آئے

انہوں نے ان سب سے نہایت محبت اور گرم جوشی سے ہاتھ ملائے۔

اس کے بعد وہ محل میں آگئے۔ انہوں نے فوراً اس کمرے کا رخ کیا

جس میں حمیدی کو رکھا گیا تھا۔ جو فنی وہ اندر داخل ہوئے۔ بری

طرح اچھلے۔

کمرے میں محمد عثمان حمیدی مردہ پڑا تھا۔ جب کہ پہرہ دینے

والے کمرے سے باہر تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اندر وہ مردہ پڑا

ہے۔ وہ فوراً واپس مڑے۔ اور باہر آگئے۔

”کیا یہاں کوئی آیا تھا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”یہاں کون آیا تھا۔“



”خیال تو یہی ہے ... کیونکہ اس نے محمد عثمان حمیدی کو ہلاک کرنے ہی یہاں سے نکلنے کی ہوسکی ... لیکن بہر حال ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے۔“

”اور ہم کریں گے ... فکر نہ کریں۔“

”وہ سمجھنے بعد سلطان نے انہیں فون کیا ... وہ کہہ رہے تھے: ”مجھے افسوس ہے ... ہم واقعی اسے گرفتار نہیں کر سکے، آپ کا

خیال بالکل درست ثابت ہوا۔“

”بس! مجھے اسی کا ڈر تھا ... خیر کوئی بات نہیں ... اللہ مالک

ہے ... مطلب یہ ہے کہ ہم اب یہ نہیں جان سکیں گے کہ محمد عثمان حمیدی

کون کس نے اس کام پر مقرر کیا ہے ... اگر ہم یہ کہیں کہ پولیس چیف

نے مقرر کیا تھا تو پولیس چیف بھی تو آخر کسی کے احکامات پر عمل کر رہا

تھا۔“

”یہی بات ہے۔“

”اچھی بات ہے ... آپ کوشش کریں ... ہم تو اب چلیں

گے ... اب ہم یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتے ... ہمارے اپنے سب ساتھی اس

مسلے میں کہیں نہ کہیں پھنسے ہوئے ہیں ...

”آپ کا مطلب ہے ... انسپکٹر کامران مرزا اور شکی مراد؟“

”ہمارے چیف آئے تھے ... وہ بھی اس شخص کو دیکھ چاہتے تھے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”اور آپ کے چیف کون ہیں۔“

”جی ... ان کا نام ہے شائوس ادراری۔“

”افسوس یہ برا ہوا۔“

”جی ... کیا مطلب ... کیا ہوا؟“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا ... اپنے موبائل پر سلطان کے نمبر ڈائل کیے ... پھر ان سے کہنے لگے:

”محمد عثمان حمیدی اس کمرے میں مردہ پڑا ہے۔ پولیس چیف

شائوس ادراری ہم سے پہلے یہاں اس سے ملنے آیا تھا۔ مطلب یہ کہ

اس نے حمیدی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ آپ فوراً اس شخص کی

گرفتاری کے احکامات جاری کر دیں۔“

”اوہو اچھا ... کمال ہے ... حیرت ہے ... بہر حال آپ لوگ

فکر نہ کریں ... اسے بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیا مطلب؟ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اسے گرفتار نہیں

کر سکیں گے۔“

سلطان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 ”ہاں! بالکل۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”آپ ہمارے لیے ایک بڑی کشتی کا بندوبست کر دیں۔“  
 جہاز جیسی ہو۔۔۔ یعنی کہنے کو کشتی ہو اور ہو ایک چھوٹا سا جہاز۔۔۔  
 اس جہاز کے ذریعے اس جزیرے پر جانیں گے اور وہاں سے کامیابی  
 کا رخ کریں گے۔۔۔ اور جب تک منور علی خان بھی آجائیں گے۔“  
 تین دن کے بعد منور علی خان ان کے ساتھ تاشقند پہنچے اور  
 بہت خوش نظر آ رہے تھے۔۔۔ اس وقت تک سلطان برہائی نے ان کے  
 لیے ان کی مرضی کے مطابق کشتی بھی تیار کرادی تھی۔۔۔ اور وہ کشتی کیا تھی  
 ایک چھوٹا سا جہاز ہی تھا۔۔۔ اس میں ضرورت کی تمام چیزیں تھیں۔

دوسری صبح انہوں نے سلطان برہائی کو الوداع کہا۔

اس طرح ان کا سمندر میں سفر شروع ہوا۔۔۔ پندرہ دن بعد  
 اس جزیرے کو دور سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ اور انہیں خبر تھی کہ وہاں  
 ہو رہی تھی کہ اس کے معاملے پر انہیں کچھ لوگ نظر آ رہے تھے۔۔۔ وہ  
 کپڑے ہلا ہلا کر انہیں مدد کے لیے بلا رہے تھے۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ یہاں تو گلتا ہے۔۔۔ کچھ لوگ پھنسے  
 ہوئے ہیں۔۔۔ چلو اچھا ہے۔۔۔ ان کی مدد بھی کر دیں گے۔“  
 ”لیکن کیسے آجاں!“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے۔۔۔ ہم ان کی مدد کیسے کریں گے۔۔۔ ہمیں تو  
 پہلا جنگل کا رخ کرنا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ خیر دیکھا جائے گا۔۔۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کی مدد  
 اس طرح کریں گے کہ کالا جنگل کے کنارے پہنچ کر اپنی کشتی انہیں دے  
 دیں گے۔“

”اور ہم۔۔۔ ہم خود۔“

”ہمارا ابھی کوئی پتا نہیں۔۔۔ شاید ہمیں اس وادی میں جانا پڑے  
 جس میں سونے کے پہاڑ ہیں۔۔۔ لیکن یہ سفر سونے کے لیے نہیں  
 ہوگا۔۔۔ بلکہ یہ جاننے کے لیے ہوگا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”یار حبشہ۔۔۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔۔۔ میں بہت بے چینی محسوس  
 کر رہا ہوں۔“ خان رحمان کی آواز سے پریشانی ٹپکتی محسوس ہوئی۔  
 ”خود ہمارا بھی یہی حال ہے۔“ انسپکٹر حبشہ مسکرائے۔



"اور اگر ہم بھی یہی کہیں۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔  
 "کیا کہیں۔" فاروق اس کی طرف پلٹ چلا۔  
 "یہ کہ ہم بھی بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔"

"تو میں یہی کہوں گا۔۔۔ کوئی حرج نہیں۔" کیے جا رہے تھے  
 محسوس۔۔۔ بے چینی محسوس کرنا محنت کے لیے نقصان دہ نہیں۔  
 جمشید مسکرائے۔

"اور وہ بے چارے ابھی بے تابانہ انداز میں ہاتھ اور پاؤں  
 رہے ہیں۔۔۔ اگرچہ انہوں نے جان لیا ہے کہ ہمارا رشتہ جو کس  
 طرف ہی ہے۔" محمود نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "غالبا وہ کہہ رہے ہیں۔۔۔ کہیں ہم ان کی مدد کا ارادہ  
 کرنے والے نہ چلے جائیں۔"

"جب کہ ایسا نہیں ہو گا۔" فاروق نے کہا۔  
 "اب انہیں تو معلوم نہیں۔۔۔ کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔"  
 "ہاں۔۔۔ بالکل۔"

تین اس لیے جزیرے پر موجود لوگوں میں سے ایک بہت  
 سے اچھلا۔۔۔ وہ حلق پھاڑ کر کچھ چلایا بھی تھا۔۔۔ بہت جوش میں  
 تھا۔۔۔ پھر تو اس کے ساتھی اچھلنے کودنے لگے۔

"لگا ہے۔۔۔ ہمارے خوشی کے یہ بے چارے پاگل ہو گئے  
 تھے۔" فاروق نے منہ نکالا۔  
 "یہ بات نہیں۔۔۔ بلکہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم ان کی مدد  
 کریں گے۔" محمود نے فوراً خیال ظاہر کیا۔  
 "بلکہ میں سمجھتا ہوں۔۔۔ یہ بات نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے

پپال آواز میں کہا۔  
 "جی۔۔۔ کیا کہا آپ نے۔۔۔ ایسی بات نہیں۔۔۔ تو پھر کیسی بات  
 ہے۔" فرزانہ چوگی۔  
 "میرا خیال ہے۔۔۔ ان میں سے جو شخص ابھی ابھی خوب  
 دھڑکتا تھا۔۔۔ ایک یوزہا آدمی ہے۔"

"کیا اس بات کا اندازہ تم نے اس کے اچھلنے کے انداز سے  
 کیا ہے۔" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔  
 "نہیں۔۔۔ بلکہ اس نے کوئی چیز ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔۔۔ اس  
 چیز کو اس نے آنکھوں سے لگایا ہوا تھا۔۔۔ غالباً وہ دور بین نما چڑ ہے۔"  
 "اور۔۔۔" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔  
 "اور اب تو میں ایک بات اور یقین سے کہہ سکتا ہوں۔"

"جی۔۔۔ وہ کیا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔





”بالکل ٹھیک۔“

”اب پھر پہلے آپ شروع کریں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
 ”پہلے آپ شروع کریں۔ کیونکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ آپ  
 کے ساتھ کیا گزری... جب یہ معاملہ شروع ہوا تھا تو ہم نے چاہا تھا  
 آپ کو بھی ساتھ شامل کر لیں۔ لیکن فون کرنے پر پتا چلا۔ آپ  
 دہلی کا کوئی پتا نہیں ہے۔ اور یہی بات شوکی برادرز کے بارے میں  
 معلوم ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں شروع کرتا ہوں۔ میں اپنے دفتر میں  
 موجود تھا کہ میرے ایک دوست جواد ہاشمی صاحب کا فون موصول ہوا۔  
 ان کی آواز سے پریشانی لپک رہی تھی۔ اور وہ کہہ رہے تھے...“  
 ”انسپکٹر کامران مرزا میرے دوست... میں بہت پریشان ہوں  
 یہ پریشانی بہت پراسرار ہے۔ کیا آپ فوری طور پر میرے ہاں  
 آتے ہیں۔“

مجھے اس وقت کوئی خاص کام نہیں تھا۔ لہذا میں بچوں کو لے کر  
 خوراں کے ہاں پہنچ گیا۔ لیکن ان کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ گھر  
 پر نہیں ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ خود انہوں نے مجھے فون کر کے  
 بلایا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ ابھی ابھی کہیں جانا پڑا ہے۔ انہیں

ہوتے چلے گئے۔ ان سب کے ہاتھ تیزی سے ہٹ گئے۔  
 کشتی اتنے فاصلے پر پہنچی کہ اس سے آگے نہیں لے جانی تھی۔  
 انہوں نے اس کا تھوڑا کتنا سے لگا دیا۔ بس پھر کیا تھا...  
 پڑے۔ محمود سب سے آگے تھا۔ اس سے پیچھے فادقی اور  
 فرزانہ۔ خان رحمان اور انسپکٹر جمشید البتہ پرسکون انداز میں چلتے تھے  
 کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پھر سب ایک دوسرے سے چٹ گئے۔ ایسے میں پروفیسر  
 کی آواز ابھری۔

”اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں ملادیا۔“

”ہاں واقعی۔ ہمیں سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے  
 چلیں سب لوگ وضو کر کے دو دو نفل شکرانے کے ادا کریں۔“  
 ان سب نے وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ پھر سب ایجا ریت پر  
 بیٹھ گئے۔

”ہم ایک دوسرے کی کہانیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ لہذا  
 پہلے کہانیاں سن لی جائیں۔ کیا خیال ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے  
 کہا۔

”بالکل ٹھیک۔۔۔ تبھی ہم آئندہ پروگرام ترتیب دے سکیں گے۔“

جس کا کہنا تھا

اس میں کیا حرم ... اور اتنی ہی میں اپنے ہاں لالچ کا نورانی اشہام  
 کیا اور میں ہاں ... سائل پر جواب ہاشمی کا ایک جواب بھی مارتا جس سے  
 بات بات پر ہاشمی بھی کہہ اسی جگہ سے انہیں لے جایا گیا ہے ... میں  
 بات بات پر ہاشمی تھا کہ ان لوگوں کو جواب ہاشمی سے کوئی غرض نہیں ...  
 ہاوا تھا کہ تو نہیں سمجھانے کے لیے ہے ... اس کے ہاں جو ہمیں جواب  
 ہاشمی کی وجہ سے لے جاتا تھا ... ہم آگے بڑھتے چلے گئے ... یہاں تک  
 کہ ایک لالچ کا لے لے لے پے جاتی نظر آئی ... گویا وہ خود اشارہ ...  
 رہے تھے کہ جس طرف آتا ہے ... صرتے کیا نہ کرتے ... لالچ کا  
 نقاب کوٹتے چلے گئے ... آخر لالچ ایک بڑی ... کے کنارے کوئی  
 نھر آئی ... ہم بھی بڑی ... کے قریب ہوتے چلے گئے ... آخر لالچ  
 سے ان کو بڑی ... پر آگئے ... ہم نے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا ... ہم  
 بڑی ... پر آگئے تو آگے بڑھتے چلے گئے ... سارا بڑی بھان بھان ہوا  
 بھان وہاں کوئی نہیں تھا ... تھک کر رہیں رہیں ... تو یہ دیکھ کر دھک  
 سے وہ گئے کہ وہاں نہ ہماری لالچ تھا ... نہ دھک ... وہ لوگ غائب  
 تھے ... ہم نے چند دن اس بڑی ... پر گزارے ... پھر ایک جہاز اس  
 طرف سے گزر رہی نظر آیا ... ہم نے شور مچایا ... کچھ ...

اگر وہی اپنا ... لالچ کے ہاں سے چلے اتنا کہ ...  
 کا حرم ہوا آگئے ... انہیں لے لے لے ...  
 میں ان کے لالچ کے ہم بھی لے لے لے ...  
 لیکن کوئی نہ گزرنے پا رہی ...  
 ... اس سے پہلے میں ان کا سواں نہ تھا ...  
 وہاں نہ تھا ... اب شور اور دھک ...  
 وہ ہے تھے ...

... انہیں کا حرم ان ...  
 غریب سائل پر آگئے ...  
 انہیں ہی قیامت ...  
 اسے قیامت کے جا چکے ہیں ...

اس مقام کے بعد لکھا ہے ...  
 ان قیامت کو جانتے لے لے ...  
 پیش آئے ...  
 وہ کہہ رہے تھے ...

... یہ لوگ مجھے ایک لالچ میں لے کر اپنی اپنی راہ لے رہے  
 میں نہیں جانتا ... مجھے کہاں لے جا رہے ہیں ...



انہوں نے انہی... تب کہیں جا کر جہاز ہماری طرف متوجہ ہو  
جزیرے کی طرف آیا۔ جہاز کے کپتان نے پہلے ہم سے بات  
یہ بتایا کہ اس کا جہاز انشارجہ جا رہا ہے۔... سب سے پہلے ہم سے بات  
کے ساحل پر رکنا ہے۔... مال اتارنا ہے اور لانا ہے۔... اگرچہ ہم  
جہاز پر سوار ہونا چاہتے ہو تو ہم تمہیں انشارجہ کے ساحل پر اتار دیں گے۔  
لیکن معاوضے کے طور پر جہاز کی صفائی کا کام تم سے لیا جائے گا۔  
اور جو کچھ نقدی تم لوگوں کے پاس ہے وہ لے لی جائے گی۔ کیا  
انشارجہ میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے۔ وہیں  
سے پولیس ہمیں گرفتار کرتی۔ لیکن ہم کر ہی لیا کرتے تھے۔ ہم نے  
ان کی بات مان لی۔... پھر ہمارا سفر شروع ہوا۔ ہم معاوضے کے  
مطابق جہاز کی صفائی کرتے رہے۔... چاہتے تو کوئی کام دکھائے  
... لیکن ہم نے سوچا۔... ان لوگوں نے ہماری مدد کی ہے۔... اس  
جزیرے پر تو ہم سوکھ جائیں گے۔... اس طرح کم از کم انشارجہ تو پہنچ ہی  
جائیں گے۔... وہاں جا کر اپنی حکومت کے ذریعے کام نکال لیں گے۔  
... بس یہ سوچ کر ہم نے کچھ کاروائی نہ کی۔... بس سفر کرتے رہے۔  
ایسے میں ایک دن کپتان نے اعلان کیا۔... جہاز کے انجن میں کوئی خرابی  
ہو گئی ہے۔... ہمیں کہیں رک کر انجن کو دیکھنا پڑے گا۔"

جہاز تو مال بردار تھا۔... ان کے ساتھ صرف جہاز کا مال بردار  
انجن میں ایک افراد تھے جنہیں یہ اعلان سن کر سب بھاگ بیٹھے۔...  
... تھے جن کی یہ جزیرہ نظر آ گیا۔... کپتان نے فیصلہ کیا کہ اس  
جزیرے کے ساحل پر رک جائے ہیں۔... جزیرے کی سب سے بھی ہو جائے  
گی۔  
اور پھر ہم سب جزیرے پر آ گئے۔... کپتان کا عمل انجن دیکھتے  
... جہاز پر ہی رک گیا۔... رات ہوئی تو ہمیں نیند نے آیا۔  
... کوئی وہ لوگ ہمیں جزیرے پر چھوڑ کر نکل  
... اور یہی ان کا پروگرام تھا۔... لیکن یہ پروگرام ان کا کیوں  
... یہ ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔"  
"اور شوکی برادرز۔... یہ یہاں تک کیسے پہنچے۔"  
"ہماری کہانی بھی بالکل ایسی ہی ہے۔... ہمیں اغوا کر کے جس  
دور میں رکھا گیا تھا وہاں سے ساحل پر لایا گیا۔... اور پھر روانہ کر دیا  
... کیا فرق صرف یہ ہے کہ ہمیں جزیرے تک نہیں لایا گیا تھا۔... کیونکہ  
... ہمیں معلوم تھا۔... ہمارے ساتھی جزیرے پر موجود ہیں۔... اسی لیے وہ  
... جہاز کو ساحل کے قریب نہیں لا سکتے تھے۔... کچھ فاصلے پر پہنچ کر انہوں  
... پانی میں کود جاؤ۔... اور اس جزیرے تک تیرتے

اُسے پہلے جاو۔ اہاں تمہارے ساتھی آج ہیں۔ یہاں تک پہنچ گئے۔ یہ ہے۔۔۔ اہاں کہانی۔۔۔

اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ لوگ تو ہمیں یہاں ہی لے آئے تھے۔۔۔ اور اس جگہ کے قریب ہی کالا جنگل موجود ہے اور اس کے پاس ایک جہاز نما کشتی۔۔۔ یا کشتی نما جہاز موجود ہے۔۔۔ ہم آہلے آہلے کالا جنگل کے کنارے جا سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں؟ انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر ایک منٹ سے دس گئے۔

”شاید ہمارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔“

کامران مرزا نے کہا۔

”اور ہم لوگ ابھی اس کتاب کا نام ہی معلوم نہیں کر پائے۔“

فرزادہ بڑبڑائی۔

”جہاں تک جیل سمجھا ہوں۔۔۔ ہمارے دشمن چاہتے ہیں۔۔۔

ہم کالا جنگل میں داخل ہو جائیں اور موت کا شکار ہو جائیں۔۔۔

خان کا کہنا ہے۔۔۔ وہ جنگل موت کا جنگل ہے۔۔۔ اس میں ایک نوازہ

مخلوق آباد ہے۔۔۔ جو ہے تو گویا جیسی۔۔۔ لیکن گویا نہیں ہے۔۔۔

اور شاید گویا سے زیادہ خطرناک ہے۔۔۔ ہے بھی خرابوں کی قیادت

... لہذا سوال یہ ہے کہ ہم کالا جنگل کیوں جائیں؟ انسپکٹر جمشید نے

دل ہلانے کا۔۔۔ ”تم کیا آپ کو کتا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس جنگل میں لے جاو؟“

”موت کے لئے میں جوتے نہیں۔“

”ابھی تو میں کہتا ہوں۔۔۔ ہمارے پاس موقع ہے۔۔۔

ابھی تو میں کہتا ہوں۔۔۔ ہمارے پاس موقع ہے۔۔۔

ہم آرام سے اپنے گھر جا سکتے ہیں۔۔۔ اور اس کتب کا جائزہ

لے کر آتے ہیں۔۔۔ لیکن جہاں جانے والی کتاب سے۔۔۔ اگر ہم

اس کتاب کا نام معلوم کر لیتے ہیں۔۔۔ تو شاید وہ کتاب بھی نہیں دیکھیں

یہ پہلی کتب ہیں۔۔۔ اب تک جو اشعارات ملے ہیں۔۔۔ وہ اس

کا کوئی جگہ ایسی ہے۔۔۔ جہاں تک جدید دنیا نہیں پہنچی۔۔۔ وہ جگہ

جہاں ہے۔۔۔ ہمیں معلوم نہیں۔۔۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ ہم نہیں

پہنچ سکتے۔۔۔ وہاں ہونے کے پتہ ہیں۔۔۔ اگر ایسا ہے تو ہماری

ایا کا بول ملک باہر سے ملک وہاں جانے کے لیے بے چین ہو

سے اس کے۔۔۔ لیکن انہیں اس داری کا راستہ معلوم نہیں۔“ انسپکٹر

جمشید نے کہا۔

”تو کیا۔۔۔ یہ لوگ ہمارے ذریعے اس داری کا راستہ

معلوم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے چمک کر کہا۔

”یہ گئی آپ نے میرے دل کی بات۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھ



واقعی حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ اس کا  
ہمیں انشارجہ کے جہازوں سے واسطہ پڑا ہے۔  
معاشرے میں شدید دلچسپی سے رہا ہے۔  
”تب پھر کتاب کیوں غائب کی گئی؟“ شوقی نے غصہ سے  
پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”اگر انشارجہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس وادی کی تلاش میں  
جائیں اور اس طرح انشارجہ ہمارے ذریعے سے وہاں پہنچ جائے۔  
کتاب کا ڈرامہ کیوں رچایا گیا۔“

”شوکی کی بات میں وزن ہے۔ ہم اس پہلو پر بھی غور کریں  
گے۔“

”ان حالات میں تو واقعی پھر ہمیں کالا جنگل جانے کی ضرورت  
نہیں۔ اگر اس وادی کا راستہ کالا جنگل سے ہو کر جاتا ہے۔ تو بھی  
ہم یہاں تیاری کر کے آسکتے ہیں۔ اس وقت تو اس مخلوق سے مقابلہ  
کرنے کا بھی ہمارے پاس کوئی بھی سامان نہیں ہے۔“ انسپکٹر کامران  
مرزا نے کہا۔

”جس دن پھر یہ ملے گا۔ ہم یہاں سے واپس پھرتے ہیں۔ اس  
پہلو پر بھی غور کریں گے۔ وہ کتاب بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے  
مگر ہماری تیاری سے یہاں آئیں گے۔ ہمارے پاس ایسا سامان  
ہے کہ اس مخلوق کو بے ہوش کر دیں اور جنگل کا جائزہ لے سکیں  
اس مخلوق کے علاوہ بھی اس جنگل میں کچھ خطرات ہو سکتے ہیں۔ ان  
کے لیے ہمارے پاس منور علی خان ہیں۔“

”پائل ٹھیک۔“ انہیوں نے فوراً کہا۔

اسی وقت وہ اپنے کشتی نما جہاز پر سوار ہو گئے اور برنائی کے  
ساتھ پر روانہ ہو گئے۔

پندرہ دن بعد وہ برنائی میں موجود تھے اور سلطان انہیں حیرت  
دہن نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”آپ ہمیں اس طرح حیران ہو کر کیوں دیکھ رہے ہیں انکل۔“  
نہت سکرانی۔

”مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ آپ لوگ اس قدر جلد  
وہاں آجائیں گے۔ کیا مہم ختم ہو گئی۔“

”نہیں انکل۔ مہم تو ابھی شروع ہو گی۔“ آفتاب نے سر  
دھڑکاتے ہوئے کہا۔

اور سے الٹو پھرا کر اس کی آغوش میں کیا مطلب؟

بچے ہم اپنے وطن چاہتے تھے۔ مگر اب سے کہہ دو۔  
پھر اس مہم پر نکلیں گے۔ انکو وہ نے جلدی جلدی کیا۔

اور... اچھا... ویسے یہ مہم ہے کیا؟ انکو یہاں سے کہہ دو۔  
یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔

ہائیں... یہ معلوم نہیں تو پھر مہم پر نکلیں گے کیسے؟

ہمیں یہ بھی معلوم نہیں۔ "فرمان" نے بڑے سے کہا۔

"تو تمہیں کیا معلوم ہے؟" سلطان برقی نے بھی کرکے۔

اور وہ مسکرائے "گے... اسرار ماروتی نے جواب دیا۔

"نہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمیں کیا معلوم نہیں؟"

"حد ہو گئی... بلکہ تو یہ ہے تم سے؟" سلطان برقی نے خفا

الہ کے انداز میں کہا۔

"شکوہ انکل؟" شوکی کی آواز ابھرئی۔

"شکوہ یہ کس ہاتھ کا؟" سلطان اس کی طرف پلٹے۔

"اس بات کا کہ آپ نے ہمارے انداز میں بات کی؟"

"اب تم سے کون لغز مارے؟" وہ بے اس کے عالم

ہے چاہیہ کہ وہ اس کے ساتھ رہے؟ "انکو یہاں سے

یہ بات ہے تو قلع؟"

اب... مگر آپ نے کہا تو قلع... وہ یہ دیکھ کر سنا۔

یہ تو ہمیں معلوم نہیں کی بات ہے مسلسل کیا دیتی تھی؟

اب... "پروفیسر دادو نے فوراً کہا۔

"مطلب یہ کہ اب یہ ٹیپری کہ ہم یہاں سے اپنے ملک چاہیں

ہے۔ ان سے دوبارہ تیاری کر کے روانہ ہوں گے؟" خان برقیان

نے کہا۔

"اب اویسے تو ہم یہاں سے بھی روانہ ہو سکتے ہیں... لیکن

یہ طرح کتاب والا معاملہ درمیان میں رہ جائے گا... ہم چاہتے ہیں

اپنے شہر سے کسی نہ کسی طرح وہ کتاب حاصل کر لیں... اس کا

ٹھکانہ لیں اور پھر اس مہم پر نکلیں؟"

"بالکل ٹھیک... میری رائے بھی یہی ہے؟" انسپکٹر کا سران صرنا

نے کہا۔

"بس تو پھر یہ طے رہا... ہم فیج سوہیے کی پادار سے روانہ



”ٹھیک ہے۔۔۔ میں سنیں جب کہ وہ کہیں۔۔۔“  
کہا۔

اور پھر دوسرے دن صبح وہ برنائی سے روانہ ہوئے۔  
بعد وہ اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔  
انہوں نے دڑتے قدموں کی آواز سنی۔۔۔ اور پھر زور والی آواز  
دروازہ کھل گیا۔۔۔

”السلام علیکم۔“ خواتین کا نعرہ گونجا۔

”وعلیکم السلام۔“ ان سب نے جواب دیا۔

”اللہ کا شکر ہے۔۔۔ مہم بہت جلد ختم ہو گئی۔ اور آپ سب  
واپسی ہو گئی۔“ بیگم جمشید کی آواز گونجی۔

”اس خوش فہمی میں نہ رہنا بیگم۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا  
کر کہا۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

”مطلب یہ کہ۔۔۔ مہم تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔۔۔“

ہم نے مہم کی ایک جھلک دیکھی ہے۔

”کیا!!!“ وہ سب چلا انھیں۔۔۔ ان کی آنکھوں میں خوف،

کا۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔

”بس مہم کی جھلک کا یہ حال ہے۔ تو وہ مہم ہو گئی کیا؟“  
”یہ تو خیر تم نے ٹھیک کہا بیگم۔ لیکن تم ہمیں انداز تو آئے“  
”انہوں نے کہا۔

”معاذ سمجھیے گا۔۔۔ خیال ہی نہیں رہا۔“

”اللہ کا شکر ہے۔۔۔ انکل نے خیال دلا دیا۔۔۔ ورنہ ہم تو کھڑے  
راہے تھے آج باہر ہی۔“ نکھن کی آواز سنائی دی۔

وہ سب لاجپوری میں آگئے اور فرش پر براجمان ہو گئے۔

”اب آپ لوگوں کے آنے کا تو چتا نہیں تھا۔۔۔ نہ آپ نے فون  
کیا۔ اس لیے گھر میں تو بس دال دلیا ہی تیار ہے۔“

”ہم دال دلیا ہی صبر شکر سے کھا لیں گے۔۔۔ بہت زور کی بھوک  
میں ہے۔۔۔ بس بھابھی آپ لے آئیں۔“ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر  
کہا۔

”اور آپ خوش کس بات پر ہو رہے ہیں۔“

”اس بات پر کہ چلو دال دلیا تو مل رہا ہے۔۔۔ اگر یہ بھی تیار نہ  
ہوتا تو ہم کیا کر لیتے۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

بازار سے منگوائیں آپ کے دشمن کی ٹانگے سے منگوائیں۔  
تیار کر سکتی ہوں۔

تو پھر اس وقت کیوں نہیں تیار کر لیں۔  
دراصل ہم آپ کو اپنا ال دیا کھانا چاہتی تھیں۔ بیگم نے کہا۔

مرزا کی آواز سنائی دی۔  
اوہ۔۔۔ تب تو ٹھیک ہے۔۔۔ آئیں پھر۔۔۔ خانہ رحمان نے فوراً کہا۔

ابھی لیجیے۔۔۔ بیگم خانہ رحمان نے خوش ہو کر کہا۔  
میں بھی ادھر ہی ہوں۔۔۔ کبھی آپ لوگ مجھے ادھر خیال لیں۔۔۔ انہوں نے بیگم شیرازی کی آواز سنی۔

ہماری تو یہ ایسا خیال کرنے سے۔۔۔ پروفیسر داؤد نے کانوں کا ہاتھ لگایا۔۔۔ اور بیگمات ہنستی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔  
جلد ہی بہت سی چیزیں ان کے سامنے رکھ دی گئیں۔۔۔ اور واقعی وہ سادہ چیزیں تھیں۔۔۔ لیکن وہ سادہ چیزیں بھی اس قدر مزے دار تھیں کہ وہ انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔۔۔ ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ نئی تیار کردہ چیزیں ان کے سامنے پہنچ گئیں۔

کمال ہے۔۔۔ جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔

جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔

جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔  
جوت بہت سی تھک رہی تھی۔



”میں نے سنا ہے جشید تم لوگ آگے ہو۔“

”جی ہاں!“

”اور یہ اچھا ہی ہے۔ تم لوگوں کی بہت ضرورت محسوس ہو رہی

ہے۔ فوراً چلے آؤ۔“

”جی۔ کیا کہا آپ نے فوراً چلے آئیں۔ لیکن سر۔۔۔ کون

کون۔۔۔ یہاں تو سب لوگ جمع ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ ضرورت تو اس وقت صرف تمہاری اور انسپکٹر کامران

مرزا کی ہے۔۔۔ کوئی تیسرا ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔“

”بہت بہتر! ہم آ جاتے ہیں۔“

”بس ٹھیک ہے۔“

انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ ادھر انسپکٹر جشید نے کہا۔

”کامران مرزا مجھے اور آپ کو صدر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔“

”چنیے پھر۔“

وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔۔۔

”سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔“ محمود نے بے چارگی کے عالم

میں کہا۔

”جواب یہ ہے کہ عیش کر لیتے ہیں۔۔۔ بہت مدت ہو گی

ہنس۔

”نہیں۔۔۔ ابھی نہیں چلا۔ سب نیلے گونے والے کمرے

”اچھا شکریہ۔“ آفتاب اور زیادہ خوش ہو کر ہلا۔

”بھئی اب باتیں ہی کرتے رہو گے یا۔۔۔ ان کی چیزوں سے

بھی انصاف کرو گے۔“ پروفیسر داؤد نے تھکا کر کہا۔

”اوہ ہاں! انہیں تو ہم بھول ہی گئے۔ محمود نے ہنست کر کہا۔

”بس تم میں یہی بات بری ہے۔ جب دیکھو۔۔۔ بھول جاتے ہو۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”اور تم میں کون سی بری بات ہے۔“

”یہ تم بتا دو۔“

”اس سے یہ بہتر ہے کہ ہم ان بے چاری چیزوں سے انصاف

شروع کر دیں۔۔۔ ذرا دیکھو تو کس قدر معصومانہ انداز میں ہمیں اکیڈمی

ہیں۔“ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

”حد ہو گئی انکل۔۔۔ چلیں بھئی آئیں۔“

اور پھر وہ ان چیزوں پر ٹوٹ پڑے۔۔۔ میں اسی لمحے انسپکٹر ہونہ

کے موبائل کی گھنٹی بجی۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ فون صدر صاحب کا تو

”السلام علیکم سر۔“ انہوں نے جہن دہاتے ہی کہا۔

ہمیں پیش کیے ہوئے۔

”بے کوئی تک۔“

”سوچنا پڑے گا۔“ خان رحمان مسکراتے۔

”تو سوچ لیتے ہیں۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔

میں اسی وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دشمن نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر سب کی نظریں فاروق پر جم گئیں۔

”آپ... سب مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔“

”جلدی بتاؤ... یہ دستک دوستانہ ہے... یا اس سے دشمن کی آ رہی ہے۔“

”یو تو دشمن کی آ رہی ہے۔“

”اوہ... چلو محمود... دیکھو۔“

محمود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆☆

## سرخ

صدر صاحب کے چہرے پر گہرے فکر کے آثار تھے... ان پر نظریں پڑنے کے فوراً بعد انہوں نے کہا:

”تم دونوں کو ابھی اور اسی وقت براشیل کے لیے روانہ ہونا ہے کوئی بہت ہی سنگین مسئلہ پیش آیا ہے... براشیل کے صدر نے مجھ سے

بہن اتنی درخواست کی ہے کہ آپ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو ان کے پاس بھیج دیں اور اسپیشل طیارے کے ذریعے بھجوا دیں...

تمام تر اخراجات حکومت براشیل برداشت کرے گی اور ہماری حکومت کا شکر یہ بھی ادا کرے گی۔“

”بہت بہتر سر! کیا ہمیں کچھ کہنے کی اجازت ہے۔“

”نہیں۔“ انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

”بہت بہتر! کیا ہم اپنے گھر والوں کو فون پر بتا دیں کہ ہم

کہاں جا رہے ہیں۔“



”نہیں!“ انہوں نے پھر انکار میں سر ہلایا۔  
”جی اچھا!“

انہیں وہیں سے انٹر پورٹ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہاں ان کے لیے ایک چھوٹا سا طیارہ بالکل تیار کھڑا تھا۔ انہیں انہماک سے بتایا گیا کہ آپ کو اس طیارے کے ذریعے سفر کرنا ہے۔ ”اگر میں جا بیٹھے۔ اور پھر طیارہ پرواز کر گیا۔“

”کیا محسوس کر رہے ہو کامران مرزا؟“

”ابھی تو میں کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا۔“

”میرا بھی یہی حال ہے۔“

”سرخچہ چاہیے۔“ اس نے ایک ایر ہوٹل سے ان کے نزدیک آکر کہا۔

دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ غیر ملکی تھی۔ لیکن اندازہ نہ لگا سکے کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔  
”ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے۔“

”ہمیں کوئی بات بھی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔“ اس نے

باادب انداز میں کہا۔

”تب پھر آپ نے یہ کیوں پوچھا کہ کچھ چاہیے۔“

”جس حد تک بات کرنے کی اجازت ہے۔ اس حد تک تو بات کی جاسکے گی۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔  
”آپ کا تعلق کس ملک سے ہے۔“

”اس حد تک اجازت نہیں۔“ اس نے پھر مسکرا کر کہا۔

”جہاز کا حملہ کتنے افراد پر مشتمل ہے۔“

”صرف تین افراد پر۔۔۔ ایک میں۔۔۔ میری ساتھی اور تیسرے

بچے۔“

”اچھی بات ہے، یہ ہمارا چائے کا وقت ہے۔۔۔ ہم صرف چائے

پیں گے۔“

”بہت بہتر!“ اس نے کہا اور چلی گئی۔

”کامران مرزا۔“

”ہوں۔“

”میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ اچھا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔۔۔ اب

انہوں نے اشارے میں کہا۔

”اگر یہ لوگ غلط ہوئے اور ہمیں غلط جگہ لے گئے تو ہم ان کے

پروگرام کے مطابق چپ چاپ وہاں جا پھنسیں گے۔۔۔ میرا مطلب ہے

”بلکہ کیا؟“

”بلکہ ہم تو صرف آنکھوں کے اشاروں سے بھی باتیں کر سکتے

ہیں یعنی ہاتھوں کے اشاروں کے بغیر۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے... اچھا مجھے دکھائیں ذرا... آپ آنکھوں

کے اشاروں سے باتیں کس طرح کر سکتے ہیں... کیا آپ یہ بات

بہت کر سکتے ہیں۔“

”ہاں اکیوں نہیں... دیکھیے... میں اپنے ساتھی سے آنکھوں

سے اشارے سے ایک بات پوچھتا ہوں... اس کے بعد میں وہ بات

ہاتھ پر لکھ لوں گا... میرے ساتھی بھی اپنے کانغہ پر لکھ کر بتائیں گے

کہ میں نے ان سے کیا پوچھا ہے۔“

”بہت خوب! یہ بہت دلچسپ رہے گا۔“ اس نے حیران ہو کر

کہا۔

”آپ کا نام۔“ انسپکٹر جمشید نے روانی کے عالم میں کہا۔

”لیزا۔“ اس کے منہ سے نکل گیا... پھر اس نے گھبرا کر کہا۔

”اوه... یہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی۔“

”گویا آپ کو اپنا نام بھی بتانے کی اجازت نہیں۔“

”بالکل نہیں۔“

”ہمیں کیا پتا کہ یہ لوگ واقعی ہمیں براشیل سے جڑے ہیں یا نہیں اور۔“

”ہاں یہی بات ہے... لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں... صاحب نے کسی قسم کی وضاحت ہی نہیں کی... اور جہاز کا انجن

انہی کی طرف سے کیا گیا ہے... ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں... یہ باتیں وہ اشاروں میں کر رہے تھے... اور گھڑی اب ہر

انہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہی تھی... اچانک اس نے اپنا چہرہ سے حرکت کی اور ان کے قریب آنکھڑی ہوئی۔

”کیا آپ گونگے ہیں...“ اس نے ہنس کر کہا۔

”نہیں تو اگر ہم گونگے ہوتے تو آپ سے بات کیسے کر سکتے تھے۔“

”تو پھر اس طرح اشاروں میں بات کیوں کر رہے ہیں۔“

”آپ بھی تو ہمیں کچھ نہیں بتا رہیں... لہذا ہم کیوں پتہ نہیں

ہم کیا باتیں کر رہے ہیں۔“

”آپ کو اس طرح باتیں کرنے میں دشواری نہیں ہو رہی۔“

”نہیں... بالکل نہیں... اس طرح باتیں کرنا ہمارے لیے آسان

کھیل ہے بلکہ۔“ انسپکٹر کا مران مراد کہتے کہتے رک گئے۔



برطان ہو گئی۔

”اس بات سے کہ آپ نے کہا ہے... یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔“  
 آپ نے ہماری اس بات کے جواب میں کہا ہے... کہ میری  
 جواب طلبی نہیں ہوگی... مطلب یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور یہ اسی  
 صورت میں ممکن ہے... جب ہم براشیل نہ جا رہے ہوں... کیونکہ  
 براشیل کے صدر نے تو ہمیں بلایا ہے... وہاں تو یقیناً ہمارا زور چل سکتا  
 ہے... ہم براشیل کے صدر سے آپ کی سفارش کر سکتے تھے لیکن یہ  
 سفارش اس صورت میں نہیں ہو سکتی جب کہ ہم وہاں جا ہی نہ رہے  
 ہوں اور ہماری منزل ہی اور ہو۔“ یہاں تک کہ کرافسٹر جمشید خاموش  
 ہو گئے۔“

ایر ہو سنس عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔  
 ”اسی لیے ہمیں ہدایات دی گئی تھیں کہ آپ دونوں سے کوئی  
 بات نہ کی جائے... اور یہ غلطی ہم سے ہو گئی۔“

”اس کا صاف مطلب ہے... ہمیں انہیں کیا جا رہا ہے۔“

”اب ہم چھپا کر کیا کریں گے... یہی بات ہے۔“

”بہت خوب! ہم آپ کی مدد کریں گے... آپ تینوں کے

مقابلے ایک لفظ ان لوگوں سے نہیں کہیں گے... جن لوگوں تک آپ

”خیر آپ فکر نہ کریں... ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ آپ غلطی ہو چکی ہے۔“

”شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔  
 ”کیا اب ہم تجربہ کر کے دکھائیں۔“

”ہاں! مجھے خوشی ہوگی۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں... آپ کو ہم سے بات ٹوٹ کر  
 کی اجازت نہیں ہے۔“

”یہ سب کچھ غیر ارادی طور پر ہو رہا ہے... اور میں ہرگز  
 ہوں... میری جواب طلبی ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ہوگی... ہم فتنے دار ہیں۔“

”یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔“ اس نے اپنا منہ کہا۔

اب تو ان دونوں کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی... ان کے منہ  
 سے ایک ساتھ نکلا۔

”کیا مطلب؟“

”آپ... آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے... ہم براشیل نہیں جا رہے۔“

”آپ نے یہ مطلب کس بات سے نکال لیا۔“ وہ اور کہا۔

ہمیں لے جا رہے ہیں... کیا اب ہم تجربہ کر کے دکھائیں۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی... آپ لوگ ضرورت سے زیادہ ذہین ہیں... اور میں... اور میرے دونوں ساتھی آپ لوگوں کے احسان مند ہوں گے... اگر آپ ان لوگوں کو کچھ نہ بتائیں۔"

"فکر نہ کریں... ہم بلا وجہ دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے عادی نہیں... ہم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ اب ہم جان گئے ہیں... آپ مسلمان نہیں ہیں... اس لیے باوجود ہم آپ کی مدد کریں گے... ہماری وجہ سے آپ پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی... ہم تو آپ سے اب بھی یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ آپ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"اوہ... اس کے منہ سے نکلا۔"

"ہاں! آپ ہمیں کچھ نہ بتائیں۔"

"لیکن اب نہ بتانے کا کیا فائدہ... یہ آواز دوسری ابرہہ کی

کی تھی... انہوں نے دیکھا... وہ بھی ان کی طرف چلی آ رہی تھی پھر انہوں نے دیکھا... پائلٹ بھی وہیں آ گیا تھا۔"

"آپ لوگ بہت عجیب ہیں... بہت اچھے ہیں... ہم سوچا نہیں سکتے تھے کہ اس طرح آپ کے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں گے۔"

میں تو حکم تھا... آپ لوگوں سے کوئی بات نہ کریں... آپ نے اختیار کیا کہ ہماری ساری خاموشی دھری کی دھری رو گئی۔"

"دراصل ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم براشیل نہیں جا رہے... اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔"

"آپ کو ایکورم لے جایا جا رہا ہے... یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ ایکورم انٹارجہ کی ایک ریاست ہے اور ایک طرح سے آزاد ریاست ہے... اس کے باوجود وہ انٹارجہ سے الگ نہیں ہے۔" یہ بات کہاں نے کہی۔

"ہاں! یہ بات ہمیں معلوم ہے۔ یہاں پہلا سوال تو یہ ہے کہ براشیل کا طیارہ انٹارجہ کی ریاست کا طیارہ کیسے بن گیا... براشیل تو مسلمان ملک ہے... اور یہ طیارہ اڑا بھی مسلمان ملک سے... پھر یہ کیسے ہو گیا کہ طیارہ ایکورم لے جایا جا رہا ہے۔"

"ہمارا تعلق براہ راست براشیل سے ہے... ہم براشیل کے ہی ملازم ہیں... لیکن دراصل ہم انٹارجہ کے ہیں... اور ہمیں جاسوس کے طور پر براشیل بھیجا گیا تھا... وہیں ہمیں پائلٹ اور ایئر ہوسٹس کی ملازمت اختیار کرنے کا حکم ملا... یہ سب انٹارجہ کے چکر ہیں... اس کے چکر ہی جانتا ہے... ہم اس طرح براشیل سے بھی تنخواہ لے رہے



ہیں اور ایکورم سے بھی۔"

"ہوں... لیکن جب یہ طیارہ براشیل نہیں پہنچے گا تو ایکورم کی ضرورت ہے... ظاہر ہے جب طیارہ وہاں نہیں پہنچے گا تو آپ حکومت سے پوچھا جائے گا... آپ کی حکومت لاطینی ظاہر کرے گی اب یہ خیال کیا جائے گا کہ طیارہ کہیں راستے میں لاپتہ ہو گیا۔"

ایکورم میں آپ کو شریک کر کے انشارجہ جو کرنا چاہتا ہے... کوئی گا... وہ کیا کرنا چاہتا ہے... یا اس کا کیا پروگرام ہے... یہ بھی معلوم... ہمیں جو معلوم تھا... ہم نے بتا دیا... اب اگر انشارجہ حکومت کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہم نے آپ لوگوں کو سب کچھ بتا دیا ہے تو ظاہر ہے... ملازمت تو ہمارے ہاتھوں سے جائے گی... شاید گرفتار کر کے جیل میں بھی ڈال دیا جائے گا۔"

"ایسا نہیں ہو گا... اگر اس جہاز میں ایسے کوئی آلات نہیں ہیں کہ اس میں ہونے والی بات چیت وہ سن سکیں... تب تو آپ لوگ بال بال بچ جائیں گے اور اگر اس میں ہونے والی گفتگو سن رہی ہے... تب آپ لوگ مارے گئے... اور میں آپ کو ایک بات بتا سکتا ہوں۔"

"یہ وہ کیا... تمہاری باتوں کے منہ سے نکلا۔"

"یہ وہ کیا... تمہاری باتوں کے منہ سے نکلا۔"

"انکارجہ اپنے ہر جاسوس پر کڑی نظر رکھتا ہے... لہذا ہمارا تو یہی اندازہ ہے کہ آپ کی ساری بات چیت سنی جا چکی ہے۔"

"ارے باپ رے... پھر تو ہم مارے گئے۔"

"نہیں... ایسی بات نہیں... آپ اب بھی بچ سکتے ہیں۔"

"وہ... وہ کیسے؟"

"جہاز میں کتنا تیل ہے... کیا ہم واپس پاک لینڈ جا سکتے ہیں"

یعنی جہاں سے چلے تھے۔"

"جی ہاں...! جا سکتے ہیں... لیکن پروگرام کے بغیر ہمیں وہاں اڑنے کوں دے گا۔"

"یہ ہم کر لیں گے... آپ اپنے بارے میں بتائیں... اگر آپ کو ہم وہاں لے جائیں... تب آپ کس پوزیشن میں ہوں گے۔"

"کیا اس طرح انشارجہ ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر نہیں پڑ جائے گا۔"

گا۔"

"ہم اس کا انتظام بھی کر دیں گے کہ وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے"

اور بعد میں آپ جس ملک میں کہیں گے وہاں آپ کو سیٹل کروا دیں گے۔"

"انپلنر جمشید نے کہا۔"

مدد کاروں نے حیرت سے ان کا استقبال کیا۔ انسپکٹر جمشید نے آئی جی صاحب کو فون کر کے گاڑی بھیجنے کی درخواست کی تو آئی جی صاحب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تو انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی ان کو بھی تفصیل سے آگاہ کیا، اور ایئر پورٹ حکام کو بھی مطمئن کرنے کے بعد گاڑی آتے ہی ایوان صدر روانہ ہو گئے۔

”آپ تینوں ہمارے ساتھ ہی چلیں گے۔“  
”اچھی بات ہے۔“

ایوان صدر میں پروٹوکول آفیسر نے ان کا استقبال کیا اور کہا۔  
”آئیے۔۔۔ سر۔۔۔ صدر صاحب بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ آئی جی صاحب نے انہیں فون کر کے بتایا ہے کہ آپ لوگ آ رہے ہیں۔“

”چلیے۔۔۔ آئیے۔۔۔“ ساتھ ہی انہوں نے ان تینوں سے کہا۔  
”یہ کیا۔۔۔ آپ ان حضرات کو ساتھ لے جائیں گے۔“  
”ہاں! یہ ہمارے ساتھی ہیں۔۔۔ ہمارے ساتھ جائیں گے۔“  
”لیکن سر! صدر صاحب نے تو کہا ہے کہ صرف آپ دونوں آئیں گے۔“ آفیسر نے کہا۔

”ہم دو ہی ہیں۔۔۔ لیکن یہ ہمارے مہمان ہیں۔۔۔ ہم صدر

”تب پھر ایسا کرنے میں ہی بہتری ہے۔۔۔ نہیں افسوس۔۔۔ دھڑکا لگا رہتا ہے۔۔۔ اس کی ہمیں آپ گاڑی دے رہے ہیں۔“  
”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔“  
”بس تو یہ طے رہا۔۔۔ کہ ہم واپس پاک لینڈ جا رہے ہیں۔“

اب ان تینوں کے چہروں پر اطمینان وہڑ گیا۔۔۔ گویا ان کے اطمینان دلانے پر وہ بے فکر ہو گئے تھے۔

آخر سفر طے ہو گیا۔۔۔ اور ان کے ملک سے طیارے سے واپس لیا گیا اور پوچھا گیا۔

”یہ طیارہ تو برائیل کے لینے روانہ ہوا تھا، واپس لے آ رہا ہے۔۔۔ واپسی کا ہمارے پاس کوئی پروگرام نہیں ہے۔۔۔ جلدی بتائیں۔“  
”اس طیارے سے میں انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں اور میرے ساتھ انسپکٹر کامران مرزا بھی ہیں، ہم دونوں صدر صاحب کی ہدایت پر برائیل جا رہے تھے مگر صورت حال تبدیل ہو گئی ہے۔ ہمیں ایئر پورٹ پر اترنے دیا جائے وہیں آکر ساری بات بتا سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

”او کے سر! آپ لینڈ کر سکتے ہیں۔“

آخر کار طیارہ بحفاظت ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ اور وہاں کے



مردم سے بھی انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔  
 یہ ہے مطلب۔

یہ سب کے سب انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔  
 یہ ہے مطلب۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

مردم سے بھی انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔  
 یہ ہے مطلب۔

یہ سب کے سب انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔  
 یہ ہے مطلب۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔  
 یہ لوگوں کی جہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں۔

بہت بہتر سر۔

اور پھر وہ انہیں لے کر چلا گئے۔ اب صدر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

”آپ میرے ساتھ آئیں۔ اور پہلے ان تینوں کے بارے میں بتائیں۔ یہ آپ کو لے کر کہاں جا رہے تھے۔“

”انشارجہ کی ریاست انکھوم۔ یہ طیارہ ہم دونوں سمیت اٹھا رہا تھا۔ لیکن کچھ ایسا معاملہ پیش آیا کہ اس سارنی سازش کا رخ بدل گیا۔“

”کیا مطلب ہے؟“ وہ اور زیادہ حیران ہو گئے۔

”پہلے ہم آپ کو تفصیل سناتے ہیں، پھر آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ سازشی لوگ کہاں کہاں موجود ہیں اور کس کس رخ سے ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔“

”آئیے۔ پہلے آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر تفصیل سنائیں۔“

صدر انہیں اپنے خاص کمرے میں لے آئے۔ دروازے اندر سے بند کر لیے گئے۔ اب انہوں نے کہا۔

”ہاں پہلے آپ ان تینوں کے بارے میں بتائیں۔“

انہوں نے تفصیل سنا دی۔ راستے میں پاکٹ اور دونوں اہلکاروں سے جو بات چیت ہوئی تھی۔ وہ مکمل طور پر انہیں سنا دی۔ صدر صاحب حیرت زدہ سے سنتے رہے۔ ان کی آنکھیں مارتے رونے کے پھلنی جاری تھیں۔ آخر انہوں نے بات مکمل کر لی تو صدر نے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ یہ تینوں ہمارے ہاں اتنے عرصے سے

غائب ہیں اور ہمیں پتا تک نہیں چلا کہ یہ انشارجہ کے چاسوس ہیں۔“

”لیکن اب نہیں رہے۔۔۔ اب تو ان لوگوں کو انشارجہ سے پہچانا

ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو انشارجہ کسی صورت زندہ نہیں چھوڑتا۔۔۔ اسی

لیے ان لوگوں کی حفاظت کا بھرپور انتظام کرنا پڑے گا۔“

لیکن انشارجہ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور جب یہ لوگ غداری کر سکتے

ہیں۔ تو یہاں ایسے اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔۔۔ میرے اہوان میں بھی

ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔۔۔ جو کسی وقت بھی۔۔۔ ان پر حملہ کر سکتے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ ہم سے بہت بڑی لفظی ہوئی۔۔۔ آئیے جلدی

نہیں۔ جہاں انہیں بھیجا گیا ہے۔۔۔ اس کمرے کی طرف چلیں۔۔۔

بلکہ دوڑا دیں۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے صدر سے بھی پہلے دوڑ لگا دی۔



## وہ کمرہ

صدر صاحب بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل آئے تھے۔۔۔ انہیں  
 جمشید کو پیچھے مڑنا پڑا۔۔۔ کیونکہ انہیں نہیں معلوم تھا۔۔۔ تینوں کو کس  
 کمرے میں رکھا گیا ہے۔

”اس طرف والے برآمدے کے آخر میں بے مہمان خانہ۔“  
 دونوں نے دوڑ لگا دی اور پھر مہمان خانے کے دروازے سے  
 پورے زور سے نکلے۔۔۔ دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

”کک۔۔۔ کون؟“ انہوں نے اندر سے بوکھلائی ہوئی آواز میں  
 کہا۔

”دروازہ کھولیں۔۔۔ ہم آپ کو ایک خطرے سے خبردار کرنا چاہتے  
 ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ایک منٹ۔“ اندر سے اتر ہوٹس کی آواز  
 سنائی دی۔

”کیا آپ نے۔۔۔ ایک منٹ؟“

”جی ہاں! پائلٹ صاحب ہاتھ روم میں ہیں۔۔۔ وہی دروازہ  
 قہلی کے۔۔۔ کیونکہ ہم خوف محسوس کر رہے ہیں۔“

”کیوں۔۔۔ کیا ہم سے پہلے کسی نے دروازہ کھلوانے کی کوشش  
 کی تھی۔“

”جی۔۔۔ جی ہاں! لیکن ہم نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔۔۔ آپ  
 سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ میں اور انسپکٹر کامران مرزا ہیں دروازے پر  
 اور صدر صاحب بھی ہیں۔۔۔ لہذا آپ بے خوف ہو کر دروازہ کھول  
 دیجئے۔“

”مجھے افسوس ہے۔۔۔ پائلٹ صاحب نے ہم سے کہا تھا۔۔۔ جب  
 تک میں باہر نہ آ جاؤں کسی کے لیے دروازہ نہ کھولنا۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ہم ایک منٹ انتظار کر لیتے ہیں۔۔۔ آپ  
 ہاتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر پائلٹ کو خبردار کر دیں۔۔۔  
 اس طرح وہ جلد باہر نکل آئیں گے۔“

”جی اچھا۔“

انہوں نے دستک کی آواز سنی۔۔۔ آخر کار پائلٹ کی آواز سنائی

کہہ رہے تھے کہ اپنے کمرے میں چلے جائیں۔۔۔ آخر انہوں نے  
میں کیا۔۔۔ ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ اپنے کمرے میں چلے  
جائیں۔

جب انہوں نے دیکھا صدر صاحب جا چکے ہیں۔۔۔ تب انہوں  
نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور پائلٹ کی طرف مڑے۔

”ہمیں خیال آیا تھا کہ صدر صاحب کے محل میں بھی انشارجہ کے  
باسوں ہو سکتے ہیں۔۔۔ اور ان حالات میں انشارجہ اپنے ان لوگوں کو حکم  
دے گا کہ وہ آپ تینوں کو قتل کر دیں۔۔۔ یہ خیال آتے ہی ہم اس  
طرف دوڑ پڑے۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔۔۔ یہاں کوئی نہیں آیا۔۔۔“ یہ کہہ  
کر دوڑ گئے۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“

”میرے خیال میں یہ کمرہ محفوظ نہیں۔۔۔ آپ کو کسی اور کمرے  
میں ٹھہرانا ہو گا۔۔۔“ آخر انہوں نے کہا۔

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ ہم اس کمرے سے نکل جائیں۔“  
پائلٹ نے فوراً کہا۔

”ہاں!“ انہوں نے فوراً کہا۔

تینوں انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھے۔

”جی فرمائیے۔“

”یہ ہم ہیں، دروازہ کھول دیں۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا۔“  
اندر سے کہا گیا۔

”جی ہاں! بالکل۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔“

اور پھر دروازہ کھل گیا۔۔۔ پائلٹ اور دونوں اہل ہونٹس طرف  
نظر آئے۔۔۔

دونوں اندر داخل ہو گئے۔۔۔ انہوں نے صدر صاحب کو باہر ہی  
رہنے کا اشارہ کیا تھا۔۔۔ پہلے وہ اندر کا جائزہ لینا چاہتے تھے،  
انہیں اندر بلاتے۔۔۔ انہوں نے پہلے تو پائلٹ اور اہل ہونٹسوں پر نظر  
ڈالی۔۔۔ پھر کمرے پر۔۔۔ آخر انہوں نے کہا۔

”صدر صاحب۔۔۔ یہاں حالات معمول پر ہیں۔۔۔ آپ اپنے  
کمرے میں چلیے ہم وہیں آ جاتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ صدر صاحب نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

کیونکہ وہ تو ان کے ساتھ اندر آنا چاہتے تھے۔۔۔ جب کہ انسپکٹر جمشید



”اور آپ؟“

”میں... میں دیکھوں گا کہ ہم یہاں کیا کر سکتے ہیں۔“  
 ”آپ کا مطلب ہے... آپ اس کمرے میں ٹھہریں گے۔“  
 پاکٹ نے حیران ہو کر کہا۔

”اس صورت میں... یہ یہاں سے نہیں جا سکتے۔“ انہیں ٹھہرنا پڑا۔

کمرے میں ایک آواز گونجی... انہوں نے چونک دیکھا۔  
 کمرے میں انہیں چار نقاب پوش کمزے نظر آئے... ان کے ہاتھوں میں پستول تھے... اور اس سے پہلے انہوں نے ایسے پستول بھی نہیں دیکھے تھے۔

”یہی خیال تھا ہمارا۔“ انسپٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیا خیال تھا؟“ ان میں سے ایک نے سانپ کی طرح پھلکارا  
 کہا۔

”یہ کہ ان تین بے چاروں کو ہلاک کرنے کے لیے انڈیا  
 یہاں کسی نہ کسی کی ڈیوٹی ضرور لگائے گا... تم چاروں ظاہر ہے، ایوان  
 صدر کے ملازم ہو... اسی لیے نقاب میں نظر آ رہے ہو... اللہ کا شکر  
 ہے، ہمیں ہر وقت خیال آ گیا... ورنہ تم تو اپنا کام کر کے بچے جا

”میں اللہ کے استے کون چکے۔“  
 ”یہ ہمارا کام ہے... وہ تو ہم اب بھی کریں گے۔“

”اب یہ تم لوگوں کے لیے اتنا آسان نہیں، اس لیے کہ صدر  
 صاحب کو تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں... وہ ہمارے ساتھ دروازے  
 تک آئے تھے... اس صورت میں تم لوگوں کے ساتھ نہایت برا سلوک  
 کریں گے۔ لیکن اگر یہ پستول گرا دیجے ہو تو اس صورت میں نرم سلوک ہوگا  
 ہوگا۔ سوچ لو۔“  
 ”صدر صاحب کو کچھ معلوم نہیں... یہ تم ہوا میں فائر کر رہے

”ابھی بات ہے... اب یہاں جو ہوگا... تم دیکھ لو گے... تم  
 کہ تم سے واقف نہیں ہو... ورنہ ایسی حماقت ہرگز نہ کرتے...“  
 ”ہر جگہ کہتے چلے گئے۔“

”خیر ایسی بھی بات نہیں... تم انسپٹر کامران مرزا اور انسپٹر  
 صاحب... انکا جب اتنے کچے کام نہیں کرتا... وہ تو پتا نہیں تم نے ان  
 نہیں کہے توڑ لیا اور اپنے ساتھ ملا لیا۔“

”اس کی وجہ ہے۔“ انسپٹر کامران مرزا مسکرائے۔  
 ”اور وہ کیا؟“

”اللہ کی مہربانی سے ہم لوگ جو زقوز کے باہر واقع ہیں  
ہیں۔“ وہ پھر مسکرائے۔

”ابھی تم ان پستولوں سے واقف نہیں ہو، اس لیے بلاؤ دو  
باتیں کر رہے ہو۔ تم یہیں بھسم ہو جاؤ گے۔ اور ہم باہر قتل  
دوسروں کے ساتھ تمہیں تلاش کرتے پھریں گے اور صدر صاحب پر  
زور ہوں گے کہ تم کہاں چلے گئے۔“

”اور ہماری لاشیں؟“

”میں نے بتایا تھا... کہ ہمارا تعلق انشارجہ سے ہے اور انشارجہ  
کچے کام نہیں کرتا... یہ عمارت انشارجہ کے کاری گروں نے ہی بنائی تھی  
.. لہذا اس نے ایسے موقعوں کے لیے بہت کچھ کیا ہوا ہے۔ ابھی نہ  
دیکھ ہی لو گے... پہلے تم یہ سن لو... یہ پستول عام پستول نہیں... ان  
سے گیس نکلتی گی... نشانہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں... گیس ہم پر  
نہیں کرے گی... صرف تم پر کرے گی... اس کے بعد اس کمرے پر  
ایک خلا نمودار ہو گا... جو کہ قدرے چوکور سا ہو گا... اور وہ کسی لٹ  
کی طرح نیچے جائے گا... نیچے جا کر لیٹ جاؤ گا... جیسے کچرا پھیٹا جا  
ہے نا... اسی طرح چوکور ٹکڑا تم لوگوں کو نیچے بالکل کچرے کی طرح  
پھینک دے گا اور یہ فرش پھر اسی طرح برابر ہو جائے گا کہ فدا ساغی

میں کسی کی نظر نہیں آئے گا... اب کوئی لاکھ سر چکے... لیکن اس خلا کا  
میں نہیں جان سکتے گا... کیا سمجھے... بات دراصل یہ ہے کہ انشارجہ  
ہیٹ اور انشارجہ کا مرزا تم خود کو بہت زیادہ عقل مند خیال کرتے  
ہو گے تم عقل مند... لیکن انشارجہ کے مقابلے میں نہیں ان  
بچوں کو بھی فدا کی کا مزہ چکھنا ہو گا... ان پستولوں سے چونکہ نشانہ  
لینے کی ضرورت نہیں... اس لیے نشانہ خطا جانے کا بھی سوال نہیں...  
بلکہ پستول کا ٹریگر دباتے ہی گیس پھیل جائے گی اور تم مکمل بے ہوش  
اب رہی یہ بات کہ تم سانس روکنے کے ماہر ہو... سانس روک کر  
اور اس گیس سے بچانے کی کوشش کر دو گے... لیکن ان پستولوں کی  
اب ہر بھی خوبی ہے... تم لوگ جو مٹی اندر آئے تھے، ہم نے ان  
بہنوں کی اس خوبی سے کام لے لیا تھا... ان میں سے ایسی شعاعیں  
نکل جیں... کہ لکھ بے لکھ انسان کمزور ہوتا چلا جاتا ہے... میرے کہنے  
سے پہلے بھی اگرچہ تم کمزوری محسوس کر چکے ہو گے... لیکن اب کچھ  
بڑا کر دے... ذرا اپنے ہاتھ ہی ہلا کر دیکھ لیں... انہیں سر سے بلند  
اٹکے دیکھ لو... میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دینے کی  
کوشش کی... انشارجہ جمشید بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ کندھے کے پاس تک



لاسے اور پھر ہاتھ نیچے کرتا چلا گیا۔ اور اس کے کامران حیران ہو کر رہ گئے۔  
 بھی ایسی ہی تھی۔ ان حالات میں بھی۔ ان کے جوشید نے کچھ لے لیا۔  
 لیے منہ کھولا اور زبان کو حرکت دی۔

”ت۔۔۔ تم۔۔۔ ایک۔۔۔ ایک بات بھول رہے ہو۔“  
 ”نہیں۔۔۔ ہم کوئی بات نہیں بھول رہے۔۔۔ لو ہم نیکو باتیں  
 ہیں۔۔۔ کوئی کاری گری دکھا سکتے ہو تو دکھا لو۔“  
 اس کے ساتھ ہی انہوں نے ٹیکر ہا دیے۔۔۔ دو گزے کے  
 گئے اور پھر انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔

○

”مجھے صدر صاحب کی یہ بات پسند نہیں آئی۔“ آفتاب نے  
 کے جانے کے بعد منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کون سی بات۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”یہ کہ صرف ابا جان اور انگل کو بلا لیا۔۔۔ اور ہمیں نہیں بلایا۔“

”ایسا کرنے کی کوئی وجہ ہوگی، ورنہ وہ تو خاص طور پر بلاتے

کرتے ہیں کہ بچوں کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔“ محمود مسکرایا۔

”میری نہ جاسے کیوں مجھے یہ بات آن اچھی نہیں لگی۔“  
 ”اب اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔  
 ”کچھ کرنے کرائے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ابا جان اور انگل ہمیں  
 دے کر بتائیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔  
 ”ابھارا مطلب ہے۔۔۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں۔“

آفتاب نے کہا۔  
 ”نہیں۔۔۔ میری طرف سے تم ٹانگ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہو۔“  
 ”بے کوئی تک۔“ شوکی نے برا سا منہ بنایا۔  
 ”نہیں ہے تو نہ سکتا۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔  
 ”کیا نہیں ہے۔“ آصف نے اس کی طرف دیکھا۔  
 ”نیک اور کیا۔“

”ارے باپ رے۔“ اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

”میری طرف سے بھی۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

”میری طرف سے بھی کیا؟“ مکھن نے حیران ہو کر اس کی

طرف دیکھا۔

”نیک بات ہے۔۔۔ یعنی کہ ارے باپ رے۔“

”تھ ہوئی۔۔۔ تو یہ ہے تم سے۔“ محمود نے انہیں گھورا۔

"م... میرا خیال ہے... کچھ کہنا چاہتی ہیں اور..."

گا کہ ہم ان کی بات سن لیں۔"

"چلو بھئی... سناؤ... کیا بات ہے۔"

"میرا دل بڑی طرح گھبرا رہا ہے... شاید اٹکل اور انا جان کی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔"

"حد ہو گئی... اسے بھئی وہ گاڑی میں گئے ہیں... گئے بھی ایوان صدر ہیں... کسی ایسی دیکھی جگہ نہیں گئے ہیں۔"

"تب پھر تم ہی بتاؤ... میرا دل کیوں دھک دھک کر رہا ہے۔"

"دل تمہارا دھک دھک کر رہا ہے اور بتاؤں میں کہ کیوں دھک دھک کر رہا ہے، ہے کوئی تک۔"

"اس میں شک نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کس میں؟" آفتاب نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس میں کہ اس میں کوئی تک نہیں۔"

"حد ہو گئی... ہے کوئی تک۔" فرزانہ ہنسا۔

"پہلے ہی کہہ چکا ہوں... کہ کوئی تک نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا بس چپ... رہا ہے نہ چاہو... ہم دونوں بہت سنجیدہ تھے۔"

ریہ الگ رہے ہیں۔"

"وہ تو خیر شکل سے ہی نظر آ رہی ہو۔" محمود مسکرایا۔

"میں کہہ رہی ہوں... کوئی گز بڑ ہے... اور تم سنجیدگی اختیار کرنے میں ہی نہیں آ رہے ہو۔" فرزانہ نے جملے کئے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے... اب ہم پوری طرح سنجیدگی کی طرف آ جاتے ہیں... بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"ہمیں فوری طور پر انہیں فون کرنا چاہیے۔"

"انا جان اور اٹکل صدر صاحب سے بات کر رہے ہیں... ان حالات میں ہمارا دخل دینا ٹھیک نہیں۔"

"ٹھیک ہے یا نہیں... میں فون کیے بغیر نہیں رہ سکتی... میں جانوں، میرا کام... زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ انا جان جھاڑ پلا دیں... کوئی پرواہ نہیں... کیا ہم نے کبھی جھاڑ نہیں لی۔"

"وہ تو خیر ہم پتے رہتے ہیں۔" آفتاب نے سر ہلایا۔

"فرزانہ ٹھیک کہہ رہی ہے... کیونکہ..." شوکی نے کاٹتی آواز میں کہا۔

"اب یہ تم ایک عدد کیونکہ کہاں سے لے آئے۔" آصف نے



شوکی کو گھورا۔

”جہاں سے پہلے لانا رہا ہوں۔“

”کیا رچ رہو۔“ آفتاب ٹھٹھا اٹھا۔

اور ادھر فرزانہ موبائل نمبر ڈائل کر چکی تھی۔ لیکن دوسری طرف

فون بند تھا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں اسپینز کا ران مرزا کے ہاں

ڈائل کیے۔ لیکن ان کا موبائل بھی بند تھا۔ اب تو اس نے

شدید گھبراہٹ چھا گئی۔ اس نے صدر صاحب کے نمبر ٹائپ کیا۔

جی جواب ملا۔

”ہاں فرزانہ۔ کیا بات ہے۔“

”انکل۔۔۔ ابا جان اور انکل کے موبائل بند ہیں۔ کیا یہ وہاں

حضرات آپ کے پاس ہیں۔“

”ہاں وہ لوگ گئے تو تھے ایک سفر پر، مگر جلد ہی ان کی واپسی

ہو گئی۔ طیارے کے پائلٹ اور ایئر ہوسٹس غدار تھے۔ مگر اب ہمارے

ساتھ ہو گئے ہیں۔ اور اس وقت وہ ان تینوں سے بات کر رہے ہیں۔“

”نہیں انکل۔“ فرزانہ پٹائی۔

”کیا کہا فرزانہ۔ نہیں انکل۔“

”جی انکل۔۔۔ آپ فوراً انہیں چیک کریں۔ ادھر گڑبڑ ہے۔“

”اچھا میں دیکھتا ہوں۔“

”آپ فون بند نہ کریں۔ اسی طرح اسے آن رکھے۔ گے۔ ان

کی طرف جائیں۔ لیکن موبائل کان سے لگا کر نہ رکھیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

اور پھر دو صدر صاحب کے قدموں کی آواز سننے لگے۔ جلد ہی

انہوں نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔۔۔ پھر تین بار دستک دی گئی

آخر صدر صاحب کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

”تمہارا اندازہ ٹھیک ہے فرزانہ۔۔۔ اندر سے کوئی جواب نہیں مل

رہا۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ آپ دروازہ تڑوا دیں۔ ہم آرہے

ہیں۔“

”اچھا۔۔۔ اچھی بات ہے۔“

اور پھر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ آندھی

اور طوفان کی طرح ایوان صدر کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔

”صدر صاحب نے غلطی کی۔۔۔ ہمیں بھی ساتھ بلانا چاہیے

نہ۔“ فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”جہاں ابا جان اور انکل کی دال نہیں کھلی۔ وہاں ہم بھی ساتھ

ہوتے تو کیا کرتے ... لگتا ہے ... کوئی بہت خوفناک سازش ہو رہی ہے۔  
 "اللہ اپنا رحم فرمائے۔"  
 "آمین۔"

اور پھر وہ ایوان صدر پہنچ گئے۔ انہیں فوراً ہی اس کمرے کی طرف لے جایا گیا ... جس کمرے میں دونوں بڑے ان تینوں سے ملاقات کر رہے تھے ... انہوں نے دیکھا ... کمرے کا دروازہ توڑا جا چکا تھا اور صدر صاحب ایک کرسی پر حیرت کا بت بٹے بیٹھے تھے۔ ان کے قدموں کی آواز سن کر بھی ان کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ بات محسوس کر کے محمود کھنکارا ... اور دہلی آواز میں گویا ہوا۔  
 "انکل! ہم آگئے ہیں۔"

صدر صاحب کے جسم میں معمولی سی حرکت ہوئی ... انہوں نے ایک نظر ان پر ڈالی ... غمگین انداز میں مسکراتے پھر انہوں نے کہا۔  
 "مجھے بہت افسوس ہے۔"

"کس بات پر انکل۔"

"اس پر کہ ایوان صدر میں بھی سازشی لوگ موجود ہیں اور یہ

انہی کا کام ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں ... یہ بات تو طے ہے تاکہ وہ تینوں اسی کمرے میں تھے۔"  
 "ہاں بالکل۔"  
 "اور انا جان اور انکل نے بھی ان سے اسی کمرے میں ملاقات کی تھی۔"

"ہاں! میں نے انہیں اسی کمرے میں چھوڑا تھا ... اس کمرے سے انہیں نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ... آلات بھی یہی بتاتے ہیں اور اس جگہ کے محافظ بھی۔"

"بس تو پھر اس کمرے میں کوئی خفیہ راستہ موجود ہے ... اور ہم تلاش کر لیں گے ... زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس کمرے کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے ... یا پھر کوئی سرنگ ہے ... جس کے ذریعے وہ کہیں اور لے جائے گئے ہیں ... اور اللہ نے چاہا تو ہم وہ راستہ تلاش کر لیں گے۔"

"مجھے بھی یہی امید ہے، لیکن ساتھ میں میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں ... ہم بہت جلد تہ خانہ تلاش کر لیں گے۔"

اور اب آپ اپنے کمرے میں آرام کریں ... جو بھی راستہ ملا ... ہم آپ



”انہی بات ہے۔ .. اللہ تمہیں کامیاب کرے۔“  
 یہ کہتے ہی صدر صاحب کمرے سے نکل گئے۔ اب وہی صوفیوں  
 سے مخاطب ہوئے۔  
 ”آپ لوگ پوکس رہے گا۔ .. کوئی اچانک صورت حال پیش  
 آسکتی ہے۔“  
 ”فکر نہ کریں۔“ وہ ایک ساتھ ہوئے۔ .. ان کی تعداد پانچ تھی۔  
 اور وہ اسٹے سے پوری طرح لپس تھے۔  
 انہوں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ .. پھر غور سے کمرے کی ایک  
 ایک چیز کو دیکھنے لگے۔ .. یہ ایک ہال کمرہ تھا۔ .. اس کے درمیان میں  
 ایک بڑی اور بیضوی میز تھی۔ .. اس کے گرد کرسیاں تھیں۔ .. نیز ان  
 کرسیاں شاہی قسم کی تھیں۔ .. ان پر کام ہوا ہوا تھا۔ .. ہاتھی دانت ہر  
 بھی اور چیتل کا بھی۔ .. اس طرح یہ بہت خوب صورت نظر آ رہی تھیں۔  
 دیواروں پر جدید طرز کی الماریاں بنائی گئی تھیں۔ .. الماریاں بنے  
 تھیں۔ .. ظاہر ہے، ان میں فائلیں ہوں گی۔ .. یا ایوان صدر سے تعلق  
 دوسری چیزیں ہوں گی۔ .. ہال کی آٹنے سائے کی دیواروں پر ہر  
 بڑے فریم بھی تھے۔ .. یہ قدرتی مناظر کے فریم تھے۔ .. دائیں طرف

اسے فریم کے نیچے ایک بہت بڑا آتش دان تھا۔  
 اب سے پہلے اس آتش دان کو دیکھنا چاہیے۔ .. کیونکہ ہمارا  
 رابطہ عام طور پر آتش دانوں سے پڑتا ہے۔ .. فرزانہ نے پر خیال انداز  
 ہی کہا۔  
 انہوں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ .. نہ جانے کیوں۔ .. کبھی چپ  
 رہتے تھے۔  
 ”یہ فریم عجیب ہے۔ .. اس کا منظر بھی عجیب ہے۔ .. سورج  
 ڈوب رہا ہے۔ .. اور وہ گویا سمندر میں ڈوب رہا ہے۔“ آفتاب  
 نے دیوانے کے انداز میں کہا۔  
 ”مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آئی۔ .. کیونکہ ایسے  
 ”فرق عام ہیں۔ .. اور ایسے فریم عام طور پر دیکھنے میں آئے ہیں۔“  
 رخت نے برا سامنا دیا۔  
 ”اس میں شک نہیں۔ .. لیکن۔ .. ایک بات کی طرف تم نے  
 دھیان نہیں دیا۔“ آفتاب مسکرایا۔  
 ”اور وہ کیا۔“ فرحت نے اسے گھورا۔  
 ”یہ دیکھو۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے فریم پر ایک جگہ انگلی رکھ  
 لی۔ انہوں نے دیکھا۔ اس جگہ کا شیشہ بالکل نرم تھا۔

## ہم سے پہلے

"یہ کیا... نرم شیشہ... جھلا شیشہ بھی نرم ہوتا ہے۔" مہر نے مارے حیرت کے کہا۔

"ہوتا تو نہیں... لیکن یہ ہے..." آصف نے جلدی سے کہا۔  
اب فرزانہ نے شیشے کو اس جگہ سے دبایا... اور پھر ان سب اچھل کر پیچھے ہٹا پڑ گیا... فریم کسی ڈھکنے کی طرح اوپر اٹھا تھا... جیسے اس میں اسپرنگ لگے ہوں... اور ساتھ ہی ان کے منہ سے نکلا۔  
"مل گیا راستہ۔"

انہوں نے دیکھا... ایک بہت کھلا زینہ ان کے سامنے تھا۔  
انہوں نے فوراً محاذوں کو اشارہ کیا... وہ اندر آگئے اور خلا دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔

"صدر صاحب کو بلا لیں... ورنہ وہ شکایت کریں گے کہ ہم انہیں کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے۔"

"جی ہاں۔"

ان میں سے دو نے دوڑ لگا دی... جلد ہی صدر صاحب بھی دوڑنے ہوئے وہاں پہنچ گئے... زینہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں سارے ہاں کی حیرت سمٹ آئی... آخر ان کے منہ سے نکلا۔  
"اب... اب کیا پروگرام ہے۔"

"ہم جا رہے ہیں... آپ ہمارے پیچھے اپنے بااعتماد آدمی بھیج دیں۔ ضرورت پڑی تو ہم ان سے مدد لے سکیں گے۔"  
"ہوں اچھا۔"

اور پھر وہ بسم اللہ پڑھ کر خلا میں اتر گئے... انہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ سیرعیاں پہلے نیچے کی طرف گئیں پھر اوپر کی طرف۔  
ان کی طرح، اس طرح انہیں کافی فاصلہ طے کرنا پڑا... آخر زمین کا انتقام ایک کمرے میں ہوا... انہوں نے اس کمرے سے دم نکلی کر دیکھا تو پتا چلا... وہ ایوان صدر کے پچھلے حصے میں ہیں اور وہاں ملازمین کے کوارٹرز ہیں... یہاں سامان لانے کے لیے بڑی بڑی جہازیں کھڑی تھیں... ان گاڑیوں پر نظر پڑتے ہی ان کے منہ سے

"ارے باپ رے۔"



”اس کا مطلب ہے... انہیں یہاں سے سامان اٹانے ہوتے  
والی گاڑی میں لے جایا گیا ہے... اب یہ گاڑیاں ہیں ایوان صدر  
اور ایوان صدر کے لیے سامان انہی گاڑیوں کے ذریعے سے لے  
جاتا ہے، لہذا ان گاڑیوں کو تو کوئی چیک کرتا ہی نہیں ہوگا... انہیں ہم  
سوچا بھی نہ سکے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایوان صدر میں بھی تو اس  
خلاف جال بچھا ہو سکتا ہے... اس کیس میں ہم پہلے ہی گھن چکر ہیں  
چکے ہیں، لگتا ہے... ابھی اور گھن چکر بننا باقی ہے۔“ محمود پریشان کے  
عالم میں کہتا چلا گیا۔

”ہوں... گھبرائے اور پریشان ہونے سے تو کچھ بھی فائدہ نہیں  
ہوگا... دشمن خار کھائے بیٹھا ہے... ہمارے خلاف اس کے پاس ایک  
طے شدہ منصوبہ ہے جب کہ ہمیں اس کے منصوبے کا کچھ بھی پتا نہیں۔  
اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ ہمارے وہ اہم ساتھی اور ہمیں افراد  
وہ جنہیں ہم بچانے کی کوشش میں تھے... وہ ان کے قبضے میں ہیں۔  
آخر ہم ان تک کیسے پہنچیں۔“

”ان گاڑیوں کے منتظم کے ذریعے... کیونکہ اس کے بغیر یہ  
واردات ہو ہی نہیں سکتی۔“

”بالکل ٹھیک... اور ابھی ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم

”یہ بات تلاش کر لیا ہے... لہذا وہ پوری طرح بے فکر ہوں گے۔“  
”ٹھیک ہے، ہم اپنا کام یہیں سے شروع کریں گے... یہاں  
گاڑیاں گھڑی ہیں... ان میں کوئی نظر نہیں آ رہا... لہذا ان لوگوں  
کو گاڑیوں کو دیکھ لیا جائے۔“

اب وہ کوارٹرز کی طرف مڑے... یہ تقریباً دس کوارٹرز تھے...  
”یہاں افراد تو یہاں ضرور ہی رہتے تھے اور اگر وہ اپنے بیوی بچوں  
بٹ رہتے تھے تو ان کی تعداد زیادہ تھی... محمود نے آگے بڑھ کر  
پہلے کوارٹر پر دستک دی... فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک عورت کی  
صوت نظر آئی...“

”عاف سمجھیے گا... آپ کو زحمت دی۔“ فرزانہ نے فوراً اس  
کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں... فرمائیے... آپ کون لوگ ہیں... یہ جگہ  
ابا مام جگہ نہیں ہے... آپ یہاں کیسے آئے... اور کس راستے سے  
آئے... کیا کوارٹرز کے بیرونی گیٹ سے ہو کر آئے ہیں... اور وہاں  
پہنچنے والی نے روکا نہیں۔“ عورت کے لہجے میں ناخوش گواری تھی۔

”ابھی... یہ ایک عجیب سی صورت حال ہے... پہلے تو یہ بتا  
... ہانچیں گاڑی کہاں ہے؟“ فرحت نے اندھیرے میں حیر

پانچویں گاڑی... لینے مٹی ہو گئی سامان... آپ لوگوں سے میری بات کا جواب نہیں دیا... آپ یہاں تک آ کیسے گئے... عام جگہ نہیں ہے... گزرگاہ بھی نہیں ہے... یہاں تو خاص لوگ ہیں... یہ ان کی جگہ ہے... اس نے پھر منہ ہٹا کر کہا۔

پہلے آپ بتائیں... پانچویں گاڑی یہاں سے کتنی دیر پہلے مٹی ہے... مجھے نہیں معلوم... یہ میرا کام نہیں... یعنی ان کے لئے جانے کی خبر رکھنا... طوسی صاحب کا کام ہے... وہ روایتی کے بارے میں کہتی چلی گئی۔

ٹھیک ہے... ہم طوسی صاحب سے پوچھ لیتے ہیں... یہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔

یہ روٹی دروازے سے جب آپ لوگ اندر آئے تھے... میں حیران ہوں کہ پتا نہیں کیسے اندر آ گئے تھے... خیر... اس وقت آپ نے دائیں طرف ایک دفتر نہیں دیکھا تھا... بس وہی دفتر طوسی صاحب کا ہے... اس شعبے کے انچارج وہی ہیں... یعنی کون سی گاڑی کہاں جائے گی... کون سی گاڑی کہاں... گاڑی کے جانے کا وقت

لینے کا وقت وہی نکلتے ہیں... لہذا آپ لوگ گیت پر چلے جائیں... میں اس سے پہلے تو آپ مجھے مطمئن کر دیں... آپ لوگ کون سی جگہ تک کیسے پہنچے۔

ہم یہ بات گیت پر ہی بتا دیں گے... آپ فکر نہ کریں۔

نہیں... آپ لوگوں کو یہ بات مجھے ہی بتانی ہو گی... ورنہ یہ لوگوں کو پکڑوا دوں گی... بس ایک گھنٹی بھانے کی دیر ہے... ہم اس گھنٹی سے فائدہ اٹھاتا ہمارا کام ہو گا۔

نہیں نہیں... ہم لوگ لڑائی بھڑائی کو خاص پسند نہیں کرتے... یہاں فرما کر آپ گھنٹی نہ بجائیں۔ فرزانہ نے گھبرانے کی اداکاری

نہیں... تو سیدھی طرح بتاؤ... یہاں تک کیسے

اندرونی راستے سے۔

کیا کہا... اندرونی راستے سے۔

ہاں! اندرونی راستے سے۔ فرحت نے گردن ہلائی۔

یہاں کوئی اندرونی راستہ نہیں ہے... تم لوگ مذاق کر رہے



ہو۔ اب مجھے ٹھننی بھائی پر سے گی۔ تو کہتے ہی اس نے ابھری۔  
 ٹھننی کا جن ویا دیا۔  
 ”آپ کی مرضی۔ ہم نے تو سوچا تھا۔ اس کے لیے۔“  
 ”محمود نے کندھے اچکا۔“  
 ”کس کے بغیر۔“ خاتون نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”ٹھننی کے بغیر۔“ آصف مسکرایا۔  
 ”تم لوگ پاگل لگتے ہو۔“

”ہم اور بھی کئی لوگوں کو پاگل لگتے ہیں۔ لیکن ہیں نہیں۔“  
 ”میں اسی لیے دوست قدموں کی آواز ابھری۔“ پھر وہاں  
 وردی میں کچھ لوگ اندر آ گئے۔  
 ”کیا بات ہے۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اسے ابو یار کہتے  
 آ گئے۔۔۔ گیت پر تو ہم سو جوتے تھے۔“

”یہی بات میں ان سے پوچھ رہی تھی۔“ خاتون نے فہم کیا۔  
 ”کیا۔۔۔ کیا پوچھ رہی تھیں۔“ ایک اہل کار نے نمونہ  
 پوچھا۔  
 ”یہ کہ یہ یہاں کیسے پہنچ گئے۔۔۔ جب کہ گیت پا پورا  
 ہے۔“

”پاگل سوچا ہے۔ تو انہوں نے کیا جواب دیا؟“  
 ”تو یہ اندر سے آئے ہیں۔“  
 ”اندر سے آئے ہیں۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ اندر سے کہاں  
 آئے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے جیٹا کر کہا۔  
 ”اس طرف سے۔۔۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو ہم دو راستہ دکھا  
 دیتے ہیں۔ جس سے ہم یہاں آئے ہیں اور ہم سے پہلے۔“ محمود کہتے  
 کچے رک گیا۔

”اور ہم سے پہلے کیا؟“ اہل کار نے اسے کھٹا جانے والی  
 ٹکڑیوں سے گھورا۔  
 اس وقت محمود نے قدرے خوف محسوس کیا۔۔۔ پھر بھی اس نے پ  
 سلطان آواز منہ سے نکالی۔

”ہم سے پہلے پانچ افراد کو بھی اندر سے یہاں تک لایا گیا ہے  
 ”رہا لوگوں نے انہیں سامان لانے والی ایک گاڑی میں بٹھا کر یہاں  
 سے کہیں بھیجا ہے۔۔۔ اب یہ بات آپ کو بتانا ہو گی۔ کہ کہاں بھیجا  
 ہے۔“

”خبردار۔۔۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔۔۔ تمہیں بھی وہیں بھیج دیتے  
 ہیں۔“

اس بار سرد آواز میں کہا گیا۔۔۔ اہل گاروں میں سے ایک۔۔۔  
الفاظ کہتے تھے۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔۔۔ یہی وہ ان کے لئے  
سنا چاہتے تھے۔۔۔ اس کے ساتھ ہی محمود موہاٹل کا بٹن دبا دیا تو  
اور اب صدر صاحب کے موہاٹل کی تھکنی بٹن شرمع ہو چکی تھی۔۔۔  
یہ انہوں نے بھی بٹن دبا دیا۔۔۔ اور اس طرف ہونے والی تھکنی  
گئی۔

”یہ کیا۔۔۔ ہاتھ اٹھا دیں۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔ آپ ہمارے ہاتھ  
انخوا کر کیا کریں گے۔“

”دہی کریں گے۔۔۔ جو تم لوگوں کے بڑوں کے ساتھ کر چکے ہیں  
ایک گاڑی میں بھر کر تم لوگوں کو بھی ان کے پاس پہنچا دیں گے۔“  
”نہیں۔۔۔“ مارے خوف کے محمود نے کہا۔

”آپ آئیں بائیں اور شاخیں نہ کرو۔۔۔ اور خاموشی سے اس  
گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”تو ایوان صدر کے پچھلے حصے میں۔۔۔ سامان لائے والی  
گاڑیوں کے ذریعے یہ کام کیا جا رہا ہے۔۔۔ کہنے کو تم لوگ ایوان صدر  
کے ملازم ہو۔۔۔ لیکن۔۔۔ ایجنٹ کسی اور کے ہو۔“

”ہاں! جی۔۔۔ ضرورت پڑنے پر ہم یہاں سے ایوان صدر کے  
دور یا سکتے ہیں اور ادھر سے اپنے ساتھیوں کو ادھر لا سکتے ہیں۔“  
”اللہ اپنا رحم فرماتے۔۔۔ جب ایوان صدر کا یہ حال ہے تو باقی  
یہوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔“

”ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو۔۔۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کے لیے  
ہیں آئے گا۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔ گاڑی میں۔“

”آؤ بھی۔۔۔ چلیں۔۔۔ یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔۔۔ ہم تو  
ہاتھ ہی یہ تھے کہ کسی طرح بڑوں کے پاس پہنچ جائیں۔۔۔ سو یہ  
شریف لوگ ہمیں خود ہی وہاں لے جا رہے ہیں۔۔۔ ہمیں تو ان کا  
شکر ادا کرنا چاہیے۔“ محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔  
”اگر تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں۔۔۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں لے  
بائیں سکتے تھے۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”ہاں اور کیا؟“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”بھئی۔۔۔ آخر ہمیں اپنے بڑوں تک جانا ہے یا نہیں۔“

”وہ تو خیر جانا ہے۔“

”تو پھر چلو۔“

ان کے چاروں طرف رائفلیں تھیں۔۔۔ اس کے علاوہ



”اچھا۔۔۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا۔“

”اس بات کا۔۔۔ ان کا انچارج تول اٹھا۔“

”اس بات کا کہ ہم آپ کا دماغ چاٹ چکے ہیں۔“

”تو بے۔۔۔ لیکن بے وقوف لوگوں سے واسطہ پڑ گیا ہے۔“

”ہم سے۔۔۔ اور یہ بات رکھیے گا۔۔۔ آپ نے ہمیں بے وقوف

تھا ہے۔۔۔ ہم آپ کا کہا۔۔۔ آپ پر لوٹا نہیں گئے۔ ان شاء اللہ۔“

ان سب کے منہ بند ہو گئے۔۔۔ اس وقت تک وہ گاڑی میں سوار ہو

چکے تھے، پھر پچھلا دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔۔۔ اور گاڑی چل

پڑی، اب ظاہر ہے، ایوان صدر کی گاڑیوں کو کون روک سکتا تھا۔

ان چیک کر سکتا تھا۔۔۔ اس لیے ان کا سفر رکے بغیر جاری رہا۔

یہاں تک کہ گاڑی رک گئی۔۔۔ اس کا پچھلا دروازہ کھولا گیا۔۔۔ تو انہیں

بیوں کی خوشبو آئی۔۔۔ گویا وہ پھلوں کی منڈی پہنچ گئے تھے۔۔۔ اور

ہوڑی ایک ثمارت کے اندر کھڑی تھی۔۔۔ پچھلا دروازہ کھلتے ہی ان سے

کہا گیا۔

”چلو نیچے اترو۔۔۔ تمہاری منزل آگئی ہے۔۔۔ اور وہ بھی آخری

منزل۔“

”گگ۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ آخری منزل۔“ فاروق نے یہ کلام کر کے

یہاں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن وہ گرا نہیں جاتے تھے۔۔۔  
 یزوں کے پاس پہنچنے کے لیے یہی طرح بے چین تھے۔۔۔  
 خود ہی انہیں لے جا رہے تھے۔۔۔ اور انہیں کیا چاہیے تو۔۔۔  
 انہیں کچھ دیر پہلے مشکل نظر آ رہا تھا۔۔۔ یعنی وہاں تک پہنچنا۔۔۔  
 بہت آسان ہو گیا تھا۔۔۔ انہوں نے اس پر دل ہی دل میں اللہ کا  
 ادا کیا۔۔۔ اور گاڑی میں سوار ہو گئے۔۔۔ اور محمود نے صدر صاحب  
 سنانے کے لیے کہا۔

”گاڑی میں تو ہم بیٹھ رہے ہیں۔ لیکن یہ تو بتا دیں۔ کپ

ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔“  
 ”چپ رہو۔۔۔ زیادہ تر نہ کرو۔۔۔ وہاں پہنچ کر ہمیں بتا دیں

جائے گا کہ تم کہاں پہنچ گئے ہو۔“ ایک نے غصا کر کہا۔  
 ”جی اچھا۔۔۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔“ انھوں نے دانہ

نکالے۔  
 ”کیا بہت اچھی بات ہے۔“ اس نے مکھن کو گھورا۔

”یہ کہ ہمیں وہاں چل کر پتا چل جائے گا کہ ہم کہاں پہنچے  
 ہیں۔۔۔ ورنہ وہاں پہنچ کر بھی پتا نہ چلتا تو ہم کیا کر لیتے۔“

”اچھا چپ رہو۔۔۔ دماغ چاٹ گئے ہو۔“ ایک نے غصا کر کہا۔

”ہاں کیوں... کیا ہوا۔“ آصف نے اسے کھرا۔  
 ”مم... میرا مطلب ہے، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“  
 ”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھٹکا کر اپنی دان پے ہاتھ مارا۔  
 ”یری بات ہے فاروق۔“ فرزانہ نے گویا اسے کھرا۔  
 ”یہ بھی تو بتاؤ نا... کون سی بات یری ہے۔“  
 ”تمہیں ایسے میں بھی ناولوں کے نام سمجھ رہے ہیں۔“  
 ”اچھی بات ہے۔ میں یہ نام واپس لیتا ہوں۔“ فاروق نے کہا۔

”حد ہو گئی یعنی کہ۔“ فرحت نے جھٹکا کر کہا۔  
 ”ادھر ادھر کی حد ہانگو... چلو اس طرف۔“  
 رانفلوں کے سایے میں انہیں ایک ست میں لے جایا گیا۔  
 ایک بڑا استور تھا... انہیں کافی دیر تک پیدل چلنا پڑا۔ جب کہیں جا کر وہ ایک دروازے تک پہنچے... وہ کافی بڑا دروازہ تھا اور قہنجی لوہے کا... ایک گن مین نے اس پر زور دار انداز میں دستک دی۔  
 ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔

”جو مہمان رہ گئے تھے... ہم انہیں بھی لے آئے ہیں۔“  
 ”بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... آجاؤ بھئی... اپنی آرام گاہ۔“

”جی... صبر کے طور پر انداز میں کہا گیا۔  
 وہ اندر داخل ہو گئے... بڑا دروازہ فوراً بند کر دیا گیا۔  
 ”آگے چلو۔“ نغزاکر کہا گیا۔  
 وہ آہستہ انداز میں قدم اٹھانے لگے... ایسے میں انہوں نے  
 قدموں کی آواز سنی... پھر لوہے کا گیٹ زوردار انداز میں دھم دھم لایا  
 گیا۔ انہیں آگے لے جانے والے اچھل کر رک گئے... پھر ان میں  
 سے ایک دروازے کی طرف گیا... اس نے پوچھا۔  
 ”کون... کیا بات ہے۔“

”جلدی دروازہ کھول دیں... اگر ہمیں دیکھ لیا گیا تو پھر پولیس  
 اندر آجائے گی۔“  
 ”ارے باپ رکے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی رانفل بردار نے دروازہ کھول دیا... اور  
 وہ لوگ فوراً ہی اندر آ گئے... جو انہیں یہاں تک لائے تھے... یعنی  
 جن کا تعلق گاڑی سے تھا... ان کے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا  
 گیا۔

”اب اس سے پہلے کہ پولیس اس گیٹ تک پہنچ جائے اور اسے  
 کھولے... ان لوگوں کو ان کے ساتھیوں تک پہنچا دیا جائے۔“



”نھیک ہے۔ چلو میاں جلدی کرو۔“ وہ لوگوں کے قدموں پر چلا دیں گے۔ پھر چاہے کچھ ہو جائے۔ لیکن ہم مایوس ہونے والے تھے۔  
تو تم لوگوں کو کیوں چھوڑ دیں گے۔“

یہ الفاظ سرہ ترین لہجے میں کہے گئے۔ اور انہوں نے قدموں پر دیے۔ جو نبی وہ ایک اور دروازے پر پہنچے۔ لوہے کے گیت خوف ناک دستک ہوئی۔

”جلدی کرو۔“ ان کی تلاش میں نکلے والے لوگ آ پہنچے۔ فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور انہیں اندر جھکیں دیا گیا۔ وہ دل میں مسکرا دیے۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ انہوں نے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور پائلٹ اور دونوں اس ہوشیاری میں بندھے پڑھے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر بھی نیپ چپکائی گئی تھی۔

”ان لوگوں کو بھی فوراً باندھ دو۔“ اور ہونٹوں پر نیپ چپکا دو تاکہ باہر والے ان کی ہلکی سی آواز بھی نہ سن سکیں گے۔“ ان کے انچارج نے غزا کر کہا۔

فوراً ہی انہیں باندھا جانے لگا۔

”تم کچھ بھی کر لو۔۔۔ اب بچ نہیں سکو گے۔“ محمود نے مسکرا کر

کہا۔

”نہ کرو۔ اس کمرے میں چاروں کی چٹیاں ہی چٹیاں تھیں۔“  
”یہ کی اور چٹیاں کی دھار کے دوسری طرف تم ہو گے۔“ نے جٹے  
”تم تو تم ہو گے ہی نہیں۔۔۔ منہ سے کوئی آواز بھی نہیں نکال سکو گے  
بلکہ لوٹ مایوس ہو کر لوٹ جائیں گے۔“  
”تم بے وقوف ہو۔۔۔ تم نہیں جانتے۔ ہم۔“ فاروق کہتے  
تھے رک گیا۔

”نہیں جانتے۔۔۔ ہم۔۔۔ کیا؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”نہیں جانتے کہ ہم۔“

میں اس لیے ایک زور دار آواز گونج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

"دروازہ نہ کھولا گیا تو ہم توڑ دیں گے۔۔۔ ہمارے پاس دروازہ  
 ڈالنے کے آلات موجود ہیں۔۔۔ ہم صرف ایک منٹ انتظار کریں گے۔"  
 "ہم۔۔۔ ہم دروازہ کھول رہے ہیں۔" ان میں سے ایک نے  
 ہلکا کر کہا۔

"اور اگر تم نے کوئی گز بڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم پھر کوئی لگاؤ  
 نہیں کریں گے۔"

"اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ فوراً ہی ان سب کو چھاپ  
 لیا گیا۔"

"ان پانچوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ انہیں فوری طور پر  
 ہسپتال لے جانا پڑے گا۔۔۔ کیونکہ بے ہوش کیے بغیر تو یہ لوگ ان پر  
 ہوجا ہی نہیں سکتے تھے۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 "فکر نہ کریں۔"

فوراً ہی انہیں وہاں سے ملٹری ہسپتال لے جایا گیا۔۔۔ صدر  
 صاحب ہل ہل کی خبریں لے رہے تھے۔۔۔ وہ بھی ہسپتال پہنچ گئے۔۔۔  
 تحصیل کر ان کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت سما گئی۔۔۔ وہ تو  
 دنیا ہی نہیں سکتے تھے کہ ان کے اپنے ایوان صدر میں ایسا کچھ بھی تھا  
 گویا ایوان صدر کی تمام تر کاروائیاں دشمن کو ساتھ ساتھ معلوم ہوتی

## بند مٹھی

زوردار دستک کی آواز سنتے ہی ان کے چہروں پر روفی اُٹھی  
 فاروق نے چپک کر کہا۔

"لو۔۔۔ اب سمجھ میں آیا۔۔۔ میں کیا کہنا چاہتا تھا۔۔۔ بس یہی کہنا  
 چاہتا تھا کہ تم لوگ بے وقوف ہو۔۔۔ نہیں جانتے کہ ہم کیا جتن ہیں اور  
 راستے میں اپنا کیا کچھ کام کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ اور  
 چلتے چلتے یہ بھی بتا دوں کہ ایوان صدر کے پیچھے ہی ہم صدر صاحب کو  
 دار کر چکے تھے۔۔۔ پھر بھلا پولیس اور ایوان صدر کا فوجی دست یہاں تک  
 کیوں نہیں پہنچا ہو گا۔"

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔" پہلی مرتبہ ان کے منہ سے ہلکا سا ہونے  
 انداز میں نکلا۔

ایسے میں ایک بار پھر ہولناک انداز میں دستک دی گئی۔۔۔ ساتھ  
 ہی چلا کر کہا گیا۔



تھیں

صدر صاحب تو سر پٹا کر بیٹھ گئے۔

انسپکٹر جمشید، انسپکٹر گامران مرزا، اور پھولے جہاز کے نکلنے والے تینوں افراد کو خصوصی نگہداشت دارۃ میں رکھا گیا۔ ان لوگوں کی ایک پوری ٹیم اب ان کا علاج کر رہی تھی۔ باقی سب افراد بھی ابہاڑے تھے۔

پھر تین گھنٹے کی سر توڑ کوشش کے بعد انہیں جا کر ان لوگوں، ہوش آیا۔ اور ان سب نے شکر ادا کیا۔ چرواہوں پر رافقیں آئیں۔ تیسرے دن انہیں گھر آنے کی اجازت ملی۔ پھر کبھی انسپکٹر جمشید گھر آ گئے۔

ناشتے پر کبھی موجود تھے۔۔۔ بیماریات نے اپنی مہارت دکھائی تھی اور وہ سب ناشتے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور خاص بات یہ کہ صدر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔

”اس کیس میں اب تک ہم نے کیا پایا۔ اور کیا کھویا۔“  
پروفیسر داد کی آواز گونجی۔

”گلتا ہے۔۔۔ پایا کچھ بھی نہیں اور کھویا سب کچھ ہے۔“  
رحمان مسکرائے۔

”بات تو خیر ایسی ہی ہے۔۔۔ لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ

وہ پاس کے اس کے کچھ معلومات ضرور ہیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اور ہمارے پاس کام کرنے کے لیے ایک چھوٹے جہاز کے آخر وہ بھی پہلے اس سازش کا حصہ تھے۔۔۔ یہ ہیں افراد ہیں۔۔۔ انہیں کوئی خاص معلومات نہ ہوں۔ اسی طرح ایمان بات ہے کہ انہیں کوئی خاص معلومات نہ ہوں۔ اسی طرح ایمان صاف گرفتار شدہ ملہ ہے۔ ان سب سے پوچھنا تو کی جائے گی۔“

”وہ تو خیر ہم کریں گے۔۔۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس وہ ملہ موجود ہے۔“

”اور ملک بہران۔۔۔ یہ کہاں ہے۔۔۔ جس کے سونے کے ستارے اس وقت کی ملکوں میں سنسنی پھیلا چکے ہیں۔“  
”میرے پاس اس سلسلے میں کچھ معلومات ہیں۔“ صدر صاحب نے کہا۔

اس پر سب حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”آپ کے پاس کچھ معلومات ہیں؟“ انسپکٹر جمشید کے لبوں میں حیرت تھی۔

”ہاں بالکل ہیں۔“

ہر کام میں مرزا نے اچھل کر کہا۔ ان کے چہرے پر اچانک بے چارہ  
دل ٹھرایا تھا۔

... کتا ہے اکل! آپ کو کوئی بہت ہی خاص بات یاد آگئی ہے  
اپنی خیال سوچا ہے۔

ہاں! لیکن خیال دیر سے آیا ہے... اگر یہ لوگ وہاں نہ پہنچ  
پتے ہوں۔

کہاں۔

ایک شخص ہے... اسے کتابیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ لیکن  
"ولی مشہور آدمی نہیں ہے... جانا پہچانا آدمی نہیں ہے... بس ایک  
عام سا آدمی ہے... یا یوں کہہ لیں کہ عام سا آدمی بن کر زندگی گزارتا  
ان کا شوق ہے... خود کو تمایاں نہیں کرتا... اگر ان لوگوں کو یعنی  
وہ ان مہربانوں کو جو اس کتاب کی تلاش میں ہیں اس کے  
بارے میں معلوم نہیں تو پھر اس کی لاہیری میں وہ کتاب مل جائے  
گا۔"

"ارے واہ... اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔" فردا  
نے ملے ہوا میں لہرایا۔

"جب پھر بتائیں... وہ کون صاحب ہیں۔" فرحت نے

"جب تو سب سے پہلے ہم وہ معلومات جاننے کی کوشش کریں  
گے۔"

"میں بتاتا ہوں... اس وقت تک سات اٹھائی گھنٹوں میں  
سوئے کے سیکے مل چکے ہیں... اور ہر ملک میں گناہ کی نقل کی  
واردات میں یہ سیکے ملتے ہیں... یعنی نقل کی کوئی واردات ہوتی ہے  
اور لاش کے پاس سہ ملتا ہے۔"

"اوہ! ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات... جہاں جہاں واردات  
ہوتی ہے... وہاں وہاں سے کوئی کتاب چرائی جاتی ہے۔"

"کیا!!! وہ سب جٹا اٹھے۔

"ہاں! جیسا کہ ہمارے ملک میں ایسا ہو چکا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... ابھی تک ہم اس کتاب کا نام نہیں جان  
سکے۔" خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"یہی تو وہ چاہتے ہیں... ہم کسی طرح اس کتاب کا نام نہ جان  
پائیں... یا کسی طرح ہم وہ کتاب نہ حاصل کر پائیں... اس وقت تک  
اس کیس کی اہم ترین بات بس یہی ہے۔"

"اور اس بات کا افسوس رہے گا... کہ ہم یہی... ارے۔"



پیشی کے ہاٹ میں کہا۔

”میں اتنا پاگل نہیں۔“ وہ مسکرائے۔

”اس۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ آپ۔“ فاروق کہنے لگا۔

”چپ“

”جی۔۔۔ جی اچھا۔“

”نہ موقع دیکھتے ہو، نہ محل، نہ چھوڑا دیتے ہو نہ۔۔۔“

نے بھلا کر کہا۔

”اب۔۔۔ اب۔“ فاروق گڑبڑایا۔

”اب اب کیا؟“

”اب دیکھا کروں گا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”کیا دیکھا کرو گے؟“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”موقع۔۔۔ محل۔۔۔ چھوڑا دیا۔“

انسپکٹر کا مران مرزا اور چند اور ہنس پڑے۔

”آپ نے یہ کیوں کہا تھا انگل کے میں اتنا پاگل نہیں۔“

”میں اتنا پاگل نہیں کہ اس شخص کا نام بتا دوں۔۔۔ ہم ابھی

اسی وقت میرا مطلب ہے۔۔۔ تاشتا سے فارغ ہو کر وہاں بھیجے

وہ کسی کو کانوں کا ان خبر نہ ہو۔۔۔ اور ہم بس وہاں جا پہنچیں۔۔۔ ہم

سنا رہیں گے کہ ہمارا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔“

”بالکل ٹھیک۔“ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔

”لہذا میں کسی کو ہوا بھی نہیں کہتے دوں گا۔۔۔ اور ہم وہاں پہنچ

یں گے۔“

”ہں تو پھر جلدی سے تاشتا کر لیں۔“ پروفیسر داؤد نے پر جوش

کہا۔

بہشت سے فارغ ہوتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اچھا بھئی۔۔۔ میں بھی چلتا ہوں۔۔۔ تم لوگ تو اپنا کام شروع

کر رہے ہو۔“ صدر صاحب نے کہا۔

”جی بہتر!“ سب نے کہا۔

صدر صاحب کے رخصت ہونے کے بعد وہ گئے خان رحمان کی

بی گازی میں بیٹھے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیا یہ مناسب رہے گا کہ سب جائیں۔“

”گنا تو نہیں مناسب۔“ انسپکٹر کا مران مرزا نے کہا۔

”جب پھر ہم میں سے دو تین چلے جاتے ہیں۔“

”لیکن یہ دیکھ لیں۔۔۔ اگر دشمن نے تعاقب شروع کر دیا تو پھر

”کیسے آتی رہے گی اٹکل... آپ تو روانہ ہو رہے ہیں...“  
 میں ابھی فیصلہ کرتا ہے... کون کون یہاں ٹھہرے گا اور کون کون  
 قاقب میں جائے گا... اور یہ فیصلہ کرنے میں بھی تو وقت لگے گا...  
 اتنی دن میں آپ تو اٹکل جائیں گے کہیں کے کہیں...“  
 ”تو بہت... آغا فانا میں فیصلہ کر لوں گا... ویسے کچھ دیر لگ  
 جائے تو بھی موبائل پر رابطہ کر کے معلوم کر سکتے ہو کہ ہم کس سمت میں  
 جا رہے ہیں...“

”اچھی بات ہے... آپ تو پھر بسم اللہ کریں...“

دونوں ایک بڑی گاڑی میں روانہ ہو گئے...

”اب ہمیں آغا فانا میں فیصلہ کرنا ہے... یہاں کون کون ٹھہرے  
 گا...“ محمود نے کہا۔

”میں بوڑھا ہوں... میں تو یہیں ٹھہروں گا...“ پروفیسر داؤد نے  
 فوراً کہا۔

”تب پھر پروفیسر صاحب کے ساتھ میں ٹھہر جاتا ہوں... باقی  
 لوگ ان کے تعاقب میں چلے جائیں...“

”بھئی واہ... یہ تو بہت جلد بات طے ہو گئی...“ فرزانہ نے  
 خوش ہو کر کہا۔

”کیا سب سے... اسی صورت میں باقی لوگوں کی صورت معلوم ہو سکتی  
 نہیں...“

”تب پھر مناسب یہ رہے گا کہ پہلے میں اور پھر وہیں روانہ ہوں...  
 ہمارے بعد باقی لوگ روانہ ہوں... بلکہ چند افراد ٹھہر جائیں گے...  
 کیونکہ خطرہ تو ابھر بھی ہو سکتا ہے...“

”یہ زیادہ مناسب رہے گا... ویسے میرا خیال ہے... دشمن ان  
 وقت ہم پر نظریں جمائے بیٹھا ہے... وہ ہمارا تعاقب ضرور کرے گا...  
 انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”تب تو پھر ان حالات میں ان صاحب کی طرف جانا ہی نہیں  
 چاہیے...“ فرزانہ نے کہا۔

”ہم ہاتھ پر ہاتھ کر بھی تو نہیں جیتہ سکتے...“  
 ”یہ بھی ٹھیک ہے... لہذا اللہ مالک ہے... چلتے ہیں...“  
 گا... دیکھا جائے گا...“

”بس تو پھر تین پارٹیوں والا پروگرام ٹھیک رہے گا...“  
 ”آؤ جمشید... ہم تو چلتے ہیں... یہ خود ہی اپنے آپ کو...“  
 حصوں میں تقسیم کرتے رہیں گے اور ان میں سے ایک پارٹی ہمارے  
 تعاقب میں آتی رہے گی...“ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔



”ٹھیک ہے۔“

خان رحمان نے دروازے پر جا کر سوراخ سے باہر جھانکا۔ باہر  
بھی کچھ تھا۔ دو نظر نہ آیا۔

”کون؟“ انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

”بیگم شیرازی۔ میں نے سنا ہے۔۔۔ آج سب خواتین یہاں

جمع ہیں۔۔۔ میں بھی چلی آئی۔“

”آپ نے اچھا کیا۔۔۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔۔۔ لیکن آپ

مجھے نظر کیوں نہیں آرہے۔۔۔ میجک آئی سے آپ کو نظر آنا چاہیے۔“

”اوہ۔۔۔ میں دراصل دروازے سے لگی کھڑی ہوں۔“

بیگم شیرازی کی آواز سنائی دی۔۔۔ پھر وہ میجک آئی سے نظر آنے

لگی۔

”یہ تو واقعی آپ ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ فوراً ہی بیگم

شیرازی کو کسی نے زوردار انداز میں دھکا دیا۔۔۔ وہ اندر آکر اوندھے

سر گریں۔۔۔ ان کے منہ سے چیخ نکلی گئی۔

خان رحمان نے دیکھا۔۔۔ دو لمبے چوڑے آدمی اندر داخل ہو رہے

تھے۔۔۔ ان کے ہاتھوں میں خوفناک قسم کے پستول تھے۔ انہوں نے

”آٹا قانا تو پھر اسی کو کہتے ہیں۔۔۔ آصف نے جواب دیا۔  
”چلو پھر چلیں۔۔۔ یہ دونوں یہاں رہیں گے۔ تاکہ خواتین کو

گھبرائیں۔“

”ہماری بات چھوڑیں۔۔۔ ایسے حالات سے گھبرانے والے اسے  
آسمان نہیں ہم۔“ بیگم جمشید کی آواز باورپتی خانے سے آئی۔ کیا  
سب خواتین باورپتی خانے ہی میں تھیں۔

”نہیں نہیں۔۔۔ یہاں بھی بہر حال کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے  
حالات غیر یقینی ہیں۔۔۔ کسی وقت بھی کوئی بھی ناخوش گوار صورت حال  
سامنے آسکتی ہے۔۔۔ لہذا ہم دونوں یہاں ٹھہریں گے۔“ خان رحمان نے  
کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ لوگ لائبریری میں باڈرائنگ  
میں آرام کر سکتے ہیں۔۔۔ ہم اپنا ٹھکانا باورپتی خانے کو بنا لیتی ہیں۔“  
بیگم جمشید نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“

میں اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔ انہوں نے چوہک کر  
ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر خان رحمان نے کہا۔

”آپ یہیں ٹھہریں۔۔۔ اپنا کوئی ہتھیار ہاتھ میں لے لیں۔“

اپنی زندگی میں ایسے پھول بھی نہیں دیکھے تھے۔ ان میں سے ایک  
نے اپنا پایاں ہاتھ ان کی طرف کر دیا۔ پہلے بھی بندھی اب  
اس نے منھی کھول دی۔  
خان رحمان کو اپنے روئے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

☆☆☆☆☆

## ڈر سچا ہے

”اچھا جان اور انگل کب کے چلے بھی گئے اور ہم ابھی گاڑی میں  
بے چارے کی جھلکی ہوئی آواز سنائی دی۔  
”اب عاقب کچھ فاصلے پر رہ کر ہی تو کرنا ہے نا۔“ محمود نے

کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے... لیکن درمیانی فاصلہ اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے  
”ہم انیس پچھڑ ہی نہ سکیں۔“ فرحت نے منہ بنایا۔  
”موبائلوں کا دور ہے... یہ نہ بھولو۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔  
”ابھی بات ہے نہیں بھولوں گی۔“

”شکریہ فرحت۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”شکریہ کس بات کا۔“ فرحت نے اس کی طرف دیکھا۔

”اس بات کا کہ تم نہیں بھولو گی... یہ موبائلوں کا دور ہے۔“  
”سہ ہو گئی... بلکہ تو یہ ہے تم سے۔“ فرزانہ نے جھلک کر کہا۔



"ایسے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" شوکی کی فکر میں فانی کوڑھوں کے کانوں سے گرائی۔  
"کس بات کا ڈر ہے؟"

"تم تو ہو ہی ڈر پوک۔" قہار اکیا ہے۔ "آصف نے فرائیڈ بھائی پہلے پوچھ تو لو۔ اسے ڈر کیوں لگ رہا ہے۔" بات سے لگ رہا ہے۔ "فرحت نے منہ بتایا۔"

"مجھے ڈر ہے۔۔۔ کہیں ہمیں دیوانہ ہو جائے اور دشمن اس پورے ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے۔" شوکی نے جواب دیا۔  
"نا ممکن۔۔۔ انکل نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے۔"

"کس کے پاس جانا ہے۔۔۔ انہیں تو اچانک اپنے کسی دوست کا خیال آیا تھا۔ جنہوں نے دنیا بھر کی کتابیں جمع کر رکھی ہیں۔ اور انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ دشمن ان کے دوست تک نہیں پہنچے ہوں گے۔ کیونکہ وہ کوئی گوشہ نشین قسم کے آدمی ہیں۔ مشہور و معروف نہیں ہیں۔"

"اور تم یہ نہ بھولو۔ کہ ہمارے شہر سے وہ ایسے آدمیوں کی لائبریری سے کتاب اڑائی گئی ہے۔ جو مشہور نہیں تھے۔"

"خادر لودھی تو خیر کسی قدر مشہور آدمی ہیں۔۔۔ دوسرے شخص کا

ہم سے جو اس۔۔۔ ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے حلقے میں جانے پہچانے

ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ دیکھا جائے گا اگر دشمن اس جگہ پہنچی گیا۔  
"ہم لوگ بھی تو آخر وہاں موجود ہوں گے۔"

انہوں نے سر ہلا دیے۔۔۔ ایسے میں شوکی کی آواز پھر ابھری۔  
"پھر بھی میں چاہتا ہوں۔۔۔ انکلو سے رابطہ کر کے اپنا خیال انہیں

دوں۔۔۔ آخر اس میں کیا حرج ہے۔"

"کوئی حرج نہیں۔۔۔ ضرور فون کرو۔۔۔ جو وہ کہیں گے۔۔۔ ہم

کریں گے۔"

شوکی نے اسپیکر جمشید کے نمبر ملائے۔۔۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے

کہا۔  
"انکل مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے شوکی۔"

"جی۔۔۔ کیا کہا آپ نے۔۔۔ ٹھیک ہے شوکی۔" آصف نے

تیراں ہو کر کہا۔

"ہاں آصف! میں نے یہی کہا ہے۔"

"لیکن آپ نے یہ کیوں نہیں کہا۔۔۔ کیوں شوکی۔ کیا بات

ہے۔۔۔ کس بات سے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔

”ہاں! میں نے یہ نہیں کہا۔۔۔ کامران مرزا یہ بات ان سے ر  
کبو۔“ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

”میں کہہ دوں۔۔۔ شوکی سے۔۔۔ یہ کہ اسے ڈر کیوں لگ رہا ہے  
نہیں نہیں۔۔۔ میں بھی وہی کہتا ہوں۔۔۔ جو آپ نے کہا ہے۔“  
”کیا مطلب؟“ چھوٹی پارٹی نے چونک کر کہا۔

”شوکی نے اگرچہ مجھے فون کیا ہوتا۔۔۔ اور اس نے مجھ سے یہ  
کہا ہوتا کہ اگل! مجھے ڈر لگ رہا ہے تو میں اس سے کہتا ہوں ٹھیک ہے  
شوکی۔۔۔“

”کیا مطلب!!!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے کلمے  
”یہ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔“ آصف چٹایا۔

”حت۔۔۔ تو کیا آپ کو بھی۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ آپ کو ڈر  
نہیں لگ سکتا۔“ آصف نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیوں نہیں لگ سکتا آصف۔۔۔ کیا ہم دونوں انسان نہیں  
ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”وہ تو آپ ہیں۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

”حت۔۔۔ تو کیا واقعی۔۔۔ آپ دونوں کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہاں! شوکی کا ڈر سچا ہے۔“

”سچا ڈر۔“ فاروق کے منہ سے نکلا۔

”ہاں ہاں! کہہ دو۔۔۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”جملہ جل گیا۔“

”یہی تو مشکل ہے۔۔۔ یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہاں

”جی کہلی کا نام ضرور ہو سکتا ہے اور یہ میں کہہ نہیں سکتا۔۔۔ کیونکہ میرا

”ناولوں کے ناموں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”لو اور سنو۔۔۔ ناولوں کے ناموں کا اور ان کا چولی دامن کا

”جو ہے۔“ آفتاب نے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“ مکھن نے منہ ہنایا۔

”ابھی کیا ہے۔۔۔ آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔“ آصف ہنسا۔

”اچھا دیکھ لیں گے۔۔۔ ہاں نہیں تو اور کیا۔“

”مطلب یہ کہ آپ دونوں کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہاں!“ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

”ارے باپ ارے۔“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”جب پھر۔۔۔ ہم وہاں جائیں کیوں۔“ شوکی کی آواز ابھری۔

”کیا مطلب۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ ہم وہاں جائیں کیوں



ہم وہاں اس لیے جا رہے ہیں کہ وہاں سے وہ کتاب شکی نے لے لی ہے۔

لیکن ڈر یہ ہے کہ دشمن بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس لیے اس کی نظریں ہم پر ہیں۔ اور کتاب اچکے سے جائے گا۔ ڈریکے ہے تو ہم وہاں کیوں جائیں۔ پہلے اس بات کا انتظام کر لیں کہ وہ کتاب نہ لے جا سکیں۔ پھر ادھر کا رخ کریں۔ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

شوکی کی بات میں وزن ہے۔ اس بار ہمارا واسطہ غریب لوگوں سے ہے۔ اب تک بھی اس نے ہمیں انگلیوں پر نچا رہا ہے۔ لیکن ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔

اچھی بات ہے۔ جہاں ہو۔ وہیں رک جاؤ۔ ہمارے دشمن کو ابھی یہ معلوم نہیں کہ ہمیں کس شخص کے گھر جانا تھا۔ جب تک ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ اس وقت تک دشمن کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ کیا خیال ہے۔

بالکل ٹھیک۔

بالکل ٹھیک۔ ہم آئی جی صاحب سے بات کرتے ہیں۔ اس وقت ہمیں فوج کے ایک دستے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

یہ نہ سکا۔ سو فوجیوں کو تو ضرور ساتھ لے کر جانا ہو گا۔ اب انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا۔ جلد ہی ان کی آواز آئی۔

ہاں جشید۔ کیا صورت حال ہے۔

اس وقت ہم واقعی ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہیں اور راج کی مدد چاہتے ہیں۔ انسپکٹر جشید نے کہا۔ فوج کی مدد۔ ایسا کیا معاملہ پیش آ گیا۔

میں وضاحت کرتا ہوں سر۔ آپ جانتے ہیں یہ کیس ایک

ہے کہ اڑا لے جانے سے شروع ہوا تھا۔ ہمارے دشمن چاہتے ہیں۔

ہم اس کتاب کو دیکھنے نہ پائیں۔ اور ہمارے ملک میں جس جس کسی

کے پاس بھی وہ کتاب ہے۔ اس سے بس وہ حاصل کر لیں۔

ہرے ہاتھ کوئی کتاب نہ لگے۔ اور اس وقت تک وہ اپنے اس مقصد

میں کامیاب ہیں۔ یعنی جہاں جہاں ان کے علم کے مطابق کتاب

موجود تھی۔ وہ نکال لے گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انسپکٹر

بران مرزا کو ایک شخص کا خیال آیا ہے۔ وہ صاحب رتے بھی ہیں

نہت خفیہ میں۔ جو بھی خیال آیا ہم ان کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر راستے میں شوکی نے کہا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اب کئی بات

یہ ہے کہ مجھے اور کامران مرزا کو بھی ڈر لگ رہا تھا۔ ہم اسے اس کے رکے ہیں۔ کیونکہ اس گھر کے بارے میں صرف کامران کو معلوم ہے۔ اور دشمن ہم پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ ہمیں اس سے بے کہیں وہ یہ کتاب بھی نہ لے جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو بہت افسوس ہو گا۔ ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ اس میں ہے کیا۔

”ہوں۔۔۔ تو پھر اب تم چاہتے ہو۔۔۔ تمہیں فوٹ کی خاطر میں اس گھر تک پہنچایا جائے۔“

”ہاں! یہی بات ہے سر۔۔۔ بلکہ جب ہم وہاں پہنچیں تو اس کریں تو اس گھر کو فوری طور پر گھیرے میں لے لیا جائے اور ہم اس کے بعد ہی اس گھر میں داخل ہوں۔“

”اچھی بات ہے جمشید! ہم ایسا کر لیتے ہیں۔۔۔ کوئی مر نہیں۔“

اور پھر فوجی جوان ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی حفاظت یہ قافلہ آگے روانہ ہوا۔

”کیا خیال ہے شوکی۔۔۔ اب تو تمہیں ڈر نہیں لگ رہا۔“ انہوں نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ڈر تو خیر لگ رہا ہے۔۔۔ لیکن پہلے کی نسبت کم۔“

”ہو، کیا بھی بہت ہے۔ اب اس سے زیادہ تو کولی انتظامات

کئے گئے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“

”پھر کامران مرزا کی رہنمائی میں آخر وہ ایک بہت پرانی آبادی میں داخل ہوئے۔ پھر انہوں نے فوجی آفیسر کے کان میں کہا۔“

”آپ کو سامنے پہلے رنگ کا ایک حویلی نما مکان نظر آ رہا ہے۔“

”یہ میں اسی میں جاتا ہے۔۔۔ آپ فوری طور پر اسے گھیر لیں۔“

”اے۔۔۔ انہوں نے کہا اور گاڑی سے اتر آئے۔ فوراً ہی انہوں نے حکم دیا۔“

”اس پہلے مکان کو گھیرے میں لے لیا جائے۔“

فوجی دوڑ پڑے۔۔۔ آبادی کے لوگ پہلے ہی حد حد سے

پرت رہ رہ رہے تھے کہ نہ جانے کیا معاملہ ہے۔۔۔ یہ فوج ان کے

مذمت میں کہاں سے آگئی۔۔۔ فوجیوں نے آن کی آن میں اس گھر کو

گھیر لیا۔۔۔

”اب ہماری اجازت کے بغیر کوئی اس مکان میں نہیں جائے گا۔“

”سب ہم جا سکتے ہیں۔۔۔ ملک کے صدر بھی اگر اہم ہوں تو

”اب انہیں بھی نہیں جانے دیں گے۔“



”آپ فکر نہ کریں۔ انچارج سنبھال لیں۔“

”اور میں آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی کسی بھی قیمت پر اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ آپ اسے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے۔“

”نچیک ہے۔۔۔ آئیے چلیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جمشید کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”چلیے۔“

دونوں تیزی سے پیلے مکان کی طرف بڑھے۔ انہوں نے ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ میدان بالکل صاف نظر آیا۔ انہوں نے محسوس کیا، وہ بلاوجہ خوف محسوس کر رہے تھے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ آخر دونوں دروازے تک پہنچ گئے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے دروازے پر لگا ہٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

میں اس لمحے ایک ہولناک دھماکا ہوا۔ کان پھاڑ دینے والی دھماکا۔۔۔ زمین زور سے جلی۔ کئی گاڑیاں فضا میں اچھلیں اور زمین آئیں۔ پھر اس کے بعد وہاں آگ اور دھوئیں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ہر طرف قیامت خیز افراتفری مچ گئی۔ خود انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بھی اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے۔

”اچھے اچھے اور زمین پر گرنے والے ہوش ہو چکے تھے۔“

”ہاں اور انہوں نے طوفان نے کسی کو کسی کا ہوش نہ دے دیا۔ اس ہوش آگیا تو ہسپتال میں تھے۔ اس بلاغیہ جھلے میں کسی اور کو کام آئے تھے۔ زخمی بھی تھے۔ عام لوگ بھی ہلاک ہو رہی تھی۔ چھوٹی پادری المیتہ محفوظ رہی تھی۔ کیونکہ وہ تو ایک عورت تھی اور اس وقت وہاں پہنچی تھی۔ جب دھماکا ہوا تو وہ۔“

”اب وہ بھی ہسپتال میں اپنے بے ہوش ساتھیوں کے پاس سو گوار رہے۔ موجود تھے۔۔۔ سب کے سب تشویش میں مبتلا تھے۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔“

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو تین گھنٹے بعد ہوش میں لایا جا چکا تھا۔ انہوں نے کہا۔

”کیا رہا۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ کتاب کا۔“

”ہاں۔“

”افسوس۔۔۔ ہمیں تو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ گھر کون سا ہے۔“

”جس میں کتاب موجود ہے۔“

”ہے نہیں۔۔۔ تھی۔ انسپکٹر جمشید اور اس انداز میں مسکراتے۔“

میں بھی۔

”ہاں۔ ہم وہاں جانا چاہتے ہیں۔ جتنا نہیں گھر کے مالک

گھر کے افراد نے کیا گزری۔“ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اگلے باپ رے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ابھی آپ کو

آرام کی ضرورت ہے۔“ ڈیوٹی پر موجود ایک نرس نے کہا۔

”آرام کا وقت گزر چکا۔ دشمن نے یہ وار ایسا کیا ہے کہ اب

ہم آرام نہیں کام کریں گے۔“ یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے

ہوئے۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا حرکت میں آ گئے۔

ڈاکٹر حضرات انہیں روکتے رہ گئے۔ لیکن انہوں نے ایک نہ

نئی اور باہر نکل آئے۔ چند منٹ بعد وہ ایک بڑی گاڑی میں اس گھر

کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

وہاں ہر طرف تباہی کے آثار نظر آئے اور موت کا سماں تھا

انہوں نے گاڑی پیلے دروازے پر روک دی۔ دستک کے جواب

میں دروازہ فوراً ہی کھلا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

”ہاشم بھائی! السلام علیکم۔ پہچانا مجھے۔“

”اوہ! یہ آپ ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا میں غلطی ہو تو نہیں

ہوں۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ وہ کتاب لے گئے۔“

”ہاں تو اور کیا۔۔۔ اتنا بڑا دھماکا بنا وہ تو نہیں کیا کیا تو

فوجیوں کا کیا حال ہے۔“

”پانچ فوجی شہید ہوئے ہیں۔ پندرہ زخمی ہیں۔ تمام افراد میں

سے بھی دس افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ اور 60 کے قریب زخمی ہیں۔“

”نن۔ نہیں۔ نہیں۔“

دونوں رہ پڑے۔ وہ سوچ رہے تھے۔ یہ ان کی وجہ سے

ہوا۔ لیکن اس میں ان کا بھی کیا قصور تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ

دشمن ایسا کر گزریں گے تو وہ اس گھر کا رخ بھی نہ کرتے اور اس بات

کی پروا بھی نہ کرتے کہ وہاں کتاب موجود ہے۔ کتنی ہی پروا اس

کے عالم میں رہے۔ پھر انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

”اور اس گھر کا کیا بنا؟“

”وہ گھر محفوظ ہے۔ لیکن جب آپ دونوں وہاں پہنچے تھے اور

دھماکے کے جواب میں دروازہ کھلا تھا۔ عین اس وقت دھماکا ہو گیا تھا

۔۔۔ اس کے بعد تو وہاں قیامت کا منظر تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا

۔۔۔ یہ بات بھی ایک فوجی نے بتائی تھی۔ اس نے دروازہ کھلے دیکھا

تھا۔ پھر وہ بھی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہاں کیا ہوا کسی کو





”کتاب کون سی ہے... یہ کیا بات ہوئی۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”ہاں! ہم یہی جانتے کے لیے یہاں آئے ہیں... مہربانی کر رہیں اپنی لائبریری میں سے چلیں۔“

”آئیے۔“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

وہ انہیں لائبریری تک لے آئے۔

”آپ چیک کریں... کیا یہاں سے کوئی کتاب کم ہوئی ہے... ریکوں کو غور سے دیکھیں۔“

”لیکن اگر وہ کوئی کتاب لے گئے ہیں... تو مجھے کیسے پتا چلے گا... اس کے لیے تو فہرست سے ایک ایک کتاب کو چیک کرنا پڑے گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں... یہاں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔“

”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں... اچھا خیر... یہ کام ہم خود کر لیں گے... آپ ایسا کریں کہ فہرست ہمیں دے دیں۔“

”جی اچھا... لیکن پہلے میری حیرت کو دور کر دیں... یہ پتہ چلا ہے... کسی کو میری لائبریری سے کوئی کتاب عین اس وقت لے جانے کی کیا ضرورت تھی... جب باہر قیامت مچی تھی۔“

”ہم آپ کو بتاتے ہیں... وہ قیامت بچائی ہی اس کتاب کو۔“

”اے اے اے لے لے لے لے۔“

”کیا مطلب... یہ کیا کہا آپ نے۔“ ہاشم صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

”یہی بات ہے... میں آپ کو بتاتا ہوں۔“

انہوں نے کہا اور پوری تفصیل سنا دی... مارے حیرت کے ہاشم صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... کافی دیر تک وہ سستے کے عالم میں بیٹھے رہے... آخر انہوں نے کہا۔

”میں فہرست لے آتا ہوں... اس کے ذریعے چیک آپ لوگ کر لیں... فہرست کے مطابق یہ کتابیں یہاں موجود ہیں، ان کے بارے میں اگر کوئی کتاب نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے... وہ لوگ اس کتاب کو لے گئے ہیں... اس صورت میں کم از کم آپ کو کتاب کا نام معلوم ہو ہی جائے گا۔“

”بالکل ٹھیک۔“

ہاشم صاحب انہیں لائبریری میں لے آئے... انہوں نے ایک لابی کے پت کھولے... فہرست اٹھانے کے لیے اندر کی طرف ہاتھ دھکیلا... وہاں ہی تھا کہ ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

”اے نہیں... یہ... یہ نہیں ہو سکتا... نہیں ہو سکتا۔“



ان کی خوف زدہ آواز سن کر سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے  
 انہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر زمانے ہر کی جیت تھی۔  
 کے من سے نکلا۔  
 "یہ... یہ... یہ کیا کیا..."

☆☆☆☆

## سونے کے پہاڑ

اس کی پہیلی پر سونے کے دس بارہ سگے تھے اور وہ خوب چمک  
 رہے تھے۔ سگوں کا ذکر وہ پہلے سن چکے تھے۔ سگوں کی جھلک  
 امانت کا مطلب بھی یہی تھا کہ وہ جان جائیں۔ ان کا واسطہ کن  
 دلوں سے ہوا ہے۔

"کیا پتا ہے جو۔" خان رحمان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔  
 "ہم تم سے کیا چاہیں گے۔ تم ہو کیا چیز۔ تمہارے لیے پھر  
 کے ہا کے ہمارے بھی نہیں۔" اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔  
 "تب پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہاں تمہارے مطلب کی کچھ چیزیں ہیں۔ بس وہ لے جائیں  
 گے۔ اس کے وہ فائدے ہوں گے۔ ایک تو وہ چیزیں تمہارے گھر  
 کی گلی۔ اور یہ کہ اسپیکر جمشید کے ہاتھ سے انھیں چاہیں گی۔  
 "ہوں اور یہ پستول کیسے ہیں۔"

"ان کا مزد تو خیر تمہیں چھائیں گے۔ ان کے ہونے کو میں  
کام شروع کریں گے۔ یہ لا۔"

ان الفاظ کے ساتھ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ خان رحمان سے ان  
جگہ سے چھانک لگائی تھی۔ لیکن ادھر تو نہ کوئی فائر ہوا تو نہ ہتھیار  
کی مال سے کوئی گیس نکلی۔ نہ ٹریگر دبائے کی کوئی آواز آئی۔  
لگا جیسے وہ کوئی کھلونا پستول ہو۔ خان رحمان کے منہ سے ہنسے قہقہے  
کے نکلا۔

"اس سے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ یہ پستول کوئی عام پستول نہیں ہے۔  
خاص ہیں۔" وہ ہنسا۔

"ٹریگر دبائے سے کچھ تو ہونا چاہیے تھا۔"

"پہلے اپنے ساتھی سے کہیں۔ وہ اپنا ہتھیار آزمائیں۔"  
نے ہنس کر کہا۔

"اوہ! تو آپ یہ بھی جانتے ہیں۔"

"وقت نہ ضائع کریں۔"

"پروفیسر صاحب۔ آپ سن رہے ہیں۔"

"ہاں خان رحمان سن چکا ہوں۔ ان صاحب کو اپنے

ساتھ لے کر آئے۔ یہ کہیں۔ یہ کہیں ہتھوں میں۔  
پہلے میں دیر انہیں اپنی گیند کا مورا چلا

ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر صاحب نے ٹھٹھے کی ایک گیند ان  
بازوں اچھالی دی۔ گیند ان کے پیروں کے پاس گری تھی۔ اس  
سے ہلکا سا دھواں نکلا۔ لیکن ان لوگوں پر اس دھواں نے کوئی بھی اثر  
نہ کیا۔ جب کہ خان رحمان پہلے ہی چھانک لگا کر پروفیسر داؤد کے  
اوپر آئے تھے۔ اور دھواں سے دور ہو چکے تھے۔ اس گیند سے بس  
دھواں نکلا تھا کہ جن کے پاس وہ پھنکتی تھی۔ بس انہی کو نقصان  
ہو سکتا تھا۔ باقی لوگ محفوظ رہتے تھے۔

انہوں نے سب یہ دیکھا کہ گیند نے ان کا کچھ بھی نہیں ہکا تو  
ان کے رنگ اڑ گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے جسموں  
پر ہلکا سا جھڑکا جا رہی تھی۔ پھر وہ گرتے چلے گئے۔ گویا پستول کے  
بارے اپنا کام مکمل کر دیا تھا۔

"ان ایک فائر بارہ جی خانے کی طرف۔ اگرچہ بزدل عورتوں  
کا انداز بند کر دیا ہے۔ لیکن ان پستولوں کا یہ کمال بھی دیکھنے کے  
لائق ہے کہ جلد دروازے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ گویا انہیں بھی



”پھر وہ لاہوری میں گھس گئے۔ کچھ وقت وہاں رہے  
پھر اپنے جیل کے ذاتی کمرے میں چلے گئے۔ اسی طرح انہوں نے  
اس کمرے میں اپنی کالہ والی کی اس کے بعد صحن میں آئے  
”اب وہاں جو جالے تھے گرم پانی کا جواب۔“  
وہ بارہا جی خانے کی طرف بڑھے اور پھر حیرت زدہ رہ گئے

”وہ اندازت بند کیا جا چکا تھا۔“  
”ہو اچھا۔“ ان میں ابھی اتنی سکت تھی کہ دروازہ اندر سے بند

”ابھی کوئی بات نہیں پھر سہی۔ آؤ دوستو چلیں۔“ ان سے  
”خام احوال رہا۔“

”پھر ان کے قدموں کی آواز گونج اٹھی۔ جلد ہی دروازہ کھلنے  
پر بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا وہ لوگ جا چکے  
ہیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی ان میں حرکت کرنے کی طاقت نہ  
تھی۔ وہ جوں کے توں پڑے رہے۔ آخر پورے نصف گھنٹے بعد  
وہ انداز کی آواز سنائی دی۔

”نیر اخیال ہے۔ میں خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں اور جلد ہی  
اوپر ہوں گا۔ آپ کا کیا حال ہے پروفیسر صاحب۔“  
”اگلی میں بھی فکر نہ کرو۔“ انہوں نے بحال سے انداز میں

”ہاتھ ہی پلانے کے قابل نہیں رہیں گی۔“  
”یہ کہتے ہی ان کے ہسپتال باور پتی خانے کی طرف اٹھ گئے  
فریگر و باویہ گئے۔ فوراً ہی بیگم جمشید کی آواز ابھری۔  
”ہا ہا ہا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور یہ تم نے ہال کے کپڑے  
ہمیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے۔  
اب تم ہمارا کمال دیکھو۔“

”ضرور۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔“ ہسپتال والا چنکا۔  
”اسی وقت باور پتی خانے کے روشن دان سے تیز گرم پانی کی ایک  
تیز دھار ان پر آکر گری۔ ان کے منہ سے چھینٹ اٹھ گئیں۔  
اس سٹیل کے لیے وہ تیار نہیں تھے۔ تاہم اتنی دیر میں وہ اس جگہ سے  
دور ہٹ گئے تھے اور پانی کی دھار کی زد سے نکل گئے تھے۔  
”کوئی۔۔۔ پپ۔۔۔ پر۔۔۔ وا۔۔۔ اسے۔۔۔ یہ کیا۔“

بیگم جمشید کی ذہنی آواز سے انہوں نے جان لیا تھا کہ ان پر  
پستولوں کی نظر نہ آنے والی گیس اڑ انداز ہو چکی ہے۔  
”تم نے ہمیں تکلیف میں تو مبتلا کر دیا۔ لیکن تارے ان  
پستولوں سے نچ تم بھی نہیں سکیں۔ جاتے ہوئے ہم پانی کا مزہ نہیں  
بھی چکھا کر جائیں گے۔ انتظار کرو ہماری واپسی کا۔“

”تم نے ہمیں تکلیف میں تو مبتلا کر دیا۔ لیکن تارے ان  
پستولوں سے نچ تم بھی نہیں سکیں۔ جاتے ہوئے ہم پانی کا مزہ نہیں  
بھی چکھا کر جائیں گے۔ انتظار کرو ہماری واپسی کا۔“

”اور ہم میں بھی زندگی کے آثار شرام ہو رہے ہیں۔“

خانے کے اندر سے آواز آئی۔

وہ مسکرا دیے۔

”اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ کیا کر گئے ہیں۔“ خان رحمان نے

”کچھ لیتے ہیں۔“ ویسے تو اندازہ ہے۔ وہ کچھ خیر

چیزات کی تلاش میں ہوں گے۔ اگر ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں

گئے ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ وہ لوگ کچھ آلات نصب

کر رہے ہوں گے۔ ان کو خیر ہم تلاش کر لیں گے۔ اصل مسئلہ

یہ بات کا ہے۔“

اب دونوں لاجپوری میں آئے۔ انہوں نے دیکھا۔ لاجپوری

کے قالین پر سولے کے بہت سے سگے بکھرے پڑے تھے۔ وہ یہ دیکھ

رجت زورہ گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے خواتین کی آواز سنی۔

”اے باپ رے۔ اتنے بہت سے سونے کے سگے۔“

دونوں صرف مسکرا دیے۔ انہوں نے مڑ کر نہ دیکھا۔ جانتے

تھے۔ عورتوں کو سونے کا کتنا شوق ہے۔ خان رحمان نے صرف اسکا

کہا۔

”میرا خیال ہے۔“ اس گیس کا اثر پانی پینے سے بالکل ختم

جائے گا۔“

”اوہ اچھا۔“ آپ یہیں رہیں۔“

صحیح میں ایک طرف پانی کا تل تھا۔ دوسری طرف فرج

تھا۔ لیکن فرج کا سرد پانی نقصان دہ ہو سکتا تھا، اس لیے انہوں نے

سے پانی لے لیا۔ فرج کا پانی اس میں ملایا اور پہلے پرافیسر

پایا۔ پھر خود پیا۔ اس وقت انہوں نے چمکتی آواز میں کہا۔

”میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”اللہ کا شکر ہے۔ اور میں بھی ٹھیک ہوں۔“

”بس تو پھر خواتین کو بھی چاہیے۔ پانی پینے کی کوشش کریں

تاکہ ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے اور وہ دروازہ کھول سکیں۔“



"اس وقت میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔  
 ایک ایسی وادی سے ہے جس میں سولے سے چار ہزار  
 سولے کے بہت سے پہاڑ۔" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"

"ہاں بقیہ سولے کے بہت سے پہاڑ۔  
 سولے کی کانیں ہوتی ہیں۔ اور ان میں سے ہم تمام کاغذات  
 اس علاقے میں سولے کے فراغت ہوتے ہیں۔ ہمارا  
 الگ کرتے ہیں۔ اس طرح سولے میں کرتے ہیں۔  
 کانوں سے اتنا سونا لگتا ہے کہ ہم مال دانہ گنے ہوتے ہیں۔  
 وادی کے بارے میں تو دیکھو۔ یہاں خاص سولے کے پہاڑ  
 ہیں۔ یعنی وہاں سونا پتھروں میں ملا ہوا نہیں ہے۔"

"اے سولے سے اتنا سونا۔"  
 "ہاں؟ ان لوگوں کا تعلق اس وادی سے ہے۔ کبھی اس  
 لیے پھر رہے ہیں اور اس طرح گراتے پھر رہے ہیں۔ جیسے ان  
 نزدیک نظر پھر ہوں۔"

"لیکن ان لوگوں کا اس سے متعلق کیا ہے؟"

یہی کہ ہم کوئی عائد نہیں کر سکتے۔ لیکن اس علاقہ  
 کے یہ لوگ اور چاہتے ہیں۔ فی الحال تو وادی اور  
 پہاڑات میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے کچھ دیکھ کر چاہتے  
 ہیں کہ اس وادی میں ہم کام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ  
 کام ہے۔ یہ علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر یہی علاقہ  
 وہ علاقہ ہے۔ یہ علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ  
 یہ علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔

"یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"  
 "یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"  
 "یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"  
 "یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"

"یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"  
 "یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"  
 "یہ وادی ہے کہاں؟" "تو کچھ عائد دہائی چاہیے۔"

”اور اس وادی میں کیا اسی دنیا کے لوگ رہتے ہیں۔  
 دوسری دنیا کی کوئی مخلوق۔“ بیگم جمشید نے پوچھا۔

”اس بار سے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ صرف اندازہ  
 لگا سکتے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ابھی ہم اندازہ لگانے کے لیے کافی  
 نہیں۔“

”اوہو۔۔۔ ہم بھول رہے ہیں۔ ہمیں جائزہ لینا ہے۔۔۔  
 لوگ ہمارے گھر سے کیا کچھ لے گئے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہاں سے وہ کچھ کتابیں  
 لے گئے ہیں۔۔۔ کیونکہ کتابیں کسی حد تک بے ترتیب لگ رہی ہیں  
 جب کہ ہماری لائبریری میں کتب ایک اچھی بھی دھڑ سے ادھر نہیں  
 ہوتیں۔“

”اور یہ جمشید ہی بتا سکتا ہیں کہ وہ کون سی کتب لے گئے  
 ہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”آؤ خان رحمان۔۔۔ جمشید کا کمرہ دیکھیں۔ ایسا لگتا ہے۔  
 جیسے وہ کافی کچھ لے گئے ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

پھر وہ انجیل جمشید کے ذاتی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ گھر

”کے رتے کی جڑوں سے متعلق تھا۔ یہاں بھی کافی اہل علم تھے۔  
 انہوں نے اسے میں انہوں نے کافی کچھ کام دکھایا تھا۔

”میری بے پناہی بدھتی جا رہی ہے۔“ بیگم جمشید کی غصہ ابھری۔  
 ”ابھی بات ہے۔ ہم انہیں فون کیے لیتے ہیں۔ تاکہ وہ  
 ہل جلد آجندہ واپس آئے کی کوشش کریں۔“

”اور ان سب کو بھی ہم نے اسی طرح چھوڑ دیا۔“ پروفیسر داؤد

نے کہا۔  
 ”اچھا یہی ہے۔ جمشید اور کامران مرزا آکر پہلے ایک نگران  
 کو کچھ لیں۔ پھر اٹھالیں گے۔“

”ارے باپ دے۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔“ انہوں  
 نے بیگم جمشید کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

سب چوتھ کران کی طرف مڑے۔  
 ”خیر تو ہے بھابھی۔“ پروفیسر داؤد اور خان رحمان نے ایک

ساتھ کہا۔  
 بیگم جمشید کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ وہ سکتے کے علم  
 میں ایک صحت میں تکیے جا رہی تھیں۔ اب جو انہوں نے اس سے  
 کی دیکھا تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔

”ارے باپ دے۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہے ہیں۔“



## فضا میں جھڑکا

"کیا ہوا ہاشم صاحب۔ خیر تو ہے۔"

"دو۔۔۔ ایکسے۔۔۔ میری یادداشت کمزور نہیں۔ پھر بھی میں  
چیزیں رکھنے کے معاملے میں بہت باقاعدہ ہوں، یا اصول ہوں۔ یعنی  
یہ ہو نہیں سکتا۔۔۔ چیز کسی جگہ رکھنی ہو اور رکھ دوں کہیں اور۔۔۔  
چیز جس جگہ کی ہوتی ہے۔ وہ وہیں رکھتا ہوں۔"

"آپ۔۔۔ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ۔۔۔ لاہری کی فہرست یہاں نہیں ہے۔۔۔ جب کہ وہ  
میشہ نہیں ہوتی ہے۔۔۔ میں اسے کسی اور جگہ نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ کسی  
اور کے کام کی چیز ہے۔۔۔ وہ تو بس میرے ہی کام کی ہے۔ لہذا یہ  
بات ناممکن ہے کہ میں نے اسے کہیں اور رکھ لیا۔ تب پھر سوال یہ  
ہے کہ فہرست یہاں کیوں نہیں ہے۔"

"اس کا خلاف مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی کتابوں کی

رستہ لگ سکتے ہیں۔ اور وہ کتاب بھی۔ لہذا ایک بار پھر  
میں نہیں معلوم۔۔۔ وہ یہاں سے کون سی کتاب لے  
گئے ہیں۔۔۔ نہ آپ بتا سکتے ہیں۔ ہاں فہرست کتب یہاں ہوتی تو  
اس صورت میں تو ایک ایک کتاب کو چیک کیا جاسکتا تھا  
بات تھی۔

لیکن اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔ کیا خیال ہے آپ کا۔"

یہاں تک کہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ سب لوگ سکتے کے عام  
یہاں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حیرت کی بات تھی۔۔۔ وہ لوگ  
میں قمران کی طرف سے نہایت اہتمام سے غائب کر رہے تھے۔

ان کتاب کو ہر جگہ سے نہایت اہتمام سے غائب کر رہے تھے۔  
"اب تو یہ سوال میرے دماغ میں بہت زورور سے گونجنے لگا  
ہے کہ اس کتاب میں ہے کیا۔" انسپکٹر جوشید نے کہا۔

"سہ نے کی واویلا کے بارے میں معلومات۔ اس کا راستہ۔"

انپکٹر قمران مرزا نے جواب میں کہا۔

"ہاں شاید۔ اس کے سوا ہم کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔"

"تب پھر۔۔۔ اب کیا ہوگا۔۔۔ وہ لوگ تو یہاں سے بھی کتاب

لے گئے اور فہرست بھی۔"

"انسپکٹر۔۔۔ اس قدر انتظامات کے باوجود ہم کچھ نہ کر سکتے

ہیں کہ مطلب ہے۔ ہم اس کیس میں اب بھی دیراں ہیں۔ چلی جائیں

سے یہ کیس شروع ہوا تھا۔

تین اس لئے اسلیم جمشید کے نو ہاٹل کی تختی نکالیں۔  
نے دیکھا، فون صدر صاحب کا تھا۔

”صدر صاحب کا فون ہے۔“ یہ فالتے ہی انہوں نے فون پر  
دیا۔ ”فون ان ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی۔“

”السلام علیکم جمشید۔ ایک نئی خبر۔ اور نیا سفر۔“  
”جی کیا فرمایا۔ نئی خبر۔ اور نیا سفر۔“

”ہاں جمشید۔ سفر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ خبر یہ ہے کہ  
تمام اسلامی ملکوں کے نمائندوں کا اجلاس ہایا گیا ہے۔ یہ اجلاس ایک  
غفیہ مقام پر ہونے والا ہے۔ وہ تمام لوگ جن کو دعوت دی گئی ہے  
وہاں غفیہ طور پر پہنچیں گے۔ مطلب یہ کہ اس مقام تک ہر  
لوگوں کو لے جانا ان کا اپنا کام ہو گا۔“

”آپ نے بتایا نہیں سر۔ اجلاس کس سلسلے میں ہو رہا ہے۔“

”سونے کے سنگوں کے سلسلے میں۔“

”کیا مطلب؟“

”سونے کے سنگوں نے خوفناک صورت حال اختیار کر لی ہے۔“

یہ تمام اسلامی ملکوں میں ادھر ادھر پڑے مل رہے ہیں۔ اسلامی ملکوں

نے انہوں میں اس وقت کا خوفناک ترین سوال یہ مٹا دیا ہے۔  
انہوں کا قصد کیا ہے۔ لوگ ان سنگوں کی تلاش میں رہے گے  
کسی کو کوئی سہارا مل جائے تو فوراً حراقت ہوا لے جا کر اسے  
پھاڑ دیا جائے۔ یہ سب کم از کم تین گرام کا ہے۔ آج کل سونے کا وزن  
کم از کم تقریباً ساٹھ ہزار روپے ہے۔ گویا ایک سنگ کے تین  
لاکھ روپے مل جاتے ہیں۔ اب تو لوگ دیوانوں کی طرح  
درندہ پے سخت میں مل جاتے ہیں۔ اور یہ بات نہیں کہ سنگے نہیں  
ان سنگوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور یہ بات نہیں کہ سنگے نہیں  
میں۔ شہر میں کہیں نہ کہیں سے چند سنگے ضرور مل جاتے ہیں۔ لیکن  
میں کہاں سے ہیں۔ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ اسلامی ملکوں کے سربراہان  
اس حالت میں سر جھڑ کر بیٹھے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرا  
ہے کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے۔ سنگے ملنے کا سلسلہ اسی  
درجہ جاری رہا۔ تو مسلمان قوم انہی کے پتھر میں پڑ جائے گی۔  
ہر کوئی موت حرامی سے جی چرانے لگے گی۔ اور جلد ہی ہر سب  
کار قوم گمے جانے لگیں گے۔ اسی لیے مسلمان سربراہوں نے ایک  
خبر اعلان رکھا ہے، اس میں غور و فکر کیا جائے گا کہ یہ سب ہے کیا  
وہاں کا علاج کیا ہے۔ لیکن یہ اجلاس سربراہوں کا نہیں ہوگا۔ بلکہ  
سربراہانوں کا ہوگا۔ یعنی وہ وہاں جمع ہو کر اسلامی تحفظ کا سہارا



کریں گے۔ امتحان کے پاسے دیں گے کہیں لوگوں کا اڑھو، یا نہ  
ہم اس جی سمیت سے پھلکا، کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔  
سنا کیا سر۔ تمام اسلامی ملکوں میں بھائی بھائی کے پاس گئے ہیں  
غیر مسلم ممالک میں نہیں پاس گئے۔  
”چند غیر مسلم ممالک میں بھی تھے پاس گئے ہیں۔ لیکن یہ وہ  
ملک ہیں جن کے تعلقات اسلامی ملکوں سے بہت اچھے ہیں۔ ہم  
اسلامی ملکوں کے دوست ملک ہیں۔ آپس میں جن کی بات بات  
ہے۔ مطلب یہ کہ سب سے صرف ان ملکوں میں مل رہے ہیں جو مسلمان  
ہیں یا جن غیر مسلم ملکوں کے دوستانہ تعلقات ان سے ہیں۔ اس لیے  
یہ بات سوچنی چاہی ہے کہ یہ سازش صرف اسلامی ملکوں کے خلاف  
ہے۔ تاہم اس اجلاس میں ان غیر مسلم ملکوں کے نمائندے بھی شرکت  
کر رہے ہیں۔“

”ہوں اتو آپ ہمیں اس سلسلے میں بلا رہے ہیں۔“  
”بلا نہیں رہا... ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سے ملک کی طرف  
سے تم دونوں شرکت کرو گے۔“  
”صرف ہم دونوں؟“ ایشور جوشی نے گھبرا کر کہا۔  
”تو اور کیا... وہاں بچوں اور دوستوں سمیت تو شرکت کر لیں

... تو بے حد بات کریں گے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ  
کون کون سے ممالک میں ہمارے ساتھی اپنے علم پر اس  
مقام پر ہوں گے۔ وہاں کے کسی ہوگی میں جاہل رہتے۔ اس  
مقام پر ہوں گے۔“  
اس سلسلے میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ باقی لوگ سفر کے لیے تیار  
ہوں گے تم دونوں کو معلوم ہو گا کہ کہاں ہو۔ ان لوگوں کو بھی  
اس میں بھیج دیا جائے گا۔ اس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہو سکتا  
تھا۔ باقی لوگ اس اجلاس میں شرکت کے لیے تو جاتے ہی  
ہیں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔“

اس تو پھر تم اسی وقت اور کمر کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ کسی  
بڑی کی ضرورت نہیں۔ بس ایک ایک چھوٹے ساڑ کا ساتھ  
لے لو۔ وہاں ہر طرح کے ساڑ ساہان سے لیس رہائش ملے گی۔“  
”تھوڑا سا۔“  
”ان بھائی کے دو گھر پیچھے... وہاں بھی سولے کے تھے مرنے  
لے۔ انہوں نے ہمارے ہات ان سب کو بتائی تو انہوں نے بڑے سادہ

گئے تھے۔ کیونکہ جو حال وہ ان کے ساتھ لیں جا رہے تھے  
یہ عجیب، انوکھی ترین صورت حال تھی۔  
"یہ مہم ہمیں اداس کیسے رہی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔  
عالم میں کہا۔

"جب کہ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ تو فی نہیں ہو گا کہ ہم کہاں ہیں۔ ہم تم لوگوں کو اطلاع کر دیں گے۔"  
"کیا ایسا کرنا ممکن ہو گا اپنا جان۔" فرزانہ پوچھی۔  
"کیوں بھلا۔"

"تب پھر وہ مقام خفیہ کیسے رہے گا۔ باقی لوگ بھی تو یہ  
ساتھیوں کو فون کر کے بتا دیں گے کہ ہم کہاں ہیں۔"  
اسپیکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف نہایت سنجیدہ انداز میں دیکھا  
پھر اداس انداز میں مسکرائے۔

"جو اندازہ میں نے لگایا ہے۔ وہی تم نے لگایا۔"  
"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"صدر صاحب کا یہ کہنا کہ بعد میں باقی لوگوں کو اس مقام کی  
طرف روانہ کر دیا جائے گا، دراصل ایک طرح کی فٹنی تھی۔ حالانکہ  
وہ خود جانتے ہیں۔ اس صورت میں وہ مقام خفیہ ہرگز نہیں رہا۔

"باقی سب نے چینی کے عالم میں کہا۔  
"جی ہاں، اسپیکر جمشید یہاں تک کہ کر ایک جھٹکے سے نکلتے۔  
سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"لیکن۔۔۔ ہمیں جانا ہو گا۔۔۔ یہ حکم ہے۔ اس کی اسی طرح عمل  
رہا۔" تاہم مجھے امید ہے۔ اجلاس کے بعد جب ہم فاسٹ ہو  
وہیں گے تو اس وقت کی صورت حال دیکھ کر ہم ضرور تم لوگوں  
کو اطلاع دینے کی کوشش کریں گے۔۔۔ مطلب یہ کہ اگر ہم اس قابل  
ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اللہ کو جو منظور جمشید۔" پروفیسر دادو نے  
اس لمحے میں کہا۔

اور پھر وہ اسی وقت ایک ایک بیک ہاتھ میں لیے ان سے  
حالت ہو گئے۔ وہ ہاتھ ہلاتے رہ گئے۔ ان سب کی آنکھوں میں  
آہ تھی۔ وہ بالکل بے بسی تھے۔

ایوان صدر پہنچتے ہی صدر صاحب کے ایک مشیم نے اٹھ کر بتایا کہ  
ان کے لیے گاڑی بالکل تیار ہے۔ یہاں سے وہ ایوان صدر کی گاڑی  
میں جائیں گے۔ اور گاڑی بالکل تیار کھڑی ہے۔



ایک ان صدر کی کالری سے انہیں انتہا پرست پہنچا دیا۔ انہوں نے  
کے لیے ایک خصوصی طیارہ تیار کر دیا تھا۔ انہیں کچھ ہی وقت پہنچا  
خصوصی سفر یاد آگیا۔ وہ فکر مند ہو گئے کہ کونسا یہ طیارہ بھی ان کی سر  
نے اور۔ اور یہیں سے دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لیکن ان کے  
معاملہ تھا حکم کی تعمیل کا۔ لہذا وہ خاموشی سے طیارے میں بیٹھ گئے  
طیارے میں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ ٹکٹ کے بارانہ ہو  
تھے۔ ان میں وہ پاکٹ تھے اور وہ اسے ہونٹیں تھیں۔ پرواز شروع  
ہوئی۔ کچھ دیر بعد ایک ایئر ہوسٹس نے ان کے قریب آکر کہا۔  
"کچھ چاہیے سر۔"

"ہمارا اسٹرکٹی دیو کا ہے۔"

"سر! ہمیں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں  
... یہ طیارہ آپ کے ملک کا نہیں۔ نہ ملک آپ کے ملک کا ہے  
ہمیں حکم ہے۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔ اور آپ کو ہوا کی  
جائے۔ لیکن آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دیا جائے۔"

"کسی بھی قسم کے سوال کا۔"

"عام قسم کے سوالات تو آپ کر سکتے ہیں۔" اسے عرض

مسکرائی۔

"آپ کا نام کیا ہے۔"

"جی ہاں! آپ یہ پوچھ سکتے ہیں۔"

"تو پوچھ رہی ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"آپ کہاں کی رہنے والی ہیں۔"

"اس سوال کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔"

"خیر لڑکی بات نہیں۔ آپ کی ساتھی کا نام؟"

"لوٹی۔"

"پاکٹ ٹبر ایک اور ٹبر وہ کے نام بھی بتا دیں۔"

"ان کے نام مسٹر ساہوگل اور مسٹر ساہوگل۔" وہ مسکرائی۔

"آپ کی مسکراہٹ کبھی دہی ہے کہ یہ چاروں نام اصل نہیں  
ہیں۔"

اس کی مسکراہٹ یک لخت بجھ گئی۔ اس نے فوراً منجیدو لٹکے میں

لپ

"ہمیں ہی نام بتانے کی ہدایات ہیں۔"

"کہہ دیجئے تو ٹھیک ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہمارا اسٹرکٹ گھٹنے کا ہے۔"

اس کے بچے سے یہ حیرت زدگی۔ اس کے ساتھ۔  
 "یہ مجھے جان لیا آپ نے۔"

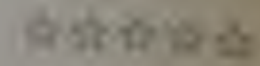
"میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ بیماری حائل ہے۔"  
 "نہیں۔" دو گالپ مٹی۔ ہم اس نے غور کیا۔  
 "یہ آپ کا ایک اندازہ ہے۔" یہ دوست بن گیا۔  
 پر تبصرہ نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ سے یہ ضرور پوچھ سکتے ہیں کہ آپ  
 آخر یہ اندازہ کس بنیاد پر لگایا؟

"بہت آسان ہے، دیکھئے میری گھڑی میں نی بی ایس  
 نصب ہے، اور اس وقت ہم جس روٹ پر سفر کر رہے ہیں میاں روٹ  
 روٹ حنائی کے لیے مخصوص ہے۔ اور ہمارے ملک سے حنائی کا  
 پورے نو گھنٹے کا ہے۔"

"آپ لوگ واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"  
 "اچھا آپ چائے تو پلوا سکتی ہیں نہیں... کیونکہ وہاں چائے  
 وقت ہو گیا ہے۔"

"چائے کا وقت سے کیا مطلب؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔  
 "ہاں چائے کا وقت... ہم چائے بھی صرف اپنے انت پر چہ  
 ہیں... صبح ناشتے کے وقت اور شام کو عصر کی نماز کے بعد۔"

میں اس کے آگے بڑھی۔ آپ چائے کے نام پر  
 کیا کرتے ہیں وہاں میں رہ گئے۔ یہاں تو آگے اندر سے  
 ایک چم بھلا رہا تھا۔





## کالا جنگل

انہوں نے دیکھا۔ سامنے والی دیوار میں ایک مستطیل بنی ہوئی تھی۔ جیسے کسی سینما کی اسکرین ہوتی ہے اور اس دھڑلے چھوٹا طیارہ فضا میں اڑتا نظر آ رہا تھا۔ بیگم ہمیشہ پہلے اس پر وہ جگہ روشن ہوتی نظر آتی تھی جس پر وہ خوب زور سے چڑھتی تھی۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی اسے دیکھنے لگے تھے مگر اسے ہم ہمیشہ وغیرہ پہنچ گئے تو ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی، تو اچانک اسکرین پر طیارہ نظر آنے لگا تھا۔

وہ سب فکر فکر۔۔۔ ہمارے حیرت کے اس طیارے کو دیکھتے۔۔۔ پھر طیارے کے اندر کا منظر بھی نظر آنے لگا تھا۔ اندر سے دیکھ کر تو وہ اچھل پڑے۔۔۔ اندر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مراد نظر آئے۔ ایک ایئر ہوسٹس ان سے باتیں کرتی نظر آئی۔ حیرت اس وقت بڑھی جب ان کی آواز میں ایک انہیں صاف سنا دیا۔

”اچھا! حیرت آگئی۔۔۔ اب بات سمجھ میں آئی۔۔۔ پروفیسر داؤد

”کیا مطلب؟“

”ایک ساتھ بولے۔“

”ہاں! میں نے ہوش کر کے گھر میں ایسے کام کر گئے ہیں۔“

”پھر میں یہ سارے حیرت آگئی ہے۔“ کسی گھر میں ایسے آواز

”کہا تو عام بات ہے کہ اس کی گھر کی آوازیں سننے جا سکیں۔“

”مگر میں کسی دوسری جگہ کی آوازیں سناتی دیتی۔۔۔ لیکن ایک جہاز کی

”آواز۔“ یہ حیرت آگئی ہی نہیں۔ خوفناک بھی ہے۔ اور ابھی تک

”یہ کیا ملک بھی ایسے کوئی آلات ایجاد نہیں کر سکا۔“ اس کا مطلب

”ان لوگوں کا تعلق انٹارجہ سے نہیں ہے۔“

”او۔“

”خیر۔۔۔ پہلے سنتے ہیں۔۔۔ ان میں کیا بات ہو رہی ہے۔“

”ادائیر ہوسٹس اور انسپکٹر جمشید کی بات چیت سننے لگے۔“ ان کی

”حالت بدلتی گئی۔“ انسپکٹر جمشید جہاں ایئر ہوسٹس کو حیرت میں ڈال

”رہے تھے۔۔۔ وہیں انہیں بھی ان کے اندازوں پر حیرت ہو رہی تھی اور

”اب انہوں نے یہ کہا کہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے کیا

... کہ ... کہیں یہ وہی جنگ تو نہیں ... ہاں وہ جنگ ...  
 کہیں اس کا نام ... جنگ تو نہیں ...  
 ... اب ہم یا تو اس جنگ میں ہار کر آئے ...  
 ... اس کے ساتھ واقعہ سند میں ...  
 ... جہاز کو کھولے کھولے ہوتے دیکھا ...  
 ... جہاز کے کھولوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور پھر ...  
 ... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی ...  
 ... ان کے منہ سے نکلا ...  
 ... صدر محترم کو فون کرنا چاہیے ... محمود نے جلدی سے کہا ...  
 ... بالکل ٹھیک ...

... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...  
 ... جلد ہی ان کی آواز ...

... کہ ... کہیں یہ وہی جنگ تو نہیں ... ہاں وہ جنگ ...  
 ... اب ہم یا تو اس جنگ میں ہار کر آئے ...  
 ... اس کے ساتھ واقعہ سند میں ...  
 ... جہاز کو کھولے کھولے ہوتے دیکھا ...  
 ... جہاز کے کھولوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور پھر ...  
 ... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی ...  
 ... ان کے منہ سے نکلا ...  
 ... صدر محترم کو فون کرنا چاہیے ... محمود نے جلدی سے کہا ...  
 ... بالکل ٹھیک ...

... کہ ... کہیں یہ وہی جنگ تو نہیں ... ہاں وہ جنگ ...  
 ... اب ہم یا تو اس جنگ میں ہار کر آئے ...  
 ... اس کے ساتھ واقعہ سند میں ...  
 ... جہاز کو کھولے کھولے ہوتے دیکھا ...  
 ... جہاز کے کھولوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور پھر ...  
 ... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی ...  
 ... ان کے منہ سے نکلا ...  
 ... صدر محترم کو فون کرنا چاہیے ... محمود نے جلدی سے کہا ...  
 ... بالکل ٹھیک ...

... کہ ... کہیں یہ وہی جنگ تو نہیں ... ہاں وہ جنگ ...  
 ... اب ہم یا تو اس جنگ میں ہار کر آئے ...  
 ... اس کے ساتھ واقعہ سند میں ...  
 ... جہاز کو کھولے کھولے ہوتے دیکھا ...  
 ... جہاز کے کھولوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور پھر ...  
 ... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی ...  
 ... ان کے منہ سے نکلا ...  
 ... صدر محترم کو فون کرنا چاہیے ... محمود نے جلدی سے کہا ...  
 ... بالکل ٹھیک ...

... کہ ... کہیں یہ وہی جنگ تو نہیں ... ہاں وہ جنگ ...  
 ... اب ہم یا تو اس جنگ میں ہار کر آئے ...  
 ... اس کے ساتھ واقعہ سند میں ...  
 ... جہاز کو کھولے کھولے ہوتے دیکھا ...  
 ... جہاز کے کھولوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور پھر ...  
 ... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی ...  
 ... ان کے منہ سے نکلا ...  
 ... صدر محترم کو فون کرنا چاہیے ... محمود نے جلدی سے کہا ...  
 ... بالکل ٹھیک ...



”اے ایجنٹ! تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟“  
 کے صدر نے کہا۔

”یہ ایک الگ حیرت انگیز تفصیل ہے۔“  
 ”میں وہ سننا چاہتا ہوں۔“

محمود نے تفصیل سنا دی۔ پھر اس نے کہا۔  
 ”اور اب ہم سب کے سب کالا جنگل جانا چاہتے ہیں۔“

”کے لیے بہترین راستہ بذریعہ برطانیہ ہے۔ آپ ہمیں ٹوکی صوبہ  
 برطانیہ بھجوانے کا انتظام کریں۔ لیکن یہ انتظام صرف اور صرف جاس  
 پیچانے لوگوں کے ذریعے کرانیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا طیارہ جی فو  
 میں ہی پھٹ جائے۔ ہم تو اس قدر جلد چر اٹھتے ہیں کہ ہمیں ہندوستان  
 سے۔“

صدر صاحب کو ہنسی آگئی۔ انہوں نے کہا۔  
 ”فکر نہ کرو۔ پہلے دو مرتبہ غلطی ہو چکی ہے۔ ان طیاروں

اب نہیں ہوگی۔ اب صرف اور صرف اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ  
 آپ لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ لیکن یہ بات سن لیں۔ کہ بھو مال  
 انسپکٹر جیشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو اس اجلاس میں تو جانا پڑے گا  
 اور اب ان کا سفر برطانیہ کے راستے ہو گا۔ آپ لوگ برطانیہ سے

میں جہاز چلا کر رہیں۔ وہاں سے انہیں برطانیہ لے جائیں گے۔  
 انہیں یہاں پہنچا دیتے گا۔“  
 ”اب ہم برطانیہ میں مقیم کر ان کا انتظام کریں گے۔ یہی سن  
 دیتے ہیں؟ آپ؟“

”بھروسہ ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ آپ لوگوں کے پاس  
 پہنچیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ بھئی کیا کیا۔ ہم انہیں منور علی خان کو بھی  
 لے کر دیتے ہیں مگر آپ سے ایک درخواست ہے کہ۔ صوبائی میں  
 ان کے ساتھ ان کے اس طرح سے ان کا طیارہ تیار ہو گیا ہے کہ اگر اس کے  
 پر نہیں کیا صورت حال بنتی ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔“

اور پھر صدر صاحب نے اپنے طیارے کے ذریعے انہیں برطانیہ  
 لے جایا۔ منور علی خان بھی وہاں آچکے تھے۔ صدر برطانیہ کو پہلے ہی  
 موت حال بنا دی تھی مگر ان کے لیے پہلے ہی وہی لاگت جو دھڑکی  
 ان کے ذریعے وہ اس جہاز سے تک پہنچے تھے۔ لیکن تیار ہے  
 وہ بھی لکھنؤ آئے۔ ان کے جہاز سے لے کر ان کے آگے۔

"جیسا کہ پہلے سے کہی جا چکی ہے، اللہ اگر چاہے ہوئے نہیں ہیں تو  
 اللہ کی طرف سے ہر شے ہوتی ہے۔ لہذا ہمیں بالکل اسی جگہ رہنا ہو گا  
 جو اللہ کے آواز کی سوت کا پورا پورا اندازہ کر کے رہا ہے وہی ہے  
 جو اللہ چاہے ہوئے ہیں تو ابھی ان کی طرف سے پھر پیغام ہے۔"  
 ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ انسپکٹر کا سر ان سربراہ کی قیادت  
 میں تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی منور علی خان کے منہ سے لفظ  
 "ہنگامہ" میں چھپنے ہوئے ہیں۔"



398

ان کے چار شوت جنگل میں گھس گئے۔  
جس اور ہم جانتے ہیں، یہ جنگل جس قدر خوفناک ہے۔ اگلے آدھے  
گھنٹے میں ہم کیا کریں۔ کیا ہم انہیں جنگل میں تلاش کر سکیں گے۔  
بہت مشکل ہے۔ جنگل خطرات سے اٹا چکا ہے۔  
ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ جنگل میں کہاں ہوں گے۔  
لیکن میں جنگل کا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔  
یہ کہہ کر انہوں نے...

مارے خوشی کے وہ اچھل پڑے۔ اسی وقت منور علی خان نے



”ہم فی الحال یہیں رک کر انتظار کریں گے۔ وہ نزدیک نہیں



## آدم خور درخت

ان کے رنگ الٹے۔۔۔ تب منور علی خان کی طرف دیکھ گئے۔۔۔

”پھر۔۔۔ اب؟“ فرزانہ نے سہمہ پانہ کہا۔

”اب کیا۔۔۔ ہمیں جانا ہو گا۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“ محمود نے سہمہ پانہ کہا۔

”ہمیں کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنا ہو گی۔۔۔ اور میں یہ تیاری بڑی

ست کر کے چلا ہوں۔۔۔ کیونکہ اندیشہ اسی بات کا تھا کہ جنگی ہتھیار ہو گا۔“ یہ کہتے ہوئے منور علی خان مسکراتے بھی تھے۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ تیاری کر کے چلے ہیں۔“ مار

حیرت کے آصف نے کہا۔

”ہاں بالکل۔۔۔ آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے مار

برنائی کو بتا دیا تھا کہ وہ ہمارے لیے کیا کیا چیزیں تیار کروادیں۔“

ان کے بارے میں کبھی نہ وہ سب کچھ لائق سمجھتا تھا۔

”اب اسے سنا۔۔۔“ وہ بولے کیشاں کے ایک بھائی کو بھیجیں

یہ ایک جوتی ملے۔۔۔“ وہ بولے کہ ہم ان کو ملے کر بھیجیں گے

یہ بھی۔۔۔“ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس مسئلے میں تیار کر کے چلے

تھے۔۔۔ اس لیے انھوں نے بھیجیں گئے ہیں۔۔۔ ان چیزوں کے ساتھ

میں دیکھوں گے کہ کچھ کر چکنا ہو گا۔۔۔ جنگ میں ایسے ایسے وقت

ہو کر ان کو آدم خور درخت کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔“

”آدم خور درخت۔۔۔“ مار نے خوف کے ان منہ سے کہا۔

”ہاں! لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ان سے ہمیں

کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ اگر ہم ان کی شاخوں کی زد میں آجائے ہیں تو کچھ

جی۔۔۔ کچھ کام سے بھر اور بھی کئی قسم کے ہولناک درخت ہیں۔۔۔ میں

ساتھ ساتھ جاتا جاؤں گا اور خبردار کرتا جاؤں گا۔۔۔ اب پہلے ہمیں

نام لہاں پہننا ہوں گے۔۔۔ اور ان لوگوں کے لیے بھی لباس ساتھ لے

جائے چاہیں گے۔۔۔ تاکہ واپسی پر ہم آسانی سے آسکیں۔۔۔ وہ پچھتے ہی

کہہ رہے ہیں کہ ان کے پاس حفاظتی سامان نہیں ہے۔“

”آپ کا شکر یہ انھوں نے۔۔۔ اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو ہم تو کئی

”جنگ ہتھیار کو بھیج دیتے۔“ فرزانہ نے جذباتی آواز میں کہا۔

"اگر سے اسے تم میرا فکر یہ کیا کر رہی ہو۔ نکال دے  
یعنی کر۔" منور علی خان تھرا گئے اور سب لوگ اس کی کمر بستہ  
ہو گئے۔

اب ان سب نے لاٹ کے ایک کمرے میں اپنے سامان میں  
سے ہنگل کے لیے تیار کر کے لہاں لہاں لے لیے۔ ان لوگوں کی  
انہیں حفاظت کا ایک عجیب سا سامان تھا۔

"واقعی انگل! اب ہنگل میں ایسے ہی لہاں کی ضرورت تھی  
ایک بار پھر میں آپ کو۔"

"کسے خبر دار اگر اب تم نے شکر یہ کا غلط سے لگا کر اس  
علی خان نے گویا، مشکل دی۔"

"میں واقعی چلا ہواں گا۔" وہ مسکراتے۔

"اگر سے آپ اسے۔" انہوں نے آنکھیں پٹی ہیں۔

"لیکن انگل۔" دوسرے والا تو ابھی اس سے لگا نہیں تھا۔

"اچھا خیر۔" چاؤ۔ معاف کیا۔ انہوں نے گویا حاتم ولی آ

پچھے چھوڑ دیا۔

"اور چائیں کہاں انگل! اب تو ہمیں آپ کے ساتھ ہی جانا

ہے۔"

"اگر پھر ہم انہ کریں۔" انہوں نے کہا اور قدم آگے بڑھا دیا  
سب وہ سب ان کے پیچھے چلے گئے۔

اب ایک احتیاط کرنی ہے۔ اور وہ یہ کہ کوئی بھی مجھ سے  
بچ نہیں سکے گا۔ وہ انہاں میں اور بے خبری میں کسی بھی دولت  
وہ ہو سکتا ہے۔"

"اگر سے آپ اسے۔" درخت کا لقمہ۔" فاروق نے بولنا شروع کیا۔

"ہاں ہاں کہہ دو۔" یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"جی ہاں۔" ناول کا نام تو یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی کہانی

پر ضرور ہو سکتا ہے۔"

"تو ہے تم سے۔" آفتاب نے براہ راست بتایا۔

ایسے میں ان کی نظریں درختوں کا جائزہ لینے لگیں۔ وہ واقعی

ایک وٹریب تھے اور بلاشبہ یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ انہوں نے اس

تم کے درخت زندگی میں پہلے بھی نہیں دیکھے تھے۔

"حیرت ہے انگل۔" آپ کیسے ان جنگلوں میں ہو جیتے ہیں۔"

نہت کی آواز ابھری۔

"اس سوال کا جواب بہت ہی آسان ہے۔" منور علی خان

نکلے۔



”تم نے کبھی مارزن کی کہانی سنی ہے۔“

مکئی بہت سی کہانیاں پڑھنے میں آتی تھیں۔ اس کتاب سے میں نے  
کے موضوع پر بہت لکھا جاتا تھا اور پڑھا جاتا تھا۔ آپ نے یہ

”تم لوگ مجھے بھی ناراض نہیں کرو۔ مجھے چھپن میں ہی فکرس مر رہنا پڑا تھا۔“ انہوں نے بتایا۔

”تو کیا اٹھ... آپ کا بھی جہاز غراب ہو کر سی بٹل میں لیا تھا۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

یہ بات تو خیر نہیں لیکن ایسا ہوا تھا کہ میری والدہ نے  
 لیے ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئی تھی۔۔۔ میں اس وقت ان کی ہم  
 میں تھا۔۔۔ دراصل ان کے پیچھے کچھ دشمن لگے ہوئے تھے، وہ ان کی  
 جان لینا چاہتے تھے۔۔۔ اور غالباً ایسا جائیداد کی وجہ سے تھا۔ میری  
 والدہ کو اپنی جان سے زیادہ میری جان کی فکر تھی۔۔۔ وہ جانتی تھیں کہ  
 دشمن مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا، کیونکہ جائیداد کا اصل وارث تو میں  
 والدہ گھر سے تو کار پر بھاگی تھیں۔۔۔ اور بے تحاشہ رفتار سے ہار

لیکن جو کارہ پارلیمینٹ ہو گیا۔ جسے چاہوں اور نہ  
 چاہوں اس کے ساتھ ساتھ ہمیں جنگی قہر۔ اٹھیں اور تو کھڑے  
 رہیں۔ کچھ تو میں اٹھایا اور جنگ میں تھیں ہمیں یا تو وہ سائنس کے  
 لیے رہے تو ان کے منہ سے مارے حیات کے تھوڑے۔

اس کو دیکھ کر پروفیسر داد اور خان رحمان کی آوازیں بھی اٹھیں۔  
 گویا وہ بھی یہ کہانی پہلی بار سن رہے تھے اور اس کا مطلب یہ  
 تھا کہ مولیٰ خان کو بھی پہلی بار ہی یہ کہانی سنانے کا اتفاق ہوا تھا۔  
 پھر انھوں نے ہمارے بے چینی کے ٹکھن سے کہا۔

ابھی ا میری والدہ آگے ہی آگے بھاگتی چلی گئیں۔ وہ ہر  
جہت میں میری جان ان لوگوں سے بچانا چاہتی تھیں۔ اس لیے  
وہ تو اگر بھاگ رہی تھیں۔۔۔ انہیں نہ جنگل کا خوف تھا۔۔۔ نہ وہ لوگ  
جو خوف تھا تو ان ظالم لوگوں کا جو مجھے جان سے مار رہے تھے  
میں اور آفریقا اس حد تک جنگل میں اندھ چلی آئیں کہ دشمن وہاں تک  
نہ آ سکتے تھے۔۔۔ کیونکہ جنگل میں اب وہ نہ نظر آتے تھے  
نہ جانے کیوں۔۔۔ والدہ ان دندوں سے بھی نہ لڑیں۔۔۔  
انہوں نے آگے بڑھنے کا عمل جاری رکھا۔ وہ اس وقت تک بھاگے

میں جب تک کہ ان میں دم تھا۔ اور آخر تک کمر باندھ کر  
 اس رات میری والدہ نے مجھے سینے سے لگا کر جھل میں رکھ کر  
 عجیب ترین بات یہ تھی کہ جنگل کے کچھ اہلکار جن میں باغی اہلکار  
 بن مافس تھے۔۔۔ ہمارے آس پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے ہمیں  
 کچھ نہ کہا۔۔۔ یوں لگتا تھا۔۔۔ جیسے وہ ہمارے گھر میں بیٹھے ہوں۔۔۔  
 گسار ہوں۔۔۔ ہماری مدد کرنا چاہتے ہوں۔۔۔ اور یوں لگتا تھا جیسے  
 تعالیٰ نے انہیں سمجھ بھلا فرما دی ہے۔۔۔ انہیں ہدایت دے دی ہیں۔  
 ان دونوں کی حفاظت کرنی ہے۔۔۔ اور بات ہے بھی نہیں۔ اللہ تو  
 جب حفاظت کرانے پر آئیں تو دشمن سے بھی حفاظت کرا دیتے ہیں۔  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال سامنے ہے، فرعون آپ کو قتل کرا دینا  
 چاہتا تھا۔۔۔ لیکن پوری کوشش کے باوجود ایسا نہ کر سکا۔۔۔ آخر موسیٰ علیہ  
 السلام کا تعاقب کرتا دریا میں غرق ہو گیا۔۔۔ ایسی اور بھی بہت سی  
 مثالیں موجود ہیں۔۔۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بھائی  
 جنگل میں راستہ بھول گئے تھے۔۔۔ ایک شیر آیا اور اس نے انہیں اڑھائی  
 کیا کہ میری پیٹھ پر بیٹھ جائیں۔۔۔ وہ صحابی شیر کی کمر پر بیٹھ گئے۔  
 وہ شیر انہیں کمر پر بٹھائے جنگل کے کنارے تک لے آیا۔۔۔ اب  
 دیکھیں، شیر کا کام تو چر چار والا ہے۔۔۔ لیکن اس نے انہیں

میں نہ کہا۔۔۔ ابھی اور بہت سی مثالیں ہیں۔۔۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ جنگل  
 کے اہلکار۔۔۔ اہلکار اور گھر آکر بیٹھ گئے۔ ایسے میں رات کے آخر  
 میں میری والدہ کی طبیعت غراب ہو گئی۔۔۔ اور وہ اللہ کو بخاری ہو گئیں  
 اب میں تھا بچہ۔۔۔ والدہ چیتا بچہ۔۔۔ جس کو جانور نہ جانتے تھیں  
 کہ اس سے میرے لیے خوراک کا انتظام کرتے رہے۔۔۔ میرے منہ میں  
 وہ غیرہ نکالتے رہے۔۔۔ بس میں بھی بالکل نامزدن کی طرح جنگل  
 میں پناہ لے رہا تھا۔۔۔ یہ ہے میری کہانی۔۔۔  
 "حضرت انگیز جنگل۔۔۔ بہت حیرت انگیز۔۔۔ اور اس پر مزید  
 بحث ہے کہ آپ نے اپنی یہ کہانی زندگی میں پہلی بار سنا ہے  
 میں اس کہانی کا کوئی علم نہیں تھا۔"  
 "خیر۔۔۔ آج تو ہو گیا نا۔" وہ ہنسے۔  
 "بالکل۔۔۔ اب معلوم ہوا کہ آپ کو جنگلوں سے اتنی واقفیت کیسے  
 ہے۔ اور آپ کو جنگل کے دہندوں سے دار کیوں نہیں لگتا۔" گھوڑے نے  
 کہا۔  
 "چلو۔۔۔ شکر ہے تم لوگوں کو پتا تو چلا۔"  
 "لیکن منہ دہلی خان۔۔۔ وہ بات تو اس جنگل کی تھی۔۔۔ جنگل  
 نہیں۔۔۔ نہ یہاں کے دہندے وہ ہیں۔" پھر فیسر گھوڑے نے کہا۔



اپنی ان باتوں سے تو ہم بہت یوں گے۔ ان دنوں کے  
پہلے میں ساتھ ساتھ دوستوں کے بارے میں بھی غلامیوں

میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں  
میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں

میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں  
میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں

میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں  
میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں

میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں  
میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں

میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں  
میں رہیں۔ ان دنوں کے بارے میں غلامیوں کے بارے میں

اپنی ایک

اپنی ایک دوست اور دشمن میں فوراً تیز کر بیٹھیں۔  
کیا وہ چیز جس میں اس قدر تیز کر بیٹھیں۔  
کہ جانور۔ بس اس وقت درندوں نے اور دوسرے جانوروں نے  
یہی محسوس کیا کہ یہ ہمارا دوست ہے اور میں تو خدا بھی باکس پر  
ان میں چلنے لگا۔ لیکن پھر جلد ہی کچھ شکاریوں نے مجھے ان جنگل سے  
نکال لے گئے۔ انہوں نے پڑھایا لکھایا، میں برا ہوا تو انہوں نے  
محبت میرے اندر رچی رہی ہوئی تھی۔ بس شکاریوں نے مجھ کو  
تک بندھا، بن مانس یا باقی کو میں نے نہیں مارا جب تک کہ یہاں  
پر نہ بن آئے۔ اس طرح زندگی جنگل میں گزری، اس لیے  
کے درندوں، درختوں اور دوسری چیزوں سے واقف ہوتا چلا گیا۔  
"اب بات مکمل سمجھ میں آئی۔" فرحت کی آواز گونجی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اس سفر میں ضرورت کی تمام چیزیں میں پہلے ہی یاد کر رہا  
ہوں۔ اس لہاج کے ذریعے ہم بہت حد تک محفوظ رہیں گے۔ ان  
کے علاوہ ہمارے پاس مختلف قسم کے ہتھیار ہیں۔ ان میں  
ہیں ہی۔ گولہ بارود بھی ہے۔ پروفیسر صاحب کے ہتھیار

آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! درختوں سے جنگ... کیونکہ یہ گوشت خور درخت پر ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... گوشت کھانا پسند کرتے ہیں۔“

”لیکن کن کا... جانوروں کا یا انسان کا۔“

”جو جان دار بھی ان کی زور میں آجائیں... بس یہ اس کو ہت کر جاتے ہیں... کوئی انسان یا جانور جو ان کے نزدیک بچھتا ہے... ان درختوں کی شاخیں لپٹ جاتی ہیں اور اسے اس طرح بجا بیٹھ جاتا ہے کہ پھر وہ لاکھ زور لگائے... ان سے بچ نہیں سکتا... ہاں کوئی اور انسان کھوار سے ان شاخوں کا کاٹ دے تو اسے نہایت ہی ملتی ہے... لیکن اس وقت تک درخت اس کا گوشت جگ جگ سے کھا چکا ہوتا ہے۔“

”ارے باپ رے... یہ درخت تو پھر بہت زیادہ خطرناک ہیں۔“

”انتہائی خطرناک... اب ہم سب کو چاہیے کہ کھواریں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔“

انہوں نے سامان سے کھواریں نکال لیں... یہ کھواریں باقیہ

ان میں تھیں... انہوں نے کھانوں سے بھی ان کو نکال لیا اور انہیں اپنے رہائے کی جگہیں یاد آئیں... یہ کھواریں سے لڑی جاتی تھیں... اب انہوں نے درختوں کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا... تاکہ ان کی جگہ چلی کر سکیں... جہاں سے وہ گزر سکیں... لیکن دور دور تک ان کی کوئی جگہ نظر نہ آئی... اب وہ ایک ہی سیدھ میں توپوں میں سے آگ سے بچ رہے تھے... انہیں اس سمت کا بھی خیال رکھنا تھا... جس سمت سے انہیں کھران مرزا اور انہیں ہمیشہ کی آواز آتی تھی۔

”اب ایک ہی عمل ہے دوستو۔“

”اور وہ کیا۔“

”کھواریں سے شاخیں کاٹنے کا کام کرنا ہو گا... اور یہ کام تمام میں ہو گا۔“

”لیکن مجبوری ہے، کرنا ہو گا۔“ خان رحمان نے کہا۔

”ہاں! میں نے ایک جگہ نوٹ کی بھی... اس جگہ صرف وہ درختوں کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی ہے... ان سے آگے کا راستہ صاف ہے... اور ہم صرف وہیں سے اپنی اس مہم کا آغاز کر سکتے ہیں۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“



اب وہ شاخ خان دھان یا منور علی خان کی طرف بڑھ کر آئی۔  
 اچھے سے وہ اس پر گھولیں دے مارتے۔ اس طرح انہیں مارنے لگی  
 وہ اپنی کمر کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ منور علی خان کو کچھ چڑا  
 یہ زیادہ بہتر ہے۔ اب ہمیں بے فکری ہو گئی۔ لیکن تم  
 وہاں ہی بیچھے والے نظر رکھیں۔ کہیں ہمیں پہچانے کے لیے تم لیڈ  
 میں نہ آ جاؤ۔

”نہیک ہے اکل! آپ فکر نہ کریں۔“  
 ایسے میں فرحت کی چیخ فضا میں گونج گئی۔ وہ گھبرا اٹھے۔

☆☆☆☆

اب وہ واپس چلے اور اس جگہ پہنچے۔ اس جگہ فوج سے دلچسپی  
 انہوں نے جان لیا کہ واقعی وہاں صرف دو درخت آپس میں شے غور  
 تھے۔ منور علی خان اور خان دھان تلواریں لیے آگے بڑھے۔  
 ”باقی لوگ پیچھے ہی رہیں۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”جی اچھا۔“

دونوں آپس میں ملی ہوئی شاخوں پر تلواریں بڑھانے لگے۔  
 شاخیں کٹنے لگیں۔  
 ”اور یہ کئی ہوئی شاخیں اکل۔ یہ تو خطرناک نہیں ہیں۔“  
 ”نہیں!“

شاخیں تیزی سے کٹ رہی تھیں۔ لیکن ساتھ میں انہیں ہوا  
 محسوس ہو رہا تھا جیسے شاخیں ان دونوں کو اپنا پسینہ میں لینے کے لیے  
 بہت بے چین ہوں اور پوری پوری کوشش کر رہی ہوں۔  
 ”یہ معاملہ خطرناک ہے۔ ہم لوگ کھڑے نہیں رہ سکتے۔“  
 شاخوں پر نظر رکھ کر آگے بڑھنا ہو گا۔ محمود نے کہا۔  
 ”اچھی بات ہے۔ لیکن صرف میں اور تم چلتے ہیں۔ باقی  
 لوگ ابھی الگ ہی رہیں۔“  
 ”نہیک ہے۔“ انہوں نے سر ہلا دیے۔

## آواز کا جواب

انہوں نے دیکھا، ایک بہت لمبی شاخ فرحت کے کندھے تک پہنچ گئی تھی اور اس کے کندھے سے بری طرح پھٹ چکی تھی۔ پس ہم وہ چلائی۔ ادھر محمود نے تلوار چلا دی۔ شاخ فوراً کٹ گئی۔ اور ساتھ ہی اس کا اگلا حصہ فرحت کے کندھے سے الگ ہو گیا۔

”آف خدا! اس نے تو اتنی سی دیر میں میری گویا جان ہی ڈال دی تھی۔“ فرحت نے مارے خوف کے کہا۔

”فرحت کی طرف سب کے سب متوجہ نہ ہو جائیں۔“ منور علی خان گرجے۔

وہ چونک اٹھے۔۔۔ کیونکہ ان کے بے دھیان ہونے کی صورت میں کسی بھی درخت کی شاخیں ان میں سے کسی کو بھی لپٹ میں لے سکتی تھیں۔۔۔ باقی سب لوگ درختوں کی طرف متوجہ ہو گئے جب کہ فرزان نے فرحت کے کندھے کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ اتنے پیچھے ہٹا کہ ایک

دھڑکنے لگی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کچھ ہوا ہے۔ ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور ان کے کمرے میں ہلچل مچ گئی۔ انہوں نے فوراً اس کمرے کا دروازہ کھولا۔ منور علی خان پہلے ہی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ کہہ رہے تھے۔

”تم ابھی ادھر ہی بیٹھو۔“ وہب تک راستہ صاف نہ ہو سکتا تھا۔

”میں نے ابھی اتنی ہی رشتی نہیں۔“

”اب میں ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں

”ایک بار ہر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی۔ ایسے میں



منور علی خان نے کیا ہے، اس کے لحاظ سے قدرے قریب کی گلی ہے۔  
 لیکن اگر وہیں پہلی طرف آنا شروع کیا جاتا تو اس وقت تک  
 وہ بہت نزدیک آچکی ہوتی۔" منور علی خان نے یقین بھرے لہجے میں

کہا۔ "پہلے ٹھیک انگل۔" فرزاد نے فوراً کہا۔

"ابھی بات ہے۔۔۔ اللہ مالک ہے۔۔۔ ہمارا سفر جاری ہے۔  
 وہ ان شاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ہم ان تک  
 نہیں پہنچ جاتے۔" پروفیسر داؤد نے جذباتی آواز میں کہا۔

"اور ہم ایک اور قسم کے خوفناک درختوں کے پاس پہنچنے والے  
 ہیں۔" منور علی خان نے گویا خوف کے عالم میں کہا۔

سب نے ہلکے کر ان کی طرف دیکھا۔

"اب کون سے درخت آگے ہمارے راستے میں ہیں۔"

"یہ پودے درخت تو نہیں۔۔۔ بڑے بڑے پودے ہیں۔ انکس

سکڑک کو کو مر کہا جاتا ہے۔۔۔ یہ جو سامنے نظر آ رہے ہیں۔ یہ ایا کا  
 بہت اتریں پودا ہے۔۔۔ کوئی شخص اگر اسے ہاتھ لگا دے تو اس میں  
 سے زہریلے مادے کی پھوار اس شخص پر گرتی ہے۔ اور انسان آن کی

آن میں مر جاتا ہے۔"

منور علی خان نے حلق سے وہ خاص قسم کی آواز نکالی۔ آواز  
 اگرچہ کسی جانور کی آواز جیسی تھی۔ لیکن انیسٹر جوشید اور انیسٹر جوشید  
 مرزا اس آواز کو پہچانتے تھے۔ فوراً ہی دوسری طرف سے آواز  
 جواب آ گیا۔

"اللہ کا شکر ہے۔۔۔ ہم درست سمت جا رہے ہیں اور وہاں  
 بھی خیریت سے ہیں۔" فرزاد نے فوراً کہا۔

"خیریت سے تو خیر نہیں ہیں۔" منور علی خان بڑبڑائے۔  
 "جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ اگر وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہیں  
 تو خیریت سے کیوں نہیں ہیں بھلا۔" اشفاق نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر خیریت سے ہوتے تو کب کے ہماری طرف چل پڑے  
 ہوتے۔"

"اور یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہماری طرف روانہ نہیں ہو  
 سکے۔" آفتاب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آواز سے۔۔۔ آواز اب بھی اسی فاصلے سے آئی ہے۔ ہم

"اور سے باپ سے۔" ان کے منہ سے مار سے خوف کے الفاظ۔  
 "لیکن یہ ہے کہ جب تک ہم اسے نہیں چھوڑتے، اس وقت تک  
 یہ بے ضرر ہے۔" انہوں نے بتایا۔  
 "بس تو پھر ہم اس سے بچ کر اٹھ جاتے ہیں۔"

"ہاں! بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ خود کو سمیٹ کر  
 نکال لے جانا ہو گا۔ کیونکہ جو بھی کوئی جسم اسے چھو لے گا  
 اس سے پھوار شروع ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم سے تو سب احتیاطی  
 کی نہیں۔ آپ یہ بتائیں۔ ان کی شاخیں خود سے تو ہماری طرف  
 نہیں بڑھیں گی۔"

"نہیں! ان میں یہ بات نہیں۔"

ایک بار پھر ان کا سفر شروع ہوا۔ اس مرتبہ انہیں بہت آہستہ  
 آہستہ آگے بڑھنا پڑا۔ وہ ایک لائن میں آگے بڑھ رہے تھے اور  
 منور علی خان ان سب سے آگے تھے۔ آخر کار یہ مرحلہ بھی خیرا خوبی  
 سے طے ہو گیا۔ اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"کیا خیال ہے اٹھل۔ اب تو ہمارے راستے میں کوئی خطرہ  
 درست یا پودے نہیں آئیں گے۔"

پتہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہمارا کام ہے آگے بڑھنا۔  
 "یہ ہے۔"

"اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔ میں یہیں ٹھہر جاتا ہوں  
 تم لوگ آگے چلے جاؤ۔" وہی پر مجھے یہاں سے ساتھ لے لیا۔  
 "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" خان رحمان نے۔

"جب پھر کیا ہو سکتا ہے۔"  
 "آپ میرے کندھے پر بیٹھ جائیں۔" خان رحمان نے کہا۔  
 "نہ انپیکر جوشید نہیں ہو۔"

"لیکن آپ کو کندھے پر تو اٹھا ہی سکتا ہوں۔"  
 "کیوں نہ ہم کچھ دیر آرام کر لیں۔ اس طرح مجھ میں پھر سے  
 بے گی ہٹ پیدا ہو جائے گی۔" انہوں نے کہا۔

"یہ تو جانتے گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ سورن لمبوہ  
 ہوتے ہیں اب زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور اس قدر خطرہ کہ جنگل کی  
 بات اور زیادہ ہولناک ہوتی ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں۔ ہم سب  
 فوری طور پر چلے ان تک پہنچ جائیں۔"



”کیا آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ابھی اور کتنا سفر باقی ہے؟“  
”ان کی آواز سن کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میں آواز لگاؤ ہوں۔“

منور علی خان نے حلق سے آواز نکالی۔ فوراً ہی جواب دیا  
جواب سن کر انہوں نے پر جوش انداز میں کہا۔  
”میرے خیال میں تو اب ہم صرف چھوڑ منٹ کے فاصلے پر ہیں۔“

”بس تو پھر پروفیسر اٹکل۔ اتنی ہمت تو کر ہی لیں گے۔“  
”ہاں ہاں! کیوں نہیں۔“

اور وہ پھر چل پڑے۔ آخر گرتے پڑتے انہوں نے چھوڑ  
منٹ کا یہ سفر بھی طے کر ہی لیا۔ عین اس وقت انہیں دھول کی دھند  
سنائی دینے لگی۔

”ارے باپ رستے۔“ منور علی خان نے مارے خوف کے کہا۔  
”کک۔ کیا ہوا۔“

”یہ۔ یہ آدم خور ہیں۔ جو دھول بجا رہے ہیں اور آج ہاتھ  
چاند کی تیرہ تاریخ ہے۔ تیرہ تاریخ کو یہ لوگ انسانی قربانی دیا کرتے  
ہیں اور قربانی کے بعد اس کا گوشت کھانے کا جشن منایا کرتے ہیں۔“

”میں کی بات سن رہی ہے۔“  
”جی ہاں۔“

”اب اسٹیکر جیش اور اسٹیکر کامران مرزا انہی لوگوں کے جیش  
ہیں۔ وہ کس طرح ان کے قلاب میں آ گئے۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں  
تھی۔“  
”جی جی ہے سنی بات۔“  
”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”اب درست صورت حال معلوم کرنے کے لیے ہمیں آگے بڑھنا  
پڑے گا۔ اب ہم اپنی جانوں کی پروا نہیں کریں گے۔ ان کی جانیں  
پانے کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔“ خان رحمان۔ تم  
اب میں اسلحہ تقسیم کرو۔ اب ان کی کمان تمہارے ہاتھوں میں ہے۔“  
”فکر نہ کرو۔“

انہوں نے جلدی جلدی اسلحہ لے لیا۔ گولہ بارود بھی لے لیا گیا  
اور پروفیسر دادا نے اپنی چتریں جیبوں میں ڈال لیں۔ اب وہ  
دھند کی آٹ لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ کیونکہ بہت ہی تھا کہ  
آدم خوروں کو ان کی آمد کا پتا نہ چل سکے۔ ایک ایک دھند کرتے  
”آگے سرکتے رہے۔ ابھی تک تو خود انہیں بھی کوئی نظر نہیں آیا تھا  
۔ اللہ دھول کی آواز ضرور نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھی۔“

## گھوڑے سوار

اللہ ان کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ جو نبی کو اللہ قسم ہوئے۔  
دلوں نے پھر سے اچھلتا کودنا شروع کر دیا تھا۔ ایک بار پھر جنگ  
کی آوازیں سے گونجنے لگی، بٹنے لگی۔ کان پڑی آواز سنائی دیتی  
تھی۔ ایسے میں منور علی خان نے کہا۔

”بچے کھڑے رہ کر ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا اور ہم کچھ بھی  
دیکھ کر نہیں سکتے۔ ہمیں درختوں پر چڑھنا ہوگا۔ چونکہ یہ جنگی یہاں  
ہے ہیں، اس لیے یہ درخت خطرناک نہیں ہو سکتے۔ ورنہ یہ یہاں  
رہیں نہ پاتے۔“

”یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”وہ آں پاس کے درختوں پر چڑھ گئے۔ ایک ایک آدمی ایک

ایک درخت پر چڑھ گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔  
آہ۔۔۔ جنگ شروع ہو گئی تھی۔

مفت بعد انہیں احساس ہوا کہ آگے نہیں آگے کا وقت نہیں آگیا ہے۔  
کیونکہ حملوں کی وجہ سے جو روشنی ہو رہی تھی۔ اس کا  
دور دور تک محسوس ہو رہا تھا اور یہ اثر ان تک بھی پہنچ رہا تھا۔ ان کے  
دل اب زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ اور پھر آگ کے آواز آ رہے تھے۔  
والا حصہ انہیں نظر آنے لگا۔ جوں جوں وہ آگ کے آواز آ رہے تھے۔  
آگ نزدیک آتی جا رہی تھی۔ پھر انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ انہیں  
اچھلتا کودتا نظر آ گیا۔ وہ بے تحاشہ اچھلتے رہتے تھے۔ گوربت تھے  
اور کچھ گاربت تھے۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا گاربت ہیں اگل۔“

”میں بھی ان کی زبان نہیں جانتا۔۔۔ اندازہ لگا سکتا ہوں۔  
خوش ہو رہے ہیں کہ شکار مل گیا۔۔۔ اور اب مجھے اس میں کوئی شک نہیں  
کہ یہ اس جشن میں ہمارے ساتھیوں کو آگ میں بھون کر کھائے گا۔ ہنسی  
منار ہے ہیں۔“

”نہن۔۔۔ نہیں۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

پھر ایک لخت ڈھول کی آواز رگ گئی۔۔۔ اور پورے جنگی میں ہونے

کا سناٹا چھا گیا۔۔۔ مین اس لمحے کوئی بہت خوفناک آواز میں بولا تھا۔

☆☆☆☆☆



انہوں نے دیکھا۔ تمام جنگلی ایک بہت بڑے دائرے کی طرح پھیل کر رہے تھے اس دائرے کے درمیان میں آگ کا آواز نہ تھا۔ اس آگ کے آواز کے پاس ایک بہت اونچا چبوترے پر انہیں دو نو جوان لڑکیاں ایک ستون سے بندھی نظر آئیں۔ یہ دو لڑکیاں۔ اتنی تو نہیں۔ جہاز ہل ہوئیں۔ "فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہ وہی ہیں۔ لیکن اب جان اور انکل نظر نہیں آ رہے۔ نہ پائلٹ نظر آ رہے ہیں۔"

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔"

ایسے میں شور یک دم بہت بڑھ گیا۔ اور پھر دائرے میں سے ایک راستہ بنتا نظر آیا۔ پھر دو آدمی زنجیروں سے جکڑے نظر آئے۔ انہیں آواز کی طرف لایا جا رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا۔ وہ دونوں جنگلی تھے۔

"یہ اس طیارے کے پائلٹ ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ اب اب جان اور انکل کو بھی لایا جائے گا۔" محمود کی آواز ابھری۔

ان دونوں کو بھی چبوترے پر لایا گیا۔ اور ایک اور ستون سے

ایک بار پھر ان کا آواز شروع ہو گیا۔ چبوترے تک پہنچ کر ان کی طرح اپنے رہے۔ اس کے بعد ایک بار پھر بے حد اونچے اونچے چبوترے میں پھر راستہ بنایا گیا۔ اور انہوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو آتے دیکھا۔ انہیں دیکھ کر گویا ان کی جان میں جان بکری۔ ایسے میں خان دھماکا نے کہا۔

"دوستو! تیار ہو جاؤ۔۔۔ سب سے پہلے ان کے سردار کو نکال دیا جائے گا۔ سردار کے مارے جاتے ہی یہ لومڑیاں کی طرح بھاگیں گے۔"

"ان شاء اللہ۔"

انہوں نے رائفلیں تان لیں۔ اور انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر عمران مرزا کو بھی اب ستون سے باندھا جا رہا تھا۔ اس چبوترے پر دونوں کے ستون اسی لیے گاڑے گئے تھے۔ یہ اس پر اپنا فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر ان سب سے لمبا تر جنگلی چبوترے پر چڑھتا نظر آیا۔ اس کے سر پر پروں کا ایک خوفناک تاج تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اٹھا کر جنگلیوں کو کوئی اشارہ دیا۔ دو یک دم اچھل کود سے رگڑ گئے اور خاموش بھی ہو گئے۔ اب جنگلی ان کے سامنے گویا تقریر کر رہے

جلدی کہا۔  
 انہوں نے اللہ کو یاد کیا۔ بسم اللہ کہتے ہوئے فارمکل روای  
 ہمارا چل کر چوتھے سے نیچے گرا۔ چوتھے کے آس پاس کے  
 دل بھی اچھل اچھل کر گرے اور کئی تو آگ میں جا گرے۔۔۔  
 انہیں بھی بہت خوفناک اور طاقت ور ترین تھیں۔ ان کی تعدادیں  
 بت ہو لگات تھیں۔ جنگیوں پر تو ایسا خوف طاری ہوا کہ سر پر ہی رکھ  
 کر بیڑوں کی طرح بھاگے۔ اور انہوں نے فائرنگ جاری رکھی اور  
 جگہ اچھل اچھل کر گرتے چلے گئے۔ ان کی لاشوں پر لاشیں گرتی چلی  
 گئیں۔ ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ  
 دیکھا کہ کس پر کیا گزری۔۔۔ چند منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف تھا  
 اور ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔۔۔

”سب کے سب درختوں سے نہیں اتریں گے۔ ان لاشوں پر  
 غم رکھنے کے لیے میں اوپر ہی ٹھہروں گا اور پروفیسر صاحب بھی۔  
 باقی لوگ نیچے اتر جائیں اور اپنے ساتھیوں کو زخمیوں سے آزاد کر  
 دیں۔“ منور علی خان کی آواز گونجی۔

”جی اچھا“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
 اور پھر وہ چوتھے کی طرف دوڑ پڑے۔ ساتھ ہی وہ بھاگے۔

وہ غریب انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔۔۔ بہت جلدی کے عالم میں  
 کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری بھر کم ہوا تھا۔  
 بار اس نیزے سے ان چھ قیدیوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔  
 ”یہ اپنے بھالے کے ذریعے ان چھ کے چھ کے جسموں کو پیچ  
 دینے کی بات کر رہا ہے۔۔۔ کہہ رہا ہے۔۔۔ پہلے میں ان دونوں کو پیچ  
 کو ان کے سامنے بھالے ماروں گا۔ پھر ان چاروں کو۔۔۔ اس کے  
 بعد انہیں آگ پر بھون کر میں اپنا حصہ کھاؤں گا۔۔۔ باقی تم لوگوں کا  
 تم میں سے جس کے ہتھے میں جو آیا۔۔۔ وہ تمہارا۔۔۔ میں اس سلسلے میں  
 کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ ہاں بس تک میں اپنا حصہ نہیں کھاؤں گا۔۔۔ اس  
 وقت تک تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر رہو گے۔“

سب نے نیزے اور بھالے اٹھا اٹھا کر اور شور مچا کر فوٹی کا  
 اظہار کیا۔ گویا سب کو سردار کی بات پسند آئی تھی۔  
 ”ہمیں اب اور انتظار نہیں کرنا چاہیے۔“ خان رحمان نے بے  
 چین ہوا کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ بسم اللہ کرو۔۔۔ میں سردار کو نشانہ بنارہا ہوں۔  
 باقی سب چوتھے کے آس پاس کے لوگوں کو نشانہ بنائیں۔ اور فائر  
 کریں۔۔۔ ہمارے پاس اسلحہ بہت ہے۔۔۔“ منور علی خان نے جلدی



360  
 "ہم آرہے ہیں۔۔۔ گھر آئیے گا۔۔۔"

"ارے نہیں بھی۔۔۔ ہم کیوں لگے گھر آئے۔۔۔ ہاں ان چاروں کے لیے ضرور بہت پتا ہے۔۔۔ اور اس وقت تک ہم ان دراصل انہی بے چاروں کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ اگر صرف یہ دونوں ان کی قید میں ہوتے تو کسی نہ کسی طرح نکل گئے تھے۔"

"اوہ۔۔۔ ان کے منہ سے نکلا۔"

مرنے والوں کے ہتھیار چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔۔۔ ان میں کلباڑے بھی تھے۔۔۔ انہوں نے کلباڑوں کی مدد سے زنجیریں کاٹ دیں۔۔۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ دونوں پاکٹ اور دونوں ایر ہوٹیس مکمل طور پر بے ہوش تھے۔

"ان پر پانی ڈالا جائے۔۔۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

چھینٹے دینے پر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا ہم دوسری دنیا میں ہیں۔"

"جی نہیں۔۔۔ فی الحال آپ اسی دنیا میں ہیں۔۔۔ چاروں طرف دیکھیے۔۔۔ کتنے جنگلی مرے پڑے ہیں۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے ہم کھوٹے رہے ہیں۔"

رہے ہیں۔

"اور۔۔۔ جلیں یہ سب کیسے ہوا۔"

"یہ انہوں نے سچی ہماری مدد کو پہنچ گئے تھے۔۔۔ بس انہوں نے ان کے ہی ہاتھ شروع کر دی۔۔۔ اور ہندول جنگلی سرگرم ہو کر جان لگے۔"

"مطلب۔۔۔ یہ کہ۔۔۔ ہماری جانیں بچ گئیں۔۔۔ وہ بچا لے۔"

"ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔"

"یقین نہیں آ رہا۔"

"وہ بعد میں آتا رہے گا، فی الحال تو ہمیں جنگ کی تیاری کرنی ہے۔۔۔ یہ کہ جنگی جمع ہو کر پھر ادھر آئیں گے۔"

"اور ہم یہاں رکھیں گے کیوں۔۔۔ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں نہ کریں۔" خان رحمان نے کہا۔

"خان رحمان! میرے دوست! یہ اتنا آسان نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکراتے۔

"کیا مطلب۔۔۔ آسان کیوں نہیں۔۔۔ وہ سیدھے اس طرف آئیں گے۔۔۔ ہم یہاں سے کئی کترا کر نکل جاتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ ہم یہی کریں گے۔۔۔ لیکن ہو گا کیا۔۔۔ یہ سچا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

”کیا ہوگا؟“ ایک ایر ہوشی نے کہا۔

”جنگی ہزاروں ہیں۔ وہ پوسٹ ہنگل میں نہیں جاتے۔ پھریں گے اور آن کی آن میں چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ کب تک دوڑ سکیں گے۔“

”اوہ۔۔۔ تب پھر۔۔۔“

”بہیں ان سے جنگ کرنا ہوگی۔ انہیں مکمل شکست دینا ہوگی۔ یہاں تک کہ سب کے سب جنگی ہتھیار پھینک دیں۔“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ یہ کیسے ہو سکے گا۔“

”بہیں جنگ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔۔۔ ہمارے ہاتھ جنگ کے ماہرین موجود ہیں۔ ہم ان کی کمان میں لڑیں گے۔ جو کہیں گے۔ ہم وہ کریں گے۔ آپ سمجھ گئے۔“

”جی ہاں“ چاروں نے کہا۔

”خان رحمان۔۔۔ منور علی خان۔۔۔ فوراً حرکت میں آجائے۔ ہمارے پاس تیاری کے لیے وقت بہت کم ہے۔“ انسپکٹر کامران نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“

اور پھر خان رحمان اور منور علی خان انہیں وہاں سے ایک سڑک میں لے آئے۔ انہوں نے ان سب کو ایک ایک درخت پر مقرر کر دیا۔

سب ہر ایک کے پاس ایک رائفل تھی۔ تیر۔ تیرے اور بھائے اور بھائی۔۔۔ اور بھائے انہوں نے شاخوں میں اس طرح چھپ کر ایک کھدوت بنائے کہ ان کو آسانی سے گال سکیں۔ اور ان میں لائیں۔

خان رحمان نے جلد ہی ان چاروں کو جس فائرنگ کرنا تھا، ان کے ہاتھ میں بندھانے کی تو ضرورت تھی ہی نہیں۔ کیونکہ جنگی تو یہ بھی کی شکل میں آنے والے تھے۔۔۔ ان کی طرف تو بس رائفل کر کے لیٹ کر رہنا تھا۔ ویسے پائلٹ اور ایر ہوشس کسی حد تک فائرنگ کرنا جانتے تھے۔ موت کے منہ سے نکل آنے پر وہ بولیں بھی بہت بڑی تھیں اور پڑھیں بھی۔

”ہم لوگ اس وقت ایسی جگہ پر ہیں کہ جنگی اس طرف نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ سیدھے اس طرف جائیں گے جس طرف سے ہم آئے ہیں۔ ہم نہایت خاموشی سے درختوں پر دبکے رہیں گے۔“

جس تک کہ وہ تلاش کر کے تھک ہار کر واپس آجائیں گے اور جب وہ واپس آجائیں گے تو بے حاشہ تھکے ہوئے ہوں گے اور اپنا جھینڈا اس میں بے دم ہر کر گر چیں گے۔ پھر صبح ہونے پر ہماری تلاش میں آئیں گے۔ اگر ہم نے جنگل سے نکلنے کی کوشش کی تو وہ ہم تک نہ آجائیں گے۔



کے۔ کیونکہ وہ اس جنگل میں رہنے کے ماہر ہیں۔ ہم نہیں۔  
 لیے میں نے سوچا ہے۔ ہم ان پر شب خون ماریں گے اور ان کی  
 ترکیب انوکھی ہوگی۔ منور علی خان کہتے چلے گئے۔  
 کیا مطلب انکل؟ کئی آوازیں ابھریں۔  
 یہ لوگ کئی کھنٹے تک اچھلے کودتے ہیں۔ پھر ہماری تلاش نے

انہیں اور زیادہ تھکا دیا ہے۔ اس لیے یہ سب سوت ہو کر سو جائیں گے۔  
 یہ خیال کر کے کہ یہ ہمیں صبح اٹھ کر پکڑ لیں گے۔ ہم چکر جائیں  
 گے کہاں۔ وہ یہ اطمینان لے کر سو جائیں گے۔ بس ہم نیچے اتر کر  
 ان کے ہتھیار سمیٹ لیں گے۔

کیا!!!! مارے حیرت اور خوف کے ان چاروں کے منہ سے  
 نکلا۔

ہمیں یہ کام رات بھر کرنا ہو گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ  
 نہیں۔

منور علی خان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ یہ کام  
 کر لیں گے۔ اس طرح جنگلی ہتھیارے رہ جائیں گے۔ اسی وقت منور علی  
 خان ان سے بات چیت کریں گے۔ اگر یہ لوگ نہ مانے تو ہم انہیں  
 اڑا کر رکھ دیں گے۔

مانتے تھے آپ کی کیا مراد۔ یہ آدم خود ہیں۔  
 جان بھر رہی ہیں انسان۔ اگر یہ قوبہ کر لیں۔ تو انہیں چھوڑ

دیتا ہے۔  
 اس طرح یہ دھوکا دے سکتے ہیں۔  
 ہاں اس بات کا امکان ہے۔ لیکن ہم ان کے ہتھیار اسی  
 پکڑائیں گے۔ یہ ان کو پھر حاصل نہیں کر سکیں گے۔  
 ٹھیک ہے۔ ایسا کر لیتے ہیں۔

اور پھر وہ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ آخر نصف رات  
 کے وقت ان کی واپسی شروع ہوئی۔ وہ درختوں کی اوٹ لے لے کر  
 بہ اضافہ سے آگے آرہے تھے۔ گویا ان کی طرف سے وہ بہت  
 خوفزدہ تھے۔ اور چوری چھپے آرہے تھے۔ اس خیال کے تحت کہ  
 لوگ ان کی تاک میں ہوں گے۔ اور پھر ان کی ایک بڑی تعداد  
 پہنچنے کے آس پاس جمع ہو گئی۔ اس تعداد میں لمحہ پہ لمحہ اضافہ ہو رہا  
 تھا۔ انہوں نے ان لوگوں کو ہر طرف تلاش کیا۔ آخر تمک ہار کر  
 اپنے ٹیموں کا رخ کیا۔ اس وقت تک وہ درختوں پر دھکے رہے تھے  
 ۔ انہوں نے آوازیں نکال نکال کر اپنے ساتھیوں کو بھی پیغام دے دیا  
 تھا کہ واپس آسکتے ہیں۔ اب یہاں کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔ اس طرح

وہاں ایسے مسے ہے۔۔۔ کیس اسی کی صورت میں عارضی ہے۔  
اور ان کے نزدیک جا کر اس پرے کرنا ہو گا۔

اب ہم یہ مصیبت کیوں مول لیں۔۔۔ بس اس پرے مٹیں تیار  
جہاں کوئی جانتا نظر آئے۔۔۔ اسی پر اس پرے کر دیں۔۔۔ ہم  
یہ ایک رو تو یوں بھی رائیسیں تا میں تیار کھڑے ہوں گے۔۔۔ خطرے  
کی صورت میں۔۔۔ فائرنگ کر سکتے ہیں۔۔۔

”بس ٹھیک ہے۔۔۔“ انسپکٹر جمشید نے گویا منظوری دی۔

اب پھر وہ سب اس کام میں جٹ گئے۔۔۔ خان زمان مگر  
سہلے چوس کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے ایک ترتیب سے ٹیموں  
کی مقامی شروع کر دی۔۔۔ نزدیک ہی ایک کنواں نما کھائی تھی۔ اس  
کھائی میں دراصل انسانی ہڈیاں بھینکی جاتی تھیں۔۔۔ آج وہ کھائی ان کا  
سہ چھتے کے کام آ رہی تھی۔۔۔ وہ اس بات پر مسکرا بھی رہے تھے  
کھائی سے ناقابل برداشت بدبو آ رہی تھی لیکن وہ مجبور تھے۔۔۔ کوئی  
۔۔۔ درواز کھائی تلاش کرتے تو اس میں پھینکنے میں زیادہ وقت لگتا۔۔۔ ان  
انہوں نے بدبو برداشت کرنا منظور کیا۔۔۔ اسلئے پھینکنے کے لئے وہ چلے  
کی صورت میں وہ وقت پر اپنا کام مکمل نہ کر پاتے

رات کے تنگ ان کی آمد جاری رہی اور آتے ہی وہ جھنڈوں کا رستہ  
کرتے رہے اور گر گر کر فینڈ کی دالی میں جاتے رہے۔۔۔ ان کی دالیں  
کا یہ عمل رات کے تیسرے پہر تک جاری رہا۔۔۔ آخر آمد کا سلسلہ باقی  
بند ہو گیا۔

”اب ہمارے پاس بہت کم وقت بچا ہے۔۔۔ کیا ہم اسے  
وقت میں ان سب شمار لوگوں کا اسلئے جمع کر لیں گے اور اسے کسی کھائی  
میں پھینک سکیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
”وقت واقعی کم رہ گیا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ  
یہ لوگ کون سا صبح سویرے جاگ جائیں گے۔۔۔ یہ تو دن بھر تک  
سوئے رہیں گے۔۔۔ اس طرح امید ہے۔۔۔ ہم کام مکمل کر لیں گے  
دوسرے یہ کہ پروفیسر صاحب کوئی کام دکھا سکتے ہیں۔۔۔ ان کی فینڈ کو بڑا  
کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ چیزیں ضرور ہو سکتی ہیں۔“  
”اوہ ہاں! میں ایسا کر سکتا ہوں۔“

”بس تو پھر پہلے آپ یہ کام کر لیں۔۔۔ آئیے تلاش  
ساتھ۔۔۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”لیکن اتنا جان! انکل اتنے بہت سے لوگوں تک اپنی دوا کی  
طرح پہنچا سکیں گے۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ وہ دوا گیس کی صورت میں ہو



اورانہ لپک کھتی ہے۔ فوری طور پر وہ غلوں کی ادھ لے لی  
 ہن۔ لک ان جگہ سے جس قدر دور ہو کر درختوں کی ادھ لیں۔ پھر  
 اس جگہ پر ہیں آسانی سے گھیرے میں لیا جاسکتا ہے۔ ہنپھر  
 اورانہ مرانے کہا۔

”ہنپھر جوشید نے ان کی تائید کی۔

اور پھر وہ اپنا اسلحہ لیے اس جگہ سے دور ہتے چلے گئے۔ یہاں

تھے کہ پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

”آواز اب اور زیادہ صاف ہو گئی ہے۔۔۔ اب میں یہ بات

بہن سے کہہ سکتی ہوں کہ آواز جھونپڑوں کے مقبی ست سے آ رہی ہے

جب کہ پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ آواز اس ست سے آ رہی ہے۔

میں طرف سے ہم یہاں پہنچے تھے۔“

”ہاں! اب تو خیر میں بھی یہ آواز سن رہی ہوں۔“ طرف سے

کہا۔

”اور میں بھی۔“ شوکی نے سر ہلایا۔

”اور یہ لوگ کتنی تعداد میں ہوں گے بھلا۔“

”کم از کم پچاس۔“

”کوئی پروا نہیں۔۔۔ ہم اتنی تعداد سے بہت لچکے۔“

”وہ مسلسل حرکت کرتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔۔۔  
 نے نماز ادا کی۔۔۔ جنگیوں میں ابھی جاگنے کے کوئی آثار نہیں تھے  
 نماز کے بعد انہوں نے پھر سے اپنا کام شروع کر دیا۔۔۔ جنگی یہاں  
 سوتے رہے۔۔۔ اور ان کا اسلحہ کھائی میں منتقل ہوتا رہا۔۔۔ آغزوں کے  
 کے قریب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے۔۔۔ اور ابھی فارغ ہی ہوئے  
 تھے کہ انہوں نے فرزانہ کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

”ارے باپ رے۔۔۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز۔“

”گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز۔“ ان سب کے منہ سے ایک

ساتھ نکلا۔

”ہاں! میں آواز صاف سن رہی ہوں۔۔۔ آواز اسی طرف آ رہی

ہے۔۔۔ یوں لگتا ہے۔۔۔ جیسے بے شمار لوگ گھوڑوں پر سوار ابھر آ رہے

ہیں۔“

”تمہارے کانوں کو وہم ہوا ہو گا۔۔۔ یہاں گھوڑے اور گھوڑے

سوار کہاں۔۔۔ یہاں تو بس یہ جنگلی آباد ہیں۔“ آصف نے براہِ مارت

بنایا۔

”جو بات میں نے محسوس کی بتا دی۔۔۔ اگر یہ میرا وہم ہے تو ابھی

ہوشیار ہو جانے میں کیا حرج ہے۔“

سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں :-  
 "ان جنگیوں کے ہمدرد، ان کے ساتھی :-" انہوں نے

بڑا ہے۔

"یہاں بھلا ان کے ہمدرد کہاں سے آئے :-" خان دہانہ

تیراں ہو کر کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں :- لیکن ... لگتا ہے ... اس جنگی ...  
 کوئی اور بھی چکر چل رہا ہے ... کالا جنگی کا نام ہم نے شروں میں ...  
 سن لیا تھا ... پھر ہم پہلے بھی اس جنگی کے قریب سمندر میں واقع ...  
 جزیرے تک آئے تھے ... اس جزیرے کا ... اور اس جنگی کا ...  
 میں کوئی گہرا تعلق ہے ... جنگیوں پر حملے کے جواب میں ہی یہ ...  
 آ رہے ہیں ... تاکہ ہمارا صفایا کیا جاسکے ... اس کا مطلب ہے ...  
 کچھ جنگی انہیں بلا کر لائے ہیں ... اور ظاہر ہے ان لوگوں سے ...  
 جنگیوں کو یہ ہدایات دے رکھی ہوں گی کہ کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے ...  
 ہمیں بلا لینا :-"

"تب تو خطرہ ہمارے سر پر آپہنچا :-"

"خطرات سے ڈرنے والے اسے آسمان نہیں ہم :-" نمودر ملکباد

انہوں نے خود کو پوری طرح درختوں کے پیچھے چھپا لیا۔

"یہ خیال ہے ... ہم میں سے ہر ایک کو درخت کے ...

... ملے۔

"اب ہم بھی درختوں پر کیوں نہ چڑ جائیں ... اس طرح ہم

درختوں سے دشمنوں کا نشانہ نہ بن سکیں گے ... اور وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں

گے۔"

امیر نے خیال میں یہی مناسب دے گا :-

اب وہ ساتھ ساتھ واقع درختوں پر چڑھ گئے ... یہ درخت تھے

بہت قریب تھے ... وہ ان کے جوں میں پوری طرح چھپ گئے

"جب تک میں قائل نہ کروں ... کوئی فائرنگ نہیں کرے گا :-"

خان دہانہ نے انہیں ہدایت دی :-

"اچھی بات ہے کمانڈر صاحب :-" پروفیسر مسکرائے :-

گھوڑوں کی آواز اب بالکل صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ

اپنے دلوں میں دھڑکنیں محسوس کر رہے تھے، کیونکہ حالات غیر معمولی تھے

کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کیا صورت حال پیش آنے والی ہے ... آخر

بھی گھوڑوں کی لاپرواہیوں سے گونجنے لگا ... اب جنگی بھی جلدی بندی

لے گئے ... جو ہوش میں آتا تھا ... اپنا نیزہ یا بھالا اٹھاتا تھا ...

غائب پا کر حیرت زدہ رہ جاتا تھا ... نووا ہی ان سب کو ...



ہو گئی کہ ان کا سارا اہل خانہ غائب ہے۔ اب وہ سب اہل خانہ کو تلاش کرنے لگا۔  
نظر آ رہے تھے۔ اور بار بار اس سمت میں دیکھ رہے تھے۔  
طرف سے کھوڑے آ رہے تھے۔

پھر کھوڑے سوار دست انہیں نظر آنے لگا۔ وہ پوری بات سن کر  
کھوڑے دوڑا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے... وہ چھوڑے کے پاس  
آ گئے۔ الاؤ اب صرف کونکوں کی شکل میں رہ گیا تھا۔ ایک کھوڑے  
پر ایک جنگلی بھی نظر آیا۔ کو یا وہ انہیں بلا کر لایا تھا۔ نزدیک آنے  
ہی اس نے کھوڑے سے چھلانگ لگائی اور چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں سے  
کچھ کہنے لگا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے انگل۔“ فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں  
کہا۔

”یہ کہہ رہا ہے۔۔۔ ہمارے مددگار آ گئے ہیں۔ اب ہم اپنے  
دشمنوں کی لاشوں کو بھوی کر کھائیں گے۔“

”ارے باپ رے۔“ مکھن کانپ گیا۔

”سنو سنو۔“ منور علی خان نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ

کیا۔ کیونکہ اسی وقت اگلا کھوڑے سوار پکارا تھا۔ وہ انگریزی میں  
کہہ رہا تھا۔

”میں لوگ گھر نہ لے۔ اب ہم ان لوگوں کو اچھے سے  
دیکھنی طرف دیکھ رہے ہیں۔“

اس کی انگریزی کے جواب میں اس جنگلی نے اپنے ساتھیوں سے  
کہا کہ ان میں کچھ کہنا شروع کیا۔ منور علی خان انہیں دبانے لگے۔

”جنگلی انگریزی کی بات کا ترجمہ کر رہا ہے۔۔۔ اور اس کے ساتھی

اسے دبا رہے ہیں کہ ان سب کے تیر، نیزے اور بھالے غائب ہیں

اب یہ بات وہ جنگلی کھوڑے سواروں کے سردار کو دیتا رہا ہے۔ ان

سب کی آنکھوں میں حیرت بڑھ رہی ہے۔ بلکہ اب وہ کسی قدر

پریشان بھی ہو گئے ہیں۔“

”ننان رحمان۔۔۔ یہ تعداد میں کتنے ہوں گے۔“

”پچاس سے زیادہ تو یہ نہیں ہیں۔ لیکن ان کے پاس بالکل نئی

تہمتی رائفلیں ہیں۔“

”دشمنوں پر ہونے کی صورت میں کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں

گے۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“

”ہاں تو پھر۔۔۔ اگر یہ ہماری طرف آئے تو ہم انہیں دیکھ لیں

گے ان شاء اللہ۔“ خان رحمان نے پر جوش انداز میں کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ اب ہمیں تلاش کرنا ہو گا۔“  
 ”اس سمت میں اشارہ کیا جس طرف سے وہ آئے تھے۔“  
 ”انہوں نے جھگیوں کو وہیں چھوڑا اور گھوڑے اڑاتے ہوئے گئے۔“  
 ”ہمیں تو یہ خیر تلاش نہیں کر سکیں گے۔“  
 ”ہم کیا کریں۔“

”کرتا کیا ہے... اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس طرف جائیں گے جس طرف سے یہ گھوڑے سوار دستہ آیا ہے۔ اور ان لوگوں سے کئی مسکترہ کر نکل جائیں گے تاکہ یہ لوگ ان گھوڑے سواروں کو بتانے کے قابل بھی نہ ہوں کہ ہم کس طرف کے ہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔  
 اب وہ درختوں سے نیچے اتر آئے تھے اور وہاں سے اور پیچھے بڑے ہوئے جھونپڑوں کی قطاراں کے عقب میں پہنچ گئے۔ یہ جھونپڑے

ہرگز سے کافی دور واقع تھے۔ تاہم چھوڑے سے صاف نظر آتے تھے۔ وہاں اب وہاں اور درختوں کی آواز آتی تھی۔ وہاں سے آگے چلے گئے۔ یہاں تک کہ چھوڑے دکھائی دینا بند ہو گیا۔ اپنے میں قرآن کے حد سے خوف کے عالم میں تھا۔

”میرا خیال ہے۔ ہمیں رگ جانا چاہیے۔“  
 ”جاری شروع کر دینی چاہیے۔“  
 ”تک۔ کیا مطلب۔“  
 ”ہمیں گھیرے میں اپنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جو ہم سمجھ رہے ہیں۔“  
 ”کیا مطلب۔“  
 ”ہم کیا سمجھ رہے تھے۔“

”یہ سراسیمہوں نے ہمیں درختوں پر دیکھا نہیں تھا۔“  
 ”انہوں نے دیکھ لیا تھا، لیکن یہ بات انہوں نے ظاہر نہیں کی تھی۔ اور ہماری تلاش کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ اب وہ ہمیں گھیرنے کے پھر میں ہیں۔“

”یہی بات ہے۔ ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم انہیں اس وقت نہ دیکھ سکتے تھے، لیکن خیر کوئی بات نہیں۔“  
 ”ویسے ابا جان! میرا خیال ہے کہ یہ جاس لکھیں۔“



وہاں طرف سے نہیں گھبرا... صرف تین طرف سے گھیرا ہے۔  
 وہی ایک سمت ہاتھ محفوظ ہے... ہم نہایت آسانی سے اس سمت سے  
 لڑ سکتے ہیں۔ ان کا آسانی سے سامنا کر سکتے ہیں۔ یہ وہ بات  
 ہے کہ دوسرا آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

وہ بعد کی بات ہے... پہلے تو ہم ان کے گھیرے سے نکلنے کی  
 کوشش کریں گے۔ تم نیچے آ جاؤ۔  
 "بی بی اچھا۔"

فاروق نیچے اتر آیا... اس نے اس سمت میں اشارہ کیا جس  
 طرف جانا تھا۔ وہ درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے اس طرف چلے  
 اپنے میں گھوڑے سوار کی طرف سے کہا گیا۔

"تم لوگوں نے جواب نہیں دیا... ہم صرف ایک سمت اٹھا  
 کریں گے... اگر تم لوگوں نے ہتھیار نہ چھینے تو پھر ہم ہاتھ کھول دیں  
 گے اور اس صورت میں تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔"

انپلگر جوشیہ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ان  
 انہوں نے تیزی سے قدم اٹھانے شروع کیے۔ ساتھ ساتھ وہ یہ کہ  
 دیکھتے جا رہے تھے کہ گھوڑے سوار اپنی جگہ پر موجود ہیں یا حرکت کر رہے  
 تھے۔ وہ جوں کے توں موجود تھے۔ شاید پہلے وہ بھی اس

کے قریب ہیں... سو آؤں نہیں گھیرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ ہمارے  
 اس جنگل کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ شب کہ ہمیں کچھ بھی نہیں  
 نہیں... ان حالات میں ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہے۔  
 "اللہ مالک ہے۔"

اپنا ایک تیز آواز گونجی۔  
 "تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ اب تم جس  
 طرف چاہو بڑھو۔ رائفلیں تمہارا سامنا کریں گی۔ وہ گولیاں نہیں  
 چٹ کر جائیں گی۔ تم لوگوں کے حق میں جہنم ہے کہ اپنے گھبرا  
 گراؤ۔ اور ہاتھ اوپر اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔"

"خاموش... کوئی کچھ نہ بولے۔ یہ جیسا کہ دے رہے ہیں  
 ابھی ہم ان کے گھیرے میں مکمل طور پر نہیں آئے۔ فادوق فوراً سامنے  
 والے درخت پر چڑھ کر ان کی پوزیشن بتاؤ۔ بس ایک منٹ سے زیادہ  
 نہ لگاؤ۔" انپلگر جوشیہ نے دہی آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے فادوق بندوؤں کی پلھرتی سے درخت پر تڑپ  
 رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت کی چوٹی پر نظر آیا۔ اس نے  
 چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"آپ کا یہ اندازہ درست ہے کہ جان کہ ابھی انہوں نے ہمیں

سے انہیں گھیرنے کے پلڑے میں تھے۔ اندھ اپنی باتوں میں انہیں  
چاہتے تھے، یہ وہیں گھڑے رہیں۔ گھیرا مکمل ہونے پر وہ در  
فائرنگ شروع کرنے والے تھے۔ اور انہیں اس وقت سے پہلے پہل  
وہاں سے آگے نکل جانا تھا۔ اس طرح وہ چلتے رہے۔ آخر کار وہ  
نے کہا۔

”میرے اندازے کے مطابق، ہم ان کے گھیرے میں آنے سے  
بچ گئے ہیں۔ اور نکل آئے ہیں۔ اب الٹا ہم پوزیشن سے نکلنے میں  
اور اپنی طرف آنے والوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔“

انہوں نے اپنے رخ تبدیل کر لیے۔ درختوں کی اوت سلی  
... اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ انہیں سامنے کی طرف ہانپا گیا۔ کیونکہ  
اب دشمن ان کی زد میں آنے والا تھا۔ اس وقت تک دونوں ہاتھوں  
اور دونوں ایر ہوسٹوں کی وجہ سے انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی  
وہ چاروں بہت سمجھ دار تھے، درختوں پر چڑھنا اور اترنا جانتے تھے  
کیونکہ فضا کی حادثے کی صورت میں کسی بھی قسم کے حالات پیش آسکتے  
تھے۔ اس لیے انہیں ہر طرح کی تربیت دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ  
راخٹیں چلا سکتے تھے۔ اور یہ چاروں بزدل قسم کے لوگ بھی نہیں تھے  
بلکہ جب سے جنگیوں کے چنگل سے بچ نکلے تھے، وہ بہت زیادہ

دہن تھے۔ ان سب کے کہنا پر وہ گئے تھے۔ اب ان چاروں کے  
دائیں بائیں سب لوگ حیرت انگیز تھے۔ دلیر تھے۔ بہادر تھے اور  
جائے کیا کچھ تھے۔ لہذا ان کے ساتھ ساتھ وہ آہستہ سے چلے گئے  
تھے۔ اب وہ بھی پوزیشن لیے تیار کھڑے تھے۔

”ابھی میں قادر کروں۔۔۔ سب لوگ نشانے کر رہا کریں  
اور جیسے لوگ زد میں ہوں۔۔۔ سب کے سب پر قادر کیا جائے۔“ انہوں  
جہان نے ہدایات دیں۔

”ابھی اس طرح ہم باقی سب کو بھی اوجھڑ نہیں کر رہیں  
ہے۔“ شوکی کی آواز سنائی دی۔

”جب پھر شوکی۔۔۔ تم ہی بتاؤ۔۔۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔“  
”اس جگہ سے مزید آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ لوگ گھیر مکمل  
کرنے کے بعد گھیرے کو تنگ کرنا شروع کریں گے اور ہر نکلے آئے  
ہیں۔ یہیں گے۔ اس طرح انہیں کافی وقت لگ جائے گا۔ کیونکہ  
اپنے خیال کے مطابق ہم ان کے دائرے میں ہوں گے۔ جب کہ ہم  
دائرے سے باہر ہوں گے اور کافی دور جائیں گے۔ ان وقت ہم  
مہموت حال کے مطابق عمل کر سکیں گے۔“

شوکی کی تجویز نے سنانا طاری کر دیا۔ آخر کار وہاں سے



## غائب

انہوں نے دیکھا ... وہ جنگل کے کنارے پر چٹکی کھاتے تھے ...  
 انہوں نے گہرائی میں سمندر تھا ... نیچے دیکھنے سے غول عسوں پر تھا  
 "کافی دور تک جھک کر سمندر کا جائزہ لیتے رہے ... آخر انہوں  
 واپس ہوا نے کہا۔  
 "اس طرف کہیں نیچے جانے کا راستہ موجود ہے ... لیکن ...  
 ہے کہ رک جائے۔"

"تو کیا اگلے ... جیسا کہ کر دکھانا ... آپ کی گلیں ...  
 اس سے کسی کی حالت ہے۔" شوکی نے پریشان ہو کر کہا۔  
 "ہاں واقعی ... میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اس طرف سے  
 جنگل کے کنارے چلنا شروع کریں تو اس جگہ چٹکی چاہیے کے  
 یہاں سے ہم جنگل میں داخل ہو گئے تھے اور وہاں وہاں لاکھوں  
 ہے ... ہم اس لاکھ کے ذریعے ان چاروں کو ان کے لئے لے گئے۔"

"واقعی ... ان حالات میں مجھے بھی ایسا لگا ... بہت غریب ...  
 بہت غریب ...  
 "شکر یہ اگلے شکر یہ ... اس نے بھی انہی کے اصرار میں کہا۔  
 اور پھر وہ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے ... اب ان کے قدم  
 نہایت تیزی سے اٹھ رہے تھے ... کیونکہ دشمن اب پیچھے رہ گیا تھا۔  
 اور لکھ بہ لکھ ان سے دور ہو رہا تھا ... اب ان کا رخ اب ان کے  
 میں ہو گیا تھا ... یعنی بھونپڑوں کے عقب میں ... وہ اس کیلئے  
 آگے بڑھ رہے تھے ... گویا ان کی کمر کی طرف بھونپڑے تھے ...  
 ان کے منہ اس سمت میں تھے ... جس طرف سے گھونپڑے ہمارے  
 تھے ... ہر لمحہ وہ اپنی رفتار پر حالت چلے گئے ... اور آخر ایک جگہ پہنچ  
 کر انہیں رک جانا پڑا ... اس وقت انہوں نے ایک حیرت انگیز  
 دیکھا ...

☆☆☆☆☆

ہے۔ یہ تو کسی بات کے ان کا سفر جاری ہے۔ آخر کار وہ ان کے  
 ہاتھ کے جہاں سے جنگیں نہیں اٹھیں گے۔ ہاتھ تھکے  
 ان کے بعد وہ جہاں سے جہاں سے تھے۔ لیکن لالچ کو اپنی جگہ رکھ کر  
 ان کی جان میں جان میں آگئی۔ اب تو سب لالچ کی طرف جاکر  
 مڑے۔

ہندی وہ لالچ میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے چروں پر غور  
 تھا۔ اطمینان تھا۔ ایک بار پھر وہ موت کے منہ سے نکل آئے تھے  
 اور بال بال بچے تھے۔

آخر چند دن کے تھکا دینے والے اس سفر کے بعد وہ بدلتی  
 تھی۔ سلطان بدلتی نے ان کا زبردست استقبال کیا۔

”سب سے پہلے ان چاروں کے لیے انتظام کریں۔ لیکن اس  
 سے پہلے ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ تاریخی سفر نہیں ہوا  
 ہے گا اور ہمیں بھی۔“

”بالکل سنی بات ہے۔۔۔ ویسے آپ لوگ بہت حیرت انگیز ہیں۔  
 آپ ہمیں ہمیشہ یاد رہیں گے۔“

”شکر ہے اسے سب اللہ کی مہربانی ہے۔“

”ہم اس دوران۔۔۔ جب کہ انتہائی حلقہ ملائے تھے۔“

”بات معقول ہے۔ اس وقت تک یہ چاروں اگرچہ جہاں سے  
 لیے الجھن کا سبب نہیں بنے، لیکن پھر بھی یہ جہاں سے جہاں سے  
 کہاں ہمارے مارے پھریں گے۔ ہمیں انہیں ان کے گھر پہنچانا  
 انتظام تو کرنا ہی ہو گا۔ اس کے بعد ہم پھر یہیں آئیں گے  
 دیکھیں گے کہ یہاں سے ہمارا سفر اپنی اصل مہم کے لیے شروع ہو  
 ہے یا نہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

”بھئی کامران مرزا۔ تم بھول رہے ہو۔“ انسپکٹر جیو  
 مسکرائے۔

”اور میں کیا بھول رہا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جواب  
 کر کہا۔

”یہ کہ ہم اپنے ملک سے حسرتی جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے  
 لیکن اس سے پہلے ہی ہمارے خصم صی طیارے کو اڑا دیا گیا تو  
 چاروں اسی طیارے کے ساتھی تو ہیں۔“

”دھت تیرے کی۔ خیر پہلے حسرتی۔۔۔ پھر کوئی دوسرا کام۔“  
 ”بس تو پھر کنارے کنارے چلتے ہیں۔“

انہوں نے کنارے کنارے چلتا شروع کیا۔۔۔ چتے رہے۔



حنائی اور پورٹ پر انہیں لینے کے لیے انتظامیہ کی طرف سے  
ایک گاڑیاں بھیجی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ حفاظتی دست بھی تھا۔ اس  
حفاظت میں وہ حنائی محل کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔ جہاں تمام اسلامی  
ملوں کا اجلاس ہونے والا تھا۔۔۔

رات نصف گھنٹے میں طے ہوا۔۔۔ آخر گاڑیاں رک گئیں۔۔۔ فوج  
کے چند بڑے آفیسرز نے ان کا استقبال کیا اور انہیں کشاں کشاں ایک  
برٹک کمرے میں لے آئے۔۔۔

”آپ دونوں حضرات کچھ دیر آرام کریں۔۔۔ اس وقت تک  
تقریباً تمام مہمان آچکے ہیں۔۔۔ بس آپ ہی لیٹ ہوئے ہیں۔۔۔ اور  
سب مہمان آپ ہی کے انتظار میں کافی ناراض ہیں۔۔۔ آپ کو ان سب  
کی ناراضی بھی دور کرنی ہے۔“ ایک آفیسر نے کہا۔

”تو کیا آپ لوگوں کو حالات معلوم نہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے  
جواب دیا۔

”جی۔۔۔ کیسے حالات؟“

”یہ کہ ہم کیوں لیٹ ہوئے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ یہاں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔۔۔ آپ کی حکومت سے

صرف اتنا پیغام ملا تھا کہ آپ روانہ ہو گئے ہیں۔۔۔ اس کے بعد حکومت

لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھتے رہے۔۔۔ اس سے بھی ہمارے دلوں پر بہت  
اثر ہوا ہے۔۔۔ ہم اپنے وطن چا کر اسلام کا مطالعہ کریں گے۔۔۔ یہ تھا  
آپ سے وعدہ ہے۔“

”اللہ آپ کی مدد فرمائے۔“ پروفیسر دائر نے جذباتی انداز میں  
کہا۔

سب نے ان کے ساتھ ایک پر تکلف دعوت اڑائی۔۔۔ دوسرے  
دن ان کے کاغذات تیار ہو گئے اور انہوں نے انہیں الوداع کیا۔۔۔ وہ  
مگاری میں بیٹھ کر اور پورٹ کی طرف روانہ ہونے لگے تو انہوں نے  
ایک دوسرے کے لیے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلائے۔۔۔ تو ان چاروں  
کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔۔۔ اور پھر کار روانہ ہو گئی۔۔۔ وہ دیر تک ہاتھ  
ہلاتے رہے۔۔۔ اسی روز انہوں نے حنائی کا پروگرام بنالیا۔۔۔ باقی  
لوگوں کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ برتائی میں ٹھہریں گے۔۔۔ وہ حنائی سے  
فارغ ہو کر سیدھے ادھر آئیں گے پھر جنگل میں اس جگہ جائیں گے  
جہاں سے انہوں نے واپسی اختیار کی تھی۔۔۔ اسی شام انسپکٹر جمشید اور  
انسپکٹر کامران مرزا نے باقی ساتھیوں کو الوداع کہا۔۔۔ اور ان کا جہاز  
حنائی کی طرف روانہ ہوا۔۔۔ وہاں کی انتظامیہ سے پہلے ہی بات کر لی  
گئی تھی۔۔۔

کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی

یہ... یہ کیسے ممکن ہے...  
مرزا نے کہا۔

یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے... لیکن یہاں ہمارے بارے میں آپ کو بتانی ہے کہ آپ وہاں ان کے طرف سے اس طرف کے لیے روانہ ہو رہے ہیں... یہ ہے وہ آخری اطلاع جو آپ کی اہل خاصہ میں پہنچ رہی ہے۔

حیرت ہے... کمال ہے... خیر... اہل خاصہ میں یہ خبر... صدر صاحب سے بات کرتے ہیں... وہ وضاحت کریں گے... آپ یہ فرمائیں... ہمارے پاس آرام کرنے کے لیے کتنا وقت ہے۔

آج شام پانچ بجے تمام مہمانوں کو ایک ساتھ متعارف کرایا جائے گا... وہیں آپ اپنے دیر سے پہنچنے کی وضاحت کریں گے... ان کے بعد آپ لوگوں کو کیا کریں گے... یہ آپ خود طے کریں گے۔

پہلے تو ہمیں یہ بتایا جانا چاہیے کہ اس اجلاس کا مقصد کیا ہے... کیونکہ ہمارے ملک میں ہم سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ہمیں ملنا

ہو گا... ہاں... ہمارے ملک کے صدر وضاحت کریں گے... اس میں کوئی تفریق نہیں کی ہو گی۔

میں بھی بات ہے... ہم گویا پانچ بجے سے چند منٹ پہلے ہی اس وقت ہیں۔

جی ہاں۔

نیک ہے... ہم وقت پر تیار ملیں گے۔

نیک ہے۔

وہ کمرے سے نکل گئے... دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اب پھر جمشید نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... فوراً ہی ان کی آواز

پہنچی۔

السلام علیکم جمشید۔

السلام علیکم! ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو بھی



پوری بات نہیں بتانی چاہیے، جب تم آ جاؤ گے تو تم خود ہی دیکھو گے تو بتا دو گے اس لیے ان لوگوں کو اطلاع نہیں دئی۔  
 "اوہ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

## غائب کرنے والے

"پلیس ٹیک ہے سر! ہم خود ہی ان لوگوں کو یہ کہانی سنا دیں

تے۔"

پھر دونوں نے تھوڑی دیر آرام کیا پھر اجلاس میں شرکت کے لیے تیار ہونے لگے۔ جب میزبان انہیں بلائے کے لیے آئے تو وہ بالکل ہارے تھے۔ ان کے آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر میزبانوں کے چہروں پر حیرت اور شگنی۔۔۔

"خیر تو ہے۔"

"آپ۔۔ آپ تو بالکل تیار ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔  
 "کیوں۔۔ کیا بات ہے۔۔ کیا ہمیں تیار نہیں لانا چاہیے تھا۔"  
 "میرا مطلب ہے۔ ہمیں تو مہمانوں کو بلائے کے لیے کی گئی بار بار پڑتا ہے۔ اور کئی بار یہ سنتا پڑتا ہے کہ جس ابھی تو ہمارے کانسٹبلز روم میں ابھی تک کوئی بھی نہیں بھیجا گیا۔ ہم غور سے

خیال میں آپ کو ہوشیار کرنے کے لیے آئے تھے کہ تیار ہو جائیں۔

”بہمیں آپ نے بتایا تھا کہ پاکی بیگ تیار کیے گا۔“

”نائب پھر... اب کیا کرتا ہے۔“

”کر رہا کیا ہے۔“ چلیے آپ ہمیں کانفرنس روم میں لے چلیے۔“

”لیکن ابھی وہاں کوئی نہیں پہنچا۔“

”تو کیا ہوا... ہمارا تو فرض ہے تا کہ وقت پر وہاں پہنچیں۔“

”وہ پریشان پریشان سے انہیں ہال میں لے آئے اور ان کی رہنمائی ان کی کرسیوں تک کی۔“ تمام مہمانوں کی کرسیوں کے سامنے میز پر ان کے ناموں کی تختیاں لگائی گئی تھیں۔ اور واقعی۔۔۔ پاؤں ٹا پٹے تھے اور ابھی وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچا تھا۔

”آپ کے صدر صاحب بھی نہیں پہنچے۔“ انسپکٹر جمشید نے سزا کر پوچھا۔

”وہ بالکل تیار بیٹھے ہیں۔۔۔ انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ جوئی کوئی ایک مہمان بھی ہال میں پہنچے، مجھے بتا دیا جائے۔۔۔ اب ہم انہیں جا کر بتاتے ہیں۔ لہذا وہ تو فوراً آئیں گے۔“ ہمارے صدر وقت

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ اس اجلاس کا۔“

”بلکہ اس جیسے اجلاسوں کا۔“

”اور میرا تو خیال ہے۔۔۔ اس اجلاس کا اشارہ بھی دشمن نے ہی دیا ہو گا۔۔۔ یعنی کہ اسلامی ملک کو ہمدردی کے پردے میں اشارہ دیا ہو گا۔۔۔ اور دشمن ہمارا بھی دراصل یہی چاہتا ہے کہ ہم اس قسم کے اجلاسوں میں الجھے رہیں۔۔۔ عملی قدم کوئی نہ اٹھائیں۔ یعنی وہ اپنے کام کرتے رہیں اور ہم اپنا وقت برباد کرتے رہیں۔“

”مم۔۔۔ میرا بھی۔“

”وہ بالکل تیار بیٹھے ہیں۔۔۔ انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ جوئی کوئی ایک مہمان بھی ہال میں پہنچے، مجھے بتا دیا جائے۔۔۔ اب ہم انہیں جا کر بتاتے ہیں۔ لہذا وہ تو فوراً آئیں گے۔“ ہمارے صدر وقت

”آپ کے صدر صاحب بھی نہیں پہنچے۔“ انسپکٹر جمشید نے سزا کر پوچھا۔

”وہ بالکل تیار بیٹھے ہیں۔۔۔ انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ جوئی کوئی ایک مہمان بھی ہال میں پہنچے، مجھے بتا دیا جائے۔۔۔ اب ہم انہیں جا کر بتاتے ہیں۔ لہذا وہ تو فوراً آئیں گے۔“ ہمارے صدر وقت

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ اس اجلاس کا۔“

”بلکہ اس جیسے اجلاسوں کا۔“

”اور میرا تو خیال ہے۔۔۔ اس اجلاس کا اشارہ بھی دشمن نے ہی دیا ہو گا۔۔۔ یعنی کہ اسلامی ملک کو ہمدردی کے پردے میں اشارہ دیا ہو گا۔۔۔ اور دشمن ہمارا بھی دراصل یہی چاہتا ہے کہ ہم اس قسم کے اجلاسوں میں الجھے رہیں۔۔۔ عملی قدم کوئی نہ اٹھائیں۔ یعنی وہ اپنے کام کرتے رہیں اور ہم اپنا وقت برباد کرتے رہیں۔“

”مم۔۔۔ میرا بھی۔“



ان کے علاوہ ان کی کئی اور باتیں بھی سنیں۔ وہ تو اس وقت عدالت میں تھے۔  
 اور داخل ہوئے تھے۔ وہ لی وی چینلوں پر ان کی رپورٹ دیکھ رہے تھے۔  
 لہذا فوراً ہی پہچان گئے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔  
 "ارے ارے! یہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ تشریف رکھیں۔  
 ہرگز اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں۔ وہیں ٹھہریں۔ میں فوراً عدالت کا  
 آپ تک۔" انہوں نے اس قدر ہرزور انداز میں کہا اور تھوکی سے اس  
 کی طرف پلے۔ کہ انہیں رکنا پڑا۔ نزدیک آنے پر انہوں نے بہت  
 ہی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر کہنے لگے۔  
 "زندگی میں پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے آپ سے۔ بہت نام  
 سنا ہے آپ کا اور سچ پوچھیں تو بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔"  
 "شکر یہ سر۔ آپ تشریف رکھیں۔"  
 "جب تک باقاعدہ اجلاس شروع نہیں ہو جاتا۔ میں یہیں  
 آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔ باقاعدہ کارروائی شروع ہوگی تو آپ  
 سیٹ پر چلا جاؤں گا۔ کیا خیال ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔  
 "بالکل ٹھیک۔" تشریف رکھیں۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔  
 انہوں نے دیکھا۔ وہ ایک سیدھے سادے سے انسان تھے۔  
 ان میں حکمرانوں والا کوئی چھل بل نہیں تھا۔ سچے سچے سادہ لباس میں

دولت ان کے ساتھ تھیں۔ ان میں ہاتھ سادہ ٹکڑے آ رہے تھے۔  
 "مجھے افسوس ہے۔" انہوں نے کہا۔  
 "کیا افسوس؟"  
 "یہ سچ پاؤں کا کر چند منٹ ہو چکے ہیں اور اب تک کوئی نہیں  
 آئی۔"  
 "تو کیا آپ ہمیں کوئی میں شامل نہیں سمجھتے۔" انہیں کامروا میں  
 مقرر ہے۔  
 "نہم۔ میرا مطلب ہے۔ آپ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔"  
 "آپ کے علاوہ بھی تو کوئی نہیں آیا۔" انہیں جوشید ٹکے۔  
 "اور ہاں۔ واقعی۔ آپ دونوں تو خوش مزاج بھی ہیں  
 میں ایک حراج ہرگز نہیں ہیں۔"  
 "جی ہاں کیا کیا جاتے۔ ہمارا کام ہی ایسا ہے۔ خوش مزاجی  
 ہی کام دیتی ہے۔"  
 "تھیک سمجھتے ہیں۔" صدر صاحب مسکرائے۔  
 "میں نے باقی لوگوں کے آنے سے پہلے ہم فیورنگ اسٹریٹ  
 کر لی۔"  
 "ہم تو خود نہیں چاہتے ہیں۔"

"ہاں! میرا خیال بھی یہی ہے۔ آپ لوگ تو ہم بھی ہیں۔ لیکن ضرور چپکے ہیں۔ لیکن پھر بھی آگے ہیں۔" جی ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ آپ اور اب جو چاہے یہ ذکر کرے۔ لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں۔

"میں بتاتا ہوں۔۔۔ جتنے ملکوں کے نمائندے یہاں جمع ہوئے ہیں۔۔۔ ان سب ملکوں میں سونے کے سکے ملے ہیں۔۔۔ سونے کے سکوں نے ایک عجیب سا سسپنس پھیلا دیا ہے۔۔۔ عوام میں شدید بے چینی پائی جاتی ہے۔۔۔ کیونکہ عوام کو بھی سکے ملے ہیں۔۔۔ اب جنہیں ملے ہیں، وہ تو بہت خوش ہیں۔۔۔ اور جنہیں نہیں ملے، وہ بہت بے چین ہیں۔۔۔ وہ چاہتے ہیں انہیں بھی سکے ملیں۔۔۔ اور اگر انہیں یہ بتا دیا جائے کہ وہ جگہ دنیا میں کہاں واقع ہے۔۔۔ جہاں سونے کے پہاڑ موجر ہیں۔۔۔ جہاں ایسے سکے کنکروں اور پتھروں کی طرح پائے جاتے ہیں تو یہ لوگ بے تحاشہ اس طرف بھاگ کھڑے ہوں۔۔۔ گویا لوگوں کو اس وادی کے جنون میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔۔۔ لوگ اس وادی کے دیوانے بنے جا رہے ہیں۔۔۔ انہیں اپنے ملک سے اپنے کام کان سے دلچسپی نہیں رہی۔۔۔ وہ تو چاہتے ہیں۔۔۔ بس کسی طرح اس وادی میں چلے جائیں۔۔۔ آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں۔۔۔ کئی ملکوں کے بہت ہی بہترین اور کام

کے لوگ یہاں ہیں۔۔۔ یہ بات نہیں کہ انہیں انعام کیا گیا ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ اپنی مرضی سے کہیں گئے ہیں۔۔۔ مطلب یہ کہ اپنے گھر والوں سے باقاعدہ رخصت ہوئے۔۔۔ گھر کے لوگوں نے انہیں الیر پور میں روانہ کیا ہے۔۔۔ ایک طرح سے وہ بہتر روزگار کے سلسلے میں گئے ہیں۔۔۔ یہ کہہ کر گئے ہیں کہ انہیں بہت زبردست پیش کش ہوئی ہے۔۔۔ وہ اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتے۔۔۔ اور جس ملک میں وہ گئے ہیں، وہاں ہائے کے بعد انہوں نے پھر سے اپنے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟" دونوں بری طرح چوہکے۔۔۔ لیکن اسی بات انہوں نے پہلی بار سنی تھی۔

"ہاں! آپ کو شاید یہ معلوم نہیں۔۔۔ کیونکہ ایسے لوگ بس مپ ہیں۔۔۔ کسی کو کچھ بتا نہیں رہے۔۔۔ نہ پولیس میں رپورٹیں کھسکا رہے ہیں۔۔۔ وہ بھی احتیاط کر رہے ہیں۔۔۔ اور روز بروز ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔ لیکن آخر کار انہیں رپورٹیں تو کھسکانا ہوں گی۔۔۔ یہ بات ہے کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔" صدر صاحب کہتے چلے گئے۔۔۔ لیکن سر۔۔۔ گھر سے تو وہ ملک کا نام بتا کر گئے ہوں گے۔



اس طرح تو پھر ہمارے ملک کے بھی کچھ لوگ غائب ہیں۔

”ہاں! غائب ہوں گے۔ میں نے بتایا کہ وہ لوگ چھپا رہے ہیں۔ کچھ گھرانے ایسے ہیں۔ جو برداشت نہیں کر سکتے اور انہوں نے یہ بات دوسروں کو بتا دی۔ اس طرح بات آگے بڑھتی چلی۔“

”حالات واقعی بہت نازک ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔“

”اس سلسلے میں ایک مشترکہ کوشش۔ وہ ملک یا دوائی کہاں ہے جس میں سونے کے پہاڑ ہیں۔ اس ملک کے لوگ آخر کیا چاہتے ہیں۔ کہیں وہ پوری دنیا میں یہ سکتے پھیل کر چھین اور سکون لوٹ رہے ہیں۔ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ یہاں جمع ہونے والے سب ملک پر ہتھ پڑا چاہتے ہیں اور یہ جاننے کے لیے اپنی کوشش کرنا چاہتے ہیں اور یہ کوشش جہاں سے شروع ہوگی۔ یعنی اس کام کا آغاز یہاں سے ہوگا اب بتائیں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔“

”بالکل نہیں۔ ہم اس معاملے میں ساتھ ہیں۔ ساتھ ساتھ۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔ ایسے لوگ اپنا اپنا گھر سے انکسار کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ سب کے سب؟“

”ہاں! سب کے سب اپنا اپنا ملک سے انکسار کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔۔۔ یہ ان میں سے کسی نے نہیں بتایا کہ انہیں کیا پتہ ہے موصول ہوئی تھی۔۔۔ یا کس کی طرف سے ہوئی تھی۔۔۔ بس انہوں نے انکسار کے ویزے حاصل کیے۔۔۔ اپنے گھر والوں کو یہ بتایا اور چلے گئے۔۔۔ انکسار پہنچ کر انہوں نے یہ اطلاع ضرور دی کہ وہ یہاں پہنچ گئے ہیں، اس کے بعد سے ان کا کوئی پتا نہیں۔“

”یہ تو پھر اچھی بات ہو گئی۔“ انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

”کیا کہا آپ نے اچھی بات ہو گئی۔۔۔ میرے خیال میں تو یہ بہت زیادہ پریشان کن بات ہے۔“

”میرا مطلب ہے۔۔۔ ہمارے لیے یہ اچھی بات ہوگی۔ ہم اپنا کام انکسار سے شروع کر سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ آپ اس سلسلے میں کہہ رہے ہیں۔۔۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔۔۔ آپ کے لیے ایک رات سامنے ہے۔۔۔ میں ان گھروں کی پریشانی کی بات کر رہا ہوں۔“

## گونجی آواز

خوں نے دیکھا، اسکرین پر کوئی نمبر نہیں تھا اور کھٹی بج رہی

تھی۔ یہ کیا... اسکرین پر کسی کا نمبر نہیں ہے اور کھٹی بج رہی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے... کچھ تو لکھا ہونا چاہیے... کچھ لوگوں کے نمبر ہوتے ہیں... یعنی خفیہ اداروں کے... تو اسکرین پر لکھا نظر آتا ہے... لوہیر... لیکن یہاں تو نو نمبر بھی نہیں لکھا۔ ایک مہمان نے کہا۔

"فخر... آپ فون تو نہیں... انسپکٹر ہاشید نے کہا۔

صدر نے ہن دہایا اور اٹھکر آن کر دیا... اب سب لوگ کھٹے

رہتے تھے۔

"صدر محترم... حنائی صاحب... آپ کو یہ کانفرنس مبارک ہو۔

لوہنگ جہاں جمع ہیں... ان سب کو بھی مبارک ہو... آئیے...

"کیا کیا آپ نے... وال میں کا... صدر حنائی نے جہاں سے

ہاں اداں میں کا... یہ معاملہ کوئی چھوٹا سا نہیں... لوگوں نے بہت سے اسلامی ملکوں کے لوگوں کو غائب نہ کیا تھا تو اب بات تھی... یعنی پھر پریشانی اس قدر نہ ہوتی... ہم اطمینان سے اب کام کرتے رہتے اور اس وادی تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہتے... اب ہمیں ان لوگوں کی تلاش کے لیے سرگرمی دکھانا ہوگی... نہ ہات کتنے گھروں کے لوگ پریشان ہیں... اور نہ جانے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں... اب تو ہم بھی بے چینی اور گھبراہٹ محسوس کرنے لگے ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرماتے۔" صدر صاحب نے کہا۔

ایسے میں صدر صاحب کے موبائل کی کھٹی بجی... اسکرین پر نم پڑتے ہی ان کا رنگ اڑتا نظر آیا... پھر انہوں نے موبائل ان کی طرف بڑھا دیا... اتنے میں دوسرے مہمان بھی آنا شروع ہو گئے۔

☆☆☆☆☆



تاریخ کا شاندار دن ہے۔ ہماری ساری قوم آپ لوگوں کی طرف سے  
 بہران کی تاریخ کا دن ہے۔

”بہران — یہ کیا چیز ہے۔“ ہمارے محنت کے بعد کے دن سے  
 نکلا۔

”ہاں بہران... دنیا کی پیشانی پر نیا نام۔ پہلی بار ہم دنیا  
 کو پہلی بار اپنے ملک کا نام سے کہہ رہے ہیں۔ گویا آٹھ سے یہ ملک  
 اس دنیا میں وجود میں آ گیا ہے۔ اب اس دنیا پر انشاجہ کی نہیں  
 بیگال کی نہیں... کسی اور ملک کی نہیں... اور کسی اسلامی ملک کی نہیں  
 ہماری حکومت ہوگی... آج ہم یہ اعلان کر رہے ہیں... اس دنیا  
 کے حکمران ہم ہیں... آج انشاجہ یہودیوں کا مقروض ہے۔ یہودیوں  
 کا اپنا حال بہت پتلا ہے... اسلامی ملک انشاجہ جیسے ملکوں کے محتاج ہیں  
 بڑے سے بڑا ملک بھی دوسری طاقتوں کا محتاج ہے... ظاہر ہے  
 اگرچہ انشاجہ محتاج ہو سکتا ہے تو دوسرے ملک تو اس سے بڑھ کر محتاج  
 ہو سکتے ہیں... لیکن ہم کسی کے محتاج نہیں... سب ملک ان سے  
 ہمارے محتاج ہیں۔“

”یہ کیا فضول باتیں ہیں... بے وقوف پاگل... تم ہو کون؟“

صدر ہوائی نے جھٹکا کر کہا۔

”صدر محترم! آپ کو اس لمحے میں بات نہیں کرنی چاہیے  
 یہ تو بینا صرف اسلامی ملکوں کے نمائندے موجود ہیں۔ بہت جلد  
 پہلی دنیا کے نمائندے ہمارے خلاف جمع ہوں گے... لیکن وہ خدا  
 کی محنت سے نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ دنیا اور دنیا کے لوگ نہیں جانتے  
 کہ کہاں ہیں... ہمارا ملک کہاں ہے... کون ہے جو ہمارا سرخ رونا  
 ہے... کوئی نہیں... کوئی نہیں...“

”ہم بے دلیل بات کرنے کے عادی نہیں... جو بات کہیں گے  
 اس کی پوث کہیں گے... کوئی آٹھ ہماری باتوں کو پاگل پن کے تو  
 کہتا ہے... آج ہی ہم اپنی حکمرانی کا اعلان کر رہے ہیں... اس دنیا  
 کے اب خدا سے چلے گا... ہم امریکہ کی غربت دور کر رہے ہیں...  
 چین کی غربت دور کر دیں گے... اور بھی جو ملک ہم سے مدد لینا  
 چاہتے ہیں... ہم اسے مدد دیں گے... کیونکہ ہمارے پاس سونے کے  
 پہاڑ ہیں... سونے کے پہاڑوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ بہت  
 دور ہے... اسی میں کسی ملک کے پاس ایسے پہاڑ ہیں... کھانے  
 والی ہیں... لہذا اس دنیا کے حکمران بھی ہم ہوں گے... کوئی ایک  
 ملک بھی ہماری حکمرانی سے انکار نہیں کر سکے گا... سب کو ہمارے

ہاتھ پھیلائے پڑیں گے۔ اور جو ہاتھ نہیں پھیلائے گا۔ ہم اس سے  
 حکومت چھین لیں گے۔  
 کیا فضول باتیں ہیں۔ کیسے چھین لو گے تم ہماری حکومتیں۔  
 یہ خود بخود ہو جائے گا۔ سونے کے پہاڑ دنیا کو پاگل کر دیں گے۔  
 لوگ ہمارے ساتھ دیں گے۔ حکومتیں ہمارا ساتھ دیں گی۔  
 وہ کہتے کہتے رک گیا۔  
 مثلاً کیا؟  
 مثلاً ہم انشارجہ سے کہتے ہیں۔ تمہاری مالی ضرورتیں ہم پورا  
 کریں گے۔ جتنا کہو۔ تمہیں سونا دیں گے۔ بس تم وہاں  
 جو ہم کہتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ انشارجہ کہے گا۔ میں تیار ہوں۔  
 گا یا نہیں۔ اگر تم کہتے ہو۔ نہیں تو اس کی مثال سن لو۔  
 مدت پہلے انشارجہ نے ایک اسلامی ملک کو دھمکی دی تھی یا نہیں۔  
 دھمکی کہ تمہیں ہمارا ساتھ دینا ہے یا اپنے پڑوسی ملک کا۔  
 تمہارے پڑوسی ملک پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اب تم سوچو۔  
 کس کا ساتھ دو گے اور ایک دن کے اندر اندر۔ بلکہ ایک رات کے  
 اندر اندر اپنا فیصلہ سناؤ۔ ورنہ ہم اس کے ساتھ تمہیں بھی نہیں  
 کروں گے۔ اور اسلامی ملک کے سربراہ نے۔ یعنی صدر نے فرما

ہم ہران کے ساتھ ہیں۔

پھر اس وقت ہم جو کام انشارجہ سے لیں گے۔ آج تک وہی سنا

ہم ہران کے ساتھ ہیں۔



وہ کام تو کیا ہی نہیں ہو گا۔ لہذا ہم آج سے ان لوگوں کو

ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فی الحال ہم تمہارا ملک مہلت میں رکھیں گے۔  
 کو پاگل بنانے کا آغاز کر رہے ہیں۔ صحتی کے لوگ ان وقت  
 چینلوں پر یہ آوازیں سن رہے ہیں۔ اب ہم براہ راست ان کے  
 مخاطب ہیں۔ صحتی کے لوگو! آج ہم تم لوگوں پر حملے کے  
 کی بارش کر رہے ہیں۔ دیکھو۔ صحتی کے آسمان سے سگنل کی بارش  
 ... ہاں ... ہاں ... دیکھو اور لوٹ لو سونے کے سگنل۔ کوئی نقص  
 صحتی کے خلاف ... بھار میں گیا۔ تم لوگوں کا یہ اجلاس۔ ان  
 بے جمہیں حکمران ... تمہاری حکومت کے خلاف تو کچھ تو آج ہی  
 سول نا فرمانی شروع ہو رہی ہے۔ لو منظر دیکھو۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے فضا میں گھن گرج کی کوباز  
 سنیں۔ ان کے منہ مارے حیرت اور خوف کے کل گئے۔ جلد ہی  
 فی وی آن کیا گیا۔ اس میں آسمان کی فضا میں ایک طیارہ  
 تیزی سے گزر گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پھر آتا نظر آیا۔ اور اس بار  
 سے ان گنت سونے کے سگنل گرتے نظر آئے۔ صحتی کے تمام پاگل  
 طرح ان سگنل کی طرف دوڑ پڑے اور پھر انہوں نے وہ منظر دیکھا  
 کے بارے میں انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا۔

رگ بالکل پاگل ہو گئے تھے۔ سگنل پر نوٹ پڑے تھے۔  
 ان کے پھرنا چھینی کے مناظر دیکھے۔ لڑائی جڑائی کے مناظر بھی نظر  
 آئے۔ طیارہ ان کے گزر چکا تھا۔ آن کی آن میں سگنل لوگوں  
 سے تاب ہو گئے۔ لیکن لوگ اب بھی پاگلوں کی طرح ان کو تلاش کر  
 رہے تھے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ ادھر ادھر کہیں کچھ سگنل پڑے وہ  
 گئے ہیں۔ لوگوں کی ان پر نظر نہ پڑی ہو۔ اس طرح سگنل کی  
 تلاش جاری تھی۔

ادھر صحتی کے ایوان صدر کے کانفرنس روم میں تمام اسلامی ملکوں  
 کے نمائندے یکتہ کی حالت میں بیٹھے تھے۔ انہیں اپنا وجود بالکل بیکار  
 لگ رہا تھا۔ ایسے میں ایک آواز گونجنے لگی۔

”کیا ان حالات میں آپ کی حکومت اپنے لوگوں پر رو جائے  
 گی؟“

”نہی نہیں۔ بالکل نہیں۔ سونے کے پہاڑوں کے مالک انہیں  
 سے پائیں۔ جو چاہیں۔ حکم دے سکتے ہیں۔ وہ ہماری ایک شخص  
 جس کے جب کہ ان کی ہر بات سنیں گے۔ اور ان کا ہر حکم مانیں  
 گے۔ ان حالات میں حکومت کہاں رو جائے گی؟“ صحتی کے صدر  
 نے کہا۔

"یہ زندگی گزارنے کے لیے اچھی جگہ، اچھا گھر، اچھا لباس، اچھا کھانا، اچھی گاڑی یا اچھا ہوائی جہاز ہی کافی نہیں ہوتے۔ انسان کو اپنے وطن سے بھی محبت ہوتی ہے اور اس سے بھی دور کر ایک دور پہنچنے سے بھی محبت ہوتی ہے۔"

"وطن سے بھی دور کر... وہ کیا پہنچے ہے۔"

"یہ سب پرانی باتیں ہیں... فرمودہ باتیں... جب یہاں کی جی لوگوں کو ملے گا تو وہ یہیں کے ہو کر رہ جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے... ایسا نہیں ہو سکے گا... لوگ اپنے گھروں کو جانے کے لیے ترسیں گے... اور ایک دن تم سب پر ٹوٹ جائیں گے... تمہیں قسم کر دیں گے اور تمہارا سوتا اٹھا اٹھا کر اپنے اپنے ملک کا رونا کرینے لگے... اس طرح تم کا کام ہو جاؤ گے... بلکہ یہ منصوبہ ہی سودا پر قسم کر دو... اسی میں تمہاری بہتری ہے... ہاں... تمہارے لیے اس سے بہت بہتر راستے ہیں... تم اتنے سونے کے مالک ہو... کہ کیا بچی دنیا کے پاس ہو گا... تم اس کے ذریعے ملکوں کو فتح دے دو گے... ان کے کام آؤ... انسانیت کے کام آؤ... پھر دیکھا کہ

"اور فرض کر لیں... یہ لوگ آپ کے تمام اوصاف سے اپنے ہیں... ایمان صدر پر قبضہ کر لو... صدر کو گرفتار کر لو... تو کیا تمام ان کو آپ پر نہیں چڑھ دوں گے۔"

"ہاں! ایسا ہو گا... موسم آنے سے جانیں گے، موسم جانیں گے... فصل سے پیدل ہو جائیں گے... سڑکوں کے پھاڑنا جان

"تو اس کا نظریں کا کیا فائدہ... اپنی اپنی خیمہ ماریں... خیر کریں یہ سب۔"

"اور یہ جو لوگ غائب ہو رہے ہیں۔"

"اپنے مطلب کے لوگ ہم اپنے ملک میں جمع کر رہے ہیں... ہمیں ہر قسم کے مابہرین کی ضرورت ہے... خاص طور پر مابہرین کی... جن لوگوں کو یہاں بلایا گیا ہے... اب وہ نہیں دیں گے ان کے بیوی بچوں کو بھی سکھانے لے آیا جائے گا... اب وہ اسے لٹی ہیں۔"

"لیکن آپ لوگ وطن کی محبت کا کیا کریں گے۔" اچھڑ جیٹے

پوچھا۔

"وطن کی محبت... کیا مطلب؟"



"پہلو والی ہاتھیں نہ کرو انیسٹر جمشید... اچھے نہیں آتے۔  
 تمہارے بچے انہی ہاتھیں کرتے اچھے ضرور لگتے ہیں۔" اسی طرف منہ  
 تو انہیں بھی ساتھ لانا... انہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔"  
 "اچھی بات ہے۔ تمہاری مرضی۔" انہوں نے براہ راست جواب  
 "صلاتی کے لوگو! یہ ایک جھلک تھی... پوری دنیا میں ہم اس قسم  
 کے ہاتھ پیر گرام شروع کریں گے۔ ہر ملک کو تاریخ دی جاوے گی۔  
 آئی۔۔۔ کہ فلاں تاریخ ہے... سکتے لوٹنے کی... ہمارے کام میں کسی  
 نے اگر رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو اسے اسی کے ملک میں ختم کر دیا  
 جائے گا۔ ایسا کرنا ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا۔ مثلاً شمالی  
 کے اسی کانفرنس ہال کو دیکھ لو... ہم اسے کسی بھی وقت اڑا سکتے ہیں  
 میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں... اس کانفرنس ہال میں ناظم بہ موجود ہے  
 لیکن ہم جھلک دکھانا چاہتے تھے... اس ہال کو تادم کر کے ہمیں کیا  
 ملے گا۔ شکریہ!"  
 ان الفاظ کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی... اب ناظم بہ کی محاش  
 شروع ہو گئی۔  
 "ہم اگر مل جائے تو مہربانی فرما کر اسے ہاتھ نہ لگائے گا۔  
 یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ وہ یہاں کس سے دیکھا۔"

کسی طرح پیار سے اور محبت سے تمہارا ہم لیں گے۔ تمہیں یاد رکھو  
 کے... دیکھی انسانیت مرتے دم تک تمہیں یاد کرے گی۔... راستہ  
 ہے یا وہ راستہ۔"

"وہ راستہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔  
 "یہ تمہاری سوچ ہے... ایک دن تم اس سوچ پر پہنچو گے  
 کیونکہ۔"

"یہ نشہ بہت جلد اتر جائے گا... اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں  
 جائے گا۔"

"ارے نہیں انیسٹر جمشید... اب کچھ نہیں ہوگا... اور تم بوجہ  
 سوچ رہے ہو کہ اب تم ہماری... بلکہ ہمارے ملک کی تلاش میں لٹو گے  
 اور ہمارا سارا کام خراب کر دو گے تو ایسا کچھ نہیں ہوگا... ہم نہیں  
 پوری طرح آزاد چھوڑ رہے ہیں... تمہارا راستہ نہیں روکیں گے  
 اگر تم ہم تک آ سکتے ہو؟ آ جاؤ... ہم یہاں تمہارا استقبال کریں گے  
 کیونکہ ہمارے ملک کو تم جیسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے۔"

"ہم اگر وہاں پہنچ گئے تو وہاں بھی تم سے یہی کہیں گے۔ ویسے  
 تمہارا نام کیا ہے... اور کیا تم ہی اس ملک کے گرتے دھرتے ہو۔"

ہم کانفرنس ہال کی میز کے نیچے چپکایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے  
اسے پوری احتیاط سے اٹھا لیا۔۔۔ اس وقت تک حنائی کی خفیہ پولیس  
وہاں آچکی تھی۔ اس کے ذریعے ہم پر سے انھیں کے نشانات اور  
لے گئے۔ وہ نشانات ایوان صدر میں موجود ملازمین کے نشانات سے  
ملاسے گئے۔ جلد ہی ایک ملازم کا نام سامنے آگیا۔ اب جو اس کی  
تلاش ہوئی تو وہ غائب تھا۔ ظاہر ہے۔۔۔ اسے اس پروگرام کا پتا تو  
کہ بعد میں یہ بات بتائی جائے گی کہ اس ہال میں ہم موجود تھے  
ابھرا وہ پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔

خفیہ پولیس نے اس کے گھر پر چھاپہ مارا۔۔۔ وہ وہاں بھی نہیں  
تھا۔۔۔ پتا چلا وہ ملک سے بن باہر جا چکا ہے۔ اب ظاہر ہے جس  
ملک کے ایئر پورٹ پر وہ اترا ہوگا۔ وہاں سے اس کے گھرانے کے کسی  
اور ذریعے اس ملک کو بھی چھوڑ دیا ہوگا۔ اس طرح اب اس کا سراغ  
لگانا ممکن نہیں رہا تھا۔

”اس کا نام کیا تھا۔“

”فارغ حیدر۔“ انہیں بتایا گیا۔

انہوں نے اس کا نام اور خلیہ نوٹ کر لیا۔ اور اس

مروجہ کانفرنس ختم ہو گئی۔ انہیں تو اب اپنے اپنے ملک کی ہانگی تھی  
۔۔۔ کوئی سوچ رہا تھا کہ اب کیا بنے گا۔۔۔ یہ تو ایک ایسا طوفان آنے  
والا تھا۔۔۔ ہر کسی کے روئے زمین دکھ گئے گا۔۔۔ ہر ملک کے لوگ سولے  
کے سٹوں کی بارش کا انتظار کیا کریں گے۔۔۔ وہ کام کے دریا کے او  
جوانے گئے۔۔۔ اور اس طرح تو پوری دنیا کا نظام مفلوج ہوئے گئے  
۔۔۔ ان حالات میں سب نے اپنے اپنے ملک جانے کی  
کوشش کی۔ انہوں نے برٹائی کا رخ کیا۔ برٹائی میں سب کے چھوٹے  
ہوتے نظر آنے لگے۔۔۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے۔  
”کیوں بھی۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔ بہت ادا اس ہو۔“

”پوری دنیا کے لوگ ہی پریشان اور ادا اس ہیں۔۔۔ کیونکہ سولے  
کے سٹوں کا یہ ہونا نہ جانے کس کروٹ بیٹھے گا۔“

”ہاں! یہ بہت خوف ناک ہوا ہے۔۔۔ اب کیا کیا جائے۔“

ہم اپنے ملک واپس جانے یا یہیں سے اس ہول کے تعاقب کر کے۔۔۔  
انہیں بھی نے کیا۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ ہولے کا تعاقب۔۔۔ یہ تو کسی

بال کا نام ہو سکتا ہے۔“

”سولے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ آفتاب نے جواب دیا۔



”اسلام علیکم جیشید... کیا خبریں ہیں۔“

”میرا خبریں معلوم کر لے کے لیے ہی تو آپ کو فون کیا ہے۔“

”ہمارے ملک کے تین بڑے سائنس دان... تین بڑے انجینئر

... سب اہم شعبوں کے ماہرین غائب ہیں... ان سب کے عزیز رشتے

... بہت بے چین ہیں... یہ بے چینی بہت سے ملکوں میں پھیلی ہوئی

... ہے... لہذا اس وادی کی تلاش میں جانے کے بجائے... تم ادھر آ جاؤ

... پہلے یہ کیوں نہ معلوم کیا جائے کہ یہ لوگ ماہرین کو کس طرح اغوا کر

... رہے ہیں۔“

”جی اچھا! پہلے ہم ادھر آ جاتے ہیں... کیونکہ اس کا فائدہ

دوسرے اسلامی ملکوں کو بھی ہو گا۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”دوسرے ملکوں کو کس طرح جیشید؟“ صدر صاحب نے پھر ان

کو پوچھا۔

”اگر ہم ان کے اغوا کے طریقے کار کو جان لیتے ہیں تو دوسرے

ملکوں کو بھی بتا دیں گے کہ یہ لوگ اس طرح غائب کر رہے ہیں۔ اسی

طرح وہ لوگ اغوا کرنے میں تو ناکام ہو ہی جائیں گے۔ خود بھی

گرفتار ہوں گے۔ اور یہ بہت اچھا رہے گا۔“

”واقعی جیشید... یہ ٹھیک رہے گا۔“

”خبر ہو سکتی یعنی کہ... پوری دنیا پریشان ہے... ہم خود بھی

پریشان ہیں اور انہیں ایسے میں مذاقی کی سوجھ بوجھ رہی ہے۔“ آصف نے

جھٹکا کر کہا۔

”اب اور کیا کریں... کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔ اور پوچھنا تو

مذاقی ہی کر لیں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”قویہ ہے تم سے۔“ فرحت جھل گئی۔

”خیر ہو کی... ہمیں کیا۔“

”میرا خیال ہے... پہلے فیصلہ کر لیں... باتیں بعد میں کر لیں۔“

مکسن نے منہ بنایا۔

”ہاں واقعی... انکل آپ ایسا کیوں نہیں کرتے۔“

آواز ابھری۔

”گگ... کیا؟“

”اپنے صدر سے مشورہ کر لیں۔“

”اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ وہاں کے حالات بھی تو معلوم

ہو جائیں گے۔“

اب انسپکٹر جیشید نے صدر کا نمبر ملایا... قہوڑی دیر بعد کہ

آواز سنائی دی۔

دوسرے دن صبح انہوں نے برائی کے صدارت سے اجازت لی۔  
 انہیں ہی اجازت دیں کہ اپنے ملک میں انہیں کیا کچھ کرنا ہے۔ ایسے  
 ہی ریل ایک پھولی میں آزاد ریاست تھی۔ وہاں اپنے پاس سے  
 یہاں سے ہی نہیں کہ سیران کے لوگ ان کی طرف توجہ دینے کی  
 ضرورت محسوس کرتے۔

تمام کے وقت وہ اپنے ملک کے ان پورٹ پر اثر سے توجہ سے غور  
 والے ان کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انہیں ایک جہوں کی  
 صورت گھر تک لایا گیا۔ تب کہیں جا کر استقبال کرنے والے رخصت  
 ہوئے۔

دوسرے دن میں تمام یکساںات جمع تھیں۔ اور انہوں نے ان کے لیے  
 اس طرح کے کھانے تیار کیے تھے۔ چنانچہ پہلے کھانا کھایا گیا۔ پھر  
 انہیں جھیلے آئی جی صاحب سے رابطہ کیا۔

"سہرا خواہو نے والوں کے نام۔ نمبر اور پتہ دے گا۔ ہیں  
 ہم اس کیس پر کام شروع کر رہے ہیں۔"

"تو یہ ہے تم سے جھیلے۔" آئی جی صاحب نے منہ کر کہا۔  
 "ہی۔ کیوں؟"

"بھائی۔ ابھی ابھی تو آئے ہو۔ ایک رات تو آئے ہو تو۔"

"پھر ہم لوگ اپنے لوگوں کو اور دوسرے اعلیٰ محلوں کے لوگوں  
 کو مال کے فتنے سے خبردار کریں گے۔ لوگوں کو بتانا ہے۔ ہمارے  
 سے ہوا فتنہ انسان کے لیے کوئی نہیں۔ آخر ہم کیا کریں گے فتنے  
 کے ستلوں کا۔ اصل پیش آخرت کی پیش ہے۔ اس فتنے کی پیش  
 کتنی بھی کیوں نہ ہو۔۔۔ پھر بھی فتنہ ترین ہے۔ اس قسم کے کچھ ایسا  
 جائیں گے۔۔۔ لوگوں کو خبردار کیا جائے گا۔ اس طرح شاید ہم ان  
 فتنے سے بچ سکیں۔"

"اچھی بات ہے جھیلے۔ ان حالات میں یہاں تمہاری بہت  
 ضرورت ہے۔"

"تب پھر ہم اپنے ملک میں جا کر اپنے لوگوں کو سمجھاؤں۔  
 کرتے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ اس طرح نہیں۔۔۔ پہلے انہوں کا طریقہ کار دریافت  
 کریں گے۔۔۔ اس سے پوری دنیا کے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں گے  
 پھر کوئی اور کام کریں گے۔"

"مطلب یہ کہ پہلے ہم دارالحکومت چلی رہے ہیں۔۔۔  
 کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں! بالکل۔"



”جی... آپ کہتے ہیں تو کر لیتے ہیں... آپ نام بتادیں۔“  
 ”نہیں بھائی جان! نام نہ بتائیے گا۔“ وہ نہ یہ رات میں آرام  
 ہرگز نہیں کریں گے۔“

”بیگم جمشید نے اچانک ان کے ہاتھ سے موبائل لے کر آئی جی  
 صاحب سے کہا۔ اس وقت انسپکٹر جمشید موبائل پر بات کرتے ہوئے  
 اپنے کمرے کی طرف آرہے تھے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔ یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔“ انہوں نے من  
 کر کہا۔

”انسپکٹر جمشید نے بیگم جمشید کو تیز نظروں سے گھورا تو انہوں نے پھر  
 موبائل میں کہا۔“

”یہ مجھے گھور رہے ہیں بھائی جان۔“

”خبردار جمشید... جو تم نے ہماری بہن کو گھورا۔“

”جی... جی... اچھا۔“

”ہا ہا ہا۔“ بیگم جمشید ہنسی... ادھر آئی جی صاحب بھی نہیں

پڑے... پھر انہوں نے کہا۔

”خطرہ سر پر آپکا ہے سر۔“

”ایک رات میں تم کیا کر لو گے۔ یہ تو تم کو کب سے ان

”درمیان میں کوئی آرام کیا تم نے۔“  
 ”جی نہیں سر۔“ یا نہیں... آرام کا موقع ملا ہے یا  
 ہو۔“ آپ کہتے ہیں تو آج رات آرام ہی کر لیتے ہیں۔ صبح  
 پھر آپ کہتے ہیں تو جاؤں گے۔“

”ابعدت میں حاضر ہو جائیں گے۔“  
 ”بالکل ٹھیک۔ اس وقت میں بتاؤں گا۔“ ہمارے شہر کے کتنے  
 نامور ہیں اور ان کے گھر والے کس قدر پریشان ہیں۔“

”جی... ٹھیک ہے۔“  
 ”اس طرح اس رات انہیں آرام کرنا پڑ گیا۔ دوسرے دن ٹاٹتے  
 آج وہ آئی جی صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ شیخ صاحب انہی کا  
 کہہ رہے تھے۔“

”آئیں بھی آئیں۔“

”اب بیٹھ گئے۔“ تب آئی جی صاحب نے ایک فائل میں سے  
 ”مائل شروع کیے۔ وہ نام سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے۔“  
 ”ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے کہا۔“

”ان میں جو سب سے قریبی جاننے والے ہیں۔ وہ  
 ”شاید۔ جس ہم ان کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ سب لوگوں  
 ”جانا تو اس کی ضرورت نہیں۔ ایک گھر کے درجے میں لے جانا

## پیتل کا ٹکڑا

انہوں نے چونک کر دیکھا ... کمرے کے فرش پر تالین نہیں بچایا گیا تھا بس فرش ہی تھا اور فرش پر گرنے والی چیز کسی وحشت کا ایک بھونسا سا ٹکڑا تھا ... وہ ٹکڑا نیچے جھک کر دیکھنے پر نظر آیا تھا ... اسپیئر جشید نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا ... اور میز پر رکھ دیا۔

”یہ کیا چیز ہے بھلا؟“ انہوں نے کہا۔

”اب اسے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے ... لیکن کسی کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ

کیا چیز ہے۔“

”یہ ہم میں سے تو کسی کی ہے نہیں ... اس کا مطلب ہے، اس

بال میں یہ ہیں کہیں رکھی گئی تھی ... اب جب ہم اٹھے تو یہ اس جگہ

سے ہٹ گئی ... اور گر گئی۔“ اسپئر جشید نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے، سوال تو یہ ہے کہ یہ سے کیا؟“ انہوں نے

کہا۔

لگا لیا تو یہ کامیابی مٹی جاسے کی۔“

”ٹھیک ہے جشید ... تم بسم اللہ کرو ... اور یہ جان کر کام شروع کرو کہ صرف ایک ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے ... تمام اسلامی ممالک کا مسئلہ نہیں ہے ... بلکہ میں سمجھتا ہوں ... اس سازش کی لپیٹ میں غیر مسلم ملک بھی آئیں گے ... یہ لوگ پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں ... انشارجہ اور بیگال پہلے بھی یہ خواب دیکھتے رہے ہیں ...“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ انہی کی سازش ہو ... یعنی انشارجہ اور بیگال کی۔“ اسپئر کا مران مرزا نے کہا۔

”جی ہاں! اس بات کا زبردست امکان ہے ... لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ... تو اب ہمیں اجازت دیں۔“

”ٹھیک ہے ... میں آپ لوگوں کی کامیابی کی دعا کرتا رہوں گا ... جہاں تک ہو سکے ... ساتھ ساتھ بتاتے رہنا کہ کہاں تک پہنچے ہو۔“

”ہم پوری کوشش کریں گے کہ ساتھ ساتھ بتاتے رہیں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ سب اٹھے تھے ایسے میں انہوں نے کوئی

چیز کرنے کی آواز سنی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆



ذرا نہ نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! یہ سوال ہے لیکن آلات سے چیک کیا گیا ہے۔“

اگر یہ کوئی خاص چیز ہوتی تو کوئی جاسوسی آلہ ہوتا تو معلوم ہو جاتا۔

یہ سکتا ہے۔ رشتوں نے ہمیں بلاوجہ الجھانے کے لیے یہ وہاں رکھ دیا۔

اس کا اس طرح کرنا بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کیونکہ

اسے کسی احتیاط کے بغیر وہاں رکھا گیا تھا۔ اگر خفیہ رکھنا ہوتا تو بہت

آسانی سے ایسا کیا جاسکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔۔۔ ”انسپیکٹر جیشید

سب سے چلے گئے۔“

”میرا خیال بھی یہی ہے۔۔۔ یہ وقت ضائع کرنے کا آلہ ہے۔۔۔“

اسے باہر کورے پر پھینک دیا جائے۔ ”انسپیکٹر کا سران سرزائے کہا۔“

”بلکہ میرا ایک اور خیال بھی ہے کہ یہ اغوا وغیرہ بھی ہمیں

الجھانے اور بھڑکانے کے لیے ہی کیے گئے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ دوسرے ملکوں کی طرح یہاں سے بھی کچھ لوگ پیسے کے الٹی میں

خود ہی گئے ہوں اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں اغوا والے واقعے پر

توجہ دینے کے بجائے سران کے لیے چل دینا چاہیے۔“ انسپیکٹر جیشید

نہایت عجیبگی سے ہلے۔

”پہلے اس کے بارے میں تو فیصلہ ہو گیا۔۔۔“

”پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ اس کا جائزہ لیں ذرا۔“

انہوں نے سر ہلا دیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

”دیکھو تو کچھ پتا نہیں چل رہا۔۔۔ ہم یہ ساتھ لے جاتے ہیں

آلات کے ذریعے اسے چیک کریں گے۔“

”ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

انہوں نے ایک لفافے میں ڈال کر اسے جیب میں رکھ لیا اور آئی

جی صاحب سے رخصت ہوئے۔۔۔

”سب سے پہلے اس ٹکڑے کا جائزہ لینا ہو گا کہ یہ ہے کیا چیز

۔۔۔ اس کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کریں گے۔۔۔ کوئی پروگرام

نہیں کریں گے۔“ پروفیسر داؤد نے باہر نکلتے وقت کہا۔

انہوں نے سر ہلا دیے۔۔۔ لہذا گھر تک کا سفر خاموشی سے طے

ہوا۔۔۔ پھر پروفیسر داؤد نے اس کا جائزہ شروع کیا اور آخر انہوں نے

کہا۔

”یہ بے ضرر ٹکڑا ہے۔“

”تب پھر اس کا ٹکڑہ سران آسانی کے اس بال میں لایا اور۔“

”کرتا کیا ہے... اب ہمیں اپنی مہم کا آغاز کرنا ہے۔ اور ان  
مہم کے دوران ہم کئی بار واپس آچکے ہیں۔ لیکن اب اس وقت تک  
واپس نہیں آئیں گے جب تک کہ یہ مہم مکمل نہ ہو جائے۔“

”اور یہ کوئی اتنی آسان مہم نہیں ہے۔ ہم پورے ایک ملک یا  
پوری ایک ریاست یا پوری ایک وادی کے خلاف نکل رہے ہیں۔“  
فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا پوری پوری لگا رکھی ہے تم نے۔“ محمود نے اسے گھورا۔  
”لگتا ہے، صبح ہمیں ناشتے میں پوریاں ملنے والی ہیں۔“

”ہائیں... پوریاں۔“ کئی آوازیں ابھریں۔  
”ہم نے سن لیا ہے... فکر نہ کریں... کل کا ناشتا پوریوں  
کا ہو گا۔“

”اور اس کے فوراً بعد ہم گھر سے نکل جائیں گے۔“  
”لیکن جائیں گے کہاں۔“ فاروق نے کہا۔

”جہاں اللہ لے جائے... ہمیں ”سہرا“ کا راستہ تو معلوم  
نہیں۔“

”میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے... کالا جنگل میں جس  
جگہ تک ہم پہنچ گئے تھے... ہمیں اپنا سفر دیں سے شروع کرنا

”شہر کے رقبے میں کہا۔  
”جہاں سہرا ہے... جس جگہ سہرا کے سفر کرتے ہم  
آج تک پہنچے تھے۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”ہاں بالکل۔“

”اس بات کا امکان ہے تو کسی کہ وادی سہرا کا راستہ وہاں  
جنگل میں غیر ملکی لوگوں کا آنا بھی اسی طرف  
سے ہو کر جاتا ہو... کم از کم وہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی سراغ ضرور ملے  
اشارہ کرتا ہے...“

”انسپکٹر جمشید نے اپنا خیال ظاہر کیا۔  
”اس کا مطلب ہے... ہمیں ایک بار پھر برنائی جانا ہو گا۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔“

”بس تو پھر... میں انہیں فون کر دیتا ہوں۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

انہوں نے اسی وقت صدر برنائی کے نمبر ملائے... جلد ہی ان کی

آواز آئی۔  
”السلام علیکم انسپکٹر جمشید میرے دوست۔“ ان کی پرجوش آواز

ٹپکی دی۔

”ہمیں افسوس ہے... ہم ایک بار پھر آپ کو زحمت دینے کے



لیے آنا چاہتے ہیں۔

"کیا کہا۔ دھمت۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں میرے دوست!"  
 لوگوں کا آنا تو میرے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔"  
 "ہم کل صبح سویرے یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔"  
 "نہیں... اس طرح نہیں۔" ادھر سے صدر برٹائی نے کہا۔  
 "کیا مطلب... اس طرح نہیں۔"  
 "ہاں! اس طرح نہیں... میں ابھی اپنا طیارہ ادھر سے بھیج رہا ہوں۔ آپ لوگ اس کے ذریعے آئیں۔ کیونکہ پہلے بھی دو بار گریز ہو چکی ہے۔"

"ادھ ہاں... یہ ٹھیک رہے گا... میں صدر صاحب کو بتا دیا ہوں... طیارے کے آتے ہی اس کے گرد گھیرا ڈال دیا جائے گا۔  
 ہمارے فوجی جوان رات بھر اس کا پہرہ دیں گے... صبح ناشتے کے بعد ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا کہا... صبح ناشتے کے بعد... تو ناشتا آپ لوگ میرے ساتھ کیوں نہیں کرتے۔"

"اس لیے کہ ہم ناشتے کے وقت تو پہنچیں گے ہی نہیں... آپ کے ساتھ تو ہم کھانا کھائیں گے۔"

"ابھی بات ہے... یونہی سہی... یہاں سے بھی طیارہ پڑے۔"  
 "کلمات کے ساتھ بھیجا جائے گا۔"  
 "شکریہ۔"

اور پھر دوسرے دن چوریوں کے ناشتے کے بعد انہوں نے خواتین کو الوداع کہا۔ سب نے انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور دونوں طرف سے اس وقت تک ہاتھ ملتے رہے جب تک کہ دو ایک دوسرے کو نظر آتے رہے۔ پھر وہ ایئرپورٹ پر پہنچے... ان کا طیارہ بالکل تیار تھا... فوجیوں نے انہیں اپنے گھیرے میں طیارے تک پہنچایا۔ یونہی وہ طیارے میں داخل ہوئے... طیارہ ریگنے لگا... اور تھوڑی دیر بعد وہ فضا میں تھا۔

"الحمد للہ! ایک بار پھر ہم طیارے کا سفر کر رہے ہیں... اس کیس کے دوران پہلے بھی کئی بار طیاروں کے سفر کرنے پڑے ہیں... لگتا ہے... اس کیس کا اور طیاروں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔"  
 "کوئی بات نہیں... ساتھ ہونے دو۔" آفتاب نے منہ ہٹایا۔  
 "تو تم کیوں جلتے جا رہے ہو۔" فاروق نے منہ ہٹایا۔

"جلتی ہے فرزانہ کی جوتی۔" آفتاب مسکرایا۔

"نا فرزانہ... تمہاری جوتی کو بلاوجہ گھسیٹ رہا ہے۔"

”وہ ابلی میٹھ کی کو بھی رکام۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔  
 ”جست جست... تم نے مجھے لی میٹھ کی کہا۔“ فرحت اچھل  
 کر تڑی ہو گئی۔

”ارے ارے! ہم طیارے میں ہیں۔“  
 ”ادو! میں تو جہول ہی مٹی تھی۔“ فرحت فوراً سیٹ پر بیٹھ گئی۔  
 ”اللہ کا شکر ہے... آپ کو یاد آ گیا۔“ مکھن نے خوش ہو کر

کہا۔  
 ”گلتا ہے... اب یہ جہاز مچھلی بازار بن جائے گا۔“  
 ”لے... لیکن انکل... طیارے میں مچھلی کہاں... یہ ہوائی  
 جہاز ہے... کوئی لانچ نہیں... یا کوئی بحری جہاز نہیں۔“  
 ”ایسی کوئی بات نہیں۔“ پاس سے گزرتی ایر ہوٹس نے ہنس کر  
 کہا۔

”کیسی کوئی بات نہیں۔“ پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”یہ کہ اس طیارے میں مچھلی نہیں ہو سکتی... مچھلی ہے... لیکن  
 مٹی ہوئی۔“

”ارے دادو... پھر تو مزہ آ گیا۔“ پروفیسر داؤد خوش ہو گئے۔  
 ”دھت تیرے کی... بات کہاں کی کہاں چلی گئی۔“ مٹی نے

”آفتاب تمہاری یہ جرات... کہ میری ہوتی کو ٹھیکہ۔“  
 ”تم غلط سمجھیں فرزانہ... فاروق تمہیں مجھ سے لڑنے کی کوشش  
 کر رہا ہے۔“  
 ”خدا ہو مٹی... میں کیوں کرتا ایسی فضول کوشش۔“ فاروق بھڑک  
 اٹھا۔

”بھئی خیال رہے... ہم اس وقت طیارے میں ہیں۔“ مکھن  
 رحمان نے گھبرا کر کہا۔

”تو اس سے کیا ہوتا ہے انکل... کیا طیارے میں باتیں کرنا  
 منع ہے... یا ہمارے باتیں کرنے سے طیارہ ڈر کر پڑ جائے گا۔“  
 ”تو یہ ہے تم سے... بال کی کھال اتارنا کوئی تم سے سیکھے۔“  
 محمود نے جل بھن کر کہا۔

”ضرور سیکھ لو... کوئی اعتراض نہیں۔“

”کیا سیکھ لو۔“ پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔  
 ”جی بال کی کھال اتارنا۔“

”ادو اچھا... ہائیں کیا کہا... بال کی کھال اتارنا سیکھ لو۔“ ادو  
 چونکے۔

”جی ہاں... بالکل جی کہا ہے اس نے۔“ فرحت مسکرائی۔



”تو تم کیا چاہتے تھے... بات بھنک کی بھنک وہ ہاں...“  
 آصف نے حیران ہو کر کہا۔

”بس... شروع ہو گئے سب کے سب... اب کہاں بریک  
 گئے گی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔

”طیارے میں بریک نہیں ہوتی انکل۔“ فاروق ہنسا۔

”ادھ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا... ارے مگر... میں نے  
 طیارے کے بریکوں کی بات کب کی ہے بھلا... وہ تو میں ان کی باتوں  
 میں بریک کی بات کر رہا تھا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔  
 ”ادھ اچھا... معاف کیجیے گا انکل۔“ فاروق نے جلدی سے  
 کہا۔

”بالکل کیا معاف۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

اسی وقت ایر ہوٹل ان کی طرف آئی۔

”آپ لوگ کھانے میں کیا کیا لینا پسند کریں گے۔“

”ابھی آپ نے خود ہی تو بتایا تھا، تلی ہوئی مچھلی بھی ہے عیار۔“

میں۔“ پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

”جی ہاں ادھ تو ہے۔“

”بس تو پھر... مچھلی ہی چلے گی۔“  
 آپ دراصل... آپ کے لیے اور بہت چیزیں تیار کروائی گئی

آپ ہمارے صدر کے قریب دوست ہیں... آخر...  
 ”پھر تو جو چیزیں بھی تیار کی گئی ہیں... لے آئیں۔“ پروفیسر  
 نے جلدی سے کہا۔

اور سب لوگ مسکرائے گئے... کیونکہ اس کا مطلب تھا... کہ

پہنر صاحب کو بہت زیادہ ہنوک لگی ہوئی ہے...  
 ایر ہوٹل کھانا لگانے کے لیے سرگرم ہو گئیں... ان حالات میں  
 پہنر ہشید نے عجیب سے انداز میں کہا۔  
 ”مجھے ایک خیال سوجھ رہا ہے۔“



یہ ان دنوں کا ہے... یا ان دنوں کا ہے...  
 یہ ان دنوں کا ہے... یا ان دنوں کا ہے...  
 یہ ان دنوں کا ہے... یا ان دنوں کا ہے...

## سرخ

ان سب نے چونک کر انپکڑ جمشید کی طرف دیکھا...  
 "یہ تو اچھی بات ہے جمشید... کہ تمہیں کوئی خیال سوجھا ہے...  
 ہم جانتا چاہتے ہیں، وہ کیا خیال ہے۔"  
 "سیران کوئی ملک نہیں ہے۔"  
 "اوہ... تو پھر کیا ہے۔"  
 "نہ وہاں کسی ملک یا کسی ریاست بھی آبادی ہے۔"  
 "تو پھر؟" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔  
 "وہ کوئی وادی ہے... پہاڑوں کی وادی... لیکن فرق صرف  
 اتنا ہے کہ اس وادی کے پہاڑ سونے کے ہیں۔"  
 "سیرا خیال بھی یہی ہے۔" انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔  
 "اور ان لوگوں نے وہاں ہر قسم کے ماہرین جمع کیے ہیں...  
 انہوں نے اس وادی کو جدید ترین سائنسی بنیادوں پر بنایا ہے۔"

"یہ ممکن ہے۔" انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔  
 "مگر بات یہی ہے تو بھی ہمیں وہاں جانا ہے... لیکن ہم چند  
 دن برٹائی ٹھہریں گے... تاکہ معلوم ہو... یہ لوگ کیا کر رہے ہیں  
 اور کیا کچھ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔"  
 "بالکل ٹھیک۔" ان سب نے کہا۔  
 چند منٹ کے اندر اتر ہو سٹلوں نے کھانا چن دیا... طیارے میں  
 رہی لوگ تو تھے... اور وہ کھانا کھانے لگے... صدر برٹائی نے  
 بہت اہتمام سے کام لیا تھا... انہیں کھانے میں بہت لطف آیا...  
 آخر وہ برٹائی کے اڑ پورٹ پر اترے... صدر انہیں لینے کے  
 لیے ٹود آئے ہوئے تھے... وہ گرم جوشی سے ملے... اس طرح انہیں  
 گل میں لایا گیا اور وہ سیدھے اپنے مہمان خانے میں آگئے... یہ  
 کرنے ان کے لیے مکمل طور پر مخصوص تھے... ان کی غیر حاضری میں



”اے اہل رحم فرمائیے۔ اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہوگا؟“ خان رضوان نے پوچھا۔

”جوانے کے انداز میں کہا۔ حالات خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں۔ شکرانوں کے پتے

بکھیر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے بعد اور زیادہ ہولناک صورت

پیدا ہونے سے ڈرنا ہو جائے گی۔ حکمران لوگ تو ادھر ادھر بھاگ جائیں گے۔

پارہ پوش ہو جائیں گے۔ ذرا سوچیں، اس کے بعد کیا ہوگا۔ کیا

ہل چل نہیں کریں گے۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ حد درجہ خوفناک حالات سامنے آنے والے

ہیں۔“

”لہذا دعا کرو۔۔۔ اللہ ایسا وقت نہ لائے۔۔۔ ان لوگوں کا منصوبہ

جی ہو جائے۔۔۔ ورنہ تمام اسلامی ملک تباہی کے گڑھے میں جا گریں

گے۔“

”یا اللہ رحم۔“

”ہاں! بس اللہ سے دعا کریں۔“

”اور پیارے دوست ہم ابھی چند دن یہاں ٹھہر کر حالات کا

بارخوبی گے۔۔۔ پھر روانہ ہو جائیں گے۔“

”لیکن کس طرف۔۔۔ مجھے بتا دیں تاکہ میں تیاری کر سکوں۔“

”بھی کسی کو نہیں دے جاتے تھے۔“

”کوئی نئی خبر۔۔۔ یعنی سر کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچا ہو۔“

”کئی ملکوں میں سونے کے سکوں کی بارش ہوئی ہے۔“

”ہوں! اور وہاں کے عوام کیا محسوس کر رہے ہیں۔“

”وہ یہ بارش کرنے والوں کو دعائیں دے رہے ہیں۔“

حکومت کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔۔۔ عوام کا کہنا یہ ہے کہ حکومت نے تو

کبھی ان کے بارے میں سوچنے کی زحمت تک نہیں کی۔۔۔ ہماری حکومت

سے تو یہی لوگ بہتر ہیں۔۔۔ ہمیں سونے کے سکے تو دے رہے ہیں۔“

”لیکن اس طرح بھلا کتنے لوگوں کو ملے ہوں گے سونے کے سکے

۔۔۔ اور جنہیں نہیں ملے۔۔۔ وہ تو انہیں برا ہی کہہ رہے ہوں گے۔“

”نہیں۔۔۔ ایسے لوگ کہتے ہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ اب جب

پھر بارش ہوگی تو انہیں بھی سکے مل جائیں گے۔۔۔ اصل میں بے شمار

لوگوں کو مل چکے ہیں۔۔۔ لہذا جنہیں نہیں ملے، انہیں بھی پوری امید ہے

کہ مل جائیں گے۔“

”ہوں۔۔۔ اور حکومتوں کا کیا حال ہے۔“

”حکومتیں بہت پریشان ہیں۔۔۔ عوام سے ان کا اثر اتنا رہا ہے

۔۔۔ اور وہ دن دور نہیں۔۔۔ جب حکومتیں بالکل بے اثر ہو جائیں گی۔“

۔۔۔

”آپ بس ہماری وہ لالچ تیار کر ادیں۔ ہم کالا جنگل تک جانیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ ضرورت ہو تو کوئی فوجی دستہ بھی ساتھ کر دوں۔۔۔ کیونکہ اس مرتبہ آپ لوگوں کا مقابلہ چند آدمیوں سے نہیں ہے۔۔۔ پورے ملک سے یا پوری ایک ریاست سے۔۔۔ یا پھر کم از کم ایک وادی سے تو ضرور ہے اور وادی میں اتنے کم لوگ نہیں ہوتے۔“ صدر برنائی نے جلدی جلدی کہا۔

”نہیں۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ ہم موقع محل کے اعتبار سے کام کرتے ہیں۔۔۔ آپ بس ہمارے لیے دعا کریں۔۔۔ ہاں! لالچ میں اسلحہ اور خوراک جس قدر بھی رکھوا سکیں، رکھوا لیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ یہ کام میں کر ادیتا ہوں۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔“

تیسرے دن صبح سویرے انہوں نے صدر برنائی کو اللہ حافظ کہا۔۔۔

ان کا سفر ایک بار پھر سمندر میں شروع ہوا۔۔۔ یہ سفر وہ پہلے بھی کرتے رہے تھے۔۔۔ کالا جنگل بھی ہو آئے تھے اور اس جزیرے کی سر بھی کر چکے تھے۔۔۔ پندرہ دن کے سفر کے بعد وہ جنگل کے کنارے پہنچ گئے۔۔۔

لالچ سے اترنے سے پہلے انہوں نے ضروری اسلحہ اور دوسری چیزیں لے لیں۔۔۔ باقی اسلحہ اور سامان انہوں نے جنگل کے کنارے ایک جگہ چھپا

”اب ہمیں جنگل کے اندر داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ہم کنارے کنارے چلیں گے اور اس جگہ پہنچ جائیں گے جہاں ہم پہلی مرتبہ پہنچے تھے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

انہوں نے سفر شروع کیا۔۔۔ یہ سفر بھی کوئی مختصر سفر نہیں تھا۔

پہلے وہ جنگل کے اندر داخل ہو کر بالکل سیدھے گئے تھے اور جنگلوں تک پہنچے تھے۔۔۔ اس کے بعد ان سے جنگ کی تھی۔۔۔ پھر وہ غیر ملکی گھوڑے سوار وہاں آ گئے تھے۔۔۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور تھے بھی وہ جدید

ترین اسلحے سے لیس۔۔۔ بس انہوں نے ان سے جنگ مول نہیں لی تھی۔۔۔ بس کئی کترا کر انکل گئے تھے اور جھوپڑوں کے عقب کی طرف چلے گئے تھے۔۔۔ اسی طرف سے غیر ملکی گھوڑے سوار آئے تھے۔۔۔ عقب کی

طرف سے آگے پڑھتے پڑھتے آخر وہ جنگل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔۔۔ اس سے آگے سمندر تھا اور تھا بھی اس جگہ نشیب میں۔۔۔ اس

وقت چونکہ انہوں نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا تھا، اس لیے اس بات کا جائزہ نہیں لیا تھا کہ وہ گھوڑے سوار کہاں سے آئے تھے

کیونکہ پورا راستہ طے کرنے کے باوجود انہیں گھوڑے سواروں کی کوئی



”یہاں تو کہیں ان کے آثار نہیں ہیں۔“ فاروق نے منہ ہٹایا۔  
 ”ابھی ہم نے ادھر ادھر کھوم پھر کر نہیں دیکھا۔“ فرزانہ نے

اسے گھورا۔

”تو اس میں کات کھانے والی کون سی بات ہے۔“ فاروق نے

فورا کہا۔

”بالکل نہیں ہے۔“ میں نے کب کہا کہ اس میں کات کھانے

والی بات ہے۔“

”حد ہو گئی۔“ سنا آپ سب نے اس کا جواب۔“ فاروق نے

مردن ادھر ادھر تھمائی اور پھر چونک کر ایک سمت میں دیکھنے لگا۔ فورا  
 ہی اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

”نن... نہیں!“

سب اس وقت اس کی طرف تو دیکھ نہیں رہے تھے کہ چونک کر

کہتے، کیا ہوا۔

”مم... میں۔“ فاروق ہٹکایا۔

”کیا ہو گیا بھئی... اب ہٹکانے بھی گئے... کوئی جن بھوت تو

نہیں دیکھ لیا۔“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”تم کون سا کسی جن بھوت سے کم ہو۔“ آصف ہنس رہا۔

رہائش یا پڑاؤ نظر نہیں آیا تھا۔ لہذا اب وہ اسی جگہ بیٹھنا چاہتے تھے۔  
 اس کے علاوہ انہیں کوئی اور راستہ بھٹائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن  
 بہر حال اب وہ اس مہم پر باقاعدہ نکلے تھے۔ اس لیے وہ بات کو  
 جائزہ لینا چاہتے تھے۔

ان کا پیدل سفر شروع ہوا۔ ان پر ایک لگن اور جوش سوار تھا  
 تاکامی کا کوئی خوف انہیں دامن گیر نہیں تھا۔ بس وہ آگے ہی آگے  
 بڑھے چلے جا رہے تھے۔ انہیں مسلسل کئی گھنٹے چلنا پڑا۔ یہاں تک  
 کہ پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

”بس جمشید... اب مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔“ کچھ دیر یہاں  
 رک کر آرام کریں گے، پھر آگے بڑھیں گے۔ کوئی ہمیں بہت جلد  
 کسی جگہ پہنچنا نہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ یہی بات ہے۔“ انیکٹر جمشید نے  
 انتہائی نرم انداز میں ان سے کہا۔

اور پھر درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان انہوں نے پڑاؤ ڈال  
 دیا۔ اس جگہ وہ دھوپ سے پوری طرح محفوظ تھے۔ انہوں نے پھر  
 چاروں طرف جائزہ لیا۔ کہیں ان غیر ملکیوں کے نشانات نظر  
 آتے۔

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید انھ کمرے سے نکلے۔ قدم بڑھاتے گئے۔

پہلے انہوں نے کہا۔

”آپ سب بھی درختوں کی اوٹ سے لیں اور میری کمر کی طرف

دھیان رکھیں۔ کوئی میری کمر کی طرف سے حملہ کرے گا تو آپ

پہلی طرح ہوشیار ہوں۔“

”فکر نہ کریں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اب انسپکٹر جمشید ایک ایک درخت کر کے آگے بڑھنے لگے۔

ان سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔ اور دو بار بار چاروں طرف بھی

دیکھ رہے تھے کہ کہیں ادھر ادھر سے ان پر حملہ نہ ہو جائے۔

انسپکٹر جمشید کافی آگے چلے گئے۔ پھر انہوں نے ان کی سمت

میں ڈوبی آواز سنی۔

”اوہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

☆☆☆☆☆

”خدا ہو گئی۔ تو یہ ہے تم سے۔ ہاں فاروق کیا بات ہے۔“

”میں نے... اس طرف کچھ دیکھا ہے۔“

”پہلے یہ بتاؤ۔ تم نے ادھر دیکھا کیا؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”آخر سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ مجھے کچھ نظر آیا

میں نے بتا دیا۔“

”ہاں واقعی۔ بات تو اتنی ہی ہے۔“ آفتاب نے اس کی تائید کی۔

”وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں... تم نے کیا دیکھا۔“

”کسی کی جھلک... گویا وہ درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ اور

ہمارا جائزہ لے رہا تھا... ایسے میں اس نے درخت سے قدم بڑھا کر

ہمارا جائزہ لینے کی کوشش کی... بس عین اس لمحے مجھے اس کی جھلک

نظر آنے لگی۔“

”اگر واقعی یہ بات ہے... تب ہم خطرے میں ہیں۔“

”میں آگے جا کر جائزہ لیتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیا اس طرح آگے جانا خطرناک نہیں ہوگا۔“

”خطرہ مول لیے بغیر چارہ نہیں۔“



”بڑے بھی ہمارے انداز میں باتیں کرنے لگے ... خوش نہ  
ہوں تو کیا کروں۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”کرنے کو تو خیر اور بہت کام ہیں۔ تم کرنے والے ہو۔“

”مور نے دھن دیا۔“ تو کیا میں کام کرنے والا نہیں ہوں۔“ فاروق نے  
”ہائیں۔“

”بڑے ظاہر کی۔“

”کلیتے تو نہیں۔“ آفتاب جیسا۔

”کیا نہیں لگتا۔“ فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

”کام کرنے والے۔“ شوکی بول پڑا۔

”لو جی ... یہاں آنے کی بجائے وہیں باتیں بکھارنے لگے۔“

”اور ... ہاں تو وہاں جا کر دیکھ لیں۔ باتیں تو بعد میں بھی

ہو رہی گی۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”مشکل ہے ...“ فرزانہ مسکرائی۔

”کیا مشکل ہے۔“ مکھن نے اسے گھورا۔

”جب کوئی چیز اتنا جان کو نظر آتی ہے ... تو ہم چوکڑیاں بھول

جاتے ہیں۔ باتیں بعد میں کیسے ہوں گی۔“ فاروق نے کہا۔

”اور یہ چوکڑیاں بھولنا کیا ہوتا ہے۔“ مکھن نے حیران ہو کر

## گھوڑے سوار

ان کی نظریں اسپیکٹر جھید پر جم گئیں۔ پھر خان رحمان نے کہا۔  
”اگر خطرہ نہ ہو تو ہم بھی آجائیں۔“ اور وہ دیکھ لیں جو تم دیکھ  
رہے ہو۔“

”ہاں! سب آجائیں۔“ خطرہ یہاں دور دور تک نہیں ہے ...  
لیکن کسی وقت بھی خطرے صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے۔“  
”دیکھا جائے گا۔“ ان خطروں سے ڈرنے والے اے آسمان

نہیں ہم ... سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا۔“ منور علی خان نے پ  
جوش انداز میں کہا۔

”لو بھئی علامہ اقبال کے شعر کی مٹی پلید کر دی۔“ بھائی باطل  
سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم۔“ خان رحمان ہنسے۔

”واہ واہ۔“ فاروق نے پر زور انداز میں خوشی کا اظہار کیا۔

”تمہیں کیا ہو؟“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”ہے کوئی تک انگل۔“ شکی نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف

دیکھا۔ ”بالکل نہیں... لیکن کس بات میں۔“ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

”بالکل نہیں پہلے کہہ دیا اور پوچھ بعد میں رہے ہیں کہ کس بات

میں یہ بھی خوب رہی کامران مرزا۔“ خان رحمان ہنسے۔

”اگر کھال کا بال اتر سکتا ہے... تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔“

انہوں نے ہنس کر کہا۔

”حد ہو گئی... بالکل حد ہو گئی...“ انسپکٹر جمشید نے جھٹکا کر کہا۔

”اچھا انگل... ہم آ رہے ہیں... اور...“ آصف نے ہانک

کالی۔

”اور کیا۔“ انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

”اور یہ کہ بس آ رہے ہیں۔“

اور پھر وہ سب ان کے پاس پہنچ گئے... ان کی نظریں زمین پر

ایک جگہ جمی تھیں... انہوں نے دیکھا... وہاں ایک انسانی ہڈی پڑا تھا

ایک انسان کی ہڈیاں... ہڈیوں پر گوشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

”یہ... یہ تو انسانی ہڈی ہے۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”تو میں نے کب کہا ہے کہ یہ کسی جانور کا ہڈی ہے۔“ سوال تو

”پتا نہیں... اور کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا...“ محاورہ ضرور ہوتا ہے۔

”تو یہ ہے تم سے... کھال کی بال اتر رہی ہے۔“

”بے چارے کو ایک یہی تو کام آتا ہے۔“ محمود ہنسا۔

”کون سا کام۔“ فرحت نے پوچھا۔

”بھئی کھال کی بال اترنے کا۔“ آصف نے جلدی سے کہا۔

”حد ہو گئی... بلکہ تو یہ ہے تم سے... وہیں کھڑے رہ کر ہاتھیں بکھار رہے ہو... یہاں تک کہ اپنے ساتھ بڑوں کو بھی روک لیا ہے اور ادھر آنے کا نام نہیں لے رہے۔“

”چلو بھئی! ادھر چلنے کا نام لو۔“

”مجھے تو پتا نہیں، ادھر چلنے کا نام کیسے لیا جاتا ہے۔“ اشتاق نے گھبرا کر کہا۔

”لو بولے بھی تو چھپر پھاڑ کر۔“ فاروق نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

”وہ اس لیے کہ اللہ جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔“ محمود نے کہا۔



یہ ہے کہ یہاں کسی انسانی پنجر کا کیا کام۔ انہوں نے کہا۔  
 "ہو سکتا ہے۔ کوئی جنگلی اس طرف نکل آیا ہو اور یہاں کسی  
 حادثے کا شکار ہو گیا ہو۔۔۔ اب ظاہر ہے۔۔۔ آہستہ آہستہ گوشت کھ  
 ہی جاتا تھا۔ ہڈیاں رہ گئیں۔" منور علی خان نے کہا۔  
 "جی نہیں۔" انسپکٹر جشید نے مسکرا کر کہا۔  
 "جی نہیں کیا نکل۔" شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 "یہ کسی جنگلی کا پنجر نہیں ہے۔"

"بھلا یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"  
 "ایسے کہ ہم اس جنگل کے جنگلیوں کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ بہت  
 چوڑے چمکے اور بہت لمبے قد کے ہیں۔ اور جس شخص کا یہ پنجر ہے۔  
 وہ اتنا لمبا اور چوڑا نہیں تھا۔ پنجر دیکھ کر یہ صاف نظر آ جاتا ہے۔"  
 "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"تب یہ ان گھوڑے سواروں میں سے کوئی تھا۔ ہو سکتا  
 ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ دو گھوڑے سوار کسی بات پر لڑ پڑے ہوں۔ اور  
 ایک نے دوسرے کو مار دیا ہو۔"

"اس بات کا امکان ہے۔"

"اس پنجر سے کم از کم ایک بات ثابت ہو گئی۔ اس طرف کچھ

دن کا آتا جاتا ہے۔ اور کیا خبر سہراں کو کوئی راستہ اسی طرف سے  
 ان انسپکٹر جشید نے خیال ظاہر کیا۔

"سہرا بھی یہی خیال ہے۔ بلکہ اب تو میں یقین سے کہہ سکتا  
 ہوں کہ ان طرف سے کوئی راستہ ضرور سہراں کی طرف جاتا ہے۔"  
 "آپ یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں۔" مارے حیرت کے

دلت نے کہا۔  
 "ہاں فرحت۔۔۔ میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں اور میں

اپنی بات ثابت کر سکتا ہوں۔"  
 "اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے انا جان۔" آفتاب نے  
 زلزلہ کر کہا۔

"تب پھر اس اُحانچے میں ایک عدد سونے کا سکہ موجود ہے۔۔۔  
 گردنہار کی وجہ سے وہ اپنی چمک کھو بیٹھا ہے۔۔۔ اگر ہم اسے صاف کر  
 دیں تو وہ پھر سے چمکنے لگے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ہاتھ اُحانچے کے اندر ڈالا اور باہر نکال  
 لیا۔ انہوں نے دیکھا، ان کی ہتھیلی پر سکہ موجود تھا۔۔۔  
 "بہت خوب کامران مرزا۔۔۔ سکتے پر تو میری بھی نظر نہیں گئی

تھا۔"

جی ایک طرف جنگل کا کنارہ اور دوسری طرف سمندر۔ فاروق نے  
لگے انداز میں کہا۔

”آخر ہم اسکا کر یہاں سے لوٹ جاتے ہیں تو پھر سبران کا راستہ  
والی کرنے کے لیے اور زیادہ اکتانا پڑے گا۔۔۔ بہتر ہے کہ یہیں اکتا  
جی۔ سبران دل اور دماغ کھ رہے ہیں۔۔۔ سبران کے لیے یہاں سے  
فرار کوئی راستہ جاتا ہے اور ان گھوڑے سواروں۔“

فرار کوئی راستہ جاتا ہے اور ان گھوڑے سواروں کے چہنچانے  
ان کے الفاظ درمیان میں رو گئے۔ انہیں گھوڑوں کے چہنچانے  
کی آواز سنائی تھی۔۔۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔۔۔ وہ لگے اوجھڑا  
رہے۔۔۔ اور پھر انہوں نے جان لیا کہ آواز جنگیوں کے جھونپڑوں کی  
طرف سے آرہی تھی۔۔۔ اور گھوڑوں کا رخ سمندر کی طرف ہی تھا۔۔۔  
گبار دانی کی طرف آرہے تھے۔

”لو بھئی۔۔۔ تیار ہو جاؤ۔۔۔ اب ان لوگوں سے جنگ کرنا ہی پڑے  
گا۔ پتا تو چلے کہ یہ کون لوگ ہیں۔۔۔ ان کا تعلق سبران سے ہے یا  
نہیں۔۔۔ یہ یہاں کہاں رہتے ہیں۔۔۔ کیوں رہتے ہیں۔“ انسپٹر جمشید  
نے جلدی جلدی کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ مقابلہ کر لیتے ہیں۔۔۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ سامنے  
سے آئے والے لوگ ہمارے نشانے پر ہوں گے۔۔۔ جب کہ ہماری کمر

”جب تو ہم ضرور کامیابی کے نزدیک ہیں۔“  
”میرا خیال ہے۔۔۔ ہمیں سمندر میں اتر کر کوئی راستہ تلاش کرنا  
ہوگا۔۔۔ یہاں کہیں نہ کہیں سے سمندر تک پہنچا جاسکتا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ آؤ۔“ انسپٹر جمشید نے پر جوش لہجے میں کہا۔  
اب وہ جنگل کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ یعنی جس  
طرف سے آئے تھے، اس سے آگے چلنے لگے۔۔۔ یہاں تک کہ اس جگہ  
پہنچ گئے جہاں گھوڑے سواروں سے کئی کتر اکر پہنچے تھے۔۔۔ اس جگہ بھی  
وہ نہ رکے اور آگے ہی چلتے رہے۔۔۔ وہ زمین کو اور آس پاس کی جگہ کو  
غور سے دیکھ رہے تھے۔۔۔

”زمین ریتلی ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی کہیں کہیں قدموں کے نشانات  
نظر آجاتے ہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے اس طرف ان لوگوں کا آنا جا  
ہے۔“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“

وہ آگے بڑھنے لگے۔۔۔ جنگل کے بالکل کنارے کنارے، نیچے،  
بہت نیچے انہیں سمندر نظر آ رہا تھا۔۔۔ اور تاحید نگاہ سمندر کے سوا کچھ نظر  
نہیں آتا تھا۔۔۔

”آخر ہم کب تک چلتے رہیں گے۔۔۔ یہاں تو بس یہی ہے۔“



کی طرف سمندر ہے۔ اس طرف سے کوئی حملہ نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں ہم ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔۔۔ ان میں سے وہ چار بھی زندہ ہاتھ آگئے تو ہم ان سے معلومات حاصل کر لیں گے۔" خان رحمان نے چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔  
 "بس تو پھر خان رحمان۔۔۔ تم فوراً صف بندی کر لو۔"

خان رحمان حرکت میں آگئے۔۔۔ انہوں نے ان میں سے ایک ایک کو ایک ایک درست کے پیچھے اس طرح کھڑا کیا کہ سامنے سے آنے والے پوری طرح ان کی زد میں ہوتے۔۔۔ خان رحمان نے ان سب کے پاس اسلحہ ڈھیر کر دیا، ضرورت کے وقت وہ ہر قسم کے اسلحہ کو اٹھا سکتے تھے اور ان سے کام لے سکتے تھے۔ تمام کام کرنے کے بعد انہوں نے سب کا ایک پار پھر جائزہ لیا اور آخر انہوں نے کہا۔  
 "پہلا فائر میں کروں گا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی سب لوگ نشان

لے کر فائر کریں گے۔ نشان لیے بغیر کوئی فائر نہ کرے۔۔۔ ہمارے پاس جگہ ایسی ہے کہ جب تک اسلحہ ہمارے پاس ہے۔۔۔ وہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ کیونکہ وہ ہمیں گھیر نہیں سکتے۔"  
 "ٹھیک ہے اگلے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اور یہ جنگ ان لوگوں کے ساتھ فیصلہ کن ہو گی۔"  
 "سپرے ذہن میں ایک اور بات آتی ہے۔۔۔ اور وہ بات جنگ ہے زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔" ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔  
 "اور وہ کیا شوکی۔"

"ہم خود کو چھپالیں۔۔۔ اور یہ دیکھیں کہ وہ یہاں آکر کرتے کیا۔"

"بہت خوب شوکی۔" اسپیکر کا مران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔  
 "واقعی! جنگ کرنے سے پہلے یہ بہتر رہے گا۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ جب تک ضرورت نہ ہو، ہم جنگ نہیں کریں گے۔"

"تب پھر اب دوسرے طریقے سے مورچے سنبھالنے ہوں گے یعنی اس طرح کہ وہ ہمیں دیکھ نہ لیں۔۔۔ میں یہ بھی کیے دیتا ہوں۔" خان رحمان نے کہا۔

اب وہ گئے گھوڑے سواروں کا انتظار کرنے۔۔۔ ان کے دل تک اٹک کر رہے تھے۔۔۔ کیونکہ جلد ہی کوئی نہ کوئی بات پیش آنے لگی تھی۔۔۔ ویسے وہ دعا کر رہے تھے کہ انہیں سیران کا راستہ معلوم ہو

پھر گھوڑے کے تالپوں کی آواز نزدیک آگئی۔ گھوڑے نے  
آندھی اور طوفان کی طرح آ رہے تھے۔ اب انہوں نے انہیں دیکھ لیا  
تھا۔ البتہ وہ پوری احتیاط کر رہے تھے کہ دشمن انہیں نہ دیکھے  
ان کے نزدیک آتے ہی گھوڑوں کا رخ دائیں طرف ہو گیا  
رفتار کا وہی عالم تھا۔ گویا وہ اسی سمت جا رہے تھے۔ جس سمت  
میں تھوڑی دیر پہلے وہ بڑھ رہے تھے اور ان کی آواز سن کر آگے بڑھنے  
سے رک گئے تھے۔ اب وہ ان کے نزدیک آنے سے پہلے ہی دائیں  
طرف مڑ گئے تھے۔ گویا اب وہ بھی جنگل کے کنارے کنارے سڑک  
رہے تھے۔ یہ دیکھ کر خان رحمان نے ان سب کو اشارہ کیا کہ درختوں  
کی اوٹ لے کر تیزی سے آگے بڑھنا شروع کریں۔ انہوں نے  
ہدایات پر عمل کیا۔

دوسری طرف انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے محسوس کیا کہ  
دشمن گھوڑوں پر ہے اور ہم پیدل۔ وہ تو بہت جلد کہاں کے کہاں گئے  
جائیں گے۔ چنانچہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
"آئیں۔ ہم دونوں دوڑ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح گھوڑے  
ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں جاسکیں گے۔ ہمارے ساتھی اپنی وقار سے  
آتے رہیں گے۔"

پنپن کامران مرزا نے سر ہلا دیا اور چل دیے۔ باقی لوگ ان  
کا ساتھ کر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کی رفتار گھوڑوں کی رفتار سے کسی  
درجہ کم نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس جگہ گھوڑے بھی کم رفتار سے  
جگ بڑھ رہے تھے۔

اس طرح ان کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے کوئی  
دورانہ کی اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

"ساتھیو! اس طرح تو ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ کیوں نہ  
ہم بھی دوڑ لگا دیں۔ اب تو دیکھ لیے چالے کا بھی کوئی خطرہ نہیں  
ہے۔" محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔  
"نہیک ہے۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

اور پھر وہ سب دوڑ پڑے۔ لیکن ان کا دوڑنا بھی اوٹ لینے  
کے انداز کا تھا۔ دوڑ ضرور رہے تھے۔ درختوں کی اوٹ بھی ساتھ  
راستہ لے رہے تھے۔ دونوں بڑے انہیں اب نظر نہیں آ رہے تھے۔  
خان رحمان اور منور علی خان بھی بہت آگے جا چکے تھے۔ ان کے ساتھ  
ایس پروفیسر داؤد رہ گئے تھے۔ تاہم یہ لوگ بھی دوڑ رہے تھے۔  
یہ دوڑ تقریباً آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔ چھوٹی پارٹی کے ساتھ  
پروفیسر داؤد آخر ایک جگہ پہنچے۔ انہوں نے دیکھا۔ وہاں نہ صرف



خان رحمان اور منور علی خان موجود تھے، بلکہ انہیں جمشید اور انہیں کامران مرزا بھی موجود تھے۔

”خیر تو ہے... آپ لوگ رک گئے۔“

”ہاں! کیا کیا جائے... مجبوری ہے۔“ انہیں جمشید مکرانے۔

”اور وہ لوگ کہاں گئے۔“

”وہ یہاں آکر غائب ہو گئے۔“

”جی... کیا کہا... غائب ہو گئے۔“

مار سے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

## مہران

چند لمبے خاموشی کے عالم میں گزر گئے... آخر محمود نے کہا۔

”کیا کہا آپ نے... وہ لوگ غائب ہو گئے۔“

”ہاں! جب ہم درختوں کی اوت لیتے یہاں تک پہنچے تو وہ

غائب تھے۔“

”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ غائب ہیں... ہو سکتا ہے... وہ

آگے چارے ہوں۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”دائیں طرف دیکھیں... درختوں کے جھنڈ میں۔“

انہوں نے اس طرف دیکھا... وہاں پچاس کے قریب گھوڑے

موجود تھے... انہیں باندھا نہیں گیا تھا... یعنی آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔

وہاں جھاڑیاں اور گھاس پھوس بے تحاشہ تھا اور ایک طرف ایک بہت

بڑھا گڑھا تھا... وہ پانی سے بھرا ہوا تھا... گویا وہاں گھوڑوں کے لیے

پانی اور گھاس دونوں چیزیں موجود تھیں۔

”کیا آپ معلوم کر چکے ہیں کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ جب ہم یہاں پہنچے تو اس ہم نے گھوڑوں کو دیکھا اور سمجھ گئے کہ ان کے سوار یہاں نہیں ہیں۔“

”گھوڑوں سے اتر کر آخر وہ پیدل ہی گئے ہیں۔ تو دیکھ لیتے ہیں، ان کے جوتوں کے نشانات ہماری رہنمائی کریں گے۔“

اب وہ گھوڑوں کے پاس آئے۔۔۔ انہیں اگرچہ درختوں سے نہیں باندھا گیا تھا، لیکن پھر بھی وہ اس طرح ایک جگہ کھڑے تھے جیسے بندھے ہوئے ہوں۔۔۔ اور اس جگہ واقعی جوتوں کے نشانات بالکل صاف نظر آ رہے تھے۔

جوتوں کے نشانات کے ساتھ ساتھ وہ قدم بڑھانے لگے۔

”کک۔۔۔ کہیں ہم پھنس تو نہیں رہے جال میں۔“ ایسے میں

شوکی کی آواز سنائی دی۔

”اب جو بھی ہے۔۔۔ ہمیں آگے تو بڑھنا ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید

بڑبڑائے۔

”گویا آپ بھی یہ بات محسوس کر رہے ہیں۔“ فرزانہ نے جھجک

گر ان کی طرف دیکھا۔

”نہیں۔۔۔ یہ گھوڑے سوار تو ہمارے بعد ہی آئے ہیں۔“

ہمارے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔۔۔ تو ان کا راستہ ہے۔۔۔ پہلے بھی یہ لوگ ان جنگیوں کی مدد کے لیے آئے تھے۔۔۔

”جوتوں کے نشانات ایک سیدھ میں جا رہے ہیں۔۔۔ وہ چونکہ

یہاں قدم قدم پر درخت موجود ہیں۔ اس لیے انہیں گھوڑے وہاں

چھوڑنے پڑے ہیں۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ ان لوگوں کو زیادہ دور

نہیں جانا ہے۔ اور ہم اس جگہ جلد پہنچنے والے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے

خیال ظاہر کیا۔

”خوب! اس کا مطلب ہے۔۔۔ ان سے مقابلے کی صورت بھی

پیش آسکتی ہے۔“

”وہ تو خیر ظاہر ہے۔۔۔“ انسپکٹر کامران مرزا سکرائے۔

”اور میں تو یہ بھی کہہ۔“ شوکی کے الفاظ درمیان میں رو گئے۔

جب وہ آگے کچھ نہ بولا۔۔۔ تو سب نے اس کی طرف دیکھا۔

”خیر تو ہے۔۔۔ بریک کیوں لگ گئی۔“ آفتاب نے منہ بنالیا۔

”بب۔۔۔ بریک۔“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں ہاں بریک ہی کہا ہے میں نے۔“



اس نے کانپ کر کہا۔

”آواز تو بھیک مانگ رہی ہے۔“

”آواز کا کیا ہے۔ اور تو کوئی چیز بھیک نہیں مانگ رہی۔“ مکھن

نے بوکھلا کر کہا۔

”خدا ہو گئی۔ تم لوگوں کو تو ساتھ ہی نہیں لانا چاہیے تھا۔“

آصف چلا۔

”تو اب واپس بھیجا دیں ہمیں۔“ اخلاق نے کہا۔

”لو اور سنا۔“ فاروق نے تھلا کر کہا۔

”تم ہی سنا تمہارے ہی چیتے ہیں یہ۔“ آفتاب نے تھلا کر

کہا۔

”سنا اُدھر ادھر کی نہ ہانگو۔ اپنے ہتھیار گرا دو۔ ورنہ ہم

بھون کر رکھ دیں گے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”بھون کر رکھ دیں۔ کہاں رکھ دو گے۔“ شوکی نے حیران ہو

کر کہا۔

”جنگیوں کے چبوترے پر۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ بھائی ڈراؤ تو نہ۔“

”تم نے ہتھیار نہیں پھینکے۔“

نہی۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔“ اس نے مارے خوف کے اٹھی سے اشارہ

وہ جنگل میں اشارہ کر رہا تھا۔ اور اس جگہ بہت کچھ جھنڈ تھا۔

اس جھنڈ کے درختوں سے دانٹوں کی ٹالیں جھانک رہی تھیں اور وہ سب

ان ٹالوں کے پوری طرح نشانے پر تھے۔ اور اس جگہ ان کی گمراہ

سمندر تھا۔ سمندر بھی بہت نیچے گہرائی میں تھا۔۔۔ دائیں بائیں۔۔۔

کا راستہ تو تھا۔۔۔ لیکن وہ اس راستے پر ایک ایک یا زیادہ سے زیادہ

دو کر کے چل سکتے تھے۔ گویا دانٹوں سے نئی ٹکٹے کا کوئی راستہ نہیں

تھا۔۔۔ اس صورت حال نے ان سب کے اوسان خطا کر دیے۔۔۔ ایسے

میں ایک آواز ابھری۔

”اب کیا خیال ہے دوستو۔“

”بب بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔“ مکھن نے لرز کر کہا۔

”ہا ہا ہا۔۔۔ ہا ہا ہا۔“ ادھر سے کئی آدمیوں کے قہقہے گونجے۔

”مکھن۔“ محمود غزالی۔

”گگ۔۔۔ کیا ہوا۔“

”بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں۔“

”اچھ۔۔۔ چھا۔۔۔ جو۔۔۔ جو آپ کہتے ہیں۔۔۔ وہ دکھا دیجیے۔“

"نہیں نہیں، یہ ظلم نہ کرے۔ آخر ہم نے آفتاب نے  
محبوبی ہوئی اور میں کہا۔

"آخر ہم کیا۔" ایک نے ہنس کر کہا۔

"آخر ہم کے بعد پتا نہیں کیا کہنا چاہتا تھا۔ غیر چھوڑیں۔

آپ کو اس سے کیا۔"

"یہ لوگ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ انہیں لے چلو۔

جنگی جب انہیں پائیں گے تو کتنے خوش ہوں گے۔ ان کے کتنے ہی  
ساتھیوں کے قاتل جیسا یہ۔"

"نہیں۔ ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

اور پھر ان کا سفر جنگل میں شروع ہوا۔ یہاں تک کہ وہ گھوڑوں

کے پاس پہنچ گئے۔ گھوڑے سواروں نے اپنے گھوڑے پکڑ لیے اور  
ان پر بیٹھ گئے۔

"تم لوگ ہمارے آگے آگے چلو۔"

"پپ، پپ۔" پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

"اور نہیں تو کیا ہم اب تم لوگوں کے لیے گھوڑوں کا انتظام

کریں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" آصف نے منہ ہٹایا۔

پچھلے دن بھی۔ یہ جی کیا یاد کریں گے۔ یہاں پہلے  
آواز دھری۔ یہ کیا یاد کریں گے۔ یاد تو ہم کریں گے۔ فاروق نے سو  
چاہا۔

انہوں نے اپنے ہتھیار گرا دیے۔  
"ان کے ہتھیار سمندر میں پھیل گئے۔ ان میں سے ایک  
نے کہا۔

"ارے ارے۔ کیا کر رہے ہو۔ بہت ہلکے ہیں۔ ہم  
سمندر سے کیسے نکالیں گے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔  
"جلدی کرو۔"

اور پھر ان کے ہتھیار ان کی آنکھوں کے سامنے سمندر میں گرا  
دیے گئے۔ اس وقت فاروق جذباتی آواز میں کہہ رہا تھا۔  
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ ہم بھی کن کن کر رہے ہیں گے۔

چن چن کر تمہارے ہتھیار سمندر میں گرائیں گے۔"  
"ہا ہا ہا۔۔۔ اب تم اس قابل کہاں رہو گے۔ تمہیں تو اب ہم  
اس چہرے پر لٹائیں گے اور پھر جنگی جو تمہارے ساتھ کریں گے،

تم جانتے ہی ہو۔"



نے ہنس کر کہا۔

”تو تم نے ان جنگیوں کو اپنا دوست اس لیے بنا لیا ہے اور ان سے تعلق اس لیے قائم کیا ہے کہ اس جنگ کا رخ گرنے والوں کو اسے نہ جانے دیا اور اس چہرے پر جھون کر رکھا جائیں۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“ اس کے منہ سے نکل گیا۔

”بہت خوب! یہی سننا چاہتے تھے ہم۔ اب ہم تمہاری مدد کے بغیر بھی سیران کا راستہ تلاش کر لیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بیٹھے۔

”کیا مطلب۔“ کیا کہا۔ تمہاری مدد کے بغیر۔ تو ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”دوسری دنیا میں۔۔۔ پیچھے دیکھو۔“ انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

انہوں نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔ لیکن ادھر کوئی نہیں تھا۔ وہ جھٹکا کر ان کی طرف پلٹے تو وہ سب کے سب غائب تھے۔

”ارے ایہ کیا۔۔۔ یہ کہاں گئے۔“

”ظاہر ہے۔۔۔ ان لوگوں نے درختوں کی اوٹ لے لی ہے۔۔۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔۔۔ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں۔۔۔ اسلحہ تو ہم ان کا سمندر میں گرا چکے ہیں۔۔۔ لہذا درختوں کے پیچھے چھپ کر یہ دھماکیاں لگایا بگاڑ لیں گے۔“

”فکر نہ کرو۔ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔“ ایک نے ہنس کر کہا۔

”بھیس موت کے منہ میں لے جا رہے ہو اور تہہ رہتے ہو، فکر نہ کرو۔ کیا خوب۔“

”تم صرف یہ سوچو۔۔۔ جنگی تم لوگوں کو دیکھ کر کس قدر خوفی ہوں گے۔۔۔ کتنا ناچیس گے۔۔۔ گائیں گے۔۔۔ اچھلیں گے۔“

”جی بہتر! آپ کہتے ہیں تو سوچ لیتے ہیں۔“ فاروق نے سہمی صورت بنائی۔

گھوڑے سوار بننے لگے۔۔۔ ادھر وہ قدم تو اٹھا رہے تھے ساتھ میں سوچ بھی رہے تھے کہ انہیں جنگیوں کے نزدیک پہنچنے سے پہلے پہلے کرنا تھا جو کچھ کرنا تھا۔۔۔ کیونکہ جنگیوں کے درمیان پہنچنے کے بعد وہ بری طرح بے بس ہو سکتے تھے۔۔۔ اور یہ بات تو طے تھی کہ جنگی ان کے خون کے پیاسے تھے۔۔۔

”اس کا مطلب ہے وادی سیران کو راستہ اس جگہ سے جاتا ہے جہاں ہماری اور تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔“ انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

”جاتا ہے یا نہیں جاتا۔۔۔ تم لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لیے کہ تم تو اب جنگیوں کی خوراک بن جاؤ گے۔ ایک

درخت چھان لیا۔ لیکن کوئی بھی نہ ملا۔ آخر وہ وہیں اس جگہ سے  
جہاں ان کا ایک ساتھی گرا تھا۔  
"ارے اس کی رائفل غائب ہے۔ ایک چیخا۔

میں اس لمحے ان پر اندھا دھند گولیاں برسائی گئیں۔ ان میں چو  
سات اچھل اچھل کر گرے۔ باقیوں نے دوڑ لگا دی۔ اور ہاتھ دھو جا  
کر درختوں کی ادھ لے لی۔ اتنی دیر میں مرنے والے دوسرے کی  
رائفل بھی غائب ہو چکی تھی۔ گھوڑے سوار درختوں کے پیچھے دبکے  
رہے۔ اب انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا دشمن بالکل بچا نہیں رہا  
تھا۔ اس کے پاس بھی اب کم از کم تین رائفلس تھیں۔ دوسری طرف  
وہ ابھی حیرت زدہ اور خوف زدہ تھے کہ پیچھے سے گولی کسی نے چھائی تھی  
اور اس کے پاس رائفل کہاں سے آئی تھی۔ ایک گولی نے ہی پائے  
پلٹ دیا تھا۔ اس لیے وہ درختوں کے پیچھے ہی دبکے رہے۔ انہوں  
نے وہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کی۔ اور اس طرح کافی دیر گزر گئی۔  
پھر اچانک ان کے پیچھے سے فائرنگ کی گئی۔ اور ان میں سے کئی اور  
اچھل کر گرے۔ باقی بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگے اور ادھر ادھر سے  
آنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس پر وہ اور زیادہ گھبراہٹ کا  
ظہار ہو گئے۔ بھیڑوں کی طرح ادھر ادھر بھاگے اور ان کی بھی سچ

کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ پہلے ہم انہیں ہیڈز سے ٹک سے ہا  
جانب تھے۔ اب یہیں ختم کر دیں گے۔ بس اتنا فرق پڑے گا  
خوداک تو یہ پھر بھی جنگیوں کی ہی بنیں گے۔ ہم انہیں بتادیں گے  
کہ ان کا شکار یہاں ہلاک شدہ پڑا ہے۔ چلو اٹھا لو۔ بس وہ  
اٹھالے جائیں گے۔ اور بھون بھون کر مڑے سے لے کر کھالیں کے  
چلو انہیں درختوں کے پیچھے گولیوں سے بھون دو۔

میں اس لمحے ان کے پیچھے کی طرف سے ایک فائر ہوا۔ ایک  
گھوڑے سوار گھوڑے کی پشت سے اچھل کر نیچے گرا۔ ساتھ ہی اس  
کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی تھی۔ وہ فوراً پیچھے کی طرف پلٹے۔  
لیکن اس طرف کوئی بھی نہیں تھا۔

"لگتا ہے۔۔۔ ان کا کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ فائر اس نے  
کیا ہے۔۔۔ لیکن چونکہ ایک ہی فائر کیا ہے۔ اس لیے وہ بے اکیلا ہی  
لہذا فائرنگ کرتے ہوئے درختوں کو چاروں طرف سے دیکھ ڈالو۔  
ان کا وہ ساتھی کسی نہ کسی درخت کے پیچھے چھپا مل جائے گا۔"  
"ٹھیک ہے۔۔۔ دوسرے نے کہا۔

وہ گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ اور ان درختوں کی طرف  
بڑھے۔ جن کے پیچھے سے وہ فائر ہوا تھا۔ انہوں نے ایک ایک



## صرف ایک

”کیا مطلب فرزانہ! تم نے یہ کیوں کہا۔ تم نہیں۔ یعنی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ نہیں تم بہت اچھی نہیں رہیں۔“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”تو بے تم سے۔۔۔ اس سے پوچھتے نہیں۔۔۔ اور اپنا خیال ظاہر کر رہے ہو۔“ خان رحمان نے جھٹکے انداز میں کہا۔

”ہاں واقعی۔۔۔ فرزانہ تم بتاؤ۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو اور یہ تمہاری آنکھوں سے خوف کیوں جھانک رہا ہے۔“

”مم۔۔۔ مم۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔“ فرزانہ ہکلائی۔

”خدا ہو مگی۔۔۔ کوئی اس کے ان الفاظ کا مطلب بتا سکتا ہے۔“ آصف جل گیا۔

”اوہ انکل! آپ نے یہ کیوں کہا تھا۔۔۔ شاہباز فرزانہ تم بہت اچھی رہیں۔“ فاروق نے پوچھا۔

سے آنے والی گولیوں کا شکار بننے چلے گئے۔۔۔ جوں جوں ان میں گھبراہٹ سوار ہو رہی تھی۔۔۔ اسی حساب سے ان پر سے والی گولیاں میں اضافہ ہو رہا تھا۔۔۔ کیونکہ وہ تو اپنے دشمن کا نشانہ لینے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔۔۔ جب کہ ان کا دشمن انہیں تاک تاک کر شکار کر رہا تھا۔۔۔ ان کے ہاتھ پیر اب بری طرح پھول گئے تھے۔۔۔ موت انہیں سامنے نظر آرہی تھی۔۔۔ بلکہ صرف سامنے ہی نہیں، چاروں طرف غم چلے گئے۔۔۔ ان کے ساتھ بقی پوہے کا کھیل برابر جاری رہا اور آخر اس وقت رکا جب ان میں سے صرف ایک بچ رہا تھا۔۔۔ انسپلر جمشید نے سزا آواز میں اس سے کہا۔

”اب صرف تم بچے ہو۔۔۔ تم بھی موت کی گود میں جا چاہتے ہو تو ٹھیک۔۔۔ ورنہ اپنی رائفل پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔۔۔ تم پر گولی نہیں چلائیں گے۔“

اس نے فوراً رائفل گرا دی اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ ہاتھ ہی انسپلر کا مرزا کی آواز ابھری۔

”شاہباز فرزانہ۔۔۔ تم بہت۔۔۔ بلکہ بہت ہی اچھی رہیں۔“

میں اس لمحے فرزانہ کے منہ سے مارے خوف کے لفظ۔

”ارے باپ رے۔۔۔ تم نہیں۔“

”اوہو... پہلے فرزانہ سے پوچھو... اس کا رنگ زہرا کی ہے۔“ انسپکٹر جمشید چلائے۔  
 ”نہیں... نہیں۔“ فرزانہ پھر چلائی۔  
 ”جلدی کہو فرزانہ۔“

”زمین دہل رہی ہے... یوں لگتا ہے... سارے جنگل ہماری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں... اور اس وقت ہم... جنگل کے ایسے کنارے پر ہیں کہ ہماری کمر پر سمند ہے... ہم اسٹن لوگوں کا کب تک مقابلہ کریں گے... آخر کار ہمارا اسلحہ ختم ہو جائے گا... اور اوہ۔“ فرزانہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی... ان سب کے رنگ اڑ گئے... ایسے میں وہ غیر ملکی بول اٹھا... جو ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا تھا۔  
 ”اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں ان لوگوں کو روک سکتا ہوں... انہیں نہیں معلوم میرے تمام ساتھی مارے جا چکے ہیں... میں ان سے بڑ کہوں گا... یہ مانیں گے... میں گھوڑے پر سوار جب ان کی طرف جاؤں گا تو وہ خیال کر لیں گے کہ میں ان کے لیے اپنے ساتھیوں کی طرف سے کوئی پیغام لا رہا ہوں۔“

”اوہ... اوہ۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”بات اس نے نہ درست کہی ہے۔“ خان رحمان نے فورا کہا۔

”جب پھر ہم کیا کریں... کیا ہم اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”بھروسہ۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! ہو سکتا ہے... یہ اپنی جان بچانے کے لیے چال چل رہا ہو... اور ان کے پاس جا کر الٹا انہیں بتا دے کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں اور یہ کہ ہم نے اس کے تمام ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے... اس صورت میں تو جنگی اور زیادہ بچھ کر سامنے آئیں گے... اور ہمارے لیے اور زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔“ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

”بالکل جمشید... یہ یہی کرے گا۔“ خان رحمان نے اسے کھولا۔  
 ”نہیں... تم مجھ پر بھروسہ کر دو... میں تمہارا ساتھ دوں گا... تم بس میری جان بخشی کر دو... مجھے زندہ رہنے دو۔“

”زندہ تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے... یہ کوئی مسئلہ نہیں... لیکن تمہاری طرف سے یہ غلطی رہے گا کہ تم کہیں ہمیں دھوکا نہ دو... یہودی اور نصاریٰ ہمارے دوست نہیں ہیں... دشمن ہیں... یہ بات ہمارے اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے... لہذا ہم تم پر کس طرح بھروسہ کریں... چلے پ...“



ہندو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چلا تو آپ ناراض ہوئے اور آپ نے ان صحابی سے فرمایا :-

تم نے اسے قتل کیوں کیا ... وہ تو کل پڑھ چکا تھا۔

صحابی نے عرض کیا

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ... میں نے خیال کیا کہ

وہ جان بچانے کے لیے کل پڑھ رہا ہے۔“

آپ نے ارشاد فرمایا :-

”کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔“

مطلب یہ تھا کہ تمہیں اسے قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چاہے وہ سچا

تھا یا جھوٹا ... اب یہی صورت حال یہاں پر ہے ... یہ کل پڑھنے کی

بات کر رہا ہے ... ہمیں اس پر یقین کرنا ہوگا ... چاہے یہ ہمیں دھوکا ہی

دے دے۔“

”اچھی بات ہے ... ہم اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں ... مسٹر کیا

نام ہے آپ کا۔“

”سام کریک۔“ اس نے فوراً کہا۔

”تو مسٹر سام کریک ... تم پر بھروسہ کرتے ہوئے تمہیں جانے

کی اجازت دیتے ہیں ... تم جا کر انہیں روک دو ... پھر تم خود اور

”نہیک ہے ... میں مسلمان ہو جاتا ہوں۔ اس صورت میں تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔“

”جیشید یہ چال چل رہا ہے ... اپنی جان بچانے کے لیے وہ پڑھ لے گا۔“

”اس کا امکان ہے ... بلکہ ضرور ایسا ہی ہے ... لیکن انیسویں جیشید نے یہ لیکن بہت زور دار لہجے میں کہا تھا۔

”لیکن کیا ... اور آپ کا یہ لیکن اس قدر زور دار کیوں ہے۔“

شوکی نے حیران ہو کر پوچھا :-

”اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ کل پڑھ کر مسلمان ہوئے ہے

لیے تیار ہے اور کل پڑھ لیتا ہے ... تو ہمیں اس کی بات پر اطمینان

پڑے گا ... ایک جنگ میں ایسا ہو چکا ہے۔“

”جی ... کیسا ہو چکا ہے۔“

”مسلمانوں کی کافروں سے زبردست جنگ ہو رہی تھی۔

میں ہمارے ایک صحابی نے ایک دشمن کو گرا لیا، آپ اس کے بچے

چڑھ گئے اور اسے قتل کرنے لگے ... ایسے میں اس نے کل پڑھا۔

لیکن صحابی نے خیال کیا کہ وہ جان بچانے کے لیے غرور

رہا ہے ... لہذا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اب اس واقعے کا

درختوں کی اوت لینے کے بارے میں ہدایات دیں۔ لیکن ہمیں اس طرح اوت لینا ہے کہ ہم ہتھیاروں کو کسی بھی طرح نظر نہ آئیں۔  
 .. نہیں جھپٹیں۔۔۔ وہ ان گنت ہیں۔ لہذا درختوں کی اوت لینا کافی نہیں ہو گا۔ ہمیں ان درختوں کے اوپر چڑھ کر خود کو چھپانا ہو گا۔ منور علی خان نے فوراً کہا۔

”میں بھی یہی کہتا ہوں۔“

”تو پھر یونہی سہی۔۔۔ جلد از جلد زیادہ گتے درختوں پر چڑھ جاؤ دوستو۔“

”تو کیا اتنا جان۔۔۔ آپ کو یقین ہے۔۔۔ سام کریک ہمیں دھوکا دے گا۔“

”اندازہ یہی ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

اور پھر وہ درختوں پر چڑھتے چلے گئے۔۔۔ اس وقت محمود نے بلند آواز میں کہا۔

”الکل آپ نے یہ کیوں کہا تھا۔۔۔ شاباش فرزانہ شاہی“ تم بہت اچھی رہی ہو۔۔۔ فرزانہ نے بھلا کیا کام دکھایا ہے۔“

”جب گھوڑے سوار ہم تک پہنچ گئے تھے تو یہ چھپنے لگے۔“

آجاء ہم تمہیں زندہ سلامت جانے دیں گے۔“

”شکر یہ سر۔۔۔ بہت بہت شکر یہ۔“ اس کے چہرے پر روشنی اوت آئی۔ اور پھر وہ بلا کی رفتار سے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑا سر پٹ چھوڑ دیا۔۔۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔  
 ”اس بات کا زبردست امکان ہے کہ یہ ہمیں دھوکا دے گا۔ لہذا اس جگہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ جلدی کریں۔۔۔ میرے پیچھے آئیں اور اتنی رفتار سے آئیں کہ کیا کبھی رفتار سے دوڑ ہوں گے۔۔۔ ہتھیاروں کے دوڑتے قدموں کی آواز اگر رک گئی اور پھر نہ آئے تو ہم کچھ جانیں گے کہ سام کریک نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔۔۔ اور اگر دوڑتے قدموں کی آواز نزدیک آتی چلی گئی تو سمجھ لیں گے کہ اس نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

اور پھر سمندر کے مخالف سمت میں تھوڑا سا کئی کتر اگر انہوں نے دوڑ لگا دی۔۔۔ وہ بے تحاشہ دوڑ رہے تھے اور لہو بہ لہو جنگل کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ پھیر دیے۔۔۔ یہ انہیں رکنے کا اشارہ تھا۔۔۔ سب کے سب رک جائیں۔

”خان رحمان اور منور علی خان۔۔۔ آپ دونوں ہمیں جلد از جلد



ہی وہاں سے سرک مٹی تھی اور یہ فرزانہ ہی تھی جس نے ان کو پہلا ہمارا کیا تھا۔

”اودہ... تب تو ہم بھی کہتے ہیں... شاہاں فرزانہ شاہاں۔“

”شکر یہ آفتاب شکر یہ۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔

”میرا خیال ہے... جنگلی رک گئے ہیں... غائب سام کریک وہاں پہنچ گیا ہے اور اب وہ اس کی بات سن رہے ہیں۔“

چند منٹ تک بالکل سناٹا طاری رہا... فرزانہ آوازیں سننے کی کوشش میں تھی... فرست نے بھی زمین کی آوازوں کی طرف کان لگا دیے تھے۔

”کافی دیر ہو گئی... اگر جنگیوں کو اس نے واپس جانے پر آمادہ کر لیا ہے... تو بھی واپس جانے کی آوازیں سنائی دینی چاہئیں تھیں۔“

منور علی خان نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں واقعی... اگر وہ واپس جا رہے ہیں تو پھر بھی واپس جانی آوازیں آتی چاہیں تھیں۔“

”کہیں وہ انہیں آہستہ آہستہ... دبے پاؤں تو آگے نہیں لے رہا۔“

”تاکہ وہ ہم پر یک دم آپڑیں۔“ خان رحمان بولا۔

”واقعی! اس بات کا نزدیک امکان ہے۔“ فرست نے گہرا کر کہا۔

”مجھے تو ورنگ رہا ہے۔“ شوکی کی کانپتی آواز سنی دی۔

”اب اتنا بھی کیا ڈرنا۔“ فاروق نے براہِ منہ بولا۔

”تو پھر تم بتا دو... ہمیں کتنا ڈرنا چاہیے۔“ آفتاب منکرا لیا۔

”ہے کوئی شک۔“ فاروق نے جھٹکا کر کہا۔

”میرا خیال ہے... نہیں ہے۔“ محمود نے نہایت سنجیدہ آواز میں کہا۔

”کیا نہیں ہے۔“ آصف بول پڑا۔

”شک اور کیا۔“

”دھت تیرے کی۔“ فاروق نے محمود کی نقل کی۔

”شکر یہ... دھت تیرے کی کہنے کے ساتھ تم نے ران پر ہاتھ

نہیں مارا... ہاں اور نہیں تو کیا۔“

”اودہ... آف... نن نہیں۔“

مارے خوف کے فرزانہ کے منہ سے نکلا

سے لگاؤ۔ چند تھکنے وہ اسی طرح سناکت لیتے، ہے۔ یہ سیدھے  
ہوئے اوتے انہوں نے کہا۔

”اس میں شک نہیں۔ فرزانہ کے کان ہم سب سے تیز ہیں  
یہاں تک کہ اس معاملے میں یہ مجھے بھی پیچھے چھوڑ گئی ہے۔“  
”نن نہیں تو اٹکل!“ اس نے گھبرا کر کہا۔

فاروق اور آفتاب پرے پرے منہ ہٹانے لگے۔ یہ دیکھ کر باقی  
مسکرا دیے۔ ادھر منور علی خان کھڑے تھے۔

”ان کی کوشش یہ ہے کہ ہمیں ساحل سمندر کی طرف دھکیل دیں  
اور ہم درختوں کے درمیان رہ کر ان پر قابض نہ کر سکیں۔ جیسا  
کہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اور اس بار انہوں نے حکمت ملی بھی  
جدیل کر دی ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے پریشانی کے عالم میں لگا۔

”مطلب یہ کہ وہ درختوں کی اوٹ لے کر ایک سیدھ میں بڑھ  
رہے ہیں۔ اس طرح ان کا سفر جاری ہے اور ان کی لائن اس قدر  
طویل ہے کہ ہم اپنی کم تعداد کی وجہ سے اس لائن کے خلاف کوئی قدم  
نہیں اٹھا سکتے۔“ منور علی خان فکر مندانہ انداز میں کہتے چلے گئے۔

”آپ کی آواز سے پریشانی جھانک رہی ہے اٹکل۔ اور اسے

## آخری گھوڑے سوار

ان سب کی نظریں فرزانہ پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں  
رہانے بھر کا خوف تھا۔

”کیا کہنا چاہتی ہو فرزانہ۔۔۔ صرف اودہ۔۔۔ اُف۔۔۔ نن۔۔۔  
نہیں کہنے سے کام نہیں چلے گا۔“ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ فاروق کا لہجہ بخیدہ تھا۔

”کیا خیال ہے تمہارا۔“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”یہ کہ اودہ۔۔۔ اُف۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں سے کام نہیں چلے گا۔“

”ابا جان۔۔۔ اور انظر۔۔۔ ہوشیار۔۔۔ تمام جنگی ہماری طرف

بڑھ رہے ہیں اور اپنے کسی خاص طریقے سے۔۔۔ منور علی خان اٹکل  
بتائیں گے۔۔۔ کہ وہ کس طرح آ رہے ہیں۔“

”اودہ۔۔۔ ایک منٹ۔“ منور علی خان چوٹے۔

پھر وہ زمین پر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنا الٹا کان زمین



خلاف کھیلایا ہے۔ اب اگر ہم ناکام ہو جاتے ہیں۔ تم ذرا سوچو۔  
 یہاں تک۔ ابھی تک ہمارے علاوہ کون پہنچا ہے۔ اور حالات  
 پکار کر کہہ رہے ہیں کہ سہرا ان کے لیے راستہ نہیں کھینچ سکتا  
 ہے۔

”جب بھی انکل۔“ آصف کی آواز گونجی۔

”جب بھی کیا انکل؟“ منور علی خان نے پوچھا۔

”جب بھی۔۔۔ پریشان ہو کر۔ حوصلہ ہار کر ہم کیا کر لیں گے  
 کیا ہم اپنی مسلم دنیا کے کسی کام آسکیں گے۔ نہیں انکل۔ مایوس  
 ہوئے بغیر اگر ہم نے مقابلہ کیا تو اس بات کا امکان ہے کہ ہم کچھ کر  
 گزریں گے اور شاید کامیابی ہمارے قدم چومے۔۔۔ ورنہ ہم شہادت  
 کا درجہ تو پا ہی لیں گے۔ باقی رہ گئی امت مسلمہ۔ اس پوری کائنات  
 کا نظام ہم نہیں چلا رہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ ضرور ایسے  
 لوگ پیدا کر دے گا۔ جو اس راستے تک پہنچ کر دشمن کا منصوبہ خاک  
 میں مالدیں گے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ لیکن میرے بڑے ساتھی کیوں

خاموش ہیں۔“ منور علی خان کی آواز ابھری۔

”ہم۔۔۔ تمہاری باتیں غور سے سن رہے تھے۔ ابھی پھرتی

ہم پہلی بار محسوس کر رہے ہیں۔۔۔ جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ منور  
 کی آواز نے انہیں چمکا دیا۔  
 انہوں نے نظر بھر کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔

”تم نے ٹھیک کہا فرزانہ۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے ہم ہر قسم کے  
 حالات میں مسکرا سکتے ہیں۔ ہر قسم کے حالات کا سامنا کر سکتے ہیں  
 ہر قسم کی صورت حال میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیا کرتے ہیں  
 تو پھر۔۔۔ پریشانی کیسی۔“ فرحت کی آواز ابھری۔

انہوں نے ایک بار پھر نظر بھر کر فرحت کی طرف دیکھا۔  
 ”بالکل ٹھیک۔ مایوسی اور ناامیدی کا دوسرا نام شکست ہے۔“

ہم نہ تو ناامید ہوں گے۔۔۔ نہ مایوس۔۔۔ حالات کا ڈٹ کر وہ ہوش  
 میں رہ کر مقابلہ کریں گے۔ اور نہیں تو کیا۔“ محبوب نے پوچھ  
 آواز میں کہا۔

منور علی خان نے اس بار اس کی طرف چونک کر دیکھا۔ آفر  
 ان کی آواز ابھری۔

”ٹھیک ہے دوستو! میں اپنے لیے پریشان نہیں ہوا تھا۔ نہ تم  
 لوگوں کے لیے۔۔۔ میں نے پریشانی محسوس کی مسلمان ملکوں کے لیے۔  
 جہاں تک میرا اندازہ ہے۔۔۔ یہ سارا کھیل پوری امت مسلمہ کے

پادری نے واقعی بہت خوب صورت باتیں کی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہ  
حوصلہ دیا ہے۔ جان بھاتی ہے تو ہمارے ہم کامیابی حاصل کریں  
پاستے تو نہ سہی۔ ہم اپنا کام کریں گے۔ اور شہادت کے جام پانی  
لیں گے۔ ہم ان کا مرستہ دم تک مقابلہ کریں گے۔ انہیں  
کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔

”بالکل ٹھیک جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”ہم بھی شہادت کا جام پینے کے لیے تیار ہیں۔“ شوکی صاحب  
کی مشترکہ آواز سنائی دی۔

”بالکل ٹھیک۔ ہم سب تیار ہیں۔“ خان رحمان اور منور علی  
خان۔ تم دونوں فوری طور پر غور کرو۔ مشورہ کر لو۔ اور ہمیں  
ہدایات دو۔“

”اوکے۔“ ان دونوں نے کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ آپس میں کھسر پھر کرتے رہے۔ آخر خان  
رحمان نے کہا۔

”ہم یہاں سے ناگ کی سیدھ میں جنگل کی طرف کامیاب کریں  
گے۔ اور ایک لائن میں جائیں گے، یعنی سب سے آگے میں ہوں گا  
میرے پیچھے منور علی خان، پھر انیسٹر جمشید۔ پھر انیسٹر کامران مرزا

پھر پروفیسر داؤد اور اسی طرح تم لوگ۔“ سمجھ گئے۔

”جی یہاں تک تو سمجھ گئے۔ لیکن ہم ناگ کی سیدھ میں دشمن

کی طرف جا کر کیا کریں گے۔ یہ آپ نے نہیں بتایا۔“

”دشمن اس خیال میں ہے کہ ہم اسی جگہ رہ کر درختوں کے پیچھے

پھپھ کر مقابلہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی

راستہ نہیں۔ لہذا وہ درمیانی راستہ اس خیال کے بغیر طے کریں گے کہ

ہم کہیں آگے کسی جگہ موجود ہو سکتے ہیں۔ اس طرح وہ آگے نکل

جائیں گے۔ اور ہم ان کی کمر پر ہو جائیں گے۔“

”بہت خوب! اس سے بہتر ترکیب اس وقت اور کوئی نہیں ہو

سکتی۔“ انیسٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

”لیکن۔۔۔ سوال تو یہ ہے کہ آگے جا کر ہمیں کیا کرنا ہے۔“

”سب سے آگے میں ہوں گا۔ جب میں محسوس کر لوں گا کہ

اب وہ لوگ زیادہ دور نہیں ہیں۔ تو میں جس درخت کے نزدیک ہوں

گا اس درخت پر چڑھ جاؤں گا۔ اسی طرح سب ایک ایک درخت پر

ایک سیدھ میں آنے والے درختوں پر چڑھ جائیں گے۔ دشمن اپنے

خیال میں مست آگے نکل جائے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو گویا ہم ایک

بڑی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک اور بات



مجھے بعد تو کچھ بھی نظر نہ آتا ... لیکن ان کے لیے بہر حال تاریکی اور  
 دشمن کے لیے انہیں تلاش کرنا مشکل ہو جاتا  
 اور پھر انہوں نے دشمن کو آتے دیکھ لیا ... وہ پہلے ہی انہی  
 پوزیشن میں بیٹھ چکے تھے کہ ضرورت پیش آجائے تو فائرنگ کر سکیں  
 جنگی ان درختوں کے نیچے سے گزرنے لگے ... چونکہ ان کی طرف سے  
 انہیں فائرنگ کا خطرہ تھا، اس لیے وہ درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھ  
 رہے تھے ... پھر جنگی ان درختوں کے نیچے سے گزرنے لگے ... ایسے  
 میں انہوں نے دور دراز تک دیکھنے کی کوشش کی ... جہاں تک نظر جاتی  
 تھی ... انہیں جنگی ہی جنگی آتے نظر آ رہے تھے ... ان کی تعداد دیکھ کر  
 انہیں خوف محسوس ہونے لگا ... پھر انہیں سام کرکے بھی آگے جانا نظر  
 آیا ... اگر وہ سب سے پیچھے ہوتا تو وہ اسی وقت اسے شکار کرنا پسند  
 کرتے ... لیکن وہ جنگیوں کے درمیان میں تھا ... اس لیے اس وقت  
 اس پر وار نہیں کیا جاسکتا تھا ... جنگی آہستہ آہستہ اس مقام سے آگے  
 جاتے رہے ... اور تقریباً نصف گھنٹے بعد وہ سب اس جگہ سے گزر گئے  
 ... اب انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ... اور یہ اطمینان بھی گریا کر  
 پیچھے اب کوئی اور تو نہیں رہ گیا ... اب منور علی خان نے اپنے ساتھیوں  
 کو درختوں سے اترنے کا اشارہ کیا ... وہ بلا کی تیزی سے اتر آئے اور

508  
 جو ہمارے حق میں لجاتی ہے ... کھوڑے سوار اس وقت صرف ایک ہی  
 ہے ... اور وہ ان لوگوں کو آگے لے رہا ہے ... تاکہ ہم سے لڑ سکے  
 اب وہ ہر قدم پر تو انہیں ہدایات دے نہیں سکے گا ... لہذا جنگی اپنی  
 عقل سے کام لینے پر مجبور ہوں گے ... اور اگر ہم اس انکوشت سوار  
 قابو میں کر لیتے ہیں تو جنگی دیسے ہی خوف زدہ ہو جائیں گے ... لیکن  
 خیال رہے آخری کھوڑے سوار کو ہم جان سے نہیں ماریں گے ... کیونکہ  
 اس سے ہمیں بہر ان کا راستہ معلوم کرنا ہے ...

"اچھی بات ہے۔"

اب اس ترکیب پر عمل شروع ہوا ... وہ ناک کی سیدھ میں پہنچ  
 گئے ... یہاں تک کہ منور علی خان نے صاف محسوس کر لیا کہ دشمن اب  
 زیادہ فاصلے پر نہیں رہ گیا، چنانچہ انہوں نے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا  
 اور خود بھی ایک درخت پر چڑھتے چلے گئے ... یہ درخت اس قسم کے  
 تھے کہ ان پر چڑھنا بہت آسان تھا ... پھر تھے بھی بہت زیادہ گتے ہوں  
 والے ... وہ ان میں آسانی سے چھپ سکتے تھے ... درختوں پر چڑھ کر  
 وہ سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہے تھے ... کہ کوئی ان کے سانس کی  
 آواز نہ سن لے ... گویا انہوں نے دم سادھ لیا ... اس وقت ہر  
 فرد ب ہونے کے قریب تھا اور جنگی میں ہمارے پیچھے ہی تھے ...

منور علی خان کے چچے اس طرف بڑھے۔ جس طرف سے جنگی اس  
تھے۔ یعنی ان کے جھوپڑوں کی طرف۔ اس وقت کم آدمی جنگی یہ نہیں  
سوچ سکتے تھے کہ ان کا دشمن خود ان کے جھوپڑوں کا رخ کر رہا ہے۔  
اس لیے منور علی خان انہیں بلا کی رفتار سے اس طرف بے آواز  
وہ سیدھے جھوپڑوں کی طرف نہیں آئے۔ بلکہ کئی گھبرا کر آگے بھاگ  
چلے گئے۔ اب ان کا رخ اس سمت تھا جس سمت سے وہ جنگی  
داخل ہوئے تھے اور جہاں انہیں آدم خور درختوں سے واسطہ پڑا تو  
وہ ان درختوں کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔

”فی الحال ہمارے لیے بس یہی جگہ محفوظ ہے۔ کیونکہ ہمارا  
دشمن اس طرف نہیں آئے گا۔ ان درختوں سے یہ لوگ بھی مارے ہیں  
بلکہ ان سے بہت دور دور رہتے ہیں۔“

”یہ اچھا ہے۔ لیکن انکل! اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟“  
”یہ منور علی خان بتائیں گے۔ یا پھر انسپکٹر جمشید انسپکٹر ہارن  
مرزا بتائیں۔ فی الحال ہماری ضرورت تھی۔ ان کے گھر سے تکی  
آنا۔ اور وہ اللہ کی مہربانی سے ہم نکل آئے ہیں۔“

”ہم... سوچ لیتے ہیں۔ وہ لوگ اندھیرے میں ہمارے  
تلاش ترک کر دیں گے۔ لیکن شاید رات وہیں ٹھہریں گے اور صبح

پہلے پر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔ ہمیں جنگیوں سے غرض نہیں  
ہم تو بس اس غیر ملکی گھوڑے سوار پر قابو پاؤں چاہتے ہیں۔ کیونکہ  
ہمیں امید ہے۔ وہ سوار ان کا راستہ جانتا ہے۔“

”اور یہ کیسے ہو گا۔ وہ تو ان کئی ہزار جنگیوں کے درمیان  
ہے۔“

”کوئی پروا نہیں۔ یہ لوگ رات کو سو جائیں گے۔ مشکل سے  
کوئی چہرہ دے گا۔ بس ہم رات میں اپنا کام کر دیں گے۔ لیکن  
اس کام کے لیے صرف میں اور انسپکٹر کامران مرزا جائیں گے۔ باقی  
حضرات یہیں رک کر ہمارا انتظار کریں گے۔ اور صبح جب جنگی اپنے  
پاس سے غیر ملکی کو غائب پائیں گے۔ تو ضرور خوف زدہ ہو جائیں  
گے اور فوراً اپنے جھوپڑوں کا رخ کریں گے۔ بس ہم جنگل کے  
کنارے پہنچ جائیں گے اور اپنے قیدی سے راستہ معلوم کر لیں گے۔“  
انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

”ترکیب اچھی ہے۔ اگر اسی طرح اس پر عمل ہو جائے۔“  
”اللہ مالک ہے۔ ہم تین گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے  
کیونکہ اس وقت تک جنگی سو چکے ہوں گے۔“  
”اچھی بات ہے۔ ہم یہاں رہ کر آپ کے لیے رہا کریں



”بالکل ٹھیک۔“

اور پھر پروگرام کے مطابق انسپلر جمشید اور انسپلر کامران وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس وقت انہیں پتا چلا چاند کی اندلی تاریخیں تھیں۔ اس لیے جنگل تاریک تھا۔ انہوں نے اپنے موبائل کی ٹارچیں روشن کر لیں اور ان کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔ وقت وہ پوری طرح مسلح تھے۔

وہ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ نصف گھنٹے تک چلتے رہے۔ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں جنگلی لینے ہوئے تھے۔ ہر طرف جنگلی جنگلی لینے نظر آئے۔

”انسپلر کامران مرزا۔۔۔ بھلا اتنے جنگلیوں کے درمیان ہم اس غیر ملکی سوار کو کیسے تلاش کر پائیں گے۔“

”ہاں! اس وقت تو یہ مشکل ہے۔ لیکن صبح سویرے یعنی صبح کا پیدا ظاہر ہونے لگے گا۔ اس وقت ہم ضرور اسے دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی درختوں پر چڑھ چڑھ کر۔ اور ایک بار وہ ہمیں نظر آجائے۔ اسے اٹھا لانا ہمارا کام ہے۔“

”یہی ٹھیک رہے گا۔“ انسپلر جمشید نے کہا۔

اور پھر وہ رات انہوں نے ایک درخت سے ٹیک لگا کر ہر صبح ہونے لگی تو وہ دو الگ الگ درختوں پر چڑھ گئے اور جنگلیوں کا جائزہ لینے لگے۔ یہ دیکھنے لگے کہ وہ غیر ملکی کہاں ہے۔ اس طرح انہیں کئی بار درختوں سے اترنا پڑا اور کئی بار درختوں پر چڑھنا پڑا۔ اس طرح وہ دونوں اب مکمل طور پر سوئے ہوئے جنگلیوں کے درمیان میں تھے۔ آخر کار انہیں غیر ملکی نظر آ گیا۔ وہ سب کے سب گھوڑے چھ کر سوئے ہوئے تھے اور اس بات کی کوئی امید نہیں تھی کہ ان میں کسی کی آنکھ کھل جائے گی۔ تاہم اس صورت حال کے لیے بھی وہ پوری طرح تیار تھے۔

انسپلر جمشید دبے پاؤں غیر ملکی کی طرف چل پڑے۔ انسپلر کامران مرزا اپنی جگہ پر رکے رہے۔ ان کے ہاتھ میں ایک جدید طرز کا پستول بالکل تیار تھا۔

غیر ملکی کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنا سانس روکتے ہوئے، رومال اس کے ناک سے لگا دیا۔ اس کے بدن میں ہلکی سی حرکت ہوئی اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔ انہوں نے اسے کندھے پر اٹھا لیا اور جنگلیوں کے درمیان سے نکلتے چلے گئے۔ اس حالت میں انسپلر کامران مرزا پوری طرح چوکھٹے ان کے ساتھ چل رہے تھے۔

آٹکھیں تھلتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف ہا گیا۔ کیونکہ اس پر جو  
چہرے بچے ہوئے تھے وہ ان لوگوں کے تھے جنہیں وہ موت کے  
مخاتراتارنے کے لیے پوری کوشش کر چکا تھا۔  
"یہ... یہ... یہ کیا... مم... میں تو ان جنگیوں کے درمیان  
سویا ہوا تھا۔"

"اے کایا پلٹ کبے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔  
"صرف کایا پلٹ ہی نہیں... مم میں بھول گیا کہ اس جیسا اور  
کون سا لفظ ہے۔" آفتاب گزبڑا گیا۔  
"ہے کوئی شک۔" آصف کا منہ بن گیا۔  
"چپ۔" انسپکٹر جمشید غزائے۔

"ہاں مسٹر! اب تمہارا گیا پروگرام ہے۔ جنگی تو اب تمہاری  
مدد کے لیے آئیں سکیں گے۔ کیونکہ ہم جنگل میں ایسی جگہ ہیں...  
جہاں وہ داخل ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے... اس کی وجہ  
یہ ہے کہ یہاں قدم قدم پر موت ہے۔ یہاں سے ایک ایک کر کے  
ہی کوئی گزر سکتا ہے۔ جنگیوں کا لشکر نہیں گزر سکتا... وہ آدم خود  
درختوں کا شکار ہو جائیں گے۔ یعنی وہ پہلے خود انسانوں کو کھاتے رہتے  
ہیں۔ اب خود ان درختوں کا لقمہ بن جائیں گے۔" وہ تم سے کہتا ہے

تھے اور ان کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے۔ جب کہ ہینکلر ہینکلر  
کے صرف ایک ہاتھ میں پستول تھا، دوسرے ہاتھ سے انہوں نے فیرنگلی  
کو سنبھالا ہوا تھا۔

جنگیوں کے درمیان سے احتیاط سے نکلتا بھی آسان کام نہیں  
تھا۔ کسی وقت بھی کسی جنگی کی آنکھ کھل سکتی تھی اور صرف ایک جنگی  
کے جاگتے ہی کام خراب ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی چیخ ان سب کو ان  
واحد میں جگا دیتی۔

وہ چلتے رہے۔ چاروں طرف نظریں بھی دوڑاتے رہے۔ اور  
آخر کار بغیر کسی خطرے کے وہ ان کے درمیان سے نکل آئے۔ اب  
ان کی رفتار میں تیزی آگئی۔ کیونکہ اب راستہ صاف تھا۔ پھر وہ  
اپنے ساتھیوں کے درمیان پہنچ گئے۔ انہیں واپس آتے دیکھ کر ان کے  
ساتھیوں کے چہرے کھل اٹھے۔ آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ ان سب  
نے ایک ساتھ کہا۔

"مبارک ہو۔"

"خیر مبارک... دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

انہوں نے فیرنگلی کو پہلے رہیوں سے بانٹ دیا۔ پھر پھر  
داؤد نے اسے ایک دوا سنبھالی۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھل دیں



اس بات کو کون جانتا ہوگا... تم لوگوں ہی نے تو اس جنگ کو اپنا ساز بنا لیا ہے... اور ان جنگیوں کے ذریعے دنیا کے لوگوں کو دودھ لگا رہا ہے... یہی بات ہے نا۔

"نہیں... نہیں... تم۔"

"ہاں... ہاں کہو... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم مجھ سے بہران کا راستہ معلوم نہیں کر سکتے... کیونکہ... کہتے کہتے رک گیا... اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کا خوف تھا... بدن میں تھر تھری دودھ لگی... اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔"

"کیا ہو گیا بھئی... خیر تو ہے۔"

"ادھر میں بہران کا راستہ بتانا شروع کروں گا... ادھر میرا جسم دھماکے سے پھٹ جائے گا۔"

"ہائیں... کیا کہا... جسم دھماکے سے پھٹ جائے گا... یار تم آدمی ہو یا ہم۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"میرے جسم میں ایک آلہ آپریشن کے ذریعے فٹ کیا گیا... جب میں ان الفاظ پر پہنچوں گا... وہ آلہ پھٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی میرا جسم پھٹ جائے گا... مطلب یہ کہ تم مجھے مٹائے گی۔"

ایک چہرہ کر دیا تو بھی بہران کا راستہ نہیں جان سکتے تھے... میرے ساتھ ہی نہیں... بہران کے ہر شخص کے جسم میں فٹ ہے... جہاں بہران میں رہنے والا... یا بہران سے باہر رہنے والے بہران کا آدمی بہران کا راستہ نہیں جانتا سکتا... تم اس بات کو کچھ لو۔"

"تجسس کے لیے تو قلم اور کاغذ کی ضرورت پیش آتے گی... فی الحال ہم دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں... لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو۔"

"تم لوگ میری بات پر یقین نہیں کرتے، نہ کرو... میری موت تمہیں یقین دلادے گی۔"

"تم ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔" ایسے میں انسپٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہی اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا... ساتھ ہی انسپٹر جمشید کی سرسراہٹی آواز سنائی دی۔

"تمہیں نیند آرہی ہے... تم سو رہے ہو... ٹھیک ہے... تم سو جاؤ... پھر میں تمہیں جاگنے کے لیے کہوں گا... تو تم جاگ جاؤ گے... تم سمجھ گئے... جواب دو... " وہ کہتے چلے گئے۔

بہل سے عیا جاتا ہے۔"

اس کے ہونٹ ساکن رہے۔ گویا وہ اس سوال کا جواب نہ دے

تو بھی اس کا جسم پھٹ جاتا۔ اب انہوں نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم پانچ منٹ بعد ہوش میں آجاء۔ مجھے تم

سے جو پوچھنا تھا، پوچھ لیا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے۔

"اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ لہذا ہم اس سے راستہ معلوم نہیں

کر سکتے۔۔۔ انہوں نے اس قسم کے کام پہلے ہی کر رکھے ہیں۔"

"لہٰذا۔۔۔ لیکن اتنا جاننا" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں کیوں! انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر اس شخص کا آپریشن کر کے وہ آلہ نکال دیا جائے۔"

"ہاں! اس صورت میں ہو سکتا ہے، ہم اس سے راستہ معلوم کر

سکیں۔ لیکن اس کا آپریشن کیسے کریں۔۔۔ ہم میں کوئی ڈاکٹر نہیں

مطلب یہ کہ اس کام کے لیے پھر ہمیں برائی جانا ہوگا۔ اور یہ ایک

مشکل کام ہوگا۔ تو کیوں نہ ہم خود راستہ تلاش کریں۔" ہنسپنر ہنسیہ

کہتے چلے گئے۔۔۔

"ان جنگیوں کے ہوتے ہوئے یہ کام بھی تو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں! میں سمجھ گیا۔"

"اور تم سو رہے ہو۔۔۔ نیند کے دوران میں تمہیں علم ہوں گا

تم اسے مانو گے۔"

"ہاں! میں سو رہا ہوں۔۔۔ میں حکم مانوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم سو جاؤ۔"

اس کے چند سیکنڈ بعد انہوں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ تم سو چکے ہو۔۔۔ لیکن تم میرے حوالہ

کے جوابات دو گے۔"

"ہاں! میں جواب دوں گا۔۔۔ اس کے لب بٹے۔۔۔ آنکھیں بند

تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

"کیا تم بہران کا راستہ جانتے ہو۔"

"ہاں! جانتا ہوں۔"

"اگر تم بہران کا راستہ بتاؤ گے تو کیا تمہارا جسم پھٹ جائے

گا۔"

"بالکل پھٹ جائے گا۔" اس کے ہونٹ بٹے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم ایسے کسی سوال کا جواب دو جس سے

بہران کا راستہ معلوم ہوگا۔۔۔ صرف یہ بتا دو۔۔۔ بہران کا راستہ اس



## کوئی اور حل

ان کی نظریں پروفیسر دادو کے چہرے پر جم گئیں۔ آخر انہیں  
جسید نے کہا۔

”خیر تو ہے پروفیسر صاحب۔ کیا ہوا؟“

”راستہ تلاش کرنے سے پہلے ہمیں ان جنگیوں سے بھٹنا ہو گا۔“

لیکن یہ کئی ہزارہا جیسا۔ اتنے بہت سے لوگوں کو مار ڈالنا کوئی آسان  
کام نہیں، پھر ہم انہیں مار بھی ڈالیں تو ان کی لاشیں جنگل میں سڑتی  
رہیں گی۔ ایک مدت تک جنگل میں شدید بدبو پھیلی رہے گی اور ہم  
نہیں جانتے، اتنی مدت میں راستہ تلاش کر سکیں گے۔ کر بھی سکیں  
گے یا نہیں۔“

”ہاں۔۔۔ آپ تو یہ کہتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم انہیں  
لاک کبھی کریں۔“ انہیں کامران مرزا نے پوچھا۔

”ہمارے راستے میں رکاوٹ بنے ہیں گے۔“

اگر راستہ ان آدم خود درختوں میں سے لگتا ہے تو اور بات ہے۔۔۔  
اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں  
ہے۔ راستہ سمندر کے کنارے کنارے ہی کسی جگہ پر بنے گا۔ کیونکہ  
ہم نے گھوڑے سواروں کو اسی طرف رخ کرتے دیکھا تھا۔ اگر راستہ  
وہاں نہیں تھا تو گھوڑے سواروں کو اور جالے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تب پھر ان حالات میں راستہ ہمیں خود ہی تلاش کرنا پڑے  
گا۔“

”اور شاید۔۔۔ یہ کام آسان نہیں۔ مشکل ترین ثابت ہو گا۔“  
پروفیسر دادو کی آواز ابھری۔

اب انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔ تو ان کے چہرے پر جیب  
منظر نظر آیا۔۔۔

☆☆☆☆☆

... پہلے سن تو لو... کیا خبر اس نے ایسے ہی کہہ دیا ہو...  
 "ارے" فاروق نے شوکی کو گھورا۔  
 "اچھ... چھا" شوکی نے فوراً کہا۔

"چلو بتاؤ فرزانہ" پروفیسر داؤد بہت بے چمن ہو گئے۔  
 "ان سب کو سمندر میں گرا دیا جائے... لیکن اس سے پہلے  
 انہیں اسلام کی دعوت دی جائے... اگر یہ آدم خوری سے توبہ کر لیں  
 اور اسلام قبول کر لیں تو یہ زیادہ اچھا ہے... اس صورت میں یہ الٹا  
 ہمارے کام آئیں گے۔"

"سوال تو یہ ہے کہ یہ اسلام کیسے قبول کر لیں۔"  
 "اب ان لوگوں نے جسے سردار بنایا ہے... ہم اسے اغوا کر  
 لاتے ہیں... اس سے بات کرتے ہیں... وہ مان گیا تو ٹھیک...  
 ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔  
 فرزانہ نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا... پھر اس نے کہا۔  
 "ورنہ کے بعد میں بعد میں بتاؤں گی۔"  
 "ہے کوئی شک؟" فاروق جل گیا۔

"چلو کوئی بات نہیں... میں اور کاروان مرزا جاتے گا ان کے

ہوئے ہم اپنا کام اطمینان سے نہیں کر سکیں گے۔"  
 "تب پھر اس کا کوئی اور حل سوچا جاسکتا ہے۔" انہیں ہنسی  
 نے گہری سوچ کے انداز میں کہا۔  
 "کوئی اور حل؟" کئی آوازیں ابھریں۔  
 "ہاں! کوئی اور حل۔"

"ٹھیک ہے... آپ کہتے ہیں تو ہم کوئی اور حل ڈھونڈ لیتے ہیں...  
 فرزانہ کی عقل کب کام آئے گی۔" محمود مسکرایا۔  
 "اور فرحت کی بھی۔" آصف نے فوراً کہا۔  
 "ضرور ضرور... کیوں نہیں؟" فرزانہ نے سر ہلایا۔  
 "اور میری طرف سے بھی دو مرتبہ ضرور۔" فرحت نے ہنس کر  
 کہا۔

اور پھر وہ دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئیں... سب ان کی  
 طرف دیکھنے لگے... فاروق، آفتاب اور کھن تو برے برے منہ  
 رہے تھے جب کہ محمود، آصف اور شوکی، اخلاق اور اشفاق مسکرا رہے  
 تھے... ان حالات میں فرزانہ نے زور انداز میں چنگی بجا لی۔  
 "وہ مارا۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" شوکی نے فوراً کہا۔



سے سردار کو اٹھا لائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے گویا فرزانہ کی ترکیب سے مکمل طور پر اتفاق کیا۔

پھر رات کے وقت دونوں وہاں سے نکل گئے۔ باقی سب لوگ وہیں رہے۔ کیونکہ اس جگہ جنگیوں کے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ اب وہ گے انتظار کرنے۔ یہ انتظار کافی مشکل ثابت ہوا۔ کیونکہ تین گھنٹے تک ان کی واپسی نہ ہو سکی۔ آخر غدا کے دوپہر آتے نظر آئے۔ سردار انسپکٹر کامران مرزا کے گانہ سے پرغور نیا سردار جلد ہی ان کے سامنے پڑا لیے لیے سانس لے رہا تھا۔

"منور علی خان کیا تم ان کی زبان جانتے ہو؟"

"ہاں بالکل۔۔۔ بلکہ میں تو ان کے سب سے بات بھی کر رہا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تب تو بہت ہی اچھا ہے۔۔۔ اب تم ہی اس سے بات کر کے اسے دین کی موٹی موٹی باتیں بتاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

سردار کو ہوش میں لایا گیا۔ اس نے آنکھیں کھولنے ہی کے بعد ان سب کی طرف دیکھا اور پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس کے ہاتھ کیا ہوا ہے۔ اس کے منہ سے چند الفاظ نکلے۔

منور علی خان نے فوراً اس کی بات کا جواب دیا۔

پھر انہوں نے اس سے بات چیت شروع کی۔ دو دھڑک اس کام میں لگے رہے۔ آخر انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "یہ کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔" کہتا ہے۔ اس کے ساتھی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جو نہیں انہیں اس کی تم شدگی کا پتا چلے گا۔ وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔"

"ابو اچھا۔۔۔ ہاں فرزانہ اب تم اپنا باقی ترکیب بتاؤ۔"

فرزانہ دہلی آواز میں بتائے لگی۔ ان کے سر ہلنے چلنے کے یہاں تک کہ اس کی بات مکمل ہو گئی۔

اب انہوں نے سنے سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ منور علی خان کے چہرے پر سردار کا میک اپ کیا۔ اور سردار کو وہاں پہنچا دیا۔ جہاں وہ سویا پڑا تھا۔

اب منور علی خان نے جنگیوں کے خاص انداز میں حلق سے آواز نکالی۔ اس سے پہلے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے اور سردار کا منہ کر چکے تھے۔ انہوں نے جنگیوں کی آواز میں کہا تھا۔

"آؤ میرے پیچھے۔۔۔ دشمن اس طرف وہاں آ رہا ہے۔"

الفراتر کے عالم میں انہوں نے اپنے پیچھے سے۔۔۔

چکر نہیں کھینچتے تھے۔ اب ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف گولیاں۔۔۔ جاتے کہاں۔۔۔ اس قدر بدحواس ہونے کی بات سے تو بچے سمجھے بغیر سمندر میں جا گرے۔۔۔ کچھ گولوں نے اچھال اچھال دیا اور وہ سمندر میں گرتے چلے گئے۔

درختوں کی طرف ایک لمبی لائن سے ان پر فلاحی ہو رہی تھی۔ اور یہ لمبی لائن فرزانہ کی ترکیب کے مطابق بنی تھی۔۔۔ ہر دو آدمیوں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھا گیا تھا کہ کوئی درمیان سے گزر کر فرار ہونا چاہے تو وہ اسے بھی نشانہ بنا سکیں۔ اس طرح ان کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔۔۔ بس گولیاں کھا کھا کر سمندر میں گرنا ہی ان کا مقدر تھا۔۔۔ اور کیوں نہ ہوتا۔۔۔ انہوں نے بھی تو نہ جانے کتنے انسانوں کو کھا ڈالا تھا۔۔۔ ان پر برابر گولیاں برسی رہیں۔۔۔ وہ اچھل اچھل کر گرتے رہے۔۔۔ ایسے میں پروفیسر داؤد نے کچھ گیندیں ان کی طرف اچھالیں۔۔۔ وہ دھماکوں کے ساتھ پھٹیں اور ان میں سے نہ جانے کتنوں کو سمندر میں لے گئیں۔۔۔

اب گولیاں بھی جاری تھیں اور وقفے وقفے سے گیندیں بھی ان کا حراج پوچھ رہی تھیں۔۔۔ یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔۔۔ جنگوں کے پاس چونکہ اسلحہ نہیں تھا اور فرار کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی

پا ہے۔۔۔ لیکن وہ پہلے ہی ان سب نے کھائی میں ڈال دیے اور ان کے اچھال بھی زیادہ تعداد میں وہ بنا نہیں پاسے تھے۔۔۔ جو تھوڑے بہت بائیں گئے تھے۔۔۔ وہ بھی اس وقت انہیں نہ مل سکے۔۔۔ کیونکہ ان سب نے مل کر ان کو غائب کر دیا تھا۔ اور جنگی یہ سمجھے کہ ان سے آگے جانے والوں نے وہ تھوڑے بہت نیزے اور بھالے اٹھا لیے ہوں گے۔۔۔ انگوں نے سمجھا۔۔۔ پیچھے والے اٹھا لائیں گے۔۔۔ بس وہ اندھا دھند بھاگتے چلے گئے۔۔۔ بے تحاشہ بھاگتے ہوئے آخر وہ سمندر کنارے پہنچ گئے۔۔۔ یہاں انہیں اپنا سردار کہیں نظر نہ آیا۔۔۔ تاہم سردار کی آواز ضرور سنائی دے رہی تھی۔۔۔

”ان لوگوں نے مجھے سمندر میں دھکا دے دیا ہے۔۔۔ لیکن میں ایک چٹان پر آگرا ہوں۔۔۔ تم لوگ فوراً میری مدد کو پہنچو۔“

اس آواز پر جنگی سمندر کنارے کھڑے ہو ہو کر نیچے جھک کر دیکھنے لگے۔۔۔ بس یہی وہ لہجہ تھا۔۔۔ جب ان سب نے ایک سیدھ میں درختوں کی اوٹ لے کر ان پر قار کھول دیا اور کچھ اس مہارت سے فائرنگ شروع کی۔۔۔ جیسے ان گنت لوگ ان پر گولیاں چلا رہے ہوں۔۔۔ وہ جھپٹیں مارتے ہوئے سمندر میں گرنے لگے۔۔۔ بدحواسی کے عالم میں درختوں کی طرف پلٹے۔۔۔ لیکن خالی ہاتھ تھے۔ اس طرف گارڈ



بہت سے جنگلی پانی میں بہتے نظر آتے۔ وہ مجھ سے اٹھ کر دیکھنے لگے۔  
ان لوگوں کو اسے اور زندگی کے لیے ہاتھ دے دیتے تھے۔  
پاکل ترس نہیں آ رہا تھا۔ ایسے میں اخلاق کی آواز نے اٹھ کر چلا دیا۔  
"ارے! وہ کیا۔"

\*\*\*\*\*

اس نے وہ گولیاں کھا کھا کر یا بغیر گولیاں کھا کھا بھی سمندر میں گرے۔  
اسے آخر ایک کھٹے بعد میدان صاف ہو گیا۔ اور ان کی لاشوں  
کے کچے ہونے کا بھی مسئلہ نہ رہا۔ کیونکہ اب تو ان کے مردہ جسموں  
کو سمندری حلق کی خوراک بن چکا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ یہ مرحلہ تو بچے ہو۔"

"لیکن۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ حیران حیران سائنس کہاں سے اسے شوکی۔" انسپکٹر کا حیران  
مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہمیں نہ تو عورتیں نظر آئیں۔ نہ بچے۔"

"لگتا ہے۔ یہ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی کھا گئے۔" انسپکٹر  
جیش نے کہا۔

"نہیں۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"آدم خور ایسا ہی کرتے ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ تب تو یہ اچھا ہی ہو گیا۔ جنگل ان  
سے پاک ہو گیا۔"

"ہاں۔ اللہ کی مہربانی سے۔"

اور پھر وہ سمندر کے کنارے پر آئے پیچھے دیکھنے لگے۔

اس طرح ایک بار پھر قہقاری دہکے لیے فالنگ کی آواز آئی۔  
 "نہیں۔ آخر لا۔ موش چھاگلی۔"

"گلتا ہے۔ ان سے مکمل نجات مل گئی۔ اب سبھی میں وہ  
 دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"چلیے! ایک مسئلہ تو حل ہوا۔ اب دیکھا یہ ہے کہ یہاں سبھی  
 کو راستہ کہاں جاتا ہے۔"

میں اس نئے فضا کے دوش پر آتے چند الفاظ ان کے کانوں  
 سے ٹکرائے۔

"ہائیں! یہ کون بولا تھا۔" انسپکٹر کامران مردانے حیران ہو کر  
 کہا۔

"ہم میں سے کوئی نہیں بولا انگل۔ کیونکہ ہم سب کی آوازیں  
 پہچانتے ہیں۔"

"لیکن میں نے خود آواز سنی ہے۔" انسپکٹر ہمیشہ بنا بولے۔

"اوتے باپ دے۔ ہم میں نے بھی آواز سنی ہے۔"

آفتاب چلا اٹھا۔

"میں تو پھر۔۔۔ ہم ابھی ہمارے لیے چھ چار گھر بنائے ہیں۔"

## ہنسنے کی آواز

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے شوکی۔" انسپکٹر ہمیشہ نے فوراً کہا۔

"وہ۔۔۔ دیکھیے۔ ایک مقام ایسا ہے۔ جس سے یہ  
 لوگ پھر اوپر آ رہے ہیں۔ یعنی پانی میں ڈوبی ایک چٹان کو پکڑ کر اس  
 کے اوپر آ کر بیٹھ رہے ہیں اور وہاں سے ایک ڈھلوان سی چٹان اوپر کی  
 طرف آ رہی ہے۔ اس پر اوپر چڑھتے ہوئے اوپر آنے کی کوشش کر  
 رہے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس جگہ انہیں نشانہ بنانا بھلا کیا مشکل  
 ہے۔"

"ہاں۔ واقعی۔"

"اور پھر وہ اس چٹان تک آجائے۔ انہوں کو ابھی نشانہ بنائے گئے  
 ہیں۔ یہ سبھی بھٹی اچھل اچھل کر سمنہ دہیں گئے۔"



نے بات کی تھی۔

”اس۔۔۔ اس کا مطلب ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کان بچے ہوں۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”سب کے کان نہیں بنا سکتے۔“

”اٹکل! آپ اپنی گھڑی چیک کریں۔۔۔ اس نے آواز ریکارڈ کی ہوں گی۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔“ وہ چونک اٹھے۔

اب انہوں نے گھڑی کا ایک ہنر دیا۔۔۔ چند سیکنڈ بعد ہی آواز دہری۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے کسی نے کچھ کہا ہے۔۔۔ لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے۔۔۔ کیونکہ نہ تو وہ جنگلوں کی زبان میں تھے۔۔۔ نہ اردو میں اور نہ انگریزی میں۔۔۔ بلکہ انپیکٹر کا مران مرزا، انپیکٹر جمشید اور خان دھماں تو کئی اور زبانیں بھی جانتے تھے۔۔۔ اور پروفیسر داؤد سائنس میں کی گئی باتیں سمجھ سکتے تھے۔۔۔ لیکن یہ الفاظ کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے۔

”بات تو کسی نے کی ہے۔۔۔ اور کی بھی ہے آس پاس ہی کہیں سے۔“ انپیکٹر جمشید نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

”اب جب کہ ہم سب جنگلوں سے نجات حاصل کر چکے اور اس جنگل کو ان کی آدم خوری سے بھی پاک کر چکے۔۔۔ یہ آواز ہمارے راستے

کی زنجیر بن رہی ہے۔۔۔ جب تک ہم یہ معلوم نہیں کر لیتے۔۔۔ یہاں نہ لٹنے والا کوئی ہے اور کہاں ہے۔۔۔ کیسے قدم آگے بڑھ سکتے ہیں۔۔۔ اور فی الحال ہمارے لیے مسئلہ ہے۔۔۔ سہراؤں کا ساتھ نکال کر

نے کا۔“

”سہراؤں۔۔۔ سہراؤں۔“

ایک بار پھر جنگل میں ہلکی ہلکی سی آواز مچ گئی۔۔۔ وہ اچھل پڑے۔۔۔ اور آگے چاروں طرف دیکھنے۔۔۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکے تھے کہ آواز کس سمت سے آ رہی ہے۔ انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ہر طرف سے آ رہی ہو اور یہ ایک عجیب بات تھی۔۔۔

”اٹکل! گھڑی چیک کریں۔۔۔ اس پر سہراؤں ریکارڈ ہوا ہے یا نہیں۔۔۔ اور کیا آپ کی گھڑی آواز کی سمت نہیں بتاتی۔“ شوکی نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”بتاتی ہے۔۔۔ بالکل بتاتی ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔ اس کے پاس

کا رنگ اڑ گیا تھا۔

”اب تمہیں کیا ہوا۔۔۔ بلاوجہ سب کو خوف زدہ کرنے کی کوشش۔“

کر رہا۔ آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔

”ان حالات میں میں ایسی کوئی کوشش بلاوجہ کیسے کر سکتا ہوں۔“

”کیا میں اتنا ہی پاگل ہوں۔“

”یہ تمہیں معلوم ہو گا کہ تم کتنے پاگل ہو؟“ آصف مسکرایا۔

”یار چپ رہو۔“ آفتاب جھٹکا اٹھا۔

ادھر انسپکم جمشید نے گھڑی کا ہین ایک بار پھر دبایا۔ اس میں

دو مرتبہ سہراں سہراں دیکارڈ تھا۔

”گھڑی آواز کی سست نہیں بتا رہی۔“

”یہ تو عجیب بات ہو گئی۔ اور اس کا مطلب ہے۔۔۔ جنگل میں

کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے۔“

”ہاں! موجود ہے۔“ اس بار الفاظ اردو میں کہے گئے تھے۔

وہ سب بری طرح اچھلے۔

”ارے باپ رے۔“ فاروق کے منہ سے ایک بار پھر نکلا۔

”کیا ہے تمہیں۔ ارے باپ رے۔ ارے باپ رے۔“

”کی ہے۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”ارے باپ رے۔“ اس بار محمود اچھلا تھا۔

”لو۔۔۔ ایک نہ شدہ شدہ۔ فاروق کو تو ارے باپ رے کی

لگ ہی گئی تھی۔ اب محمود بھی شروع ہو گیا۔“

”نہیں۔“ مارے خوف کے فریاد کے ساتھ۔

”اوہو کیا مصیبت ہے۔“ خان رمان نے منہ ہلایا۔

”اب۔۔۔ با جان۔۔۔ ذرا یہ اردو والا جملہ سنا لے۔“ فرزان نے

کاہنتی آواز میں کہا۔

”سہ ہو گئی۔ اور تو اس طرح رہے ہیں۔ جیسے اپنے مانے

شیر کو دیکھ لیا ہو۔“ فرحت نے کھانسنے ہوئے انداز میں کہا۔

”لیکن اپنے سامنے شیر کو دیکھ کر ہم کب ڈرتے ہیں۔“ منور علی

خان مسکرائے۔

”انگل! آپ کی بات نہیں ہو رہی۔“

”چلو انہی کی ہو رہی ہے۔ یہ بھی تو شیر کو دیکھ کر اس طرح

نہیں ڈرتے۔“

انسپکم جمشید نے پھر گھڑی کا ہین دبایا۔ اس پر جملہ سالی دیا۔

”ہاں! موجود ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ ایک بار پھر محمود فاروق اور فرزان کے ساتھ

سے نکلا۔

”گلتا ہے۔ تم تینوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ آصف نے



ان کا مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“ محمود نے سر ہلایا۔

”ہائیں... کیا کہا۔ ہاں یہی بات ہے۔“ پروفیسر اقدس

بوکھا کر کہا۔

”جی ہاں انکل... یہی کہا ہے... ہاں یہی بات ہے۔“

”یعنی تم تینوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ مکھن نے حیران ہو

کر آنکھیں نکالیں۔

”ہاں! یہی بات ہے... تو پھر... ہم کیا کریں... ہم کیا کر

سکتے ہیں... اگر ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ محمود نے آنکھیں

نکالیں۔

”اچھا اچھا بھائی... کر لو دماغ خراب... ہمیں کوئی اعتراض

نہیں... اور ہم ہوتے کون ہیں اعتراض کرنے والے۔“ مکھن نے گہرے

کر کہا۔

”لگتا ہے... یہ ہمارا دماغ بھی خراب کر کے رہیں گے۔“ انجی

کا مران مرزا نے کہا۔

”کا مران مرزا... لگتا ہو گا تمہیں... مجھے بالکل نہیں لگتا۔“

منور علی خان مسکرائے۔

”خدا جونی... اور تم سنکی... ہے ہاں...“ انجی کا سر ہلایا۔

”اچھے۔“

”یہ خیال ہے... ہم مشورہ کر لیتے ہیں...“ انجی نے مشورہ

دیا۔

”واو... مشورے کا مشورہ... ہے... ہے...“ انجی نے

خوش ہو گیا۔

”بے چارے ہو گئے تم خود۔“ شوکی نے جمل کر کہا۔

”اچھا اچھا بھائی... ناراض نہ ہو... ہم بے چارے تھے۔“

”یہ ہوئی بات۔“

”تم لوگ واقعی بے وقوف ہو۔“ جنگل میں آواز اجری۔

”ارے باپ رے... بھائی میاں... اپنا تعارف تو کرادیں

آپ ہیں کون... اور اس جنگل میں چپے ہوئے آدم کی طرح کہاں سے

نپک پڑے...“ فاروق نے کہا۔

”کیا کہا... چپے ہوئے آدم کی طرح۔“ چچ کر کہا۔

”نہیں... نہیں... میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں۔“ طارق

کھبرا گیا۔

”امینہ دل کہیں کے...“ آفتاب نے اسے کاچہ اٹھ کر کہا۔

”فاروق آفتاب نے تمہیں بزدل کہا ہے۔“ محمود نے ہر

کہا۔

”اچھا تو پھر اب کیا کروں۔“

”پکڑ لو اسے میں تمہاری مدد کروں گا۔ چٹنی بنا دو اس کی۔“ محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

”بالکل ٹھیک۔۔ اس کی چٹنی بنانی ہی ہو گی۔“

”آؤ آؤ۔ دیکھ لوں گا میں تم دونوں کو۔“ آفتاب نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا انہیں لڑائی کی دعوت دی۔

”اچھا یہ بات ہے۔۔۔ لو پھر ہم آرہے ہیں۔“

یہ کہتے ہی محمود اور فاروق نے آفتاب کی طرف دوڑ لگا دی۔

”ارے باپ اسے۔۔۔ رکو۔۔۔ رکو جاؤ۔“ اسپیڈر کا مہران مرزا نے چنا کر کہا۔

لیکن اس وقت دونوں دوڑ چکے تھے۔

”نہیں نہیں۔۔۔ اگر تم دونوں آفتاب پر حملہ کرو گے تو میں اور فرحت بھی نہیں رہ سکیں گے۔ ہم تم دونوں کی خبر لیں گے۔“ آصف نے چنا کر کہا۔

”آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ تم بھی آؤ۔۔۔“ محمود پکارا۔

اب تو وہ دونوں بھی دوڑ پڑے۔ اب وہ لگے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے۔۔۔ ٹپ بھر میں ایک طوفان بد قسمتی شروع ہو گیا۔

”فرحت۔۔۔ کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ کہ تم بھی

اس فصول کی لڑائی میں گور پڑو گی۔“

”تب پھر۔۔۔ تمہیں کیا امید تھی۔“ فرحت نے دوڑتے ہوئے

کہا۔

”ٹھہرو۔۔۔ بتاتی ہوں تمہیں۔۔۔ اب میرا اور تمہارا مقابلہ ہو گا۔“

یہ کہتے ہی فرزانہ بھی دوڑ پڑی۔

”اب۔۔۔ اب ہم کیا کریں۔“ شوکی نے بے بسی کے عالم میں

کہا۔

”ہم۔۔۔ ہم ان میں سچ بچاؤ کراتے ہیں۔“ آفتاب نے فوراً

کہا۔

”اوہ ہاں! سچ بچاؤ کرانا بہت ثواب کا کام ہے۔“

”تو پھر آؤ۔“

ان چاروں نے بھی دوڑ لگا دی۔

”گلتا ہے۔۔۔ سب کا دماغ چل گیا ہے۔“ اسپیڈر جھنجھو

چلا۔



"آؤ جشید ... انہیں چھڑائیں ... کہیں کوئی پتہ نہ کی  
ہو۔"

انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔

"وحت تیرے کی ... تپوٹوں کے ساتھ ہڈوں کا بھی دماغ پھل  
گیا۔ سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہم بھی کود پڑتے ہیں ... اس بے کار کی لڑائی میں ... اور کچھ  
نہیں تو انہیں چھڑا ہی لیں گے۔"

انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔

"اب میں ہی یہاں رہ کر کیا کروں گا۔" پروفیسر داؤد نے بے  
چارگی کے عالم میں کہا اور اس سمت میں دوڑ گئے ... جدھر سب گئے تھے  
اور جس طرف ان سب کی بے ہنگم آوازیں آرہی تھیں ... یا وہ اچھل کود  
پچاتے نظر آرہے تھے ... جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گئے ... لیکن یہاں تو  
اب کوئی بھی نہیں تھا ... تھوڑی دیر پہلے جو جگہ ان کی اچھل کود کی وجہ  
سے اکھاڑے کا منظر پیش کر رہی تھی ... وہاں اب ہو کا عالم تھا ... کوئی  
بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"کمال ہے ... سب کے سب کہاں چلے گئے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے کی طرف چلے گئے ... اور ادھر ادھر دیکھتے

بھی گئے ... ساتھ میں وہ بڑبڑا بھی رہے تھے ...  
"حیرت ہے ... کمال ہے ... افسوس ہے ... ان لوگوں نے

مجھے تنہا چھوڑ دیا اور خود غائب ہو گئے۔"

ایسے میں کسی نے اچانک انہیں گھائی سے کچڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا

... ساتھ ہی ایک ہاتھ ان کے منہ پر آجھا تھا ... ورنہ ان کے منہ سے  
جھنجھک مچنی ہوتی ...

پھر انہوں نے دیکھا ... انہیں کھینچنے والے اور کوئی نہیں، انہیں

جشید تھے ... ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی ... آنکھوں ہی  
آنکھوں میں وہ ان سے کہہ رہے تھے ...

"خاموش رہیے گا۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے ان کے منہ پر سے ہاتھ اٹھا لیا ... انہوں

نے دیکھا ... اس جگہ صرف وہی تھے ... ان کا اور کوئی ساتھی نظر نہیں

آ رہا تھا ... اس سے پہلے کہ وہ ان سے اشاروں میں یا دہی آواز میں

کچھ پوچھتے ... جگہ میں کسی کے ہنسنے کی آواز گونج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

اب تو ہر مہی غلطی ... اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" کاغذ

نے برا سامنا بنایا۔

چلو پھر پانی میں دوبارہ مرو۔" آفتاب نے چنگ کر کہا۔

اب سب یہ بے وقوفی کر کے رہیں گے۔ اس طرح دشمن

سب کی پوزیشن سے باخبر ہو جائے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" بننے والے کی آواز سنائی دی۔

"کیسی کوئی بات نہیں ... بھوت انگل۔" نکھن نے ڈرے

ڈرے انداز میں کہا۔

"ارے واو ... تم نے میرا نام بھی رکھ دیا۔" خیر میں نے برا

نہیں مانا۔ پیارے بچوں کی پیاری پیاری باتوں کا برا ماننا بھی نہیں

چاہیے۔"

"لیکن یہ آپ نے کیا کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں، اس جیلے کا

مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تو ابھی سمجھا دیتا ہوں۔ اس میں کیا مشکل ہے۔ تم میں

سے ایک نے یہ کہا ہے کہ اب یہ سب بے وقوفی کر کے رہیں گے، اس

طرح دشمن سب کی پوزیشن سے واقف ہو جائے گا۔ اسی بات کے

جواب میں میں نے یہ کہا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں، مطلب یہ کہ

## آگ

ہنسی کی آواز لمبی ہو گئی۔ وہ سنتے رہے اور برے برے منہ  
بھاتے رہے۔ بننے والا انہیں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ نظر تو خیر وہ بھی  
اب نہیں آ رہے تھے۔ سب لوگ کسی نہ کسی درخت کی اوٹ میں  
تھے۔

"آخر آپ کب تک ہنسیں گے۔ وقت بتا دیں ... تاکہ ہم  
ہنسی کے رگنے کا انتظار کرنے کی زحمت سے بچا جاسکے۔" فاروق کی  
آواز سنائی دی۔

"دھت تیرے کی۔ کر ڈال تا بے وقوفی۔ میاں اگر منہ  
سے آواز نکالی کر دشمن کو اپنی پوزیشن ہی بتانی تھی تو پھر یہ سب ہڑبونگ  
چلانے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے ہنسنے لگے۔

"اب کیا کرنا۔ ہنسی تھی کہ رک ہی نہیں رہی تھی۔"

"اوہو۔ تھی تو ہنسی ہی۔ کبھی نہ کبھی تو اسے رکنا ہی تھا۔"



میں تو پہلے ہی تم لوگوں کی پوزیشن سے باخبر ہوں۔" یہ کہتے ہوئے بھی وہ ہنس رہا تھا۔

"خیر۔۔۔ یہ تو آپ بول رہے ہیں۔ ہوائی چھوڑ رہے ہیں۔ ہوائی چھوڑنے کا مطلب جانتے ہیں نا۔"

"کیوں نہیں۔۔۔ با محاورہ اردو بولنے کا ماہر سمجھا جاتا ہوں میں اور جو بول سکتا ہے، وہ سمجھ کیوں نہیں سکتا۔"

"خوب! آپ ہوائی نہیں چھوڑ رہے تو کیا کر رہے ہیں۔۔۔ آپ اکیلے ہیں۔۔۔ اور ہم کئی۔۔۔ اور ہم الگ الگ درخت کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔۔۔ یہ کام ہم نے آپ کی ہنسی کی آواز سنتے ہی کر ڈالا تھا۔ تب پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہم سب کی پوزیشن سے باخبر ہیں۔۔۔ ہاں ایک دو کی پوزیشن سے باخبر ہو سکتے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ میں سب کی پوزیشن سے باخبر ہوں۔۔۔ بے شک تم میرا امتحان لے لو۔۔۔ پوچھ لو۔۔۔ تم میں کون، کون سے دوست کے پیچھے چھپا ہے۔"

"اچھا بتائیں۔۔۔ آفتاب کہاں چھپا ہے؟"

"کون سا آفتاب۔۔۔ تم میں دو عدد آفتاب موجود ہیں۔"

بند۔

"اور۔۔۔ تو آپ یہ بھی جانتے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے! یہ پوچھو۔۔۔ میں کیا نہیں جانتا۔"

"چلیے پھر۔۔۔ پہلے یہ بتائیں آپ کیا نہیں جانتے۔"

"میں یہ نہیں جانتا کہ تم کب کیا کر بیٹھو۔"

"اور۔۔۔" مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔ پھر افسوس نے کہا۔

"ہم میں دو آفتاب ضرور ہیں۔۔۔ لیکن ایک کو ہم کھین کتے ہیں، آفتاب نہیں کہتے۔۔۔ ورنہ ہمیں کہنا پڑے گا۔ آفتاب نمبر ایک آفتاب نمبر 2۔"

"اور۔۔۔ اچھا۔۔۔ تو پھر بتاؤ۔۔۔ تم کھین کے بارے میں جانا چاہتے ہو یا آفتاب کے بارے میں۔"

"کھین کے بارے میں ہی بتا دیں۔"

"اس وقت مجھ سے محمود بات کر رہا ہے۔۔۔ ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تب پھر سن لو۔۔۔ ارے۔۔۔ اے خیرا۔۔۔ چالاکی دکھانے کی

کوشش نہ کرو۔ میں نے کہا نا۔۔۔ تم سب میری ٹھکانے میں ہو۔"

کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔ کون چالا کی دکھانے کی کوشش کر رہا ہے  
آپ کو۔۔۔ مگروں نے حیران ہو کر کہا۔

”وہی۔۔۔ ضرورت سے زیادہ چالاک تمہاری بہن فرزان  
زمین پر دنگ کر ٹھک رہی تھی۔۔۔ اس جگہ سے تاکہ بعد میں اچانک  
ظاہر ہو کر مجھے چکرا دے سکے۔۔۔ لیکن میں تم لوگوں کی رگ رگ سے  
واقف ہوں۔“

”آہا۔۔۔ تو آپ شک اٹھ رہی ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ میں انکار نہیں کروں گا۔“

”وہ دھک سے رو گئے۔۔۔ اس جگہ شک سے ملاقات ہونے کی  
ابھی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔۔۔ انہیں تو یہ بات ابھی معلوم ہوئی تھی  
کہ اس کیس کے پیچھے مسٹر شک ہیں۔“

”اٹھل شک آپ یہاں کہاں۔“

”میں تو یہاں اس وقت سے ہوں۔۔۔ جب تم پہلی بار جنگیوں  
سے لکڑے تھے۔۔۔ بس دور دورہ کر تم لوگوں کی حرکات دیکھ رہا ہوں  
وہیں اس میں شک نہیں۔۔۔ تم لوگ ہو دلچسپ۔“

”کیا کہہ رہے ہیں اٹھل۔۔۔ دلچسپ تو کتابیں ہوتی ہیں وہ  
ابھی جاسوسی کتابیں۔“ آصف نے من بولیا۔

”آپ کیا کہہ رہے تھے۔۔۔ آپ اس وقت سے جنگ میں ہیں  
جب ہمارا سپلائی مقابلہ جنگیوں سے ہوا تھا۔“

”ہاں! میں تیل دیکھ رہا تھا اور تیل کی دھار دیکھ رہا تھا۔۔۔ ظاہر  
ہے میں اور کیا کر سکتا تھا۔“

”تو آپ نے تیل دیکھ لیا۔۔۔ تیل کی دھار بھی دیکھ لی  
خوب خوب۔۔۔ اب آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں۔۔۔ تم لوگوں سے کیا چاہوں گا۔۔۔ تم لوگوں کے

پاس ہے ہی کیا۔۔۔ ہمیں دیکھو۔۔۔ تمہارے ملک میں اس وقت سونے

کے سیکے برس رہے ہیں۔۔۔ لوگ دیوانہ وار ان سٹوں کو لوٹ رہے ہیں

۔۔۔ حکومت کی ہدایات کے باوجود۔۔۔ لوگ لوٹ مار میں مشغول ہیں اور

حکومت سر پکڑے بیٹھی ہے۔۔۔ کیونکہ ان کی ایک نہیں چل رہی۔۔۔ سیکے

برسائے والی آواز ان سے جو کہتی ہے۔۔۔ وہ کر گزرتے ہیں۔۔۔ اس

وقت تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگ ان سٹوں کے چکر میں

پاکل ہو رہے ہیں۔۔۔ کھانا پینا۔۔۔ سونا چکنا۔۔۔ سب ختم ہو گیا ہے۔

انہیں انتظار ہے سٹوں کی بارش کا۔۔۔ بارش کب شروع ہوگی۔۔۔ کہاں

ہوگی۔۔۔ یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔۔۔ ان حالات میں کچھ سمجھتے ہو کہ

لوگوں کے ذہن ہمارے غلام بن رہے ہیں یا۔۔۔“



”آپ کو معلوم ہے کیا۔“

”معلوم ہے، لیکن وہ بالکل نہیں۔“

”خیر نہ ہو۔ ہم معلوم کر رہے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔ یہاں کہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں کہاں سے جاتا ہے۔“

”کہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

”یہاں سے جاتا ہے۔“

ہے۔ آخری وقت میں اپنے اللہ کو یاد کر لو۔“

”یہ تو غیر شک چچا آپ نے واقعی بہت کام کی بات کہی۔۔۔ لکن ہے۔ آپ کچھ کچھ مسلمان ہیں۔“

”میں۔۔۔“ شک ہنسا۔

”ہاں آپ ایساں ہم نے کسی اور کی آواز تو سنی ہی نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں یہاں اکٹھا ہوں۔۔۔ لیکن تم سب لوگوں کے لیے بہت ہوں۔۔۔ باقی رہی یہ بات کہ میں تھوڑا تھوڑا مسلمان لگتا ہوں تو کہے دیتا ہوں۔۔۔ میں مسلمان بھی ہوں۔۔۔ ہندو بھی ہوں۔۔۔ عیسائی بھی ہوں، یہودی بھی ہوں۔۔۔ پارسی بھی ہوں۔۔۔ اور جتنے بھی دنیا میں مذاہب ہیں۔۔۔ میں وہ سب ہوں۔۔۔ یا پھر میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوں۔۔۔ دراصل میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مذاہب وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑتے۔“

”مطلب یہ کہ آپ دہریے ہیں۔“

”تم مجھے دہریہ کہہ لو۔۔۔ کافر کہہ لو۔۔۔ بے دین کہہ لو۔۔۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”خیر چھوڑیں۔۔۔ ہمیں اس سے کیا۔۔۔ آپ ذرا اس بات کی وضاحت کر دیں کہ یہ جنگ ہماری آخری آرام گاہ بنے جا رہا ہے۔“

”ہاں! میں جا رہا ہوں۔ تم جاؤ۔ یہ جنگ چلے گی۔۔۔ دعویٰ ہے کہ یہ جنگ تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا۔ اس طرح گلے دے گا کہ بس اب کیا کہوں۔ کوئی بات نہیں سمجھ رہی کہ یہ گلے چلے گا۔۔۔ خیر یوں کہہ لیں۔ جس طرح ایک ڈنٹل پھٹی کسی انسان کو بھی جاتی ہے۔۔۔ اس طرح یہ جنگ تمہیں گلے چائے گا اور مجھے یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں چلا۔۔۔ تم مجھے روک سکتے ہو تو روک لو۔“

”آپ ہمارے سامنے آجائیں۔۔۔ روک کر ہم آپ کو روکنا دیں گے۔“

”میں بہادری دکھانے کے موڑ میں نہیں۔۔۔ تم لوگوں کے لیے وقت کیوں ضائع کیا جائے۔“

”اور اب تک آپ کیا کرتے رہے ہیں۔“ فاروق نے غصہ یہ کہا۔

”تم لوگوں پر ہم نے خاص طور پر وقت برابر نہیں کیا۔۔۔ ہم تو اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔۔۔ تم لوگ تو ہمارے لیے گھاس کے ٹکڑے جتنی اہمیت نہیں رکھتے۔“

”آپ کا شکر یہ اٹکل شک۔“ شکی نے خوش ہو کر کہا۔

”حد تو لگنی۔۔۔ ارے بھائی۔۔۔ سنا بھی ہے۔۔۔ انہوں نے کیا کیا



خوش ایسے ہو رہے ہیں جیسے وہ ہماری تعریف کر رہے ہیں۔ آفتاب نے جل کر کہا۔

”نہ کریں کوئی بات نہیں۔ نہ سمجھیں ہمیں کچھ۔ ہمارا تو فرض ہے ان کا شکر یہ ادا کریں۔“

”تم کرتے رہو شکر یہ ادا میں چلا۔ تم لوگوں کی فضول ترین باتیں سن کر کون دماغ خراب کرے۔“

اس کے بعد جنگل میں شنگ کی آواز سنائی نہ دی۔ انہوں نے ادھر دیکھا۔ ادھر دیکھا۔ کسی سمت اس کی موجودگی کا کوئی احساس نہ ہو سکا۔ اچانک انہیں تیز آج کا احساس ہوا۔ یوں لگا جیسے جنگل میں کہیں کہیں آگ لگ گئی ہو۔

”ارے باپ رے۔ آگ۔“ فرزاتہ چلائی۔

”ہاں یقیناً یہ آگ ہی ہے۔ جنگل کی آگ۔ اسی طرف شنگ نے اشارہ کیا تھا۔“

تین اس لمحے ان سب نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ جنگل بھارا ہوا طرح کے جانور، درندے، وغیرہ اور حشرات وغیرہ سب بری طرح اس طرف دوڑے چلے آ رہے تھے جس طرف وہ تھے۔ لیکن ظاہر ہے وہ کوئی ان کے چکر میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ تو آگ کے نیچے

کے لیے آ رہے تھے۔ لیکن ظاہر میں وہ انہی کی طرف آ رہے تھے۔ لہذا وہ سب ان کی لپیٹ میں ضرور آتے۔

”فورا درختوں پر چڑھ جاؤ۔“ انہوں نے نچ کر کہا۔

”لیکن درختوں پر چڑھ کر بھی تم کیا کریں گے۔ کیا اس درختوں کو سحاف کر دے گی۔“ شنگی نے منہ ہٹایا۔

”اوہو۔ فی الحال ان درندوں سے تو خود کو بچاؤ۔ یہ آگ سے گھبرا کر سمندر کا رخ کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے۔ اس طرف سمندر ہے، تبھی تو اس طرف آ رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے۔ وہ سمندر میں چلا تلے لگا نہیں گئے۔ اور ہم ان کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم درختوں پر چڑھ جائیں۔“

”ٹھیک ہے۔ جلدی کریں۔“

ادھر وہ درختوں پر چڑھے۔ ادھر درندے ان درختوں تک پہنچ گئے۔ لیکن انہیں اپنی پڑی تھی۔ ان کی طرف کیا دھیان دیتے اندھا دھند آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر انہوں نے زندگی کا حیرت انگیز ترین منظر دیکھا۔ درندے اور تمام جانور اور حشرات وغیرہ سب کے سب اندھا دھند سمندر میں گر رہے تھے۔ جنگل میں ان سب کا ایک سمندر نظر آ رہا تھا اور اس سمندر کی تہہ وہ سمندر تھا۔

ایسی تھی۔ ایک ہی لمحہ میں وہ اس کے قہقہے سے اس کا حوالہ لے چکی تھی۔

"اے اے اے اے۔۔۔ یہ ہوتا ہے جس کا نام ہے جی۔۔۔ وہ اس کے  
ان ہاتھوں کو سمجھتی تھی کہ وہ اس کی ہاتھوں سے چمک رہا تھا۔۔۔ لیکن ہم  
کا کہانی تھی۔۔۔ یہ وہ تھا جس کا ہم نے کبھی نہ سنا تھا۔۔۔ لیکن وہی  
ہو رہی تھی کہ عالم میں کچھ ایسا ہے۔

"پہلے یہ کہتا ہے تو اس کی۔۔۔ اس کی ہم کو کہہ کر اس کی ہاتھوں  
میں آگئی تھی۔"

"تک تو نہیں رہا۔" کاہل نے سر ہلایا۔

"کیا نہیں تھا رہا۔"

"تو کہ ہم کو کہہ کر اس کی ہاتھوں میں آگئی تھی۔۔۔ میں نے کہا۔

"تو یہ کہیں تھا کہ وہ ہے۔" اس نے کہا کہ کہہ۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ ہم کو کہہ کر اس کی ہاتھوں میں آگئی تھی۔

تھا۔" اس نے کہا۔

"اللہ مالک ہے۔ اگر کوئی آدمی اس میں جلی بھی تو

میں جلی ہے تو ہم کو کہہ کر اس کی ہاتھوں میں آگئی تھی۔

"اللہ کو کہہ کر اس کی ہاتھوں میں آگئی تھی۔" اس نے کہا کہ کہہ۔

ہاتھوں سے تھا۔

"وہ ہیں؟ تو ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔

~~~~~



## سرخی

اللہ اپنا رحم فرمائے۔" پروفیسر داؤد فکر مند انداز میں پکارے۔  
 "یعنی ہمیں اس آگ سے اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتے ہیں۔" خان  
 رحمان نے کہا۔

"بہت جلد آگ ہم تک پہنچ جائے گی... تھ... تو کیا ہمیں  
 بھی سمندر میں چھلانگیں لگنا ہوں گی۔" منور علی خان بڑبڑائے۔  
 "پاپ... پتا نہیں... ہمیں کیا کرنا ہو گا، یا ہم کیا کر سکیں  
 گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"سب سے پہلے ہم اپنے خالق اور مالک سے دعا کریں گے...  
 اس آگ ہی سے نہیں اور بھی تمام آفات سے ہمیں صرف اور صرف اللہ  
 تعالیٰ کی دہیم و کریم ذات ہی بچا سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون  
 آواز میں کہا۔

"تو پھر سب نیچے اتر آئیں... درندے تو اب رہے نہیں..."

اب تو ہمارے ایک طرف آگ ہے اور دوسری طرف سمندر...  
 ہے۔" پروفیسر داؤد نے بلند آواز میں کہا۔  
 "نھیک ہے... اتر چلیں۔"

جلد ہی وہ سب نیچے آ گئے... ہوا میں تپش بڑھتی چلی جا رہی  
 تھی... بلکہ اس کی تپش اب ناقابلِ برداشت ہو چلی تھی... یہی وہ  
 لمحات تھے... جب انہوں نے مل کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے... ان  
 لمحات میں ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... وہ دل ہی دل میں کہنے  
 لگے۔

"اے ہمارے مالک... اے ہمارے خالق، آپ کے سوا کوئی  
 معبود نہیں... آپ کے سوا کوئی خالق نہیں... آپ کے سوا کوئی مالک  
 نہیں... آپ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں، آپ کے سوا کوئی بھڑی  
 بنانے والا نہیں، آپ کے سوا کوئی مصیبتوں کے اندھیروں سے نکلنے  
 والا نہیں... ہمیں اس آگ سے بچالے... اے العالمین ہمیں اس آگ  
 سے بچا... اے رب العالمین ہمیں اس آگ سے بچالے۔"

وہ بار بار یہ کہتے چلے گئے کہ ہمیں اس آگ سے بچالے  
 ہمیں اس آگ سے بچالے اور ساتھ میں آمین آمین کہتے چلے گئے  
 ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہ رہے تھے...

ایمان سمندر کی طرف سے تیز ہوا میں چلنے لگیں۔ ان کا رخ جنگل کی طرف تھا۔ وہ ہوائیں بہت ٹھنڈی تھیں۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ ہوائیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیج دی ہوں اور ان کے لیے وہ ہوائیں واقعی جنت کی ہوائیں ثابت ہوئیں۔۔۔ کیونکہ ان کی وجہ سے جنگل کی آگ کا رخ بدل گیا۔ آگ واپس جنگل کی طرف ہی جانے لگی۔ اور جو درخت سمندر کے کنارے کی طرف تھے۔۔۔ وہ آگ سے بچ گئے۔ ٹھنڈی ہوائیں جو ان کے جسموں سے ٹکرائیں۔۔۔ وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور بے اختیار ہو کر کہنے لگے۔۔۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔۔"

وہ یہی کہتے چلے گئے۔ ان کی آنکھیں بے تحاشہ آنسو بہا رہی تھیں۔ پھر تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ ان کا رخ بھی درختوں کی طرف تھا اور وہ سمندر کی طرف سے آرہے تھے۔۔۔ جھکڑ اس قدر تیز تھے کہ ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ انہوں نے فوراً درختوں کو پکڑ لیا۔۔۔ ان جھکڑوں سے انہوں نے کئی درختوں کو اکھڑتے بھی دیکھا۔ ان پر خوف سوار ہو گیا کہ کہیں یہ جھکڑ ان کے لیے رحمت نہ بن جائیں۔ لہذا وہ پھر دعا میں مشغول ہو گئے۔۔۔

آخر آہستہ آہستہ جھکڑوں کی تیزی میں کمی ہوئے گی۔ اور پھر سکون ہوا میں چلنے لگیں۔ ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔ گھن گھن بارش طوفانی نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے بارش کو برسنے کی کوئی جلدی نہ ہو۔ انہوں نے گھنے درختوں کی پناہ لے لی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ سے بھی بچا لیا تھا اور تیز ہواؤں سے بھی۔

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی۔ رات کے نہ جانے کس چور بارش رک گئی۔ صبح مطلع بالکل صاف تھا۔ انہوں نے وضو کیا۔۔۔ نماز ادا کی اور پھر ناشتا کرنے لگے۔۔۔ ناشتے سے فارغ ہو کر آفتاب نے کہا۔

"یہ بتاؤ جب شنگ کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی تو تم لوگوں نے ارے باپ رے کی گردان کیوں شروع کر دی تھی۔"

"بے وقوف اتنی سی بات بھی نہیں سمجھے، شنگ ہم سے وہ بار پہلے بھی ٹکرا چکا ہے۔ اس لیے ہم اس کی آواز پہچان رہے تھے۔" قادری بولا۔

"شنگ اس جنگل میں موجود تھا۔۔۔ ہم اس کی صرف آواز ہی سنتے رہے تھے۔ پھر اچانک وہ جنگل سے چلا گیا۔ اب ظاہر ہے۔ بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ یہاں سے وہ سمندر کے راستے ہی گیا ہے۔"



کچھ جگہ کو تو اس نے آگ لگا دی تھی اور اس کے لیے اس نے کوئی جدید میکانک استعمال کیا تھا۔ جس نے آن کی آن میں درختوں کو آگ لگا دی۔ مطلب یہ کہ وہ آگ لگا کر درختوں کا رخ تو کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ سمندر سے ہی کوئی خفیہ راستہ بہران کی طرف جاتا تھا۔ یا یہاں سے بہران کے لیے کوئی راستہ نکلتا تھا۔ "انسپیکٹر ہمیشہ ایک سانس میں کہتے چلے گئے۔

ان شروع ہو چکا تھا۔ سورج نکل رہا تھا۔ اور وہ بہران کے راستے کی تلاش شروع کر چکے تھے۔

"سب سے پہلے ہم سمندر کا جائزہ لیں گے۔ اسے درندے وغیرہ جو کودے تھے۔ ان کا کیا بنا۔ کیا وہ ڈوب گئے۔ ہمارے گئے۔ یا سمندر کی سطح پر تیر رہے ہیں۔ درندے تیرنا جانتے ہیں۔ لہذا ان کے بارے میں یہ تو سوچا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ ڈوب گئے ہوں گے۔ لہذا سب سے پہلے انہوں نے درندوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ انہوں نے سمندر کی سطح پر نظریں جمادیں۔ درختوں کی شاخوں کو پکڑ کر جھک گئے اور سطح کو دور دور تک دیکھنے لگے۔

"اے اے کیا۔" ہمارے حیرت کے منور علی خان کے منہ سے

نکلا۔

"بہرانی فرما کر ہمیں بھی دکھا دیں۔ یہ آپ کو نظر آیا ہے۔ ہمارے بے چینی کے فرزند نے کہا۔

"سطح پر کوئی درندہ نظر نہیں آ رہا۔ حالانکہ وہ کچھ دلت ہی جگہ کی طرف ہو گیا تھا۔ لہذا تمام دلتوں نے اس وقت ہمیں دلت ہی ہونے چاہیے تھے۔ لیکن ان میں سے تو ایک بھی نظر نہیں آ رہا۔ یہ حد درجہ عجیب بات ہے۔ آخر وہ کہاں چلے گئے۔ سطح پر کیوں نظر نہیں آ رہے۔" مرنے کی صورت میں ان کی لاشیں پانی کی سطح پر نظر آتی چاہئیں۔ لیکن ہمیں زندہ یا مردہ کوئی ایک درندہ نظر نہیں آ رہا۔ منور علی خان حیرت کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"تب پھر... کیا کریں۔" انسپیکٹر ہمیشہ نے الجھن کے عالم میں

کہا۔

"ایک منٹ۔"

فرحت نے کہا اور ایک درخت کی شاخ توڑنے لگی۔

"کیا کرنے لگی ہو۔" آصف نے اسے گھورا۔

"دیکھ تو رہے ہو۔ شاخ توڑ رہی ہوں۔"

"ارے تو میرا چاقو لے لو نا۔ فوراً کاٹ لو گی۔" گھور چکا۔

"اوہ ہاں۔"

اب محمود نے چاقو کے ذریعے سے شاخ کاٹ دی ...  
 "لو ... کر لو ... کیا کرتا ہے شاخ کا۔"

"لگتا ہے ... کوئی تجربہ کرے گی۔" فرزانہ ہنسی۔

"ہاں کر دیں گی۔ تو پھر۔" فرحت نے بھٹا کر کہا۔

"کک ... کچھ نہیں ... جو کرتا ہے ... شوق سے کرو ...  
 تمہیں کوئی نہیں روک رہا۔"

اور پھر فرحت نے وہ شاخ سمندر میں گرا دی۔

"شاخ پر نظریں جمائے رہیں۔" فرحت نے کہا۔

"اچھی بات ہے ... بتا لیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے۔" فرزانہ  
 نے منہ بنایا۔

شاخ پانی پر گری اور اس پر تیرتی نظر آئی ... اس کا رخ اسی  
 طرف تھا ... یعنی جنگلوں کی طرف ... جب کہ اس طرف ایک قدرتی  
 دیوار تھی ... اس دیوار کی سیدھ میں وہ نیچے دیکھ سکتے تھے ... شاخ  
 سیدھی دیوار تک آئی اور پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"اے اے کیا ... ان سب کے منہ سے نکلا۔

"شش ... شاخ غائب ہو گئی ... جس طرح درندے غائب  
 ہیں۔" انجیلر جمشید بڑا لے۔

"ایک بار اور یہ تجربہ کرنا چاہیے۔" پروفیسر وائس نے دھمکی  
 کے عالم میں کہا۔

اب پھر ایک بڑی شاخ کاٹی گئی اور اسے سمندر میں گرا دیا  
 گیا۔ وہ بھی گرنے کے بعد دیوار کی طرف آئی اور غائب ہو گئی۔

"لگتا ہے ... اس جگہ پانی کے نیچے ہی نیچے کوئی آٹھ لے ہے  
 درندے اور شاخیں اس میں جا رہی ہیں۔"

"اور ... اور کیا خبر۔" شوکی پر جوش انداز میں پکارا تھا۔

"اور کیا خبر کیا؟" فرحت نے اسے گھورا۔

"کیا خبر ... مہران کے لیے راستہ اسی طرف سے جاتا ہو۔"

"یہ ناممکن نہیں۔" منور علی خان نے فوراً کہا۔

"لیکن ہم یہ بات کیسے معلوم کر سکتے ہیں ... نیچے کوئی کشتی نہیں

ہے ... کچھ نہیں ہے ... اگر ہم میں سے کوئی ایک پانی پر چھلانگ بھی لگا  
 دے تو وہ سیدھا اس آبنائے میں چلا جائے گا اور اس کا نشان تک نہیں  
 ملے گا۔"

"اس کے باوجود ہمیں نیچے جا کر دیکھنا تو ہو گا۔ اس بات میں

تو اب کوئی شک نہیں رہ گیا کہ کوئی راستہ یہاں سے سہارا کے لیے  
 حتماً ضرور ہے۔"



"ہاں میں... کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ لوگ کہیں نہیں..."  
منور علی خان نے بھی گھبرا کر کہا۔  
سب سکرا اٹھے۔ پھر انسپکٹر کا مہمان سزا سن کر۔  
"تم اپنی رسی نیچے لٹکاؤ... فاروق اس رسی کے ذریعے پھانسی  
جائے گا اور اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم مل کر اسے اوپر کھینچ لیں گے۔"  
"ارے باپ رے۔" فاروق کانپ گیا اور وہ ہنسنے لگا۔  
"اور آپ ہنس رہے ہیں۔" فاروق نے جمل کر کہا۔  
"اب ہم اور کیا کریں۔" آفتاب ہنسا۔  
"کم از کم ہمدردی کے دو بول تو بول ہی سکتے ہیں... مجھے ہی  
کے ذریعے سیدھا نیچے جانا ہوگا... خدا نخواستہ ہاتھ پاؤں پھسل گئے تو  
سیدھا پانی میں جاؤں گا۔"  
"کوئی فکر کی بات نہیں... اول تو رسی آس پاس ہی ہوگی... تم  
اسے پکڑ سکو گے... یہ نہ ہو سکا تو ایسے موقع پر ہم تمہیں بے بارود  
مکار تو چھوڑ نہیں دیں گے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔  
"شکر ہے... کسی نے تو حوصلہ افزا بات کہی۔" فاروق نے  
خوش ہو کر کہا۔  
"حوصلہ افزا باتیں تو ہم بے شمار کر سکتے ہیں... تم گھر جاؤ۔"

"لیکن کیسے... جلا ہم میں سے کوئی ایک نیچے کیسے جائے  
ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ ہے... یہ حضرت بوکھلا کیوں رہے ہیں۔" آصف ہنسا۔  
"اس لیے کہ یہ کام ان کے ذمے لگے گا۔" فرحت ہنسی۔  
"ہے کوئی تک... میرے ذمے کیوں لگے گا... اور تم میں سے  
کسی کے ذمے کیوں نہیں لگے گا۔"

"اس لیے کہ تم نہ صرف درختوں پر چڑھنے کے ماہر ہو... بلکہ  
رسی کے ذریعے نیچے اترنے کے بھی ماہر ہو۔"  
"لیکن رسی کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔"

"بھئی رسی کا ہی کیا ذکر... ذکر تو کسی بھی چیز کا نکل سکتا ہے۔"  
کھن مسکرایا۔

"تو بے تم سب سے... بلاوجہ میرے سر مہم منڈا رہے  
ہو۔"

"یہ نکل اسی طرح تو منڈھے چڑھے گی۔" محمود ہنسا۔

"سجھ ہوگئی... سجھ ہوگئی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں... منور علی خان... چلو۔" انسپکٹر  
ججید نے ہنس کر کہا۔

مکھڑے مسکرا کر کہا۔

”اچھا بڑے بھائی تم کہتے ہو تو اب نہیں کروں گا۔  
 دہشت ایسے سفر پر جانے والا۔ اگر فکر نہیں کرے گا تو آخر وہ اور کس  
 کا کیرا۔“ فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور وہ ہنس پڑے۔

”میں دسی نکال رہا ہوں۔ پہلے تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ پانی تک  
 جاتی بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ پانی یہاں سے بہت زیادہ گہرائی میں  
 ہے۔“

”جیسے بسم اللہ کریں۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

اور منور علی خان اسے لٹکانے لگے۔ ان کی یہ دسی ان کی  
 مہمات میں اکثر کام آتی تھی۔ اس وقت تو اس سے بہت ہی خاص  
 کام لیا جا رہا تھا۔ وہ دسی لٹکاتے چلے گئے۔ ساتھ میں نیچے بھی دیکھ  
 رہے تھے۔

”ہمیں کیسے پتا چلے گا اباجان کہ دسی پانی تک پہنچ گئی ہے یا  
 نہیں۔“ فرحت نے پوچھا۔

”ہاں واقعی۔ اس کا بھی کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔“ منور علی  
 خان مسکراتے۔

”جب پھر منور علی خان دسی واپس بھیجے گا۔“ فرحت نے  
 کہا۔

”کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”فرزانہ سے پوچھتے ہیں۔“ یا فرحت سے۔ اس خطے میں کیا  
 کیا جائے۔“

”دسی کے نچلے سرے پر کوئی کپڑا باندھ دیا جائے۔“ فرحت نے  
 اس میں پہلے ہی بندھا ہوا ہے۔ جب آپ محسوس کریں کہ آنکھ پانی  
 تک پہنچ گیا ہے تو اسے واپس کھینچ لیں گے۔ اگر کپڑا گویا ہوا تو ہمیں  
 لہجائی معلوم ہو جائے گی۔ بس وہاں تک دسی لٹکا دیں گے۔ اور اس  
 کے بعد فاروق دسی کے ذریعے نیچے جائے گا۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی  
 کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔“

اب دسی واپس کھینچی گئی۔ آنکڑے پر کپڑا باندھا گیا اور اس  
 کے بعد پھر دسی لٹکائی گئی۔ منور علی خان دسی چھوڑتے چلے گئے۔  
 سب لوگ درختوں کی شاخوں کو پکڑے سمندر پر جھکے نیچے دیکھ رہے تھے  
 ۔ آخر انہوں نے محسوس کر لیا کہ آنکھ پانی میں ڈوب گیا ہے۔  
 ”اٹکل! آپ اس جگہ دسی پر نشان لگا دیں۔“ یا اس جگہ



نہیں۔

”گرہ لگانے کے لیے تو رسی کا اس طرف کا آخری سرا پکڑنا ہوگا  
اس جگہ ویسے ہی کوئی نشان لگا دیتے ہیں۔“ منور علی خان نے کہا۔  
”جیسے یونہی سہی۔“

”فاروق۔ تمہاری جیب میں رومال ہوتا ہے۔“

”جی ہاں! ہونے کو میری جیب میں کیا نہیں ہوتا۔“ فاروق

مسکرایا۔

باقی چھوٹی پارٹی لگی منہ منانے۔ فاروق نے رومال نکال کر  
انہیں دے دیا۔ انہوں نے اس جگہ رومال کو کس کر باندھ دیا۔ پھر  
انہوں نے رسی کے آخری حصے کو ایک درخت کے تنے کے گرد کھلی بل  
دے کر کس دیا۔

”اب اگر رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹ بھی جائے۔۔۔ تو بھی  
درخت سے لٹکی ہوئی تو ہے؟ چلو فاروق بسم اللہ کرو۔“  
”بسم اللہ۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”اوہ۔۔۔ بھائی مطلب یہ کہ اس رسی کو پکڑ کر نیچے اترنا شروع  
کرو۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”جہانے دیں اگل۔ کیوں مذاق کر رہے ہیں۔“ فاروق نے

گھبرا کر کہا۔

”ہائیں۔ اس میں مذاق کہاں سے آگیا۔“ انسپکٹر کامران مرزا

نے بھی گھبرا کر کہا۔

”اب آپ بھی مذاق کرنے لگے اگل۔۔۔ حیرت ہے۔“ شکی

نے فوراً کہا۔

”بھئی۔ تم نے سنا ہی ہوگا۔ غریب و غریب کو دیکھ کر

رنگ پکڑتا ہے۔“

”جی ہاں! سنا تو ہے۔۔۔ غریبوں کو رنگ پکڑتے بھی دیکھ

نہیں۔“ شکی نے کہا۔

”حد ہوگئی۔ جا کر کھیتوں میں کام کرو۔ ایک دن دیکھ ہی لو

میں۔“ آصف نے بھٹا کر کہا۔

”جی۔۔۔ جی اچھا۔“ شکی نے گھبرا کر کہا۔

”فاروق! تم کھڑے کیا منہ دیکھ رہے ہو۔۔۔ بسم اللہ کرو۔“

”ابھی۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے کر تو چکا ہوں بسم اللہ۔“ اس نے

کہا۔

”حد ہوگئی۔۔۔ ارے بھئی رسی۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہہ رہے

تھے کہ منور علی خان کی خوف میں ڈوبی آواز ان کے کانوں سے نکلتی تھی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ کیا۔“

## راستہ مل گیا

سب کی نظریں منور ملی خان پہ اٹھ گئیں۔ ان کے چہرے  
پر اندیشہ پگھلا ہٹ کے آ جا رہے تھے۔  
"یہ۔۔۔ یہ وہی۔۔۔"

"نہی کیا ہوا وہی کہ۔۔۔ اچھی بھلی تو۔۔۔ اسے باپ سے۔۔۔  
فادری نے جی کر کہا۔

اب ان سب نے دیکھا۔ منور ملی خان کے ہاتھوں سے وہی ہا  
کی رکتہ سے نیچے ہمارے ہی تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا اٹھل۔۔۔ آپ وہی کو پکار کیوں نہیں لیتے۔۔۔  
"یہ میرے ہاتھوں سے بجلی کی سی میزلی سے نکلی جا رہی ہے۔  
اسی کنارے اگر میں نے اسے روکا تو میرے ہاتھ جل جاتیں گے۔  
ان سے خون نکلنے لگے گا۔۔۔"

"اے۔۔۔ ہمارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

"نچے کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم نے اس کو دلت سے تو پہچان لیا۔  
ہی ہے۔۔۔" انہیں کمران مرزا نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہی اس قدر  
میزی سے نیچے کیوں جا رہی ہے۔۔۔ انہی تھوڑی دیر پہلے جب انہوں  
ہمارے خیال کے مطابق پانی سے جا لگا تھا تو اس وقت تو وہی کوئی بات  
نہیں تھی۔۔۔ یہ بات تو اس کے ایک منٹ بعد ہوئی ہے۔۔۔ تو کیا  
ہے۔۔۔ جیسے کوئی زبردست قوت اس وہی کو نیچے کھینچ رہی ہے۔۔۔"

"اللہ اپنا رحم کر۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔۔۔ ابھی فاروق نے وہی کو پکار  
کر اترنا شروع نہیں کیا تھا۔۔۔ ورنہ بے چارہ فاروق تو کیا تھا۔۔۔"  
کھن نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ کہاں کیا تھا۔۔۔" فاروق نے اسے گھبراہٹ

"مم۔۔۔ مم۔۔۔ مو۔۔۔" کھن بکلا یا۔

"مم۔۔۔ مم۔۔۔ مو۔۔۔ کیا۔۔۔"

"موت کہنا چاہتا ہے چارو۔۔۔" آصف ہنسا۔

"خدا ہو مگنی۔۔۔ میں کیوں جانا موت کے منہ میں۔۔۔ تم جانا۔۔۔"

فاروق نے بھٹکا کر کہا۔

"چھوڑو بھئی۔۔۔ ایک دن تو آگے تو جانا ہو گا۔"



اور پھر دی کے نیچے جانے کا سلسلہ درخت تک پہنچ گیا۔

”درخت سے لے کر کنارے تک کی دی بالکل تن گئی تھی۔ جیسے رشتہ کشی کے مقابلے کے دوران ری پوری طرح تکی ہوتی ہے۔ اس وقت بھی صورت حال یہی تھی۔۔۔ ان سب کی نظریں خوف کے عالم میں ری پر تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت طاقت ور چیز ری کو نیچے کی طرف کھینچ رہی ہے۔ اور اپنا پورا زور لگا رہی ہے۔

”یہ ریشم کی بنی ہوئی ہے۔۔۔ اور تم جانتے ہی ہو۔۔۔ ریشم کس قدر مضبوط ہوتا ہے۔“

”لیکن انکل۔۔۔ نیچے کی طرف سے کھینچا بھی تو بہت زیادہ طاقت سے جا رہا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اس میں شک نہیں۔“ منور علی خان نے کہا۔

اور پھر انہوں نے ری میں ٹوٹنے کے آثار دیکھے۔۔۔ ایک جگہ سے ری ترخ رہی تھی۔

”لیجیے انکل۔۔۔ آپ کی ری تو گئی۔“

”اللہ مالک ہے۔“ منور علی خان نے اس انداز میں کہا۔

ان کی ری ان کی زندگی کا ایک حصہ تھی۔۔۔ جنگلوں میں شکار کے دوران تو وہ ان سے کام لیتے تھے، ان کے ساتھ جتنی مہمات سر کی

تھیں۔۔۔ ان سب میں بھی قریب قریب دی کی طرف سے کھینچا گیا تھا۔ بعض جگہوں پر تو ری کے بغیر ان کا کام ہی نہیں لگتا تھا۔ جیسے پتھر کا سمندر والا کتیس۔ اور آج وہ ری ان سے جدا ہو رہی تھی۔ اور آخر ری اس جگہ سے ٹوٹ گئی اور باا کی رفتار سے سمندر کی طرف چلی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے۔۔۔ ری نظروں سے غائب ہو گئی۔ اب وہ سمندر کی طرف جا رہی تھی۔۔۔ صرف چند سیکنڈ میں ری انہیں پانی میں گرتے اور پھر غائب ہوتے دکھائی دی۔

”بے چاری ری۔“

بلکہ بے چارہ فاروق۔“

”اللہ کا شکر کرو۔۔۔ فاروق نے ابھی ری کے ذریعے اترا شروع

نہیں کیا تھا۔“

”اب۔۔۔ اب کیا ہو گا۔“ اخلاق احمد کے منہ سے کھولے کھولے

انداز میں نکلا۔

”وہی ہو گا جو اللہ کو منظور ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اوہ ہاں! یہ تو ہے۔“

”اب ہم سمندر کی سطح تک کیسے جائیں گے۔“ آصف نے پوچھا۔

”سمندر کی سطح پر تو غیر ہمیں جہاز بھی نہیں چلا سکتا۔“

سب بھی درندوں کی طرح غائب ہو جائیں گے۔"

"غائب تو خیر شنگ بھی ہوا تھا۔"

"لیکن اس نے اوپر سے پانی پر چھلانگ نہیں لگائی تھی۔"

"ارے ہاں۔ وہ واقعی کسی اور راستے سے گیا ہے۔ اور ہمیں

وہی راستہ تلاش کرنا ہو گا۔ اب جیسا کہ آگ کا خطرہ ختم ہو گیا ہے

ہم اطمینان سے اس سارے ایریے کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اگر

ہم شنگ کے جوتوں کے نشانات تلاش کر لیتے ہیں۔ تو سمجھ لو۔"

رہا میدان۔"

"اوہ ہاں۔ شنگ کے جوتوں کے نشانات بہت اہم ہیں۔"

بس ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے جوتوں کے نشانات دیکھے جائیں گے

۔ فرزانہ فرحت۔ کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو۔ شنگ جنگل میں کسی

جگہ تھا۔"

"صرف اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ اندازہ درست

بھی ہو گا یا نہیں۔ کیونکہ بظاہر اس کی آواز چاروں طرف سے آتی

محسوس ہو رہی تھی۔"

"لیکن بہر حال۔۔۔ وہ جنگل میں کسی ایک جگہ موجود تھا۔"

چاروں طرف موجود نہیں تھا۔۔۔ وہ منہ سے ایسی آواز نکال سکتا ہے۔۔۔

جس سے سب کا اندازہ نہ لگا جاسکے۔ بلکہ میں محسوس ہو کر آواز

چاروں طرف سے آرہی ہے۔"

"ہوں ٹھیک۔۔۔ ہم جوتوں کے نشانات کی تلاش شروع کرتے

ہیں۔"

اور پھر وہ چاروں طرف پھیل گئے۔ زمین کو غور سے دیکھتے

گئے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنا دائرہ بڑا کرتے چلے گئے۔

"ویسے ایک بات ہے۔۔۔ فرزانہ کی سوچی میں ذہنی آواز سنائی

دی۔"

"اور وہ کیا۔۔۔ سب کے منہ سے نکلا۔"

"کیا مسٹر شنگ انتہائی بے وقوف ہے کہ اپنے جوتوں کے

نشانات چھوڑ جائے گا۔ تاکہ ہم آسانی سے اس تک پہنچ جائیں۔ یہ

بات حلق سے نہیں اتر رہی۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ شنگ اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ نشانات مٹا کر چلا گیا ہو گا۔ یا پھر

یہ کام اس نے کسی اور کے ذریعے سے کیا ہو گا۔"

"نہیں خیر۔۔۔ یہ بات تو طے ہے کہ وہ جنگل میں آگیا تھا۔"

اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔۔۔ روکے گھوڑے سوار وہ پہلے ہی گھر کے



تھے۔

”بہر حال ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے۔ اگر اس نے ہانت ہوئے کوئی نشانات چھوڑے تو ہم ان کو تلاش کر سکتے ہیں۔۔۔ اور اگر اس نے نشانات کو مٹانے کا کوئی طریقہ اختیار کیا ہے تو شاید اس طریقے کے نشانات مل جائیں۔“ فراز نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا کہا۔ طریقے کے نشانات۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”ہاں ہاں! کہہ دو یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“  
 ”یہی تو مشکل ہے۔ یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔“  
 ”آؤ ابھی۔۔۔ وقت ضائع نہ کرو۔“

محمود نے منہ بنایا اور یہ سب کے سب ادھر ادھر پھیل گئے سمندر کے ساتھ ساتھ درختوں کی جو لائن چلی گئی تھی۔۔۔ وہ اس کے دونوں طرف چلتے چلے گئے۔ یعنی ان میں سے نصف دائیں طرف بڑھتے چلے گئے۔ باقی نصف بائیں طرف۔۔۔ وہ بہت دور تک پہنچے۔ پھر دونوں طرف سے واپس آگئے جہاں سے چلے تھے گویا انہیں باکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔۔۔

”ہم اس طرف اتنی دور ہو آئے ہیں کہ اتنے فاصلے سے شک کے آواز سنی ہی نہیں جا سکتی تھی۔۔۔ جب کہ وہ ہم سے آخری لمحے تک

بات کرتا رہا تھا اور اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ ہمیں سے غائب ہو گیا غائب ہونے کی جگہ بالکل اسی جگہ ہے۔ اس خیال کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ وہ کھوڑے سوار بھاگ کر نہیں آئے تھے۔ اگر وہ اسی جگہ سے غائب ہوئے والے تھے۔“ انسپکم جوشید کہتے پڑے گئے۔

”میر ابھی یہی خیال ہے۔۔۔ ہمیں اس جگہ سے دور نہیں جانا چاہیے اور یہاں کے چپے چپے کا جائزہ لینا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ یہ بھی کر لیتے ہیں۔۔۔ تیار کیا جاتا ہے ویسے بار بار خیال آتا ہے کہ نہ جانے اسلامی دنیا کا کیا حال ہو گا سونے کے ان گنت سٹکوں نے لوگوں کو پاگل تو نہیں کر دیا ہو گا۔“

”ایسا تو خیر ہو رہا ہو گا۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ حالات معلوم کر سکیں۔“

اب انہوں نے زمین کا غور سے جائزہ شروع کیا۔  
 ”ساتھ میں درختوں کا بھی جائزہ لیتے رہنا۔ کیونکہ۔“ منور علی خان کی آواز ابھری۔

”آپ نے کیونکہ کہنے کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ حالانکہ یہ آپ کی عادت نہیں۔“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”چاہے نہیں کیا پھر ہے۔ اس بنگلے میں میری عادت یہی

## سمندر میں سمندر

پھر وہ جہاں جہاں بھی تھے ... وہاں سے شوکی کی آواز کی طرف  
دور پڑے ... جلد ہی وہ شوکی کے گریہ کھڑے تھے اور اسے اس طرح  
دیکھ رہے تھے جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو ... کیونکہ انہیں چاروں  
طرف نظریں سمھانے پر بھی کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا ...  
"شوکی! تم نے مذاق کیا کیا تھا۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت  
تھی۔

"نہن ... نہیں انگل۔"

"جب پھر کہاں ہے راستہ۔" انہوں نے منہ بتایا۔

"اس میں شک نہیں ... اس نے کھوئے کھوئے انداز میں

کہا۔

"میں میں شک نہیں۔"

"اس میں کہ مجھے راستہ پھر آ گیا تھا۔ لیکن یہ کونسا ہے؟"

چاروں طرف ہیں۔ خیر میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ بعض درختوں میں سے بھی  
راستہ نکالا جاسکتا ہے۔ درختوں کی کھوکھلی ہوتی ہے اور بعض درخت تو  
اس قدر تار و پود ہوتے ہیں کہ انہیں اندر سے کھوکھلا کر کے کئی انسان  
چھپ سکتے ہیں۔"

"نہیک ہے انگل! ہم درختوں پر بھی نظر رکھیں گے ... اور کوئی  
غیر معمولی جتن والا درخت نظر آیا تو اسے ٹھوک بجا کر دیکھیں گے۔"  
آصف نے پر جوش انداز میں کہا۔

"بالکل نہیک۔"

وہ چاروں طرف پھیل کے اپنا کام کر رہے تھے ... اس وقت  
اس کام میں انہیں ذرا بھی اکتاہٹ نہیں ہو رہی تھی ... یوں لگتا تھا جیسے  
جوش ان پر بری طرح سوار ہو گیا ہو ... پھر اچانک انہوں نے  
شوکی کی چیخ کی آواز سنی۔

"آف مالک! میں نے راستہ تلاش کر لیا ہے۔"

"کیا ... کیا کہا ... تم نے ... تم نے بہران کا راستہ تلاش کر لیا  
ہے۔"

وہ ایک ساتھ چلائے۔

☆☆☆☆☆



راست غائب ہو گیا۔

”کیا کہا... غائب ہو گیا... راستہ...“ انپکڑ جمشید چلائے۔

”جی ہاں!“

”شوکی... مذاق نہ کرو یاں...“ پروفیسر داؤد نے بھٹا کر کہا۔

”انگل میں مذاق نہیں کر رہا... میں یہاں کھڑا تھا... اور چاروں طرف دیکھ رہا تھا... اچانک مجھے محسوس ہوا... میرے ساتھ ایک درخت میں ایک بڑا سا دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا ہے۔“

”ایک درخت میں ایک دروازہ... آپ ہی آپ کھل گیا ہے...“ مارے حیرت کے انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔

”جی ہاں انگل... آپ ہی آپ۔“

”خیر... ہم یہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنا شروع کرتے ہیں... تم بھی دیکھو... ہو سکتا ہے وہ دروازہ پھر نظر آجائے۔“

”درخت میں دروازہ...“ آقا ب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں بھی... درخت میں دروازہ ہو سکتا ہے۔“

”خیر خیر۔“

پھر انہوں نے چاروں طرف نظریں گھما، شروع کیں... اچانک

آصف کے منہ لگا۔

”وہ رہا دروازہ۔“

اس نے انگلی اٹھا دی... ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

”ارے دروازہ کہاں گیا؟“

”آؤ... اس طرف... جس طرف اچانک آصف نے انگلی

اٹھائی تھی۔“

وہ اس طرف دوڑ پڑے... پھر رک کر آس پاس کے درختوں کو

غور سے دیکھنے لگے... ان میں ایک درخت بہت بڑے تنے والا تھا۔

آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہو نہ ہو... وہ دروازہ اس درخت میں کھتا ہے۔“

”ہاں! اس جگہ سب سے بڑے تنے والا یہی درخت ہے۔“

منور علی خان نے کہا۔

سب اس کے اور قریب چلے آئے... انپکڑ جمشید اور انپکڑ

کامران مرزا نے قہقہہ قہقہہ کر دیکھا۔

”اوہ... اوہ... یہ اندر سے کھوکھلا ہے۔“

”نہیں تو پھر مار لیا میدان۔“

انپکڑ جمشید نے درخت کو غور سے دیکھا... پھر انہوں نے ایک

جگہ انگوٹھا رکھ دیا... اچانک درخت میں خلا نمودار ہوا...  
"دو مارا..." وہ ایک ساتھ چلائے۔

"لیکن!" انسپکٹر جمشید نے بھی بلند آواز میں کہا۔

"لیکن کیا انگل... آپ ان حالات میں تو کوئی لیکن نہ  
کریں..." مگھن نے گھبرا کر کہا۔

وہ مسکرا دیے... پھر انہوں نے کہا۔

"اس درخت کی کھود میں اترنے کے لیے سیزر حیاں نہیں ہیں۔"

"تو کیا ہوا! انگل... کوئی اور ذریعہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے... میں اس میں داخل ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے بسم اللہ کہا اور اندر پاؤں رکھ دیا۔

"دوسرے ہی لمحے وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

"ابا جان!" محمود چلایا۔

"یاد چپ رہو... اسی راستے سے شک گیا ہے... اسی راستے

سے ان گھوڑے سواروں کو جانا تھا... ظاہر ہے وہ گھوڑوں کو اوپر ہی

چھوڑ جاتے... آؤ... اللہ مالک ہے۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے بھی پاؤں اندر رکھ دیے...

فورا ہی وہ بھی غائب ہو گئے۔

"ارے باپ رے... یہ کیا ہو رہا ہے... جو اندر قدم  
رکھ رہا ہے غائب ہوتا جا رہا ہے... ارے باپ رے..." کارمق غلاب  
کہا۔

"اب ارے باپ رے کہو یا کچھ بھی کہو... ان کے پیچھے تو جانا  
ہو گا... اب ہم ان کے جانے کے بعد یہاں تو کھڑے رہ نہیں سکتے  
لو میں چلا۔"

محمود نے کہا اور اندر قدم رکھ دیا... دوسرے ہی لمحے وہ بھی

غائب ہو گیا... عجیب بات یہ تھی کہ ایک پاؤں اندر رکھتے ہی بندہ

غائب ہو جاتا تھا... وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور سمجھ نہیں پا رہے

تھے کہ ہو کیا رہا ہے... ایک پاؤں اندر اگر خلا میں جا رہا تھا تو باقی

دھڑ کو تو زیر دست جھٹکا لگنا چاہیے تھا... لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا... اور

ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ پہلے یہ دیکھتے کہ وہ غائب کیسے ہو

رہے ہیں... انہیں تو اس بات کی گئی تھی کہ ان کے ساتھی جا کہاں

رہے تھے...

"میں بھی چلا ساتھیو! اب مجھ سے رہا نہیں جا رہا..." آصف نے

کہا اور پاؤں خلا میں رکھ دیا... وہ بھی غائب ہو گیا۔

"یا اللہ رحم... اب... اب ہم کیا کریں گے..."



جائے گا اب۔۔۔ لیکن نے کانپتی آواز میں کہا۔

”جہاں ہی ہو گا۔۔۔“ آفتاب نے گانے کے انداز میں کہا اور غائب ہو گیا۔

”ٹھیک کہا اس نے۔۔۔“ شکی نے کہا اور اس نے بھی اندر قدم رکھ دیا۔۔۔ اس طرح باری باری سب غائب ہو گئے۔۔۔ سب سے آخر میں پروفیسر، اوڈ نے قدم رکھا تھا۔۔۔ آخر میں خلا خود بخود بند ہو گیا۔۔۔ سب سے پہلے اسپینر جمشید نے قدم رکھا تھا۔۔۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ اندر کوئی میز چم و غیرہ ہو گی۔۔۔ لیکن ان کا پاؤں جب سیدھا نیچے چلا گیا تو پچھلے پاؤں کی جگہ پر بھی خود بخود ایک خلا ہو گیا تھا، لہذا انہیں کوئی جھکا نہیں لگا تھا۔۔۔ ادھر ان کے گرتے ہی وہ جگہ اپنی اصل حالت پر آگئی تھی۔۔۔ یعنی جب دوسرا ساتھی آگے آیا تو اسے یہ محسوس نہ ہو سکا کہ یہ جگہ نیچے چلی جاتی ہے۔۔۔ بہر حال یہ کچھ عجیب قسم کا میکنزم تھا۔۔۔ سمجھ میں نہ آنے والا۔۔۔ کوئی فرصت کا وقت ہوتا تو وہ اس پر غور کرتے۔۔۔ لیکن اس وقت تو ان کے سر پر آگے بڑھنے کا بھوت سوار تھا۔۔۔ اور وہ جلد از جلد سہراں میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔۔۔

اسپینر جمشید جب خلا میں گرے تو ان کا بدن نیچے کسی بہت ہی نرم مائع چیز پر گرا۔۔۔ انہیں ذرا بھی چوٹ کا احساس نہ ہوا۔۔۔ یوں لگا تھا

جیسے روٹی کے بہت بڑے ڈبیر پر گرے ہوں۔۔۔ لہذا بے شمار محسوس کا احساس ہوا تھا۔۔۔ انہوں نے چھو کر دیکھا۔۔۔ تو وہ اٹلی تھا۔۔۔ بہت بڑا اور موٹا اٹلی اور بہت لمبا اور چوڑا بھی۔۔۔ لیکن وہ اس وقت محل سارکی میں تھا۔۔۔ انہیں خود اپنا آپ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اچانک انہیں خیال آیا۔۔۔ ان کے بعد دوسرے بھی تو آئیں گے۔۔۔ کہیں وہ ان کے اوپر نہ آ گریں۔۔۔ اس خیال کے آتے ہی وہ لوٹ لگا گئے۔ اور کافی دور تک لڑھک گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے آواز نکالی،

”اب جو بھی اوپر سے نیچے آئے۔۔۔ وہ ساتھ ہی لڑھک بھی جائے۔۔۔ کہیں بعد میں آنے والا اس کے اوپر نہ آ کرے۔۔۔“

وہ بار بار یہ جملہ دہراتے رہے۔۔۔ ساتھ میں وہ محسوس بھی کر رہے تھے کہ ان کے ساتھی گرتے چلے آ رہے ہیں۔۔۔ ان کی آواز سن کر وہ لڑھکتے رہے۔۔۔ آخر ان کے حساب کے مطابق سب ساتھی آ گئے تب انہوں نے کہا۔

”میرا خیال ہے۔۔۔ سب لوگ آ گئے ہیں۔۔۔“

”سب سے آخر میں پروفیسر انکل اوپر رو گئے ہیں۔۔۔ اگر وہ آ گئے ہیں تو یہ بات کہی جاسکتی ہے۔۔۔“ انہوں نے اطمینان کی آواز نکالی۔

"میں بھی آپکا ہوں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

"لیکن یہاں تو کچھ نظر ہی نہیں آرہا۔"

"ہاں! یہ مسئلہ خوفناک ہے۔ لیکن... چونکہ یہ راستہ بہران کا

راستہ ہے۔ اور بہران کے لوگ اس راستے سے آتے جاتے رہتے ہیں

اس لیے کوئی نہ کوئی بات تو سامنے آئے گی۔ اب یا تو رات کا

وقت ہونے کی وجہ سے یہاں اندھیرا ہے۔ یا پھر کوئی اور بات ہے۔"

اسپین جھید کہتے چلے گئے۔

"میرا تو دل بری طرح گھبرا رہا ہے۔ یہ تو ایسا اندھیرا ہے

جیسے قبر کا اندھیرا۔" اشفاق نے کانپتی اور لرزتی آواز میں کہا۔

"مگر تو ایسے رہے ہو جیسے قبر کا اندھیرا دیکھا ہوا ہے۔"

"جتنی گھپ اندھیرا ہی ہوتا ہو گا تا۔ اور وہاں روشنی اگر ہوتی

ہے تو اعمال کی ہوتی ہے تا۔" شکی نے جلدی سے کہا۔

"ہاں... شکی... بالکل یہی بات ہے۔ دیکھو... گھبراؤ

نہیں۔۔۔ جن لوگوں نے یہاں اتنا مونا آسٹخ رکھا ہوا ہے۔۔۔ بلکہ یوں

کہنا چاہیے۔۔۔ مونا اور نرم۔۔۔ ان لوگوں نے یہاں اندھیرے کا بھی

کوئی انتظام کر رکھا ہو گا۔ ہمیں وہ انتظام تلاش کرنا ہے۔۔۔ پھر یہ جگہ

ضرور روشن ہو جائے گی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ روشنی کا انتظام تو ضرور کیا ہو گا۔ وہاں سب

کے لوگ کیا اندھیرے میں زندگی بسر کرتے ہوں گے۔" سب نے دھڑکی

نے کہا۔

"تو آپ کے خیال میں یہ بہران ہے۔" آصف کے حیران

کر کہا۔

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ بہران کا راستہ ضرور ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔۔۔ اب ہمیں روشنی کرنے کے لیے ہاتھ

پاؤں مارنے ہوں گے۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"ہاں! مجھوری ہے۔۔۔ اس کیس میں ہاتھ پاؤں تو مار رہے ہیں

۔۔۔ جب سے یہ شروع ہوا ہے۔" آفتاب نے جلتے کئے انداز میں کہا۔

"آسٹخ پر ہر طرف لوٹ لگاتا شروع کر دو۔۔۔ شاید کہیں پتلی سوچ

رکھا ہوا ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ اندھیرے میں لوٹ لگانے لگے۔۔۔ ایسے میں آپس میں ایک

دوسرے سے گھرا بھی گئے۔۔۔ جب وہ ایک دوسرے سے گھراتے تو انکی

پنسی بھی آجاتی اور جلتے بھی دھڑکی۔ لیکن اس وقت وہیں سب

جسی اس جگہ کو تلاش کرنے کی۔۔۔ بہت دن گزر چکے تھے۔



نہیں اچھی کوئی سوچ نہ ملے۔

”اب کیا کیا جائے۔“ فاروق کی آواز ابھری۔

”کڑوا کیا ہے، کوشش جاری رکھی جائے۔ اور ہمیں یہاں لگا کر دیکھنا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“

وہ پھر کوشش کرنے لگے۔ اس طرح بہت دیر گزر گئی۔ اور

وہ تھک گئے۔ انہیں نیند آنے لگی۔ آخر تھکن نے ان پر خوب نیند

طاری کر دی۔ وہ بے سندھ ہو کر سو گئے۔ روشنی کو بھی بھول گئے اور

اس بات کو بھی کہ وہ کہاں ہیں۔ آخر چھ سات گھنٹے مسلسل سوتے

رہنے کے بعد جب وہ جاگے تو وہاں ہر طرف روشنی تھی، روشنی دیکھتے

تھا وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے چلا کر کہا۔

”مبارک ہو۔ روشنی مبارک ہو۔“

اب انہوں نے اس جگہ کو دیکھا۔ مارے حیرت کے ان کی

آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چاروں طرف پہاڑیوں سے گہری ایک وادی

تھی۔ اور اس پوری وادی میں آغوشِ موجود تھا۔ ساتھ ہی انہیں پانی

کا شور محسوس ہوا۔ اس شور نے انہیں اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا۔

گویا اوپر جنگل سے وہ جس سمندر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت اس

سمندر کے آس پاس اس پہاڑی وادی میں تھے۔ اگلے پانی کو ان تک

آنے سے یہ چٹانیں روک رہی تھیں۔

”یہ جگہ تو ایک پیالے کی مانند ہے۔ بالکل گولائی میں ہے۔“

”میں ذرا چٹان کی چوٹی تک ہو آؤں۔ پتا تو پئے۔ ہم کہاں

ہیں اور وہ جگہ کہاں ہے۔ جہاں ہم نے ہی گرا دی تھی۔“ اسپیکر کا مہر

مرزا نے کہا اور پھر اسپیکر جمشید کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سر ہلایا

۔ پھر کہا۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ باقی ساتھی ہمیں نہیں

مکے۔“

اب دونوں آگے بڑھے اور پھر اوپر چڑھتے نظر آئے۔ اس

وقت انہوں نے محسوس کیا۔ وہ چڑھائی اتنی آسان نہیں تھی۔ کافی

مشکل تھی۔ ان سب کی نظریں ان دونوں پر جمی تھیں۔

”ہم نے غلطی کی۔ انہیں جانے دیا۔ یہ کام فاروق سے لینا

چاہیے تھا۔“ آصف کی آواز گونجی۔

”بھائی میں پانچواں پر چڑھنے کا ماہر ہوں۔ چٹانوں پر چڑھنے کا

نہیں۔“ فاروق نے منہ بتایا۔

”لیکن تم درختوں پر چڑھنے کے بھی تو ماہر۔“

بھی آسانی سے چڑھ سکتے ہو۔" آفتاب مسکرایا۔

"چنان میں اور درخت میں کچھ فرق ہے... سمجھے؟" قارون نے ہنسا کر کہا۔

"اچھا بڑے بھائی کاٹ کھانے کو... ارے... وہ لو... روٹوں چوٹی پر پہنچ گئے اور اب جھک کر سمندر کا جائزہ لے رہے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" قارون نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہو... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

"لو بھئی... انہیں تو کچھ نظر بھی آگیا... آؤ۔"

وہ سب دوڑ پڑے اور چٹانوں کے دامن میں پہنچ گئے۔

"کیا ہم بھی اوپر آئیں ابا جان۔"

"چڑھائی کافی مشکل ہے... پھر بھی تم آنا چاہو تو آجاؤ... بس

پروفیسر صاحب کو نہ لانا۔"

"شکریہ جمشید۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ایک صد شکریہ میری طرف سے بھی اٹکل۔" ایسے میں اشفاق

کی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں بھی چٹانوں پر چڑھنے سے ڈرتا ہوں۔"

"اور اچھا... خیر... تم بھی نیچے ٹھہرے رہو... پروفیسر صاحب

کے پاس بھی تو آخر کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے۔"

"ویسے... جمشید... تم کہو تو میں آجاتا ہوں۔"

"ایسے تو پھر میں بھی چڑھ سکتا ہوں۔" اشفاق کی آواز دہری۔

"نہیں... ضرورت ہوتی تو پھر ایسا کیا جاتا۔" آپ دونوں

وہیں ٹھہریں۔

"اچھی بات ہے۔"

اب باقی لوگ بھی اوپر جانے لگے... آخر سب اوپر پہنچ گئے۔

اب ان سب نے نیچے کی طرف دیکھا...

"ارے باپ رے... یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"اللہ کی قدرت... یہ پانی کا بہت ہی عجیب و غریب بہاؤ ہے

... سمندر کا پانی... ان چٹانوں سے بہت زور سے ٹکرا رہا ہے... اور

نیچے کہیں جا رہا ہے... یوں لگتا ہے... جیسے یہاں کوئی بہت بڑا... بہت

ہی زیادہ بڑا کتواں موجود ہے... پانی خوفناک انداز میں اس کنویں کی

طرف جا رہا ہے... اور اس جگہ پانی کی سطح پر جھجھکیاں کرتے گی۔

وہ پوری قوت سے اس کنویں کا رخ کرے گی... کنویں تو ابھی کہ



”اور وہ کیا۔“

”یہ کہ یہ کوئی کنواں نہیں۔ بلکہ ایک بچہ سمندر ہے۔“

”سمندر کا سمندر۔“

”کیا کیا۔ سمندر کا سمندر۔“ کی آوازیں ابھریں۔

”ارے باپ ارے۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

فاروق بوکھلا اٹھا۔

”اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو ہو گیا یہ نام۔“

”حیرت ہے۔ یہ پانی آخر جا کہاں رہا ہے۔“

”میں اس لمحے انہوں ایک خوفناک آواز سنی۔ وہ بری طرح اچھلے

... پھر ان کے منہ سے نکلا۔

”یہ... یہ تو راکنڈوم کی آواز ہے۔“

ان کی نظریں اوپر اٹھ گئیں... ایک عدد راکنڈوم اس واوی

میں اترنے کی تیاری کر رہا تھا...

”مطلب یہ کہ یہ لوگ آخر ہمیں بہران لے جانے کے لیے

آئے۔“

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”بھئی پتا نہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیسے نہیں پتا۔“

رہا ہوں... یہ معلوم نہیں کہ یہاں کیا ہے... بس میں تو صرف یہ

سکتا ہوں کہ یہاں کوئی بہت گہری ڈھلوان ہے... اب ظاہر ہے

سمندر کے پانی کو ایسی ڈھلوان مل جائے تو وہ کس قدر تیزی سے اس

میں گرے گا... مزے کی بات یہ ہے کہ گرنے کا یہ سلسلہ جاری ہے

رکے بغیر پانی گر رہا ہے... اور نہ جانے کہاں جا رہا ہے۔“

”ت... تو کیا انکل منور علی خان کا آنکڑا اور ری بھی اسی کنواں

میں چلے گئے ہیں۔“

”ہاں اور وہ تمام درندے اور حشرات بھی جنہوں نے آگ سے

بچنے کے لیے پانی میں چھلائیں لگائی تھیں۔“

”اوہ... اوہ۔“ مارے حیرت کے فاروق کی آواز سنائی دی۔

”تمہیں کیا ہوا... جو وہ بار اوہ کہہ ڈالا۔“ آفتاب نے اسے

گھورا۔

”میں تو کہنے کو تین بار بھی کہہ سکتا ہوں... تم کون ہوتے ہو

اعتراض کرنے والے۔“

”ہے کوئی شک... میں نے اعتراض نہیں کیا... حیرت ظاہر کی

ہے۔ کہ تمہیں کیا ہوا۔“

”مجھے ایک بات سوچنی ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

جی ہے۔ آؤ۔۔۔ دادی میں چلیں۔۔۔ ورنہ پھر تیزی سے اترنا پڑے گا۔  
 کوئی ہم میں سے لڑھک بھی سکتا ہے۔۔۔  
 وہ جلدی جلدی نیچے اترنے لگے۔۔۔ راکڈوم ابھی کافی فاصلے پر  
 تھا۔ آہستہ آہستہ وہ نیچے آتا گیا۔۔۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے  
 تھے کہ نہ جانے اب کیا صورت حال سامنے آتی ہے۔

آخر راکڈوم دادی میں اتر گیا۔۔۔ پھر اس کا دروازہ کھلا  
 پاکٹ کا سر نظر آیا۔۔۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔  
 "جلدی سوار ہو جاؤ۔۔۔"

انہوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر  
 راکڈوم میں داخل ہونے لگے۔۔۔ ان سب کے اندر آتے ہی دروازہ  
 بند ہو گیا۔ اور وہ لگا اوپر اٹھنے۔

اب تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔۔۔ ان سے نہ تو کچھ  
 پوچھا گیا تھا۔ نہ کچھ کہا گیا تھا۔۔۔ اور یہ بات عجیب تھی۔۔۔ لیکن جلد  
 ہی یہ بات اسپینر جمشید کی سمجھ میں آگئی۔۔۔ انہوں نے آنکھوں  
 میں آنکھوں میں کہا۔

"ہاں! اس طرح بوریت نہیں ہوتی۔۔۔ کچھ میں تم لوگوں کی  
 باتیں سنوں گا۔۔۔ کچھ تمہیں اپنی بات سنا دوں گا۔"

"بات تو آپ کی مشق ہے۔۔۔ تمہیک ہے۔۔۔ پلے تو آپ کہہ  
 اپنی طاقتیں۔"

"گلتا ہے۔۔۔ یہ ان لوگوں کا راکڈوم اسپینڈ ہے۔۔۔ جن لوگوں کو  
 جہان لے جایا جاتا ہوتا ہے۔۔۔ انہیں اس راستے سے لے جایا جاتا



”نہیں۔ میں اپنی کیا سناؤں۔ گھر والے بہت یاد آتے ہیں۔  
بیوی بچوں کو سیران میں رکھنے کی اجازت نہیں۔“

”آپ کب سے یہ ملازمت کر رہے ہیں۔“

”موت گزر گئی۔ ملازمت کی تلاش میں دھکے کھا رہا تھا، کسی  
نے بتایا۔ ”مکدوم چلے جاؤ۔ وہاں آج کل بہت ملازمتیں مل رہی ہیں۔  
بہن قسمت آزمائے کے لیے وہاں چلا گیا۔ شہر میں شائع ہونے  
والے اخبارات کے ذریعے اس ادارے کا پتا چلا جو لوگوں کو ملازمتیں  
دے رہا تھا۔ وہاں گیا تو کئی امتحانات سے گزرنا پڑا۔ آخر مجھے  
ملازم رکھ لیا گیا۔ پھر مجھے جہاز اڑانا سکھایا گیا۔“ سنو او اس قدر  
معقول تھی کہ ہر حال میں ملازمت کرنے کو جی چاہنے لگا تھا۔ آخر  
ادارے نے مجھے بتایا کہ پائلٹ کی ملازمت پکی ہو سکتی ہے۔ لیکن  
ایک اور ملک میں رہنا ہو گا۔ سال کے آخر میں بیوی بچوں سے ملنے  
کے لیے ایک ماہ کی چھٹی ملا کرے گا۔ میں نے بیوی سے بات کی  
وہ تیار ہو گئی۔ کیونکہ سنو او ہماری سوچی سے بھی کئی گنا زیادہ تھی  
ہم نے سوچا تھا۔ دو تین سال کام کر کے ملازمت چھوڑ دیں گے  
اور اس رقم سے اپنا کاروبار شروع کر لیں گے۔ ”یہاں تک کہہ کر وہ  
خاموش ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“

”اے اے۔ آپ تو بولے گئے۔“

”ہاں! میں اکثر سوچ رہا ہوں۔ اس لیے کہ چند سال پہلے

میں اپنی بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکا۔“

”کیا مطلب۔“ ان سب کے منہ سے ایک سانس نکلا۔

”ملازمت تو یہ کہہ کر وہی گئی تھی کہ ہر سال گھر جانے کے لیے

ایک ماہ کی چھٹی دی جا کرے گی۔ لیکن چند سال ہو گئے۔ میں

اس ملک کا قیدی ہوں۔“

”کس ملک کا۔“

”یہ لوگ اسے سیران کہتے ہیں۔“

”لیکن آپ تو راکڈوم چلا لیتے ہیں۔ فرار ہو جائیں اس

میں۔“

”کیسے فرار ہو جاؤں۔ راکڈوم کی منزل مقرر ہے۔ یہ ایسا

منزل تک آئے گا اور منزل تک جائے گا۔ یعنی اس راہی تک آئے گا

اور سیران تک جائے گا۔“

”اوہ۔“

”اور اب تم لوگ بھی پھنس گئے ہو۔“

”انہی چ کیسے چلا ہے کہ اس راہی تک نہ آ سکے گا۔“

گھر نے پوچھا۔

”یہ کیا بات پوچھی آپ نے... بھی... ایکوڑم میں لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں... اور اس وادی میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔“

”لیکن کیسے...“ فاروق نے پوچھا۔

”جس طرح آپ لوگ آئے ہیں... اس طرح۔“

”ہم تو ایک درخت کے ذریعے آئے ہیں۔“

”میں بھی درخت کے ذریعے آیا تھا... یہ لوگ اس جنگل تک پہنچاتے ہیں... اور درخت میں داخل کر دیتے ہیں... درخت سے ہم سیدھے اس وادی میں آگرتے ہیں... یہاں سے راکڈوم ہمیں بہران لے جاتا ہے۔“

”یہ لوگ بہران میں کر کیا رہے ہیں۔“

”بہران... دنیا کی جدید ترین وادی ہے... انہوں نے اس وادی میں دنیا کے باہر ترین لوگوں کو جمع کیا ہے... جمع کرنے کا طریقہ وہی ہے... بے تحاشہ تنخواہ کا ایلچ... بس لوگ پھنس جاتے ہیں۔“

”تب پھر یہ لوگ لوگوں کے بیوی بچوں کو کیوں یہاں نہیں لے آتے... تاکہ بہران کے قیدی بے چارے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تو رہ لیا کریں۔“

”لوگ یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں... بہت سے لوگ تو اس خودکشی بھی کر چکے ہیں... آتے دن خودکشی کے گیسوں نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا... اور اب یہ کہتے دکھائی دیتے تھے کہ سب لوگوں کے بیوی بچوں کو یہاں لے آیا جائے گا... بلکہ انہوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے... کیونکہ ان کا کہنا ہے... رہتا تو سب لوگوں کو بھینس پڑے گا... ویسے یہاں ہر طرح کا پیش و آہام ہے... ہم تو چاہیں کھا سکتے ہیں، پہن سکتے ہیں... جہاز کی سیر کر سکتے ہیں... میرا مطلب ہے... راکڈوم کی سیر... راکڈوم ان کے پاس بہت ہیں... بہت سے راکڈوم تو انہوں نے صرف سیر پالنے کے لیے رکھے ہیں... لیکن لوگ پھر بھی خوش نہیں رہتے... بیوی بچوں کی یاد انہیں ستاتی رہتی ہے... لوگوں کو اب بتا دیا گیا ہے کہ ان سب کے بیوی بچوں کو یہاں لایا جا رہا ہے... یہ سن کر لوگ خوش تو ہو گئے ہیں لیکن اصل خوشی انہیں اس وقت ہو گئی جب واقعی بیویاں اور بچے آجائیں گے... ویسے ان لوگوں نے مجھ کو وعدہ نہیں کیا... ابھی چند دن پہلے ہی مجھ کو خواتین اور بچوں کا لایا گیا ہے... اب دیکھیں... میری باری کب آتی ہے۔“

”ہوں... ایک بات مجھ میں نہیں آتی...“

”بہران میں ہمارے پیچھے کیا کیا کر رہے ہیں۔“



میں نے اسے آگیا تھا۔

میں نے اسے اس سے بھی جانتا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

میں نے اسے آگیا تھا کہ میں اسے کبھی نہ

دیکھتا ہوں۔

## پھر واپسی

پائلٹ کا رنگ اڑ گیا... اسی وقت راکڈوم پر اسکرین روشن ہو  
 گئی... راکڈوم میں لگے کیمرہوں کا رخ ان کی طرف ہو گیا۔  
 "مسٹر راکی... یہ تم کن لوگوں سے بات کر رہے ہو؟"  
 "کیوں سر... اپنے مہمان کے ساتھ بات چیت پر پابندی تو  
 نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں راکی... مہمانوں سے ضرور بات چیت کرو۔  
 لیکن تم جن مہمانوں سے باتیں کر رہے ہو... وہ ہمارے مہمان نہیں  
 ہیں... تم غلط لوگوں کو لے آئے ہو۔"  
 "کیا!!! مارے خوف کے پائلٹ کے منہ سے نکلا۔"

"ہاں!"

"ارے آپ بولے... لیکن سر... ایسا تو ہی لگ رہا ہے۔"  
 "راکی... ان لوگوں کو واپس لے جاؤ۔ یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔"

ہے جاتے ہیں۔"

"ان سب کا سربراہ کون ہے... یعنی ان پر کون حکومت کرتا  
 ہے۔"

"اس کا نام کوئی نہیں جانتا... تاہم سہراں میں اسے جب ہی  
 چاہے دیکھا جاسکتا ہے... فی وی سکرین پر... جب چاہے آجاتا ہے  
 احکامات دیتا ہے۔"

"اور کیا یہ بات بھی درست ہے کہ وہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔"  
 یہ سنتے ہی پائلٹ نے ایک لمبی آہ بھری۔

"کیا ہوا بھئی... خیر تو ہے... کیا یہ سب افسانہ ہے۔" خان  
 رحمان نے بے چینی کے عالم میں کہا۔  
 "میں اس لمحے راکڈوم کو زبردست جھٹکا لگا۔"

☆☆☆☆☆



... اور یہ کہ ہمیں بھی ہر دن میں ملا لیں گا۔ ہم سے اگلا بھی

میا ڈرے گا۔" محمود نے چپک کر کہا۔

"نہیں... یہ ہم سب کا فیصلہ ہے۔ تم سب کو سہراں میں

غیریں لایا جائے گا۔ اب تو وہ چھوٹی سی وادی ہی تمہاری نظری قیام

گاہ ہو گی۔ کیونکہ وہاں سے واپس تو تم جا نہیں سکو گے۔ اس جگہ

سے بچے تو آیا جاسکتا ہے۔ نیچے سے اوپر درخت کی کھوکھلیوں جیڑ

جاسکتا۔ کیا خیال ہے۔"

"ہاں! اس وادی میں یہ مسئلہ تو ہے۔ لیکن خیر کوئی پروا نہیں

... ہم بھی کوئی نہ کوئی راستہ سہراں تک پہنچنے کا نکال ہی لیں گے۔

اب بھی ہم سہراں کی طرف چل ہی پڑے تھے۔"

"اس کی وجہ ہے... ہمارا ایک ساتھی ایک حادثے میں زخمی ہو

گیا تھا۔ اس کی ڈیوٹی ان کیمروں پر ہے۔ جو وادی میں لگے ہوئے

ہیں۔ بس وہ دیکھ نہیں سکا۔ کہ راکٹروں میں کون لوگ سوار ہو رہے

ہیں۔ وہ اپنے زخمی ہونے کی اطلاع بھی نہ دے سکا۔ بس اچانک

ہی اسے چوٹ لگ گئی تھی۔ دوسری طرف یہ بات تو ہم سوچ بھی نہیں

سکتے تھے کہ تم وگ اس وادی میں آ کر دو گے۔ حیرت ہے۔ عدالت

کی کھوکھلیوں میں تم نے کس طرح حراش کر لیا۔"

اس لوگ تو وہاں اس وقت پہنچے تھے جب تم وہاں سے اڑے ہو

چکے تھے۔ اس بات کا ہمیں بعد میں پتا چلا۔"

"لیکن سر۔۔۔ بعد میں کیوں پتا چلا۔" اچانک انسپکٹر جمشید کے

سے پائلٹ کی آواز اٹھی۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ تم نہیں بولے راکی۔ تمہارے

مہمانوں میں سے ایک نے یہ جملہ کہا ہے۔ لیکن ہمیں ان لوگوں کی

ضرورت نہیں۔۔۔ سمجھے۔ انہیں وہیں اس وادی میں چھوڑ آؤ۔۔۔ وہ

وہاں جو لوگ موجود ہیں۔ انہیں لے آؤ۔ اگر یہ لوگ کوئی گڑب

کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم ان کا

بندوبست کر لیں گے۔ اول تو وہاں ان کے استقبال کے لیے لوگ پہنچ

چکے ہیں۔"

اس بار پاس کی آواز میں شوٹی آگئی۔ اور وہ چونک اٹھے۔

انہوں نے حراف محسوس کر لیا۔ وہ شک تھا۔۔۔

"سنر شک! یہ آپ ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ تو تم نے پہچان لیا ہے۔"

"یہی کریں انکل شک مجبوری ہے۔"

"تم لوگ حیرت انگیز ہو۔ اس میں شک نہیں۔"

جائے گا اور ہمیں ان لوگوں سے وہ وہ ہاتھ کرنے ہوں گے۔ لیکن کیا ہم وادی میں کچھ کرنے کے قابل ہوں گے۔ کیونکہ ہم اس برکت تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہونا پھر کیا ہے گا اگر ہم نے وہاں موجود دشمنوں کو شکست دے دی تو وہاں ہر لوگ سہراں میں لے جائے کے لیے آئے ہوں گے۔ ان کا کیا ہے گا۔ وہ بے چارے کہاں جائیں گے۔ راکڈوم میں اسے آئی تو انہیں سکیں گے کہ ہم انہیں بھی بٹھا لیں اور سہراں پہنچ جائیں۔

”ہوں۔۔۔ معاملہ واقعی بہت الجھ گیا ہے۔ اس پر غور کرنا ہو گا۔“ انسپٹر کامران مرزا نے اشارے میں جواب دیا۔

اب وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ پاکت راکی انہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں اشاروں میں باتیں کرتے دیکھ کر بھی حیران ہوتا رہا تھا۔ اور اب جب وہ سب سوچ میں گم ہو گئے تو بھی حیران تھا۔ یہ لوگ اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ایسے میں انسپٹر جمشید نے جیب سے کاغذ اور قلم نکالا۔ اور اس پر کچھ لکھ کر راکی کے سامنے گرایا۔ اور سامنے بھی اس طرح گرایا کہ اگر راکڈوم کے اندرونی حصے کا منظر شک یا کوئی اور دیکھ رہا ہو۔ تب بھی۔۔۔ کم ہار کم کاغذ کو نہ دیکھے۔ یہ کلام انہوں نے ہاتھ کی لوٹ سے لیا تھا۔

میں دیکھ لیں منظر شک۔ اسی طرف ہم سہراں پہنچیں گے۔  
ان شاء اللہ۔۔۔

”راکی۔۔۔ تم راکڈوم کو واپس موڑ چکے ہو۔“

”نہیں سر۔“

”ہم اس کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ اب تم کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔ راکڈوم خود بخود اس وادی تک جائے گا۔“ جی بہت بہتر۔“ راکی نے پریشانی کے عالم میں کہا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ اب کیا ہو گا۔ انہوں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔۔۔ پھر آپس میں اشاروں میں بات شروع کی۔

”صورت حال عجیب ہے۔۔۔ ہمیں فوری طور پر فیصلہ کرنا ہو گا۔“ لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔۔ راکڈوم کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں نہیں۔۔۔ بلکہ اب تو راکی کے ہاتھ میں بھی نہیں رہ گئی۔“

”ہمارے دشمن کا پروگرام اب یہ ہے کہ راکڈوم واپس وادی میں جائے گا۔۔۔ وہاں ہمیں اتار دیا جائے گا اور ان کے مہمانوں کو سوار کر دیا جائے گا۔۔۔ وہاں ان مہمانوں کے علاوہ اب ہمارے استقبال کے لیے کچھ اور لوگ بھی موجود ہوں گے۔ راکڈوم مہمانوں کو لے کر چلا



نے ہے ان پر اس تحریر کو پڑھا۔

”مستری کی کیا تم اپنے گھر جانا چاہتے ہو۔“

اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ بھلا اس سے بڑھ کر اس کی لڑائی اور کیا ہو سکتی تھی۔

اب انہوں نے پھر لکھا:

”کیا راکڈوم میں اتنا ایندھن ہے کہ یہ تمہارے ملک جاسکے۔“

اس نے اس سوال کے جواب میں بہت پر جوش انداز میں سر ہلا دیا۔ اس نے ہاں میں جواب دیا تھا۔

انہوں نے پھر لکھا:

”بہت خوب! اگر ہم راکڈوم سے سہراں والوں کا کنٹرول ختم کر دیں تو کیا آپ راکڈوم کو اپنے ملک تک لے جاسکیں گے... آپ کو راستہ معلوم ہے۔“

اس سوال کے جواب میں اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ چند منٹ تک وہ سوچتا رہا۔ پھر اس نے ان سے کاغذ قلم لے لیا اور لکھنے لگا۔

”میں اس جگہ سے ایکورم جاسکتا ہوں... اور آپ جانتے ہیں ایکورم مکمل طور پر سہراں کے لوگوں کا ملک ہے... یہ لوگ جو کچھ کر

رہے ہیں۔ ایکورم کے تحت کر رہے ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ ایکورم کی حکومت ان لوگوں کے لیے کام کر رہی ہے یا یہ لوگ ایکورم کے لیے کام کر رہے ہیں۔ لہذا ہم وہاں جا کر پھنس جائیں گے۔“

”اچھا! کیا ہم کسی ایسی جگہ اتر سکتے ہیں... جہاں پھنس نہ

جائیں۔“

”ایکورم کے ساتھ ایک آزاد ریاست ہے... اگر وہ ہمیں

اترنے کی اجازت دے دیں تو شاید ہم نچ جائیں... لیکن اس ریاست کی انتظامیہ سے بات آپ لوگ کریں گے... مجھے یہ کام نہیں آتے۔“

”آپ فکر نہ کریں... ہم کر لیں گے۔“

”لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ لوگ راکڈوم کا کنٹرول کس طرح

ختم کر سکتے ہیں۔“

”یہ ہمارا کام ہے اور ہم اپنا کام شروع کر رہے ہیں... آپ

بس دیکھتے جائیں... ان شاء اللہ اب آپ اپنے بیوی بچوں کے پاس ہوں گے۔“

”کک... کیا واقعی؟“ اس کے منہ سے نکل گیا۔

وہ چونک اٹھے... کیونکہ راکڈوم سے تو اٹھاروں میں پائیں

رہی تھیں... فوراً کہا گیا۔

”راکی... یہ تم نے کیا کہا... کیا واقعی۔“

”مم... میں باس... شاید میں اوتھلے لگا تھا... یا ٹینک کی حالت میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا... بس خواب میں منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”اور یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“

”یہ بھی اوتھلے رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... جلد ہی تم لوگ وادی میں پہنچنے والے ہو... وہاں جو لوگ موجود ہیں... وہ لوگ انہیں تو نیچے اتار لیں گے اور اصل مہمانوں کو سوار کرا دیں گے۔“

”جی بہتر۔“

اور پھر راکڈوم میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی... ادھر پروفیسر داؤد اپنا کام شروع کر چکے تھے... انہوں نے پروفیسر صاحب کو اس طرح اوت میں لے لیا تھا کہ وہ کسی کو بھی کسی سمت سے بھی نظر نہیں آسکتے تھے... اگرچہ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مہران سے راکڈوم کا منظر نظر نہیں آ رہا... بس وہ لوگ آوازیں سننے کے قابل ضرور تھے... پھر بھی انہوں نے ایسا احتیاط کے طور پر کیا تھا، پروفیسر داؤد اپنا کام شروع کر چکے تھے۔

”وادی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی۔“ راکی نے قدرے گھبرا کر

پیغام نکھا۔

”پروفیسر صاحب... راکی کا کہنا ہے کہ وادی زیادہ دور نہیں رہ

گئی۔“

انہوں نے سر ہلا دیا... آخر مزید پتہ نہ ملتا تھا بعد انہوں نے

راکی کو اشارہ کیا...

”اپنے باس کو آواز دو... دیکھتے ہیں... وہ آواز سن رہے ہیں یا

نہیں... اگر میں اپنے کام میں کامیاب ہو گیا تو جواب نہیں آئے گا۔“

راکی نے سمجھ جانے کے انداز میں پہلے تو سر ہلایا پھر پکار کر کہا۔

”باس... آپ سن رہے ہیں۔“

کوئی جواب نہ ملا... اب پروفیسر نے اشارہ کیا۔

”ایک بار اور زور سے آواز دو۔“

”باس! آپ سن رہے ہیں۔“

اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

”لو میاں راکی... آپ کا راکڈوم آگیا... اب تم اسے

جس طرف چاہو لے جا سکتے ہو۔“

”نہیں نہیں... ٹھیک... کیا وہاں... کیا وہاں...“



گھر جا سکوں گا۔"

"ہاں... اللہ نے چاہا تو... اب راکھوں کا رخ بدل لو... ریاست کا کیا نام ہے... جو ایکورم کے ساتھ واقع ہے۔"

"ریاست میری زونا۔"

"اوہ... ہاں... ہم نے اس ریاست کا نام سن رکھا ہے... واقعی ایک آزاد ریاست ہے... لیکن ظاہر ہے غیر مسلموں کی ہے... اب اگر ایکورم وغیرہ اس پر دباؤ ڈالیں تو وہ اسی کی مانیں گے۔"

"نیچے اترنے سے پہلے انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں... بعد میں ہم صورت حال دیکھ کر قدم اٹھائیں گے... تم فکر نہ کرو... ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو تم ضرور اپنے گھر جاؤ گے۔"

"مم... مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"راکھوں کا رخ بدل لو... اور میری زونا چلو... وہاں چل کر دیکھیں گے۔"

"اچھی بات ہے... دیے آپ لوگ حیرت انگیز ہیں... آخر یہ سب کیسے ہو گیا۔"

"بس اس قسم کے کام کرتے ایک عمر گزر گئی... عادی ہیں ہم ایسے کاموں کے۔" خان رحمان مسکراتے۔

اب وہ آپس میں بات چیت کرنے لگے تھے خاموشی اور اشاروں کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

"اب ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے بھلا۔"

"تمہیں کھٹے تو ضرور لگ جائیں گے... کیونکہ وہ دواہی کا لہجہ کے پیچھے کہیں ہے... اور کالا جنگل سے میں راستا جانتا ہوں۔"

"اوہ ارے ابا! ہم تو بھول ہی گئے... ہم تو ہر قسم کی الجھنوں سے بچ سکتے ہیں۔"

"اور مسنر راکی کو بھی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ ان کے گھر بھیج دیا جاسکتا ہے۔" فرزانہ نے اچھل پڑی۔

"اوہ واقعی... یہ تو ہم بھول ہی گئے... لیکن مسنر راکی کو راست معلوم نہیں ہے نا۔"

"انہیں راستہ معلوم نہیں تو کیا ہوا... ہمیں تو اس جگہ سمندر سے برنائی کا راستہ معلوم ہے... آخر ہم بحری کشتی میں کئی بار وہاں سے برنائی اور برنائی سے کالا جنگل آچکے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک... مسنر راکی... کام بن گیا... بحری دواہی... ہمیں وہاں کے حکام سے ملنا کرنا پڑے گا... وہ ہمیں راستہ کی اجازت دے دیں گے... یہاں تک کہ جاکر..."

راکھوم کو اپنے لیے کوئی خطرناک چیز خیال کریں ... لیکن کالا بنگل سے چھ سات گھنٹے کے فاصلے پر ہماری ایک دوست ریاست ہے ... ہم وہاں چلے چلتے ہیں ... آپ کو عزت اور احترام سے آپ کے گھر تک بھیجوا یا جاسکے گا۔"

"لیکن اس میں مسئلہ اور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"وہ کیا۔" انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے۔

"راکھوم کے غائب ہونے کے بعد مہران والے آرام سے نہیں بیٹھے رہیں گے ... وہ فوراً اپنے جاسوس مسٹر راکی کے گھر کے آس پاس بھیج دیں گے ... لہذا مسٹر راکی برنائی سے اپنے گھر نہیں جائیں گے ... اس طرح یہ پھر ان کے جال میں پھنس جائیں گے ... کیونکہ انہوں نے مہران میں پندرہ سال کاٹے ہیں ... یہ ان کے لیے خطرناک ہوں گے ... لہذا وہ انہیں ختم کرنے کی کوشش کریں گے ... اس کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ان کے بیوی بچے وہاں سے فوراً غائب ہو جائیں ... لہذا برنائی پہنچ کر سب سے پہلے ہم ان کے گھر والوں کو ہدایات دیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"مہم ... میں سمجھا نہیں ... آپ نے کیا باتیں کی ہیں۔" راکی نے بولٹھا کر کہا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں مسٹر راکی۔"

فاردق نے کہا اور اسے ساری بات سمجھانے لگا ... وہ ساتھ ساتھ سر ہلا رہا تھا ... اور پھر وہ کالا بنگل پہنچ گئے ... بنگل سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا ... وہاں سے راکھوم انسپکٹر جمشید نے سنبھال لیا۔ راکی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ اسے چالیں گے۔"

"بس دیکھتے جائیں۔" وہ مسکرائے۔

اور جب اس نے انہیں نہایت مہارت سے راکھوم کو اڑاتے دیکھا تو اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"آپ لوگ آخر ہیں کیا۔"

"انسان؟" ان میں سے کئی ایک نے کہا۔

"انسان تو خیر آپ ہیں ... لیکن میں نے آپ جیسے انسان پہلے

کبھی نہیں دیکھے۔" راکی نے بلدی سے کہا۔

"اگلے راکی ... اس میں تمہارا کیا قصور؟" راکھوم نے مسکراتے ہوئے

سوچتے ہوئے کہا۔



اور مایکس پر شاید وہ کئی سال بعد اس طرح کھل کر رہا تھا۔

”مسٹر راکی، آپ کے کتنے بچے ہیں۔“

”تین۔ دو لڑکے ایک لڑکی۔“

”کیا آپ میسالی ہیں۔“

”جی ہاں، اور آپ لوگ مسلمان ہیں۔“ ٹھیک ہے ہاں۔“

”ہاں! بالکل۔“

”آپ... آپ لوگ بہت اچھے ہیں... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان ایسے بھی ہو سکتے ہیں... ہمارے ذہنوں میں تو بس یہی بنایا گیا ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔“ راکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”بس تو آپ دیکھ لیں۔ ہم آپ کے ساتھ دہشت گردوں والا

سلوک کر رہے ہیں۔ یا اچھے انسانوں والا۔“

”بلکہ بہت زیادہ اچھے انسانوں والا۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

اور آخر وہ برائی کی فضا پر چکر لگائے گئے... پروفیسر داؤد نے

یہ تمام برائی کے آلات آن کر دیے... آخر نیچے سے رابطہ قائم کر لیا

میا

”کون ہیں آپ لوگ اور برائی کی فضا میں کیوں داخل

ہوئے ہیں۔ جلد بتائیں۔ ورنہ ہم اس جہاز کو نشانہ بنادیں گے

ہمارا دست آپ کو نشانہ بنانے کے لیے بالکل بے کرا ہے۔“

”میں بتاتا ہوں۔ میرا نام انسپٹر جمشید ہے۔ صدر میرے

بہت بہترین دوست ہیں۔ آپ صرف ان سے اتنا پوچھ لیں۔ انسپٹر

جمشید وغیرہ اس راکڈوم میں سوار ہیں۔ انہیں اترنے کی اجازت دی

جائے یا نہیں۔“

ہم آپ کا نام جانتے ہیں۔ اگر آپ واقعی اس جہاز نما چڑی پر

موجود ہیں۔“

”یہ راکڈوم ہے۔ آپ فوجی دستے کے ذریعے راکڈوم کو

گھیرے میں لے لیں۔ جب تک ہم آپ کا اطمینان نہ کرا دیں ہمیں

مشرقی کے گھیرے میں رکھیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”اچھی بات ہے... ہم ان سے بات کرتے ہیں۔“

اور پھر انہیں اترنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس وقت تک

وہاں صدر کا خاص دست آپکا تھا... یہ لوگ انسپٹر جمشید اور ان کے

ساتھوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ انہوں نے ذرا سے جلدی کی

جاتے ہیں۔

”یہ زیادہ اچھا رہے گا۔“

اب راکی کو سو ہاٹل سے دیا گیا۔ اسے نمبر زبانی یاد تھے۔  
دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس نے نمبر ملا لیا۔ ظاہر ہے وہ  
ایوان صدر کا نمبر تھا۔ اس کے گھر والوں کو تو ہدایات معلوم نہیں ہو  
سکتی تھیں کہ فون کون کر رہا ہے۔ لہذا دوسری طرف سے فون کا فون  
دہاتے ہی کہا گیا:

”جی کون بات کر رہے ہیں۔“

راکی کا دل زور سے دھڑکا۔ یہ اس کی بیٹی کی آواز تھی۔

”روزی... یہ میں ہوں۔۔۔ راکی۔“

”کیا... راکی... کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں... کہیں

میرے کان تو نہیں بجے۔“

”میں ان لوگوں کی قید سے چھوٹ کر آ گیا ہوں روزی... یہ

خواب نہیں ہے... میں ایک دو روز تک تم تک پہنچ جاؤں گا۔ لیکن

پہلے میری بات غور سے سن لو... تم سن رہی ہو روزی۔“

”ہاں لیکن مجھے اب بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔“

”تم میری بات سن لو۔۔۔ پھر تمہیں یقین ہو جائے گا۔“

انہیں سلیجٹ کیا اور پھر ایوان صدر کی گاڑیوں میں بٹھایا گیا۔ راکی کی  
حیرت اب اور بڑھ گئی۔۔۔ آخر انہیں محل لایا گیا... صدر برٹانی ان کے  
استقبال کے لیے تیار تھے۔

”آپ لوگ پھر آگئے۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”جی انکل... پتا نہیں... اس کیس کو کیا ہے... ہمیں بار بار

آپ کی ریاست میں آنا پڑ رہا ہے اور یہاں سے جانا پڑ رہا ہے۔“

”کوئی بات نہیں... آئیے پہلے آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔

پھر باتیں کریں گے۔“

وہ انہیں اپنے محل لے آئے... سب بیٹھ گئے... اس وقت تک

جو ہوا تھا... سب صدر برٹانی کو سنا دیا گیا... پھر انہوں نے کہا۔

”سب سے پہلے مسٹر راکی کو ان کے گھر پہنچانے کا انتظام۔

پہلے ان کے گھر والوں کو وہاں سے کہیں اور منتقل کیا جائے گا... مسٹر

راکی پہلے آپ اپنے گھر والوں سے بات کر لیں... انہیں صورت حال

سمجھا دیں... پھر آپ آپس میں ملے کر لیں کہ آپ لوگ کہاں جا سکتے

ہیں... بعد میں جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ اپنے گھر

آجائیے گا۔“

”ٹھیک ہے... ہم اپنے ماں باپ کے پاس گاؤں میں ملے



”جی... ہم ایک بار پھر وہیں آگے ہیں جہاں سے چلے تھے۔  
یہ کیس تو ہمیں بس چکر پر چکر دے رہا ہے۔“ فاروق نے براہِ صاف  
بنایا۔

”سب سے پہلے ہم دنیا کے حالات جاننا چاہیں گے۔۔۔ میرے  
دوست سونے کے سٹوں کی خرابیاں کہاں تک پہنچ چکی ہیں۔“  
”سٹوں نے لوگوں کے دماغ خراب کر دیے ہیں۔ مسلمان  
ملکوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔۔۔ لوگ سونے کے سٹوں کی  
بارش کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔۔۔ کام کاج کو چھوڑتے چلے جا رہے  
ہیں۔۔۔ کام سے ان کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ کئی چھوٹے  
چھوٹے ملک تو انحصار ہی سونے کے سٹوں پر کرنے لگے ہیں۔۔۔ جب  
کسی شہر کی کسی سڑک پر سونے کے سٹوں کی بارش ہوتی ہے تو پڑھے  
لکھے لوگ تک ان سٹوں کو لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔۔۔ اور پھر  
انتظار کرنے لگتے ہیں کہ کب بارش ہو اور کب وہ سٹے لوٹیں۔۔۔ اس  
طرح مسلمان قوم ایک طرح سے بالکل بیکار ہوتی جا رہی ہے۔“

”کیا آپ کے ہاں بارش ہوئی ہے۔“

”اب تک مجھےں مرتبہ ہو چکی ہے۔۔۔ لوگ کاموں میں شل  
چھوڑ رہے ہیں۔ اکثر بے نوکارتیاں پھرتی ہیں۔۔۔“

فورا بچوں کو لے کر اپنے پاپا کے گھر چلی جاؤ۔۔۔ اس گھر تک  
آسکتے ہیں۔۔۔ لہذا کچھ مدت تک ہمیں پاپا کے ہاں رہنا ہو گا۔“  
”اچھی بات ہے۔۔۔ تو کیا تم سیدھے وہیں آؤ گے۔“

”اور نہیں تو کیا۔۔۔ ادھر آنا خطرناک نہ ہوتا تو میں تم سے کیوں  
کہتا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔۔۔ اور سترہ روزی یہ کام ابھی اور اسی وقت  
کرتا ہو گا۔۔۔ ایسا نہ ہو دشمن یہاں پہلے آجائیں اور تم بعد میں انکو  
اس طرح وہ تمہارا تعاقب کریں گے اور پاپا کا گھر دیکھ لیں گے  
پھر ہمارے وہاں جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ اللہ کرے یہ خواب ر  
ہو۔“

”روزی میں بھی یہاں سے جلد روانہ ہو رہا ہوں۔ مجھے بھجوانے  
کے انتظامات ہو رہے ہیں۔۔۔ بہت ہی اچھے دوست مل گئے ہیں مجھے  
۔۔۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انہی کی وجہ سے میں اس قید سے نکل سکا ہوں۔“  
”بس ٹھیک ہے۔“

اور اس نے فون بند کر دیا۔۔۔ صدر برٹانی نے اپنے ایک نائب  
کو راکی کے سلسلے میں ہدایات دیں۔۔۔ اور راکی کو آرام کرنے کے لیے  
ایک مہمان خانے میں پیش کیا دیا گیا۔

گرتے ہیں اور کھاپی لیتے ہیں ... خریداری کر لیتے ہیں ... مجھے ...  
 دی کا شکار ہو رہے ہیں ... کچھ دارقلم کے لوگ اور قلم دارقلم کے  
 لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں ... کیونکہ وہ ہوا کے رخ کو سمجھ رہے ہیں  
 اب تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے لگی ہے کہ جب قوم کام  
 کا جھوڑ بیٹھے گی ... آرام پسند ہو جائے گی تو دشمن ملک اس قوم  
 کو کس قدر آسانی سے غلام بنا لے گا ... یہ تجربہ بھی کیا جا چکا ہے۔

”کیا مطلب ... کون سا تجربہ۔“ وہ زور سے چوٹے۔

”ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کو اس پڑوسی غیر مسلم ملک نے  
 دھمکی دی ... کہ پوری ریاست اس کی نگرانی میں آجائے ... ورنہ وہ ان  
 سب کو ویسے ہی تھس تھس کر کے رکھ دے گا ... اس ریاست نے فوراً  
 ہی اس ملک کی غلامی قبول کر لی ہے ... ورنہ پہلے کبھی اس غیر مسلم ملک  
 کو اتنی جرات نہیں ہوئی تھی ... پہلے اس ریاست کی حمایت میں دس بارہ  
 اسلامی ملک اٹھ کھڑے ہوتے تھے ... اب ایک نے بھی اس کی حمایت  
 میں آواز نہیں اٹھائی۔“

”اوہ۔“ ”اوہ۔“ مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

”اگر یہی حال رہا تو نہ جانے کتنے چھوٹے ملک غیر مسلم ممالک  
 کے غلام ملک بن جائیں گے ... پہلے کوئی کچھ کہنے کے قابل تھا ... اب

کہنے کے قابل بھی نہیں رہے ... حالات بہت ہولناک ہیں ... جب  
 تک سونے کے سلوں کی بارش نہیں رکے گی، اس وقت تک مسلمان  
 ملک تباہی کے تڑھے کی طرف ہی بڑھتے جائیں گے ... اور اب آپ  
 لوگ بھی واپس آگئے ہیں ... میرا تو خیال تھا آپ لوگ اب کامیاب ہو  
 کر ہی لوٹیں گے۔“

”آپ پہلے ہماری کہانی سن لیں ... پھر بتائیں ... کہ ہم اور کیا  
 کر سکتے ہیں۔“

”میں سننے کے لیے بے چین ہوں۔“

انہوں نے ساری تفصیل سنا دی ... صدر برٹانی نور سے سننے

رہے ... آخر ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”پھر اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔“

”اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس سازش کا اصل مرکز

ایکورم ہے ... یہ سارا کام ایکورم میں ہو رہا ہے ... سبران کے کرتا

دھرتا لوگ جب چاہتے ہیں سبران چلے جاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں

سبران سے ایکورم آجاتے ہیں ... اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایکورم

جانا ہو گا۔“

”ہاں جاتے ہی آپ لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے گا۔“



میں نے۔

”وہ کیوں۔“

”آئیے آپ کو عالمی خبریں دکھاتا ہوں۔ ان عالمی خبروں میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ جہاں بھی جائیں گے۔ آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ ہاں اسلامی ملک ایسا نہیں کریں گے۔ وہ انہیں ایک بڑی اسکرین کے سامنے لے آئے۔ وہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ صدر کے خادم نے اسکرین آن کر دی۔

”عالمی خبروں والا چینل لگا دیں۔“ صدر نے کہا۔

”جی بہتر۔“

اور پھر اسکرین پر خبریں چلنے لگیں۔ ان خبروں میں یہ خبر بھی تھی۔

”انسپیکٹر جمشید، انسپیکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز یہ تینوں پارنیاں کسی بھی ائر پورٹ سے جہاز پر سوار نہ ہونے پائیں۔ جس ملک کے ائر پورٹ سے جہاز پر سوار ہو کر یہ لوگ کسی دوسرے ملک گئے۔ اس ملک کی خبر نہیں۔ اس کی ایمنٹ سے ایمنٹ بجا دی جائے گی کوئی ملک اس ملک کا ساتھ نہیں دے گا۔ کسی نے ساتھ دیا تو اسے بھی نشانہ بنا دیا جائے گا۔“

یہ اعلان کئی بار دہرایا گیا۔

”یہ اعلان تو ہے صرف آپ لوگوں کے لیے۔ اس دکھا جیوں سونے کے سٹوں کا منظر۔ یہاں اسکرین پر ایک سفید پٹا ہاں طرف چمک رہی ہے۔ یہ پٹا صرف سونے کے سٹوں کا اعلان کرنے کے لیے ہے تاکہ لوگ فوری طور پر سٹوں کی بارش کا منظر دیکھ سکیں۔ سٹوں کی بارش سے چند منٹ پہلے اس سفید پٹا پر اس ملک کا نام آ جا رہا ہے۔ جس پر سٹوں کی بارش ہونے والی ہوتی ہے۔ جس لوگ بھی اس کو کھول کر دیکھتے ہیں۔ اسکرین پر وہ ملک نظر آنے لگتا ہے اور پھر اس ملک میں وہ سڑک نظر آنے لگتی ہے۔ جہاں بارش ہونے والی ہوتی ہے۔ لوگ فوراً ٹی وی آن کر دیتے ہیں اور اس شہر کے لوگ اس سڑک کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ لیجیے۔ سفید پٹا پر آپ کے ایک اسلامی ملک کا نام آ رہا ہے۔ اسکرین پر اب اسی ملک کو آپ دیکھ سکیں گے۔“

خادم نے ٹی وی سیٹ آن کر دیا۔ بے تحاشہ لوگ۔ پانگوں کی طرح ایک سمت میں دوڑنے لگے۔ ہاں لگا تھا جسے وہ دیکھنا سوار ہو گیا ہے۔ ہر ادھار لوگ دوڑ رہے تھے۔ انہی کو مل رہی تھی۔ جوش تھا تو صرف اس سڑک پر چلتے۔ وہ آواز کی آواز

ایسے گوتے نظر آئے، پھر اوپر گھن گرن سنا دی ... گویا کوئی لڑکا  
طیارہ اڑ رہا تھا ... اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سروں پر آ گیا ... اور ان گت  
ستے گرتے نظر آئے ... انہوں نے اپنی آنکھوں سے سونے کے سگنوں کی  
بارش ہوتے دیکھی ... لاکھوں ستے اوپر سے نیچے آ رہے تھے اور گویا پورا  
شہر اس سڑک پر امنڈ پڑا تھا۔

”آف مالک!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ان حالات میں یہ لوگ کیسے ہوش قائم رکھ سکتے ہیں ...  
پانچویں کتنے زخمی ہوتے ہوں گے ... کتنے کچلے جاتے ہوں گے ... کتنے  
کوئی چوٹ کھا بیٹھے ہوں گے۔“

”اسامی ملکوں میں یہ مناظر اب روز کا معمول بن چکے ہیں۔“  
صدر برتانی نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

”آپ کی اپنی ریاست کا کیا حال ہے۔“

”میری ریاست بھی میرے ہاتھوں سے سرکتی جا رہی ہے  
دوسرے حکمرانوں کی طرح میں بھی یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ میری  
حکومت اب کچھ ہی دنوں کی بات ہے ... پولیس اور فوج کے جوان بھی  
ان سگنوں کے لالچی بنتے جا رہے ہیں ... ہر کوئی چاہتا ہے، اس کے  
پاس سگنوں کا ذخیرہ لگ جائے ... اب اگر یہ لوگ۔“

صدر برتانی کے الفاظ بیان میں رہ گئے ... اس کے پاس ایک  
آواز ابھری تھی ... آواز میں بہت اہمیت گھن گرن تھی ... وہ کہہ رہی تھی  
... یوں لگتا تھا جیسے بولنے والے کی آواز خالص قسم کے پادوں میں سے  
ہو کر آرہی ہے ... آواز ان سے ... بلکہ پوری دنیا سے مخاطب تھی  
”سنو؟ لوگوں سنو ... سونے کے سگنوں کے شوقین لوگوں۔“

ایک نیا منظر ابھی دکھایا جانے والا ہے ... یہ واقعہ پہلی بار ہو گا اور  
اچانک ہو گا ... اب سے چپ ابھی تک کسی نے یہ نہیں سوچا ہو گا  
لیکن ہم اپنا کام شروع کر رہے ہیں ... ہم چاہتے ہیں ... لوگوں کو  
سونے کے سگنوں میں لا دیں ... وہ اتنے سگنوں کے مالک ہو جائیں  
جو ان سے اٹھائے بھی نہ جائیں ... آج ایک چھوٹی سی ریاست پر عام  
بارش ہونے والی ہے ... یہ بارش کسی ایک سڑک پر نہیں ہوگی ... کسی  
ایک علاقے میں نہیں ہوگی ... بلکہ پوری ریاست میں ہوگی ... پوری  
ریاست کے لوگ سونے کے ستے لوہیں گے ... اتنے ستے برساتے  
جائیں گے کہ آج تک ہم نے کسی جگہ نہیں برساتے ہوئے گئے ... اور  
اس کے بعد ہماری فوج ریاست میں داخل ہوگی ... ہماری فوج کا  
دانش دو گنے والوں کا اہتمام بہت جیادہ ہو گا ... ہر بھی ہمارے آواز  
اتے آواز دیا جائے گا ... یہ بات ابھی طرح قوت کر لیں ...



کے ... میں خبر نہیں ہوئی ... اس ریاست کے حکمران کے دن اب گئے  
جا چکے ... سونے کے سٹکوں کی بارش کے ساتھ ہی انہیں معزول کر دیا  
جائے گا ... وہ خود اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کریں گے اور ج  
ایسا نہیں کرے گا ... اس کا انجام بھیانک ہوگا ... جلد ہی اسکرین پر  
اس ریاست کا نام آپ لوگ دیکھیں گے ... اور صرف اس ریاست میں  
حکومت کا تختہ الٹتے دیکھیں گے ... اب انتظار کریں ... اسکرین پر اس  
ریاست کے نام کے آنے کا ... بس تھوڑا انتظار اور ...

ان الفاظ کے ساتھ اسکرین تاریک ہو گئی ...  
ایسے میں فرزاد کی سرسراہٹ آواز سنائی دی ۔  
"میں خوف محسوس کر رہی ہوں ۔"

☆☆☆☆☆

شش

ان سب کی نظریں فرزاد کی طرف گھوم گئیں ...  
"کیسا خوف ۔"

"یہ اعلان ہماری اس ریاست کے بارے میں نہ ہو ... اس  
کے بعد ہم یہاں سے نکلنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے ... اگلے کے  
موبائل پر ہم وہ مناظر دیکھ سکیں گے لہذا ہمیں یہاں سے نکلنے کی کرنی  
چاہیے ۔"

"تمہارا مطلب ہے ... فرزاد ... تم میں بھی آپ لوگوں کے  
ساتھ چلوں ۔"

"ہاں ! آپ بھی اپنے ہال بچوں کے ساتھ چلیں ... اور قریبی  
رشتہ داروں یا عزیزوں کو بھی خبردار کر دیں کہ جس کے جدمہ سینگ  
سٹاپ ... وہ اگلے جائیں ... اور اب وہ نہ کریں ...  
"ایک منٹ فرزاد ... کیا یہ مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے ..."

کہا۔

”سکے نہیں رہیں گے۔“

”اس طرح بھی تو صدر کے خلاف ملک میں نفرت پھیل جائے گی

کہ انہوں نے ہمیں سکے نہیں لوٹنے دیے۔“

”پروفیسر صاحب کی رائے درست ہے۔“ اسپیکر کا مہمان سرکار نے

کہا۔

”آپ لوگوں کا مطلب ہے کہ ہم نکل جائیں۔“

”ہاں جیشید... اس سارے منصوبے کا حل بہر حال چاہی ہوگا

... وہاں جائے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ہم اس ریاست میں

طیاروں کو اڑا بھی دیں تو وہ اور طیارے لے آئیں گے۔ اس وقت

طاقت میں وہ ہیں... ہم نہیں۔“ پروفیسر کہتے چلے گئے۔

”اچھی بات ہے... نکل چلیں پھر... سٹوں کی ہارش کا اعلان

ہم صدر کے سوبائک پر دیکھ لیں گے اور اگر اعلان ہماری ریاست کے

بارے میں ہوا تو واپس نہیں آئیں گے... ورنہ واپس آجائیں گے۔“

”ایک سوٹ... کیا اس طرح ہماری اس ریاست کے لوگ

بدول نہیں ہو جائیں گے... کہ انہیں چھوڑ کر حکومت کے اہل کار بن

لوگ قرار ہو گئے۔“

”اگر ہم لوگ نکل نہ گئے تو مارے جائیں گے۔“ یہ بھی تو سکے

کا حل نہیں ہوگا۔“ فرزانہ نے کہا۔

”میری تجویز اور ہے... مجھے ایک اسلامی جنگ کا نقشہ یاد آ رہا

ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے کفار نے ایک اعلان کیا تھا۔

اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے جوابی اعلان کر دیا... یہ تفصیل پھر سنی

ہمارے پاس وقت کم ہے... سکے گرانے کے لیے طیارے آئیں گے۔“

اسپیکر جیشید بہت جلدی جلدی کہہ گئے۔

”جی ہاں۔“ فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہم ان طیاروں کو اس قابل کیوں رہنے دیں... ہم انہیں فضا

ی میں کیوں نہ چاہ کر دیں... اس وقت ہمارے ساتھ خان رحمان

موجود ہیں... صدر کی فوج میں بھی فضائی جنگ کے دو چار ماہر تو نکل

سکیں آئیں گے... وقت ہوتا تو ہم اپنے ملک سے منگوا لیتے... لیکن خیر

اگر اعلان ہماری ریاست کے بارے میں ہونے والا ہے تو ہماری

ریاست کے لڑاکا طیارے پہلے ہی فضا میں آجائیں گے اور جونہی سکے

دھمانے والے طیارے آتے دکھائی دیں گے... ہم انہیں اڑا دیں

گے۔“

”لیکن اس سے کیا ہوگا جیشید۔“ پروفیسر واڈو نے پریشان ہو کر



مرزا کو ، صدر برٹانی نے پہلے ہی نوٹ کر لیا تھا کہ ایک طاقتور  
موجودہ کے لیے وہ اس کے پاس آ رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً انہیں  
ولی سے کہا تھا۔

”ضرور آئیں۔“

اور پھر آدھ گھنٹے بعد وہ اس ملک کے اتر پورٹ پر اتار دیے  
تھے۔ وہاں کے صدر ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ملک ملک  
ہوتے ہی انہوں نے کہا۔

”آپ نے بہت اچھا کیا۔“

”کیا مطلب۔“ وہ سب پوچھ اٹھے۔

”آپ کی ریاست میں۔۔۔ پوری ریاست میں سکنوں کی بارش کا  
اعلان ہو گیا ہے۔۔۔ یہ بارش کسی وقت بھی شروع ہو سکتی ہے۔“  
”اوہ!“ ان سب کے من سے نکلا۔

صدر برٹانی نے موبائل آن کر لیا اور سیٹ کے ذریعے عالمی  
خبریں لگا لیں۔ انہوں نے دیکھا۔ ریاست برٹانی ہی اس وقت  
اسکرین پر تھی۔ اور پوری دنیا کی توجہ اس وقت اس پر تھی۔  
ملک یہ جاننے کی فکر میں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور کیا ہوگا  
ایسے میں انہوں نے تقریباً کئی عوارض۔۔۔ لکھا کہ جہاں سے۔۔۔

”وہ تو ایسے بھی بدول ہو رہے ہیں۔ مزید ہوں گے  
سکنوں کا طوفان ختم ہو گا تو یہ نکتہ اترے گا اور لوگ حقیقت کی دنیا میں  
نظر آئیں گے۔ اس وقت تو نہ پولیس آپ کا ساتھ دے گی نہ فوج  
۔۔۔ ان وہ اس بات پر عمل کر لیں گے جس کا انہیں سکتے کرانے والے علم  
ہوں گے۔ اور دیکھا جائے تو وہ اپنے تجربے کی ابتدا کر رہے ہیں۔“  
انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

”تجربہ کی ابتدا۔۔۔ یہ۔۔۔ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“  
فاروق نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ اسے ایسے میں بھی ناولوں کا نام سوچ رہا ہے۔“  
احمد نے بھرا کر کہا۔

”نہیں ابھی۔۔۔ اسے کچھ نہ کہو۔۔۔ دیکھو نہ۔۔۔ ہم کس قدر  
پریشان کن لحاظ سے گزر رہے ہیں۔۔۔ ان حالات میں کوئی گفتگو بات  
جوصلے پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔  
”شکریہ انکل۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے سرکاری کاموں میں اتر پورٹ آئے۔  
وہاں صدر کا خصوصی حیارہ ہر وقت تیار رہتا تھا۔۔۔ وہ اس میں بیٹھ گئے  
اور ایک پڑوسی اسلامی ملک کی طرف پرواز کر گئے۔ اس ملک کے

میں آجائے... کوئی اس کا راستہ روکنے والا نہیں... صدر برٹانی اور اس کے بال بچوں کو گرفتار کر کے برٹانی چوک لے آئے جاتے... سب کے سامنے ان لوگوں کو پھانسی دے دی جائے۔"

"ارے باپ ارے۔" صدر برٹانی نے خوف کے عالم میں کہا۔ اور وہ مسکرا دیے۔

"اگر انہیں پتا چل گیا کہ صدر برٹانی اب یہاں ہیں تو دوسرا امیر اس ملک کا ہو گا۔ لہذا ہمیں یہاں سے بھی نکل جانا چاہیے۔" لیکن اس طرح کب تک بچ سکیں گے۔ "میرزاں صدر نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"یہی ہماری مہم ہے۔"

"کیا مطلب؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس خوفناک عذاب سے پوری اسلامی دنیا کو نجات دلانا۔"

اور اس کے لیے ہمیں ہر حال میں ہیران جانا ہو گا۔"

"ہیران... یہ کون سی جگہ ہے۔"

"ان لوگوں کا مرکز... ایک نامعلوم جگہ... ہمیں یہاں پہنچنے

پہنچے رہ گئے... اور اس وقت ہم وہیں جاتے۔"

"یہ تعلیمات بہت دلچسپ ہیں... لیکن غلط فہمی ہے۔"

میں آتے دیکھے... سب دم بخود ان کو دیکھ رہے تھے... دیکھتے ہی دیکھتے وہ برٹانی کی فضا پر چھا گئے... ریاست برٹانی تھی ہی کتنی... ایک بڑے شہر جتنی بھی نہیں تھی۔

پھر ان طیاروں سے انہوں نے ان گنت سونے کے سیکے گرتے دیکھے... وہ سیکے میں آگئے... اتنے سیکوں کے گرنے کے بارے میں تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا... پانی کے قطروں کی جگہ سونے کے سیکے برس رہے تھے اور اس بارش میں برٹانی کے لوگ پاگلوں کی طرح نہارے تھے... وہ اپنی جھولیاں اس سیکوں سے بھر رہے تھے... یہ بارش ایک گھنٹے تک جاری رہی... پھر برٹانی کی فضا میں یہ اعلان گونجا۔

"برٹانی کے لوگوں اس ریاست کے مالک اب تم خود ہو... اپنے حکمران کو گرفتار کر لو... اس کی ساری کابینہ کو گرفتار کر لو... اس کے بعد فوجی حکمرانوں کو چاہیے... ریاست کا انتظام وہ سنبھال لیں... ہم ہر طرح ریاست کی مدد کریں گے... ریاست اس قدر مال دار ہو جائے گی کہ ہر شخص کی اپنی گاڑیاں ہوں گی... اپنے محل ہوں گے... ہر چیز اس کی اپنی ہو گی... جہازوں میں گھومیں گے... پھریں گے... پیش کریں گے... ہر طرح کی پیش... ہاں تو شاہاں... فوج حرکت



اس وقت ہے یا نہیں میرا خیال ہے ... آپ لوگوں کو یہاں سے  
بھی نکل جانا چاہیے۔"

"اوہ ... ارے ہاں ... واہ۔" ایسے میں فرزانہ نے انہیں  
کہا۔

"کہا ہوا فرزانہ۔"

"ہمارے لیے اب ایک ہی جگہ بچی ہے ... فی الحال ہمیں وہاں  
جانا ہوگا ... لیکن وہاں ہوائی جہاز لینڈ نہیں کر سکے گا ... راکنڈوم میں  
اتنے آدنی آئیں گے نہیں ... لہذا ایک یا دو بڑی لائینچوں کی ضرورت ہو  
گی جو برنائی تک جا سکے ... کیونکہ ہم برنائی سے اس جگہ تک جا  
سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

"بہت خوب فرزانہ ... ان سنگین حالات میں تمہارا دماغ خوب  
کام کر رہا ہے ... کیونکہ نزدیک ہی سہراں کا راستہ موجود ہے۔"

"اگرچہ ہم۔" خان رحمان کہتے کہتے رک گئے۔

"اگرچہ ہم کو بعد میں دیکھ لیں گے ... فی الحال تو یہاں سے  
نکلیں۔"

وہ اسی وقت ایک بڑی لائینچ میں برنائی کی طرف روانہ ہوئے  
اور برنائی میں بھی وہ صرف سمندر میں اس جگہ تک پہنچے جہاں سے اس

جزیرے کی طرف راست چلتا تھا ... بس وہیں سے جزیرے کی طرف  
آگئے۔

اس راستے پر آنے کے بعد ان سب نے اطمینان کا سانس لیا۔  
"میرا خیال ہے ... ہمیں ایکورم جانے کی ضرورت نہیں۔"

فرزانہ بڑبڑائی۔

"کیا ہو گیا ہے فرزانہ ... ترکیبوں پر ترکیبیں پتا رہی ہوں۔"

فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"اس وقت ضرورت بھی تو اسی کی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اس میں شک نہیں۔" آفتاب کی آواز گونجی۔

"کس کی۔" آصف نے پوچھا۔

"ترکیبوں پر ترکیبوں کی۔"

"ہاں واقعی ... اس میں بھی شک نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"اب کیا بات ذہن میں آئی ہے فرزانہ ... بھلا ایکورم پہنچے بغیر

ہم کیا کر لیں گے ... جب کہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ سہراں کے

بعد راست ایکورم سے جاتا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے ... لیکن ایکورم میں ہمارے لیے ان سخت خطرات

مکھولے کھڑے رہیں گے ... جب کہ اس طرف فی الحال کوئی خطرہ

نہیں۔ اب جب کہ ہم ایک بار پھر اس جزیرے پر اور جڑیں...  
اس درخت تک جاسکتے ہیں... تو کیوں نہ اسی راستے سے ایک طرف  
اور کر لی جائے۔"

"فرزانہ کی بات دل کو لگتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سر  
میں گم انداز میں کہا۔

"اس بار ہم راکڈوم میں باتیں نہیں کریں گے... وہاں  
سہراں میں ہماری باتیں سن لی گئی تھیں... دوسرے یہ کہ اب ہمیں  
کے پروگرام کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی ہیں... اب ہمارے  
درخت کے ذریعے نیچے جانے سے پہلے اوپر نظریں جما کر بیٹھ جائیں  
گے... جب کوئی پارٹی آئے گی تب ان کا طریقہ کار دیکھیں گے  
اور اس کے بعد حرکت میں آجائیں گے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"لگتا ہے... فرزانہ کی بجائے ہم سب کے دماغ شل ہو گئے  
ہیں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"پہلے کوئی بات نہیں... صرف فرزانہ کے دماغ سے ہی کام چلے  
گئے۔" فرحت نے منہ بنایا اور وہ مسکراتے گئے۔

آخر وہ اس جزیرے تک پہنچ گئے...  
"اس کیس میں یہ جزیرہ بے چارہ ہمارے بہت کام آ رہا ہے۔"

ایک طرف سے یہ نامہ انٹھن بنا ہوا ہے۔"

"اور اس جنگل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بے چارہ جنگل تو ہماری خاطر ہیں کرنا کچھ ہو گیا... اس کے  
جنگلی بھی ڈوب گئے... یہاں تک کہ جنگل کے تمام درختے سمندر میں  
چلے گئے... پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" صدر ایٹمی نے  
کہا۔ دوسرے میزبان صدر ان کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ فی الحال وہ  
تیل دیکھنا چاہتے تھے اور تیل کی دھار۔

"اس جزیرے پر کچھ کھانے پینے کے بعد ہم آپ کو ساری تفصیل  
سنائیں گے... کیونکہ اب ہمیں بہر حال فرصت کے لمحات میسر آنے  
والے ہیں... لالچ پر کھانے پینے کا اور دوسرا ہر طرح کا سامان تو موجود  
ہے نا۔"

"فکر نہ کریں... یہ سامان کم از کم ایک ماہ کے لیے کافی ہے۔  
پھر اس پر جدید اسلحہ بھی موجود ہے... رسیاں اور لوہے کی زنجیریں بھی  
موجود ہیں... ضرورت کی ہر چیز پہلے سے اس پر موجود ہوتی ہے۔  
کیونکہ سربراہ لوگوں پر کسی بھی قسم کے حالات آسکتے ہیں... کہ وہ انہیں  
مکڑے بے مکڑ اور بے مکڑ سے بھی آگے بے مکڑ بن جائے۔"



قرار کی تیاریاں بھی یہ لوگ مکمل رکھتے ہیں... اس جزیرے سے ہر طرف  
کے حملہ آور ہونے کا خوف نہیں ہے تو یہاں ہم ایک ماہ گزار سکتے ہیں  
بیس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہوگی۔"

"شکریہ اٹکل... آپ بہت اچھے ہیں... دیکھا جائے تو اس  
کیس میں آپ قدم قدم پر ہمارے کام آئے ہیں۔"

"لیکن یہ کچھ بھی نہیں... میری ریاست کے لیے جو کام انپکڑ  
جھید نے کیے ہیں... ان کاموں کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں  
ان گنت مرتبہ میرے خلاف سازشیں ہوئی ہیں... ہر سازش انپکڑ جھید  
نے ناکام بنائی ہے... ان کی مدد کے مقابلے میں تو میں کچھ بھی ان  
کے کام نہیں آسکا۔"

"بس کریں صدر محترم... مجھے شرمندہ نہ کریں۔" انپکڑ جھید  
نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ اچھا... معاف کرنا... میں تو بھول ہی گیا تھا۔" صدر  
نے گھبرا کر کہا۔

"کیا بھول گئے تھے اٹکل۔"

"یہ کہ انپکڑ جھید کو شرمندہ ہونا پسند نہیں۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"میں وہ حالات سننا چاہتا ہوں... یعنی اس جزیرے سے  
اس جنگل کے اور جنگل سے آگے کے۔"

"اس سے پہلے میں یہ جانتا چاہوں گا کہ یہ لائیو آب دوز بھی  
ہے نا۔"

"بالکل ہے۔"

"بس تو پھر اسے پانی کے نیچے کر دیا جائے... کیونکہ اس طرح  
اس طرف کوئی نہیں آئے گا... لائیو کو جزیرے کے کنارے دیکھ کر کوئی  
بحری جہاز... یا ڈاکوؤں کا جہاز آ سکتا ہے... یا پھر سہران کے جاسوس  
بھی آ سکتے ہیں۔"

"سہران کے جاسوس... میرا خیال ہے... یہ بھی تو کسی مادل کا  
نام ہو سکتا ہے۔"

"ہونے کو... اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" شکی کی آواز

ابھری۔

"ہے کوئی شک۔" محمود نے بھٹا کر کہا۔

"کس بات میں۔" آصف نے پوچھا۔

"اس بات میں کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"کہ تو اس طرح رہے ہو... جیسے آج تک بے گناہات ہوئے

کہے ... دو سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے ... خوف زدہ بھی ہوتے رہے اور پر جوش بھی ... نظم آتے رہے ... یہاں تک کہ انہوں نے تمام حالات سنا دیے ... ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔  
 "تب تو یہ انتہائی مشکل مہم ہے ... مجھے تو نہیں لگتا کہ آپ لوگ اس راستے سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کریں گے ... درخت کے ذریعے سب لوگ نیچے پہنچ جاتے ہیں ... وہاں آپ لوگوں کے لیے تو راکٹروں آئے گا نہیں ... جن لوگوں کو یہاں سے بھیجا جائے گا، وہ تو ان لوگوں کے لیے آئے گا۔"

"ہاں! لیکن پہلے ہم ان کا طریقہ کار دیکھیں گے۔"  
 "خیر ... اب ... اس قسم کی مہمات آپ لوگوں کا کام ہے۔"  
 "میرا نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں ... اللہ کی مہربانی سے ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیا کرتے ہیں اور نکال ہی لیں گے ... لیکن ہم آپ کے لیے پریشان ہیں۔"

"اور کیوں؟"

"ہم آپ کو اس مہم پر نہیں لے جاسکتے۔ آپ کیا کریں گے۔"

"میں۔"

کئی ہی نہیں۔ "شوکی نے برا سامنا بنایا۔

"دیکھو بھی ... لڑنے پر تو ... اس جزیرے پر میں تمہاری کوئی لڑائی بھڑائی برداشت نہیں کروں گا۔"

"کیوں جمشید ... اس جزیرے پر لڑنے بھڑنے سے کیا ہو جائے گا۔" خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"حد ہو گئی ... خان رحمان ... ایک تو تم بھی بس ... ان کی طرف داری کرنے پر تے رہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہاں انکل واقعی ... کم از کم آپ ٹھکانہ کریں ... اور جو جہازیں میں آئے کیا کریں۔"

"ہاں تو وہ تم حالات سن رہے تھے۔" صدر نے جلدی سے کہا۔  
 "آپ نے اچھا کیا ... اپنے خاندان کے لوگوں کو ادھر نہیں لائے ... ورنہ وہ سب پور ہوتے۔"

"ان کی فکر نہ کرو ... اس قسم کے حالات میں ہم لوگوں نے پہلے ہی طے کیا ہوتا ہے کہ انہیں کہاں جانا ہے ... لہذا وہ بھی ساتھ ہی محفوظ جگہ پر پہنچ چکے ہیں۔"

"اور! تب تو ٹھیک ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے انہیں حالات سنائے شروع



”اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا کرتے ہیں... آپ فکر نہ کریں... ہاں آپ کی رہائش کے حالات کسی طرح معلوم ہو سکتے ہیں...“

”سمندر میں موبائل کہاں کام کرے گا... حالات ٹھیک ہوں؟ چاہیے تھا... بس جلدی میں یہ چیز بھول آئے۔“

”خیر اللہ مالک ہے۔“ خان رحمان بولے۔

وہ رات انہوں نے جزیرے پر بسر کی... دوسرے دن جنگل میں پہنچ گئے... صدر برٹانی وہیں رہ گئے... ان کے ساتھ لالچ کا عملہ تھا... جنگل کے کنارے نشیبی سمندر والی سمت وہ لالچ سے اتر گئے... لالچ واپس چلی گئی تو انہوں نے اس درخت کا رخ کیا... جلد ہی وہ درخت کے پاس پہنچ گئے... درخت جوں کا توں موجود تھا... انسپکٹر جمشید نے پیچھے رہتے ہوئے ایک شاخ سے اس جگہ دباؤ ڈالا جو آدمی کو سیدھا نیچے لے جاتی تھی... وہ جگہ فوراً دب گئی... اس کا مطلب تھا... نظام چالو تھا... انہوں نے شاخ ہٹالی تو راستہ خود بخود بند ہو گیا۔

”اب ہمیں ایک دو دن جنگل میں گزارنے ہوں گے... شاید اس سے بھی زیادہ دن... لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں... بہراں کی طرف کوئی بھیجا جائے گا... تبھی کوئی اس طرف آئے گا۔“

”کیوں... میں کیا کرتا... کچھ وقت جزیرے پر رہوں گا... پھر کسی دوست کے ہاں چلا جاؤں گا... میرے ایسے دوست ہیں جن حالات درست ہونے تک مجھے چھپائے رکھیں گے۔“

”لیکن اس صورت میں لالچ یہاں نہیں رہے گی... اور لالچ کی ضرورت ہمیں پیش آسکتی ہے۔“

”یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں... میرا عملہ لالچ پھر یہاں لے آئے گا... ہم لوگوں کے جان نثار لوگ ہوتے ہیں... وہ ہم پر جانیں دے دیتے ہیں... ہمیں پہچانے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں... لہذا آپ لوگ اس بارے میں فکر نہ کریں۔“ انہوں نے پر سکون آواز میں کہا۔

”اچھی بات ہے... اب ہم آپ کے لیے فکر مند نہیں ہوں گے۔“ فاروق نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے... ہم اپنے لیے فکر مند ہو سکتے ہیں۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”ہونے کو ہو سکتے ہیں... لیکن یہ ضروری نہیں۔“

”میری سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آ رہی کہ آپ لوگ کریں گے کیا۔“

## سبران میں

انہوں نے فوراً فرزانہ کی طرف دیکھا ... اس نے وہی آواز میں  
کہا۔

”کچھ لوگ درخت کی طرف آرہے ہیں۔“  
”اوہ! تب تو ہمیں دم سادھ لینے چاہئیں۔“ خان رحمان نے

کہا۔  
”اچھی بات ہے ... سادھ لیتے ہیں ... تارا کیا جاتا ہے۔“

آصف مسکرایا۔  
”اوہ بھائی ... آواز آہستہ۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”مم ... معافی چاہتا ہوں۔“

”خوش ... ٹھیک ہے ... کوئی بات نہیں۔“

”اچھا بس ... اب کوئی آواز میں بھی نہ ملے ... اگرچہ  
یہاں دیواریں نہیں ہیں، لیکن ان کے کان چمک رہے ہیں۔“

”کھانک ہے۔“

”ہیں اس درخت سے کافی دور ڈیرہ ڈالنا ہوگا۔“ ایسی جگہ  
جہاں سے ہم تو اس درخت کو دیکھ سکیں ... لیکن اس درخت کے پاس  
پاس سے کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ ادھر ادھر محوم پھر کر ایسی جگہ تلاش کرنے لگے ... کافی دور  
ایک گھا جھنڈ تھا ... سب لوگ اس جھنڈ میں بیٹھ گئے ... اس جگہ سے  
درخت صاف نظر آتا تھا ... انسپکٹر جمشید اس درخت تک گئے اور وہاں  
سے جھنڈ میں بیٹھے اپنے ساتھیوں کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگے ... لیکن  
کوئی نظر نہ آسکا ... آخر مطمئن ہو کر واپس سب کے پاس آگئے ...  
ایسے میں فرزانہ نے منہ سے آواز نکالی۔  
”شش؟“

☆☆☆☆☆



کان ہوتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"رز... زمین کے کان... ارے باپ ارے... " فاروق نے  
بوکھا کر کہا۔

"دیکھا آپ نے... یہ اور خاموش ہو جائے... اب یہ کہے گا  
یہ تو کسی ہول کا ہم ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے بھٹکا کر کہا۔

"اب کیا کہوں گا... تم جو کہہ چکے۔" فاروق نے منہ بنایا۔  
"معلوم ہوتا ہے... تم کھیل خراب کرو گے... اگر ان لوگوں کو  
ہماری یہاں موجودگی کا احساس ہو گیا... تو ہماری ساری محنت ضائع ہو  
جائے گی۔"

"اب ہم نہیں بولیں گے... آپ بولنے کے لیے کہیں گے۔  
تب بھی نہیں بولیں گے... جی ہاں اور کیا... البتہ۔" آفتاب یہ کہہ  
رہا تھا کہ فرزانہ نے اسے ٹوک دیا۔

"تو یہ ہے تم سے... نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل۔"

"اچھا بس... ختم۔" انسپکٹر جمشید نے انتہائی سرد آواز میں کہا۔

انہوں نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے... ان کے چہروں پر  
خوف چھا گیا... انہیں اس قدر خوف زدہ دیکھ کر ان کی ہنسی نکل گئی...  
اور ہنسی بھی آواز والی۔

"جمشید... اب تمہاری ہنسی کی آواز جو نکل گئی۔" خان رحمان  
بول پڑے۔

"اور اب تم جو بول اٹھے ہو۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود خاموش نہ رہ سکا۔

"بس ہو مجھے ہم خاموش۔" انسپکٹر جمشید غزائے۔

"اللہ کا شکر ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا۔"

"سب کے خاموش ہونے پر۔"

"حد ہو گئی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنے بتایا۔

"اب میں مار بیٹھوں گا۔"

انہوں نے ایک بار پھر دم سادھ لیے... آخر کوئی ایک گھنٹے بعد

کچھ لوگ آتے نظر آئے... وہ اس سمت سے آرہے تھے... جس سمت

میں پہلے جنگیوں کے جھنڈے تھے... اور جس جگہ اس وقت وہ تھے

... وہ سمندر کے کنارے کے پاس والی جگہ تھی... اس طرف کے

درخت ملتے سے فنا گئے تھے۔

اب انہوں نے درختوں کی جگہ سے ابھرنے لگا۔

جس میں اس کے قریب خواب پائی تھے... اس کے ساتھ ہی مرزا...

خواتین تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔  
آخر وہ اس درخت تک پہنچ گئے جس کے نیچے وادی میں جہاز  
تھا۔ اس وقت انہوں نے سنا ایک نقاب پوش کہہ رہا تھا۔

”آپ لوگ بالکل نہ ڈریں... آپ کو قطعاً کوئی چوٹ نہیں لے  
گی۔ ہم بہران میں یہ خبر دے چکے ہیں کہ نیچے عدد مہمان وادی میں  
پہنچنے والے ہیں۔ بس وہ ادھر سے ٹیلی کا پٹر نما ایک جہاز بھیج دیں  
گے۔ وہ جہاز بالکل سیدھا نیچے اترتا ہے اور اسی طرح بالکل سیدھا  
اوپر اٹھتا ہے... بہت اوپر جا کر اپنی منزل کا رخ کرتا ہے۔“ گویا  
میں بہران کے اوپر پہنچ کر وہ نیچے اترے گا... وہاں آپ کو وصول کر لیا  
جائے گا اور آپ کے ذمے جو کام ہے وہ لگا دیا جائے گا... پھر جتنے  
دن آپ لوگوں کو وہاں ٹھہرنا ہے... آپ وہاں رہیں گے، اس کے بعد  
آپ کو واپس آپ کے شہر پہنچا دیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ باقی معاملات تو طے ہیں ہی۔“ ان میں سے  
ایک نے کہا۔

اور پھر وہ باری باری نیچے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد  
نقاب پوش وہاں سے واپس لوٹ گئے... جب وہ اس قدر دور پہنچ گئے  
کہ وہ سزا کر انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے تو وہ سب بھی اسی سمت میں ہل

پڑے۔ احتیاط کے طور پر وہ اب بھی وہاں کی بات لے کر ہل  
رہے تھے۔ درخت کے کھمبوں میں پکے تھے۔ کچھ دھمکی  
ابھی کھڑے تھے۔ اور انہوں نے یہ دیکھ کے بھی کھڑے نہیں ہو  
رہے تھے۔ وہ ان کے درمیان سے آگے بڑھتے رہے۔ انہوں نے  
اپنے ہونٹ مضبوطی سے بچھپے ہوئے تھے۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جس جگہ پہلے انہوں کے ہمراہ  
تھے۔ انہوں نے دیکھا۔ وہاں ایک ٹیلی کا پٹر نما تھا۔ ان کے  
دیکھتے ہی دیکھتے وہ دس کے دس ٹیلی کا پٹر میں سوار ہو گئے۔ اور  
ساتھ ہی ٹیلی کا پٹر اٹھنے لگا۔

”یہ... یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“

”جی ہاں! ہم نے حالات کا جائزہ لے لیا ہے۔ اصل مسئلہ ہے  
... راکڈوم کا۔ اس میں دس ہزار آدمیوں سے زیادہ کی تعداد ہے۔  
پھر جو لوگ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں۔ ان سے بھی تو بات  
کرنا ہوگی۔ انہیں وہاں چھوڑ کر ہم نہیں جاسکتے، لہذا ہمیں صبر کرنا  
ہوگا۔ فوراً کرنا ہوگا۔“

”انہیں وہاں چھوڑنا ہی تو مقصد نہیں کہ اب یہاں کی  
آگاہی ہے۔“ جواب دیا۔



ہیلی کا پٹر سے اترتے ہی وہ وہاں سے تھل پڑے۔ غور سے اس درخت تک جانا تھا انہیں۔ اب انہیں تعاقب کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ کافی دیر بعد ان کے راستے سے ہٹ کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ درخت کے پاس پہنچے تو وہ ان دونوں کو گرا دیکر وہاں سے بھاگے تھے۔ انہوں نے درخت کی طرف چلنا جاری رکھا۔ جب وہ درخت تک پہنچے۔ تب تک وہ نقاب پوش واپس جا چکے تھے۔ انہوں نے ہیلی کا پٹر کی آواز سنی۔

”آؤ دوستو... اللہ تعالیٰ نے ایک موقع ہمیں پھر دیا۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔“

وہ باری باری کو د گئے۔ سیدھے اسٹیج پر گرے۔ اس وقت وہاں اندھیرا تھا۔ آخر روشنی ہونے لگی۔ انہوں نے دیکھا۔ ان سے پہلے آنے والے دونوں شخص بے سدھ پڑے تھے۔ گویا بے فکر ہو کر سو رہے تھے۔ ایسے میں انہوں نے راکنڈوم کی آواز سنی۔ آواز سنتے ہی وہ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر ان سب کو دیکھ کر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

اسٹیکر جمیڈ نے انہیں ہونٹوں پر اُلی دکھا کر خاموشی سونے کا اشارہ کیا۔ وہ ہکا بکا ہو گئے۔ ہر ایک کی آنکھیں ابھریں۔

”ہاں! ہمیں نہیں معلوم۔ لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اگلے والے راستے کا ہمیں پتا نہیں ہے۔ وہاں جاتے ہیں تو اور زیادہ مسائل سامنے ہوں گے۔ یہ راستہ تو پھر آسان لگ رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ جمشید... تم فکر نہ کرو۔۔۔ ہمیں تو تم جو کیوں کہ ہم کریں گے۔“ پروفیسر داؤد نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ”مطلب یہ کہ ہمیں اب اس جنگل میں ہی رہنا ہو گا۔“

”جانے کو پھر جزیرے پر بھی جا سکتے ہیں۔۔۔ لیکن وہاں جا کر کی فائدہ۔۔۔ ادھر یہ جگہ ہم چھوڑ نہیں سکتے۔۔۔ ورنہ پتا ہی نہیں چلے گا۔۔۔ لوگ کب آئے اور آکر چلے گئے۔۔۔ اس لیے مجبوری ہے۔۔۔ ہمیں یہاں ٹھہرنا ہو گا۔۔۔ ہمارے پاس خوراک کا ذخیرہ موجود ہے۔۔۔ پینے کا پانی بھی ہے۔۔۔ لہذا ہم بے فکری سے یہاں رہ سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کندھے اچکا دیے۔

اور پھر تین دن گزر گئے۔۔۔ تین دن بعد صبح سویرے انہوں نے ہیلی کا پٹر کی آواز سنی۔۔۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔۔۔ سب لوگ تیار ہو گئے۔۔۔ آخر ہیلی کا پٹر اترتا نظر آیا۔۔۔ وہ بالکل اسی جگہ اترتا تھا جس جگہ انہوں نے پہلے دیکھا تھا۔۔۔ اس میں سے صرف دو آدمی اترے۔۔۔ باقی دس وہی تھے۔۔۔ یعنی نقاب میں۔۔۔

عجب نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

وہ دونوں غیر ملکی تھی۔ اور چال ڈھال سے مسلمان لگے۔  
تھے۔ وہ چاہتے تو انہیں ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ لیکن یہ باہمی  
انسانوں کا خون بہانا ہوتا۔ اس لیے انہوں نے ایسا نہ کیا۔  
البتحیٰ یہ تھی کہ ان سے بات کس طرح کریں۔۔۔ اوپر سے راکڈوم آگ  
تھا۔۔۔ وقت کم تھا۔۔۔ اور اس صورت حال کے لیے انہوں نے پہلے  
کچھ نہیں سوچا تھا۔۔۔ ایسے میں فرزانہ ان دونوں کے پاس چلی گئی۔  
دہلی آواز میں کچھ کہنے لگی۔۔۔ آواز اس قدر کم تھی کہ خود وہ بھی نہ  
سکے کہ وہ ان سے کیا کہہ رہی ہے۔۔۔

فرزانہ کی بات سن کر وہ مسکرا دیے اور سر ہلانے لگے۔۔۔ البتہ  
بہت حیرت ہوئی کہ فرزانہ نے آخر ایسا کیا کہا ہے۔۔۔ کہ وہ مطمئن ہو  
گئے ہیں۔ لیکن وہ فرزانہ سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے۔۔۔ بہر حال  
وقت کسی کو کوئی بے چینی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ یعنی اب وہ اپنے  
دوسرے کے بارے میں البتہ شکار نہیں رہ گئے تھے۔۔۔ وہ سوچے  
لگے۔۔۔ آخر فرزانہ نے ان سے کیا کہا۔۔۔ ایسے میں راکڈوم زمین سے  
آگ۔۔۔ پائلٹ نے انہیں اس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور وہ ہائی  
بارنی۔۔۔ سب اس میں داخل ہو گئے۔۔۔ پائلٹ نے کچھ بھی نہ کہا۔

سمو یا اسے آنے والوں کی تعداد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور  
راکی سے بات کرنے کے بعد وہ یہ بات جان چکے تھے۔۔۔ کہ پائلٹوں  
کو تعداد کا پتا نہیں ہوتا۔۔۔ انہیں تو بس راکڈوم کو سہارا ہے ان ہائی  
میں لانا ہوتا ہے اور وہاں سے مسافروں کو لے جانا ہوتا ہے۔۔۔ اس  
نے یہ بھی بتایا تھا کہ کبھی آنے والوں کا معاملہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا  
ہے۔۔۔ یعنی راکڈوم پہلے پہنچ جاتا ہے اور مسافر کسی قدر لیٹ ہو جاتے  
ہیں۔۔۔ اس صورت میں پائلٹ وہاں رک کر انتظار کر لیتا ہے اور لوگوں  
کے آگے پر انہیں راکڈوم میں بٹھا کر روانہ ہو جاتا ہے۔۔۔ پہلی بار  
جب وہ کود گئے تھے تو ان کے معاملے میں یہی ہو تھا۔۔۔ اصل لوگ  
ابھی نہیں پہنچے تھے۔۔۔ وہ لیٹ تھے۔۔۔ پائلٹ انہیں دیکھ کر سمجھا کہ یہی  
لوگ ہیں۔۔۔ لہذا وہ انہیں لے کر روانہ ہو گیا۔۔۔ راستے میں اگر وہ  
بات چیت شروع نہ کر دیتے تو سہارا والوں کو پتا بھی نہ چلتا۔۔۔ پائلٹ  
اگر کوئی بات کرے گا بھی تو وہ دونوں کو بات کرنے کے لیے کہیں گے  
۔۔۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید کی سمجھ میں وہ بات آگئی۔۔۔ جو فرزانہ نے ان  
سے کہی تھی۔۔۔ وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگے۔۔۔ فرزانہ نے میں  
وقت پر بہت خوب صورت چال چلی تھی۔۔۔

راکڈوم اوپر اٹھ رہا تھا۔۔۔ اور وہ سب خاموش تھے۔۔۔



پہنچنے کے بعد اس کا سفر بہران کی طرف شروع ہوا۔ انہیں معلوم تھا۔ سفر مختصر سا تو ہے نہیں۔ لہذا انہوں نے اپنے ایک مصنوعی نیند جاری کر لی۔ اور دل میں دعا کرنے لگے کہ پانٹ میں سے بھی کوئی بات نہ کرے۔

ایسے میں انسپکٹر جمشید کو بھی ایک زوردار خیال آیا۔ انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ آنکھوں کی آنکھوں میں اسے ٹرانس میں لے آئے تھے اور اشاروں کی اشاروں میں اسے ہدایات دیں۔ تم سو جاؤ۔ گہری نیند۔ راکڈوم کے ایٹا منزل پر اترنے کے ساتھ ہی تم بیدار ہو گے۔ وہ فوراً ہی سو گیا اور اس کی گردن سینٹ پر ڈھلک گئی۔ یہی سلوک انہوں نے دوسرے سے کیا۔ وہ بھی گہری نیند سو گیا۔ اس کے بعد ان کے لیے سونے کی اداکاری کرنا کیا مشکل تھا۔ اب اگر پانٹ ان سے کوئی بات بھی کرے تو وہ کیوں جواب دیے لگے تھے۔ ان دونوں کی طرف سے انہیں کوئی بے غری ہو گئی تھی۔

اس طرح ان کا سفر بغیر رکاوٹ کے جاری رہا۔ بغیر بات چیت کے جاری رہا۔ اور پہلے والا معاملہ پیش نہ آ سکا۔ گویا وہ بال بال نچ گئے۔ اور اللہ کو یہی منظور تھا کہ وہ اس بار بہران پہنچ ہی جائیں۔

وہ دل ہی دل میں اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ سارا سفر بہران پہنچنے پر ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ یہ تو انہیں معلوم ہی نہیں تھا۔ معلوم تھی تو یہ بات کہ وہ اس بار بہران پہنچنے والے ہیں۔

فی الحال ان کے لیے یہی اطمینان کافی تھا۔

اور پھر انہوں نے محسوس کیا راکڈوم بادلوں میں سفر کر رہا ہے۔

سمبرے بادلوں میں۔ گویا اب ان کا سفر بادلوں میں شروع ہوا تھا۔

راکڈوم نے ابھی اترنا شروع نہیں کیا تھا۔ مسلسل آگے کی طرف جا رہا تھا۔ انہیں یاد تھا۔ راک کی نے انہیں کیا کہا تھا کہ بہران کا سفر اس

وادی سے آٹھ گھنٹے کا ہے۔ اور ابھی صرف چھ گھنٹے گزرے تھے۔

گویا دو گھنٹے باقی تھے۔ جب کہ راکڈوم کی رفتار لڑاکا طیارے سے بھی

زیادہ تھی۔ اس لحاظ سے ان کا سفر بہت طویل فاصلاتی سفر تھا۔ وہ

سوچنے لگے۔ آخر راکڈوم کس طرف جا رہا ہے۔ اس جنگل سے اگر

سفر کا حساب لگایا جاتا اور چاروں سمتوں میں اتنی دیر سفر کیا جاتا تو وہ

کہاں کہاں پہنچ سکتے تھے۔ آبادی کی طرف سفر تو انہیں صرف آباد کسی

ملک ہی میں لے جاتا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ راکڈوم کے

سفر اور صرف سمندر کے اوپر ہی سفر کیا تھا۔ اور بالکل سمندری سفر

ختم ہونے پر یہ سمندر کے بالکل فاصلے ان کے راستے میں آتے تھے۔

وہ شیشوں میں سے نیچے جھانکنے لگے۔ انہوں نے اس کے قریب سفید پوشوں کو راکڈوم کی طرف آتے دیکھا۔ گویا یہ ان کے میزبان تھے۔ نزدیک آکر انہوں نے پائلٹ کو اشارہ کیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

”نیچے اتر جائیں۔“

وہ پہلے ہی آنکھیں کھول چکے تھے۔ اور اب سوتے رہنے کی اوجھاری کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ لہذا باری باری نیچے اترتے چلے گئے۔ ان سفید پوشوں نے کوئی بات کہے بغیر انہیں ایک ست میں چلنے کا اشارہ کیا۔ راکڈوم جس جگہ اتر اٹھا، وہاں کوئی عمارت نہیں تھی۔ صرف درخت اور پودے لہلہا رہے تھے۔ یہ بالکل بچھا فرش تھا۔ فرش ایک راستے کی طرح تھا۔ اس کے دونوں طرف پودے تھے۔ راکڈوم اس راستے کے سرے پر تھا۔ اور راستے کے سرے پر ہی وہ وہ سفید پوش آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

اب وہ ان سفید پوشوں کے آگے آگے چل رہے تھے۔ سفید پوشوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ البتہ ان کے پیروں پر دوستانہ مسکراہٹیں ضرور تھیں۔ اس منت تک پہنچنے کے بعد ان کے سامنے ایک سفید رنگ کی بہت لمبی عمارت آگئی۔ گویا ان کے سامنے

”سب بادلوں کو دیکھے جا رہے تھے۔ ابھی انہوں نے انگلیوں سے اس حد تک بند کر رکھی تھیں کہ سوتے نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہ بادلوں کا غور سے جائزہ لے رہے تھے۔ اس وقت اگر وہ یوں سے قابل ہوتے تو ضرور ان بادلوں پر باتیں کرتے۔ لیکن افسوس! اس وقت وہ بالکل خاموش رہنے پر مجبور تھے۔ پھر دو گھنٹے پورے ہو گئے۔ راکڈوم اترنے لگا۔ اس وقت پائلٹ نے ان سے کہا۔

”انچہ جاییے۔ ہماری منزل قریب آگئی۔“

انہوں نے اب بھی آنکھیں نہ کھولیں۔ پائلٹ برے برے ہونے لگا۔ آخر اس نے کہا۔

”اس حد تک سونے والے لوگ تو میں نے آج تک نہیں دیکھے۔ پورے سفر میں سوئے رہے ہیں۔“

اب انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ان میں بے چلنے کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ گویا وہ خود ہی جاگنے والے تھے۔ پھر جوئی راکڈوم زمین پر لگا، ان دونوں نے آنکھیں کھول دیں۔

”ہم۔ ہم کہاں پہنچ گئے۔“

”آپ لوگ بہت سوئے۔ اپنی منزل پر آگئے ہیں۔ ابھی آپ کے میزبان آتے ہی ہوں گے۔“



## جیرال

پھر اس کے منہ سے نکلا۔

”اس وقت تو صرف دو مہمانوں کو آنا تھا۔ یہ اتنے بہت سے کیسے آگئے... گلٹا ہے گڑ بڑ ہے... کہیں غلطی سے دو بار کے مسافر ایک بار تو نہیں آگئے... آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔ میں معلوم کرتا ہوں۔“ اس نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا سامنے والے کمرے میں چلا گیا۔

جلد ہی اس کی واپسی ہوئی... اس نے انہیں اس کمرے میں جانے کا اشارہ کیا... وہ اندر داخل ہوئے تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا... انہوں نے دیکھا، اندر کوئی نہیں تھا... وہ بہت لمبا چوڑا کمرہ تھا... دیواروں کے ساتھ ساتھ میزیں نصب کی گئی تھیں اور ان میزوں پر آلات لگے ہوئے تھے... ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک میز پر لگی اسکرین روشن ہو گئی... اس پر دو آدمی نظر آنے لگے

اور بائیں دور تک وہ عمارت کھڑی تھی... اس عمارت کے درمیان میں ایک دروازہ تھا... اب ان دس میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا... دروازہ ہاتھ کے اشارے ہی سے کھل گیا تھا... انہوں نے ان سب کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا... جب وہ اندر داخل ہو گئے تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا... گویا وہ دس سفید پوش بھی باہر ہی رہ گئے... گویا ان کی ڈیوٹی بس اتنی تھی کہ راکٹروں سے اترنے والے کو اس عمارت میں پہنچا دیا جائے... اب انہوں نے دیکھا... وہاں ان کے استقبال کے لیے صرف ایک شخص کھڑا تھا... اس کے جسم پر سرخ لباس تھا... اس نے ان پر ایک نظر ڈالی... پھر زور سے اچھلا... اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

☆☆☆☆☆

”اسکرین پر جن دو آدمیوں کی صورتیں نظر آ رہی ہیں ...“  
 طرف جائیں۔ ایک آواز ابھری۔

وہ دونوں وہی تھے ... جوان کے ساتھ آئے تھے ... دو فوراً  
 ایک طرف ہو گئے ...

”آپ دونوں سبز رنگ کے دروازے میں داخل ہو جائیں۔“  
 انہوں نے فوراً قدم اٹھا دیے ... اب کمرے میں صرف وہ دو  
 گئے ...

”آپ لوگ غلط آ گئے ہیں ... یا سمجھنے والوں سے غلطی ہو گئی ہے  
 ... یا راکڈوم والے سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہے ... لہذا آپ سفید رنگ  
 والے دروازے میں داخل ہو جائیں اور وہاں آرام کریں ... آپ کے  
 بارے میں پہلے چھان بین ہو گی ... اگر آپ لوگوں کو ان دونوں کے  
 بعد آنا تھا ... تو کمپیوٹر پر یہ غلطی ابھی آ جائے گی ... اور آپ کو جس  
 شعبے میں بھیجا ہوا، بھیج دیا جائے گا ... وہاں آپ کے نام درج ہوں  
 گے ... اذکے۔“

انہوں نے سر ہلا دیے اور سفید دروازے کی طرف بڑھ گئے  
 ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا ... یہ ایک  
 نہایت آرام دہ کمرہ تھا ... چکنے فرش پر بہترین سونے رکھے تھے ...

سہنوں کے درمیان میں ایک بہت لمبے لمبے ٹوٹے لکڑی کے ...  
 ان پر بیٹھ گئے ... فوراً ہی ایک فریج کو پھونک کر ... ان میں سے  
 ایک ٹرے باہر نکل کر میوے آ گئی ... ان میں مشروبات تھے ... ان میں  
 ساوا پانی بھی تھا ... وہ ساوا پانی پیتے گئے ... کچھ مشروبات وہ پانی  
 نہیں پیتے تھے۔

پندرہ منٹ بعد آواز گونجی۔

”آپ لوگ غلط آ گئے ہیں ... آپ کا کوئی اندازہ نہیں ہے ...  
 ... ہیران کی سرزمین پر پہلی بار ایسا ہو رہا ہے ... کام ختم ہو رہا ہے  
 ... انہوں نے سربراہان کو خبر کی ہے ... وہ آیا ہی چاہتے ہیں ...  
 آپ سے ملاقات کریں گے ... پھر آپ کے بارے میں ہمیں ہدایات  
 دی جائیں گی۔“

”اوکے۔“ انسپکٹر جمشید نے مختصر انداز میں بدلی ہوئی آواز میں  
 کہا۔

اور پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی ... پندرہ منٹ بعد دوبارہ گونجی  
 اور ایک لمبے قد کا شخص اندر داخل ہوا ... چہرے کے لحاظ سے تو انہوں  
 نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا ... لیکن انہیں یوں لگا کہ اس قد کا شخص  
 اور چال احوال کے شخص کو انہوں نے نہیں دیکھا ہے۔



”اوو... تو یہ آپ ہیں۔“

یہ کہتے ہی دو لگا قہقہے لگانے...

”کیا مطلب... آپ کون ہیں۔“

”ارے بھئی... یہ میں ہوں جیرال... آپ کا اپنا جیرال۔“

”کیا...!!“ وہ سب چلا اٹھے۔

”مان گیا آپ لوگوں کو... آپ واقعی حیرت انگیز ہیں۔ ہم

سب کا دعویٰ تھا... آپ لوگ سبران نہیں آسکیں گے... لیکن آخر آپ

آگئے... اس میں شک نہیں کہ آپ حیرت انگیز ہیں... آپ لوگوں کو

مارنے کو جی نہیں چاہتا... درندہ میرے ساتھیوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ آپ

لوگ ہیں تو فوراً مارنے پر تل جائیں گے اور شک تو ایک منٹ کے لیے

نہیں رکے گا... لیکن میں نہیں چاہتا... آپ کو ہلاک کیا جائے...

فیصلہ تو سبھی بڑے مل کر کریں گے... مجھ اکیلے کی مرضی نہیں چلے گی

ہاں۔“ جیرال کہتا چلا گیا۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں... یہاں آپ سے مل کر بہت خوشی

ہی ہے... زندگی اور موت آپ لوگوں کے ہاتھ میں تو ہے ہی نہیں

وہ تو بس اللہ کے ہاتھ میں ہے... آپ لوگ جو جی چاہے فیصلہ کر

لیں... ہاں یہ بتا دیں کیا یہ سبران ہے۔“

”ہاں! یہ سبران ہے... پوری دنیا سے الگ تعلق ایک جگہ

دنیا ابھی تک یہاں نہیں پہنچی تھی... یہ ہم ہیں جنہوں نے اس جگہ کو

ظاہر کر لیا... تیز ترین رفتار والے مایا سے آکر چلا جاتے اور

مسلل وہ کھینچے سفر کیا جاتے تو اتنی مسافت پر صرف بادل ہی بادل ہیں

ان بادلوں کے بعد سبران ہے۔“

”اور کیا یہاں واقعی سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”وہ تم آنکھوں سے دیکھ لو گے... دیسے تم لوگوں کے لیے میری

ایک پیش کش ہے۔“

”اور... وہ کیا انکل جیرال۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”تم لوگ سبران کے شہری بن جاؤ... تم چاہو گے تو تمہارے

گھر والوں کو بھی یہاں لے آیا جائے گا... یہاں تم لوگوں کو کام دیا

جائے گا... تم اپنا اپنا کام کرو گے... اور پھر دنیا بھر کی خوشیاں تم

لوگوں کی جھولی میں ہوں گی۔“

”دنیا بھر کی خوشیاں؟“ آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں پیارے بچو! دنیا بھر کی خوشیاں... آواز سے زیادہ تیز

رفتار ٹھیلاروں میں... دنیا تمہارے نیچے ہو گی... اس سے بڑھ کر عیش

کیا ہو گی... دنیا کی ہر وہ چیز جو تم چاہو گے... تمہارے لیے موجود ہو

گی۔

”اور کیا انکل جیرال!“ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”اور... اور یہاں جو کچھ ہے... وہ سب تمہارا ہو گا... اس سے بڑھ کر عیش کیا ہو گی۔“

”ہم... ہم سوچیں گے انکل۔“ شوکی نے جلدی سے کہا۔ ”جیرال کی باتوں سے کافی متاثر لگ رہا تھا... باقی لوگوں نے اسے ہی طرح گھورا۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا شوکی... اگر یہ لوگ کہیں گے کہ یہاں رہائش اور دوسری چیزوں کے بدلے میں اپنا دین چھوڑ دو... تو کیا تم یہ بھی کرو گے۔“

”تم لوگوں کو دین چھوڑنے کے لیے کوئی نہیں کہے گا... تم بدستور مسلمان رہنا... ہاں ہم لوگوں کے طریقے دیکھ کر عیسائی یا یہودی ہونا چاہو تو وہ تمہاری مرضی... ہم تم سے نہیں کہیں گے۔“

”ہم... ہم سوچیں گے انکل۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔ ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ محمود نے اسے گھورا۔ ”میں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ سوچیں گے انکل... یہ تو نہیں

کہا کہ ہاں ہم ایسا ہی کریں گے۔“ ”تم لوگ آپس میں لڑو نہیں... ہمیں کوئی جلدی نہیں... تم لوگوں کے بارے میں میں انتظامیہ کو ہدایات دے دیتا ہوں... وہ ابھی آکر تم لوگوں کی تصاویر وغیرہ لے لیں گے... پھر تمہارے کاغذات بن جائیں گے... تم لوگوں کو رہائش بھی دے دی جائے گی اور گاڑی... پھر تم آسانی سے جہاں چاہو، جا سکو گے... تم یہاں تک آگئے ہو... یہ بڑی بات ہے... لیکن اب تم واپس تو جا نہیں سکو گے... اس طرح تو ہمارا راز پوری دنیا تک پہنچ جائے گا... خیر... اگر کبھی ایسا ہو جائے تو بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا... کیونکہ بہران تک کسی کا آنا ممکن نہیں۔“

”اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے انکل جیرال۔“ فاروق ہنسا۔ ”اس لیے کہ تم لوگ جو یہاں آگئے ہو... لیکن میں پھر بھی یہ بات کہہ سکتا ہوں۔“ جیرال نے بھی ہنس کر کہا۔

”وہ کیسے مسٹر جیرال۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

”ایسے کہ ہم ابھی اس درخت کا راستہ بند کر دیں گے... کوئی اور راستہ بنا لیں گے... اس قسم کے کام ہمارے لیے مشکل نہیں... ہم نے بہران میں بہت بڑے بڑے انجینئر اور سائنس دان جمع کیے ہیں۔“



ان کا دن رات کام ہی یہی ہے... سہراں کے لیے جس کام کی ضرورت ہو... فوراً وہاں چلے جائیں گے اور کام کر ڈالیں گے۔  
 ”کیا ایسے سب لوگوں کے بیوی بچے یہیں رہتے ہیں سہراں۔“

”بیوی بچے صرف ان لوگوں کے یہاں رہتے ہیں... جو سہراں کے ذمے دار لوگ ہیں... یعنی سہراں کے کرتا دھرتا... باقی جن لوگوں کو یہاں لالچ دے دے کر لایا گیا ہے... ان لوگوں کے بیوی بچے یہاں نہیں لائے جاتے... ان سے تو ہم بس کام لیتے ہیں... وہ ایک طرح ہمارے قیدی ہیں۔“

”لیکن آپ کے ایک قیدی کو ہم نے یہاں سے نجات دلا دی ہے۔“ آفتاب ہنسا۔

”اوہ ہاں... یہ بات میرے علم میں آئی ہے... ہمارا ایک پائلٹ اور ایک راکٹروم غائب ہو گیا ہے... مجھے شک نے بتایا تھا کہ یہ کام تم لوگوں کا ہے، اس وقت میں بہت ہنسا تھا... واقعی تم کمال کے ہو۔“

”نہیں تو انگل... ہم میں سے تو ایک بھی کمال کا نہیں۔“

آفتاب نے منہ ہلایا۔

جیرال ہنس پڑا... ایسے میں موبائل نما ایک آٹے پستل موبائل ہوا... اس نے فوراً اس آٹے کوکان سے لگا لیا... اور دوسری طرف کی بات سننے لگا... آخر اس نے کہا۔

”میں اس وقت انہی لوگوں سے بات کر رہا ہوں... نہیں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں... ہم ان لوگوں سے بہت کام لے سکتے ہیں... یہ لوگ حیرت انگیز ہیں... نہیں... ہمارے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتے۔“ یہ کہہ کر جیرال خاموش ہوا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تب پھر ان لوگوں کے یہاں نہ آنے کے لیے اس قدر دوز دھوپ کیوں کی گئی... پہلے ہی انہیں آنے دیا گیا ہوتا۔“

”اس بارے میں ذمے داری مسٹر شک کی ہے... شک کے ذمے لوگوں کو یہاں لانے کا کام ہے... لوگوں کو منتخب کرنا... اور انہیں بے تحاشہ دولت کا لالچ دے کر یہاں تک لانا... شک کے ذمے ہے... لیکن جب لوگ یہاں آ جاتے ہیں... تب شک کے بجائے میرا کام شروع ہو جاتا ہے۔“

”کیا کہا آپ نے... ارے نہیں... اس کی ضرورت نہیں... آپ ان کے بارے میں فکر مند نہ ہوں... میں ان سے بات کر لیتا

ہوں۔ یہ جو وعدہ کرتے ہیں۔۔۔ اس کے خلاف کوئی کام نہیں کرے۔  
 ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ وعدہ نہیں کریں گے تو یا تو وہ ہو گا۔ تو آپ  
 رہے ہیں۔۔۔ یا وہ ہو گا۔۔۔ جو میں نے سوچا ہے۔۔۔ "یہ کہہ کر جیروں  
 رکا تو دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا۔۔۔ بات سن کر جیروں نے کہا۔  
 "یہ میری ذمہ داری ہے سر۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم نے  
 بہران آباد کیا ہے، اس کے لیے دن رات ایک کیا ہے۔۔۔ جان رہے  
 ہیں۔۔۔ تو کیا اسے نقصان پہنچانے کا دشمنوں کو موقع دے دیں گے۔"  
 اب پھر ادھر سے کچھ کہا گیا۔

"یہ دشمن ہیں ضرور۔۔۔ لیکن اور قسم کے۔۔۔ آپ نے سنا نہیں  
 ہے۔۔۔ بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن اچھا ہے۔۔۔ یہ عقل مند دشمن  
 ہیں۔۔۔ ان کا اور میرا نہ جانے کتنی بار مقابلہ ہو چکا ہے۔۔۔ اور آپ سن  
 ہی چکے ہیں۔۔۔ یہ مجھے اٹکل کہتے ہیں۔۔۔ لہذا یہ کم از کم مجھے دھوکا نہیں  
 دیں گے۔۔۔ اور اس طرح میری ایک مدتوں پرانی خواہش پوری ہو  
 جائے گی۔"

"مدتوں پرانی خواہش۔۔۔ شاید دوسری طرف سے جیروں ہو کر پھر  
 کہا گیا۔۔۔ کیونکہ جواب میں فوراً ہی جیروں نے کہا۔  
 "نہیں سر۔۔۔ مدتوں پرانی۔۔۔ میری خواہش یہ تھی کہ مجھے ان کے

ساتھ یا انہیں میرے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔۔۔ ہم ان کا  
 مل کر کام کریں گے۔۔۔ اور حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کریں گے۔  
 اپنی حیرت انگیز۔۔۔ کہ اب تک حاصل نہیں کر سکے ہوں گے۔۔۔ سر  
 آپ کو معلوم نہیں۔۔۔ ان کے ساتھ پروفیسر داؤد جی۔۔۔ دنیا کے  
 بہترین سائنس دان۔۔۔ ان کے ساتھ منور علی خان ہیں۔۔۔ دنیا کے  
 مشہور ترین شکاری۔۔۔ ان کے ساتھ خان رحمان ہیں۔۔۔ دنیا کے بہترین  
 فوجی۔۔۔ باقی انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کے  
 بارے میں تو میں خود آپ کی خدمت میں آکر بتاؤں گا۔"  
 پھر اس نے فون بند کر دیا اور ان کی طرف مسکرا کر دیکھنے کے  
 بعد کہنے لگا۔

"باس کہہ رہے تھے۔"

"باس کون اٹکل۔"

"بہران کو دریافت کرنے والے۔" اس نے بتایا۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"میں نے ٹھیک کہا۔۔۔ دنیا کا یہ حصہ دنیا کی نظروں سے اوجھل  
 تھا۔۔۔ اس کی دریافت کا سرا باس کے سر ہے۔۔۔ لہذا وہی بہران کے  
 حکمران ہیں۔۔۔ کیونکہ انہوں نے دریافت کے بعد معاملے کو خفیہ رکھا۔۔۔



انہوں نے خفیہ ملاقاتیں کیں... بڑے بڑے ماہرین کو اپنے ساتھ لایا  
مجھ سے اور شنگ سے بھی معاملات طے کیے... گویا ہم لوگوں کو  
سہراں کا حکمران ٹولہ بننا تھا... اور سہراں کو پوری دنیا پر قبضہ کرنا تھا۔  
”یہ بات تو درست نہیں ہے انکل جیرال۔“ فرزانہ بول اٹھی۔  
”کون سی بات۔“

”پوری دنیا پر قبضہ کرنے کا پروگرام تو نہیں ہے آپ لوگوں کو پتہ۔“  
”یہ تم نے کس طرح کہہ دیا۔“ جیرال نے اسے گھورا۔  
”ایسے کہ اس وقت تک سہراں نے صرف اور صرف اسلامی

ملکوں کے خلاف کارروائی کی ہے... کسی غیر مسلم ملک کو تو چھیڑا ہی  
نہیں۔“

”اوہ اچھا... تم یہ بات کہہ رہے ہو... تو اس میں بھی کچھ  
باس کی عقل کام کر رہی ہے۔“

”وہ کیسے انکل۔“

”اگر ہم لوگ شروع سے ہی غیر مسلم ملکوں کو بھی اپنا نشانہ بناتے  
تو پوری دنیا میں ہنگامے کھڑے ہو جاتے... اب غیر مسلم دنیا پر سکون  
ہے... وہ خیال کر رہی ہے... کہ سہراں کا تعلق انشارجہ سے ہے یا  
بیگال سے... لہذا انہیں اس کی کارروائیوں پر کوئی الجھن نہیں ہے۔“

آہستہ آہستہ جب تمام اسلامی ملک سہراں کے زیر اثر آجائیں گے...  
جب غیر مسلم ملکوں کی باری آئے گی... اور آہستہ آہستہ بڑے غیر مسلم  
ملکوں کو بھی اپنا غلام بنالیا جائے گا۔“  
”انکل جیرال! ہم اب پھر آپ کی بات مانتے ہیں یا نہیں  
... کیونکہ آپ کی بات میں اب بھی جھوٹ ہے۔“

”وہ کیسے؟“ جیرال مسکرایا۔

”ایسے کہ... ایکورم میں سہراں کے لیے کام ہو رہا ہے...  
ایکورم ایک آزاد ریاست ضرور ہے... لیکن انشارجہ کے دباؤ میں تو  
ہے... آخر ایکورم کی حکومت سے معاملات کیسے طے کر لیے گئے ہیں  
کہ وہاں سے سہراں اور سہراں سے ایکورم آنا جانا لگا ہوا ہے۔“

”اوہ... تو تم نے یہ بات بھی معلوم کر لی۔“

”ہس انکل... کیا کریں... مجبوری ہے۔“

”خیر... میں اس بات کا جواب بھی دے دیتا ہوں... میں نے

ایکورم سے بہت بھاری قیمت پر معاملہ طے کیا ہے... کیونکہ بہر حال  
ہمیں اس دنیا کے کسی نہ کسی ملک کی مدد تو لیننی تھی... سو ایکورم کی  
حکومت کو ساری بات معلوم ہے... اور وہ سہراں حکومت میں برابر کی  
شریک ہو گی... اس کی حکومت کے لوگ بھی سہراں کے حکمرانوں میں

شامل ہوں گے۔ مطلب یہ کہ ایکورم ایسے ہی تیار نہیں ہوگا۔  
 "لیکن۔" فرحت نے پر جوش انداز میں کہا۔  
 "لیکن کیا؟"

"لیکن اس ساری تفصیل کا آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ پوری دنیا  
 قبضہ کر کے آپ کو کیا فائدہ ہو جائے گا۔ کیا عیش اور عزت  
 ساری دنیا کے عیش کے سامان... یا اور بھی کچھ۔"

"ہمارے سر تو یہی کہتے ہیں... دنیا بھر کی عیش ہمیں حاصل ہوگی  
 ہم دنیا پر حکومت کریں گے... تمام ملک ہماری انگلیوں پر ہونگے  
 بس ہم عیش کریں گے... عیش اور صرف عیش۔"  
 "اور ایک دن مرجائیں گے۔" اشفاق نے منہ بنایا۔  
 "وہ تو سبھی مرجائیں گے۔"

"تب پھر اس قدر دوڑ دھوپ کا فائدہ کیا ہوگا۔"  
 "دنیا میں ہم عیش ہی عیش کریں... ساری دنیا ہمارے آگے دم  
 نہ مارے... بلکہ غلام بن جائے... کیا یہ کوئی بات نہیں۔"  
 "آپ لوگوں کے نزدیک یہ ضرور بڑی بات ہو سکتی ہے...  
 مسلمانوں کے لیے نہیں... مسلمان تو اپنے مالک کی رضا چاہتے ہیں...  
 اس کی مرضی کی زندگی دنیا میں بسر کرتے ہیں... اپنے جتنے کام

کرتے ہیں... اس دنیا سے چلے جاتے ہیں... ان کے نزدیک تو جس  
 ایک ہی مقصد ہوتا ہے... یہ کہ اللہ کا نام بلند کرنا ہے۔"  
 "جب کہ ہمارا نظریہ ایسا نہیں... ہم کہتے ہیں... ہر کس ایک دن  
 مٹی میں مل جائیں گے اور بس... بات ختم... لہذا جب تک اس دنیا  
 میں رہنا ہے... عیش کر لو... جتنی عیش کر سکتے ہو کر لو۔"  
 "خیر... اپنا اپنا نظریہ ہے۔"

"تم لوگ آرام کرو... دو بڑے کمرے اور ضرورت کی ہر چیز  
 ان میں ہوگی... کاغذات تیار ہونے تک کہیں آ جا نہیں سکو گے...  
 یہاں تک کہ میں تم لوگوں کو ساتھ لے جاؤں... تب بھی نہیں جا  
 سکو گے... خاص طور پر راکڈوموں کے احاطے میں۔"  
 "جی انکل... یہ آپ نے کیا فرمایا۔"

"میں نے کہا ہے، راکڈوموں کے احاطے میں... تمام راکڈوم  
 ایک جگہ کھڑے ہیں... وہ اگرچہ ریموٹ کنٹرولڈ ہیں... لیکن پھر بھی  
 وہاں سب سے زیادہ چینگ ہوتی ہے... ویسے میں تم لوگوں کو بھی  
 احاطہ دکھاؤں گا۔"

"اور انکل... سونے کے وہ پہاڑ کیسے ہیں... کس طرف  
 ہیں۔"



”وہ خالص سونے کے پہاڑ ہیں۔ یہ نہیں کہ منی ملا سوتا ہے۔  
نہیں خالص دھات ہے سونے کی۔۔۔ وہاں سے کاٹ کاٹ کے موت  
کے سگے تیار کیے جاتے ہیں۔۔۔ وہاں سونے کے ٹکڑے اس طرح پڑے  
ہیں جیسے پہاڑ کے پتھر پڑے ہوتے ہیں۔“

”بہت ہی چاہ رہا ہے۔۔۔ وہ جگہ دیکھنے کے لیے۔“

”یہاں تو چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔۔۔ ان کے دامن میں  
آبادی بسائی گئی ہے۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ پورے بہران کی سیر کرتے پھرنا  
بس مجھ سے ایک معاہدہ کرنا ہو گا۔۔۔ اگر وہ معاہدہ نہیں کر دے تو  
پھر تمہارے لیے وہ حکم ہیں۔۔۔ پہلا یہ کہ تم لوگوں کو سب کو مار ڈالا  
جائے گا۔۔۔ دوسرا حکم یہ ہے۔۔۔ اور وہ میری وجہ سے ہے کہ تم لوگوں  
کو تمہارے ملک کے راستے پر چھوڑ دیا جائے۔۔۔ وہاں سے تم اپنے ملک  
چلے جاؤ۔۔۔ پھر جو حالات ملک کے ہیں۔۔۔ ان حالات میں زندگی  
برسر کر۔۔۔ یعنی بہران کے غلام۔“

”بہران کے غلام۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیوں۔۔۔ کیا یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ جیرال ہنسا۔

”چھوڑیں اگل۔۔۔ آپ بھی میری قتل کرنے لگے۔۔۔ بہر حال

ہمیں معاہدہ کیا کرنا ہو گا یہاں رہنے کے لیے۔“

”یہ عہد کرنا ہو گا کہ تم لوگ بہران کے خلاف کوئی سازش نہیں  
کرو گے۔“

”کیا!؟! مارے حمیت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! تمہارے پاس کو یا تین راستے ہیں۔۔۔ بہران میں رہو۔

لیکن بہران کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔۔۔ یا پھر اپنا قتل ہونا  
منظور کرو۔۔۔ تیسری بات اپنے ملک لوٹ جاؤ۔۔۔ یہ رعایت تم لوگوں کو

میری وجہ سے دی جائے گی۔“

”تو کیا۔۔۔ پہلے بھی بہران میں لوگوں کو قتل کیا گیا ہے۔“

”کچھ سر بھروں کو یہ سزا دی گئی ہے۔۔۔ کیونکہ ان لوگوں کو

یہاں لے تو آیا گیا تھا۔۔۔ لیکن وہ کسی صورت یہاں کام کرنے پر تیار

نہیں تھے۔۔۔ آخر ان سے چیچھا چھڑا لیا گیا۔“

”نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ ظلم ہے۔“

”یہ ظلم انہوں نے خود ہی منظور کیا تھا۔۔۔ انہوں نے کہہ دیا تھا

۔۔۔ ہمیں جان سے مار دو۔۔۔ ہم یہاں کام نہیں کریں گے۔۔۔ اچھا بس

۔۔۔ باتیں بہت ہو گئیں۔۔۔ میں چلا۔۔۔ جلد تم لوگوں کے کاغذات تم تک

پہنچ جائیں گے۔۔۔ پھر تمہاری رہائش تمہیں مل جائے گی اور تم بہران

کے شہری ہو گے۔۔۔ لیکن ابھی تک تم نے معاہدے کے الفاظ اور انہیں

”الفاظ ... کون سے الفاظ۔“

”تسہیں اپنے رب کو حاضر ناظر مان کر یہ وعدہ کرنا ہوگا ...  
ایک کو باری باری یہ الفاظ کہنے ہوں گے ... ہم سہران کے خلاف کوئی  
سازش نہیں کریں گے۔“

”اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ادھر جہرا ل جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ... وہ سکتے کے عالم میں  
اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے ... اب پھیلی ہوئی آنکھوں سے وہ ایک  
دوسرے کو دیکھ رہے تھے ... جیسے کہہ رہے ہوں ...  
”اب کیا ہوگا۔“



## معابد کے الفاظ

”اب کیا ہوگا۔“

انہوں نے شوکی کی آواز سنی۔

”اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا ...  
دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم سازش  
کے بغیر تو رہ نہیں سکتے ... لہذا آپ ہمیں ہمارے ملک بچھو ادیں ...  
کیونکہ قتل تو آپ ہمیں کرنا نہیں چاہتے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
”ہوں ... لیکن اپنے ملک میں رہتے ہوئے ہم سہران کے  
خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

”دنیا کے کسی ملک میں رہ کر شاید ہم سہران کے خلاف کچھ نہ  
کر سکیں ... ہاں ایکورم یا سہران ... یہ دو جگہیں ہیں ... بس یہاں ہم  
کچھ کر سکتے ہیں ... یہاں کے بارے میں وہ پہلے ہی عہد لے رہے ہیں  
... وہ گیا ایکورم ... ہمیں رہا کرنے کے بعد وہ ایکورم میں قہارے



بارے میں چوکنے رہیں گے۔"

"بلکہ نہیں۔۔۔ وہ کہہ سکتے ہیں۔۔۔ ایکورم میں بھی کوئی سازش نہ کرنے کا عہد کرو۔ تب ہم کیا کر سکیں گے۔" اسپیکر کامران مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
"سوچنے دو بھئی۔"

"میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے۔۔۔" ایسے میں محمود نے سرسراہٹ آواز میں کہا۔

"الفاظ میں ظاہر نہ کرو۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ ہماری آواز سنی جا رہی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا اور پھر اشاروں میں بولا۔

"ہمیں یہیں رہ کر کام کرنا ہو گا۔۔۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ البتہ معاہدے کے الفاظ ایسے سوچ لیے جائیں۔۔۔ جن سے معاہدہ شکنی ہونے کا امکان نہ رہے۔"

محمود کی بات سمجھ کر انہوں نے سر ہلا دیے۔۔۔ ان کے ذہن میں یہ بات آئی تھی۔۔۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ الفاظ کیا ہوں۔۔۔ ان کو سوچنے کے سلسلے میں وہ سوچ میں پڑ گئے۔۔۔ آخر اسپیکر جمشید نے کاغذ پر ایک جملہ لکھا۔۔۔ اور ان سب کے سامنے کر دیا۔۔۔ وہ ایک ساتھ اس

پر جو جھکے تو سر آپس میں ٹکرا گئے۔

"یہ ہے حال۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھٹکا کر کہا۔

"بلکہ تو یہ ہے تم سے۔" فرحت نے جھٹکا کر کہا۔

"ہم سب کہیں۔" فاروق مسکرایا۔

اب انہوں نے پڑھا، کاغذ پر لکھا تھا۔

"معاہدے کے الفاظ یہ ہوں گے۔۔۔ ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ آپ کی مرضی کے عین مطابق سہراں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

انہوں نے حیران ہو کر ان الفاظ کو بار بار پڑھا۔۔۔ الفاظ بہت سیدھے سادے تھے۔۔۔ اور اگر حیران ان کے جال میں آ جاتا تو وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد تھے۔۔۔ ان پر عہد شکنی کا الزام عاید نہیں کیا جا سکتا تھا۔۔۔ سب نے ان الفاظ کو اچھی طرح یاد کر لیا۔۔۔ اس وقت پروفیسر داؤد نے اشاروں میں کہا۔

"لیکن جمشید! ہو سکتا ہے۔۔۔ ہماری اس میٹنگ سے انہیں

احساس ہو جائے کہ ہم کوئی سازش کر رہے ہیں۔"

"لیکن کیسے پروفیسر صاحب۔۔۔ ہم نے اب تک جو بات کی

ہے، اشاروں میں کی ہے... البتہ کاغذ پر یہ الفاظ ضرور لکھے ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ اشاروں میں تو بٹھائے ہی نہیں جاسکتے تھے۔ اشارات میں تو روزمرہ کی بات چیت کی جاسکتی ہے... باقی رو گیا یہ کاغذ اس کو جیب سے نکالتے وقت میں نے ہر طرح خیال رکھا ہے۔ کسی کیمبرے کی آنکھ اسے نہ دیکھ سکے... اور اب اسی انداز سے میں اس کاغذ کو غائب کر رہا ہوں... ہاتھ روم میں جاؤں گا تو وہاں اس کاغذ سے بھی اسی طرح پیچھا چھڑاؤں گا... یعنی اگر وہاں کیمبرے ہوئے تو بھی کوئی کیمبرہ کاغذ کو نہیں دیکھ سکے گا... فکر نہ کریں... اور آپس کی گپ شپ لگاتے رہیں... ورنہ ہمارے بارے میں شک کیا جائے گا کہ ہم اس طرح خاموش بیٹھنے والے تو ہیں نہیں۔“

انہوں نے سر ہلا دیے ایک گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا... اور ایک سفید پوش نے انہیں چلنے کا اشارہ کیا... وہ اس کے پیچھے چلتے ایک کمرے میں پہنچے... ساتھ ہی اس کمرے میں دوسرے کمرے کا دروازہ کھلتا تھا... گویا انہیں در کھل کمرے دیے گئے تھے... ان کمروں کے ساتھ غسل خانے بھی تھے اور یہ سب انتہائی شان دار تھے... کمروں کے باہر ایک کھلا میدان تھا... اس میدان کے چاروں طرف پھولوں کے پودے تھے چند درخت بھی تھے لیکن نہ تو انہوں نے

ایسے پھولوں کے پودے زندگی میں کبھی دیکھے تھے نہ درخت۔ گویا جس طرح یہ دنیا میں الگ جگہ تھی... اسی لحاظ سے اس کے درخت اور پھول بھی الگ ہی تھے... وہ دیر تک ان پھولوں اور درختوں کو دیکھتے رہے... پھولوں سے خوشبو بھی بہت عطرے کی آرائش تھی۔ کمروں کی ہر چیز کو بھی انہوں نے بہت غور سے دیکھا... خاص طور پر اس چیز کا جائزہ لیا کہ یہاں کیمبرے ہیں یا نہیں... کیمبرے انہیں کہیں بھی نظر نہ آئے... نظر تو انہیں وہاں بھی نہیں آئے تھے... جہاں پہلے بٹھایا گیا تھا... اور جیرال نے ان سے بات چیت کی تھی... لیکن اس بات کا زبردست امکان تھا کہ خفیہ جگہوں پر ان کو نصب کیا گیا ہو... بہر حال انہیں احتیاط کی ضرورت تو تھی ہی۔

انہیں آرام کرتے ایک گھنٹا گزرا ہوگا کہ دروازہ کھل گیا... اور ایک سفید پوش اندر داخل ہوا...  
”یہ تو غلط طریقہ ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”کون سا طریقہ؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کو آنے سے پہلے دستک دینی چاہیے تھی۔“

”ہمارے ہاں تو یہ تکلف نہیں کیا جاتا۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔



”اور اندر چاہے کوئی کسی حالت میں کیوں نہ ہو۔“

”ہاں بالکل۔۔۔ کوئی اعتراض نہیں کرتا۔“

”اوہ اچھا خیر۔۔۔ فرمائیے۔۔۔ کیسے آتا ہوا۔“

”آپ لوگوں کے کاغذات تیار ہو گئے ہیں۔۔۔ عطف اس پر۔۔۔ بعد آپ بہران کے شہری بن جائیں گے۔۔۔ سسر جیرال آپ سے ملنے کے لیے شام کے سات بجے آئیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“

اس نے ایک چھوٹا سا لفافہ میز پر رکھا اور واپس چلا گیا۔۔۔ انہوں دروازے کا جائزہ لیا۔۔۔ اس کے اندر کی طرف کوئی چٹنی نہیں تھی۔۔۔ نہ باہر کی طرف تھی۔۔۔ گویا دونوں طرف سے دروازہ نہ دو بندرہ سکتے تھے، نہ کھول سکتے تھے۔۔۔ یہ خود کار نظام کے تحت کھلتے تھے اور بند ہوتے تھے۔۔۔ کوئی باہر جانا چاہتا تو دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور باہر سے آنا چاہتا تو باہر سے خود بخود کھل جاتا تھا۔۔۔ اس نظام نے انہیں پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

انہوں نے اس لفافے کو کھولا۔۔۔ اس میں ان سب کے کارڈ تھے۔۔۔ یہ کارڈ عام تھے۔۔۔ ان کے اپنے شناختی کارڈ وہ جیسے۔۔۔ کارڈ کا رنگ زرد تھا۔۔۔ ان پر ان سب کی واضح تصاویر موجود تھیں۔

حالانکہ یہاں کسی نے ان کی کوئی تصویر نہیں لی تھی۔۔۔ ان سب نے ان اپنا کارڈ لے لیا۔۔۔ جب سے یہ مجسم شروع ہوئی تھی۔۔۔ اس وقت سے انہیں آرام کا کوئی خاص موقع نہیں ملا تھا۔۔۔ انہوں نے سوچا۔۔۔ جیرال کے آنے تک چونکہ کوئی کام نہیں ہے۔۔۔ اس لیے۔۔۔ کیوں نہ آرام کر لیا جائے۔۔۔ یہ سوچ کر وہ سبھی لیٹ گئے۔۔۔ اور نیند کی وادی میں چلے گئے۔۔۔ نیند میں انہیں عجیب و غریب خواب نظر آ رہے تھے۔۔۔ آخر ان سب کی آنکھ ایک ساتھ کھل گئی۔۔۔ کیونکہ کمرے میں زوردار الارم بج اٹھا تھا۔

”وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔۔۔ ساتھ ہی الارم بند ہو گیا۔۔۔ گویا یہ انہیں جگانے کے لیے تھا۔۔۔ دیوار پر لگی گھڑی سات بجانے والی تھی۔۔۔ صرف ایک منٹ باقی تھا اور پھر کمرے کا دروازہ کھلا۔۔۔ انہوں نے جیرال کو اندر آتے دیکھا۔

”سو لیے آپ لوگ۔“

”ہی۔۔۔ جی ہاں! گویا آپ لوگ کمرے کے اندر سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔“

”دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔۔۔ یہاں کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔“

”کیا سب کی... آپ کی بھی۔“ شوکی نے منہ نکالا۔  
 ”نہیں... میری نہیں... ہم لوگ تو خاص لوگ ہیں...“  
 میں شامل ہیں... جن لوگوں سے یہاں کام لیا جاتا ہے... ان کی  
 تر حرکات اور سکناات سب نظر آتی ہیں... یہاں کچھ ہاسٹل ہے... ان کی  
 ہیں... ان ہالوں میں کام ہی دن رات یہی ہوتا ہے... کام کر  
 والوں کو ہر لمحے، ہر آن دیکھا جاتا رہتا ہے... یہاں تک کہ ہر  
 آرام سے الگ سو رہے ہوں تب بھی انہیں دیکھا جاتا ہے... اس لیے  
 یہاں آج تک کوئی شخص بھی کوئی سازش نہیں کر سکا... ہم لوگ ہر  
 محفوظ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے تم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت  
 دی ہے... تم لوگوں کے لیے اب بھی تین راستے ہیں... (اچھی بات  
 چاہو تو میں واپس بھجوا دیتا ہوں... یہاں رہنا چاہو تو جب تک رہنا چاہو  
 تو ایسا بھی کر سکتے ہو... فی الحال یہاں رہنے کی شرط یہ ہے کہ تم لوگ  
 کو حلف دینا ہوگا... اپنے الفاظ میں کہنا ہوگا... آپ بہران کے خلاف  
 کوئی سازش نہیں کریں گے... بس اس صورت میں آپ یہاں رہ سکتے  
 ہیں... اور اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہیں... تو پھر آپ کے لیے  
 تیسری صورت صرف جان سے مارا جاتا ہے... اور میرا خیال ہے  
 جان سے مارا جانا آپ پسند نہیں کریں گے۔“ یہ کہتے ہوئے جیل

”سکراؤ۔“  
 ”جان سے مارا جاتا جاتا ہے اس دنیا میں کون پسند کرتا ہے...“  
 کسی مقصد کے لیے جان دینے کا معاملہ اور بات ہے۔“  
 ”بس تو پھر حلف دے دیں کہ آپ لوگ بہران کے خلاف کسی  
 قسم کی کوئی سازش نہیں کریں گے۔“  
 ”اچھی بات ہے... سب سے پہلے میں حلف دیتا ہوں۔“ (اسپیئر  
 کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔  
 ”شروع کرو... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... آپ کے حلف کی  
 یہ چھوٹی سی کارروائی... اس وقت بہران کے سب ذمے دار دیکھ رہے  
 ہیں... میں نے ان سب کو آپ لوگوں کے بارے میں تفصیل سے بتا  
 دیا ہے... ان کا پہلا مشورہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے،  
 دوسرا یہ تھا کہ ان کے ملک بھیج دیا جائے۔“  
 ”اچھی بات ہے... سب سے پہلے میں حلف دیتا ہوں... الفاظ  
 آپ کے ہوں گے یا میں اپنی طرف سے ادا کر سکتا ہوں۔“  
 ”آپ اپنی طرف سے ادا کریں۔“

”میں اللہ کو حاضر جان کر یہ عہد کرتا ہوں کہ آپ کی عین مرضی  
 کے مطابق بہران کے خلاف کوئی سازش نہیں کروں گا، نہ اسے کوئی



”جیرال نے ان الفاظ کو غور سے سنا۔ پھر سر ہلا کر یوں  
”ٹھیک ہے۔۔ نہایت صاف الفاظ ہیں۔۔ باری باری سب  
الفاظ دہرائیں۔“

ان سب نے الفاظ دہرا دیے۔۔ اس کے بعد جیرال نے کہا  
”اب آپ سرکاری طور پر بہران کے شہری ہیں۔۔ بہران میں  
کہیں بھی آجا سکتے ہیں۔۔ بس چند عمارات ایسی ہیں۔۔ جن میں داخلہ  
مکمل نہیں۔۔ یا پھر ان میں جانے کی اجازت لی جائے۔۔ اور یہ  
پرانے دوستو! بہران کے ذمے دار حضرات نے مجھ سے کہا تھا۔۔ جب  
ہم ان لوگوں کو یہاں آنے سے روکتے رہے ہیں۔۔ تو اب ہم انہیں  
یہاں کیوں برداشت کریں۔۔ انہیں مار کر سمندر میں پھینک دیتے ہیں  
۔۔ گھیلیوں کے کام آئیں گے۔۔ آخر ہم ان کا جھنجھٹ کیوں پالیں  
۔۔ اس پر میں نے انہیں تم لوگوں کے بارے میں بہت تفصیل سے بتایا  
تھا اور کہا تھا کہ تم لوگوں سے بہت بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں  
۔۔ تم لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہو۔۔ اور تم جیسے لوگوں کو بلاوجہ ضائع  
نہیں کر دینا چاہیے۔۔ انہوں نے میری یہ بات مان لی۔۔ اور یہ صرف  
اس لیے کہ اگر ہم لوگوں کو واپس بھیجتے ہیں تو بہران کی تفصیلات دنیا کو

معلوم ہو جائیں گی۔۔  
”یہ تفصیلات تو پھر راکنڈم کے اس پائلٹ کے ذمے ہیں۔۔ کیا  
معلوم ہو جائیں گی۔۔ جو ہمارے ذمے بہران سے نکل گیا۔۔ اور ہمارے  
دو واحد آدمی ہے۔۔ جو یہاں سے آنے کے بعد واپس چلا گیا۔“  
”ہاں! لیکن ہم اس کی تلاش میں ہیں۔۔ وہ کہیں چھپ گیا ہے  
۔۔ ہم اسے یہ موقع نہیں دیں گے کہ وہ بہران کی باتیں کرے۔۔ آپ  
لوگوں کے لیے دو کاریں دی جارہی ہیں۔۔ وہ آپ کے لیے ہاتھ کیران  
میں کھڑی ہیں۔۔ دو عدد ڈرائیور ان کاروں کو چلائیں گے۔۔ کیونکہ  
یہاں کی ڈرائیونگ کے قانون کا آپ لوگوں کو پتا نہیں۔۔ نہ راستوں کا  
پتا ہے۔۔ اس لیے آپ لوگ کاریں خود نہیں چلائیں گے۔۔ آپ یہ  
بات سمجھ گئے۔“

”بالکل بالکل جیرال۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”تو پھر میں اب چلوں گا۔“

”اگر کبھی ہمیں آپ سے ملاقات کرنی ہو تو پھر کیسے ملاقات کر

سکتے ہیں۔“

”ڈرائیور سے کہہ دیجیے گا۔۔ یہ لوگ مجھ تک پہنچا دیں گے۔“

”گویا آپ جہاں ہوتے ہیں۔۔ وہاں آنے پر پابندی نہیں

ہے۔ "محمود نے پوچھا۔

"یہ بات نہیں۔ یہ آپ لوگوں کو میرے گھر لائیں گے۔ ان میں کوئی نہیں جا سکتا۔" وہ چند خامس فمارات ہیں۔  
"آپ جا سکتے ہیں۔"

"آپ نے کیا کہا... نہیں۔" آفتاب کے سبجے میں حیرت تھی۔  
"ہاں! میں نے کہا ہے نہیں... یعنی میں بھی ان فمارات میں نہیں جا سکتا... وہاں صرف بہران کا سربراہ جا سکتا ہے... اور کوئی نہیں... اور وہاں بہران کے سائنس دان اور دوسرے ہر قسم کے ماہرین ہیں... ان سے ملنے کی اجازت کسی کو نہیں۔"

"اور ان کی رہائش گاہوں پر ان سے ملا جا سکتا ہے۔" شوکی نے پوچھا۔

"حد ہو گئی... اسے بھی... ان سے کہیں بھی نہیں ملا جا سکتا... ان کمروں میں کوئی جا سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے... مسٹر شنگ سے ملاقات تو ہو سکتی ہے نا۔"

"مجھ سے ہو سکتی ہے تو شنگ سے کیوں نہیں۔" پیر ال مسکرایا۔

"شکر ہے! اگر کسی وقت ہم یہاں... جا میں... تو کیا آپ...  
ہمیں ہمارے ملک بھجوا دیں گے۔"  
"ضرور کیوں نہیں... بلکہ دنیا کے جس ملک میں کہیں گے بھجوا دیں گے... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ لوگ خود ہی جانا پسند نہیں کریں گے... آپ لوگ اپنے کمروں میں دنیا بھر کی خبریں دیکھ سکتے ہیں، آپ کے کمروں کا خادم آپ کو اسکرین وغیرہ کا استعمال بتا دے گا۔"

"اور... یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم دنیا کی خبریں سن سکتے ہیں۔"  
"دنیا ہی کی نہیں... آپ اپنے گھر کی خبر بھی لے سکتے ہیں... بس آپ کو فوری کوئی گھمانے کا فن آنا چاہیے... خادم آپ کو طریقہ بتا دے گا... اس کے بعد اپنے شہر کا کوئی مقام اسکرین پر نظر آنا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا، میں نے بتایا نا... ہمارے سائنس دانوں نے بہت کام کیا ہے اور بہران کے لیے دن رات ایک کر دیے ہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا وہ یہاں اداس نہیں ہوتے اپنے بیوی بچوں کے بغیر۔"

"حد ہو گئی... وہ لوگ تو بہران کے بانی ہیں... انہیں آنے

جانے کی اجازت ہے... بلکہ یہ اجازت تو مجھے اور شنگ کو بھی ہے۔"



”تو نکل ایہ اجازت آپ ہمیں بھی دلوادیں نا۔“ فرحت نے  
بیار بھر سے سبکے میں کہا۔

”واو واو... بہت خوب۔“ جیرال زور سے ہنسا... پھر ہنسی روک کر اس نے کہا۔  
”اب میں چلا۔“

”خادم کو بلانے کا طریقہ بتاتے جائیں۔“ فاروق نے جلدی سے  
کہا۔  
”کمرے کی میز پر لگا سرخ مٹن دبا دیں... وہ حاضر ہو جائے گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال کمرے سے نکل گیا... دروازہ بند ہو گیا... فاروق نے فرحت کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔  
”یہ بات کہنے کی بھلا کیا تھی... وہ اور ہمیں بہران سے باہر آنے جانے کی اجازت دے دیں گے... ہم بھلا ان کے کیا لگتے ہیں...“

”بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا... یہ کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی... اب مجھ پر آگ بگولا ہونے کا کیا فائدہ۔“

”ٹھیک ہے فاروق... یہ بات مذاق کی تھی... جیرال نے بھی

اسے مذاق میں ہی لیا ہے۔“  
”اور اب سب سے پہلے ہم اپنے ملک دور اپنے شہری خجریں کیوں نہ لیں۔“ محمود نے کہا۔  
”اوہ ہاں۔“

فاروق نے فوراً سرخ مٹن دبا دیا۔ فوراً ہی خادم امداد آیا۔  
”ہیں سر۔“  
”بھئی اسکرین آن کرنا اور دنیا بھر کی خبریں لگانے کا طریقہ بتا دینا۔“  
”ابھی لیں۔“

”آپ کا نام کیا ہے۔“  
”ایسے سوالات اور جواب کی اجازت نہیں ہے جناب۔“  
”اوہ اچھا... ہمیں معلوم نہیں تھا۔“

اس نے دیوار کے نزدیک جا کر بتانا شروع کیا۔

”یہ مٹن دباؤں گے تو اسکرین آن ہو جائے گی... اس کے بعد

یہاں کے حساب سے نمبر اور نام لکھے ہوئے ہیں... ریہوٹ کنٹرول آلہ

بھی موجود ہے، آپ بستر پر بیٹھے بیٹھے بھی اسٹیشن تبدیل کر سکتے ہیں...

یہ دیکھیے... آپ کا ملک لگاتا ہوں۔“

جلد ہی انہیں اپنا دارالحکومت نظر آنے لگا۔  
 "بس ٹھیک ہے... ہم دیکھ لیں گے۔"

"یہ تو دارالحکومت ہے... خود ہی لگ گیا... کوئی اور شہر در  
 چاہیں تو اس کے لیے آپ کو فری کونٹری گھمانی پڑے گی... اور یہ  
 ریوٹ کنٹرول آلے سے ہو جائے گا... اس کا طریقہ میں بتا دیتا ہوں  
 ... یہ دیکھیں... یہ ریوٹ کنٹرول ہے... اس کے دائیں طرف ٹول  
 مین ہے... اسے دائیں گھمائیں گے تو شہر تبدیل ہوتے چلے جائیں گے  
 ... یعنی بڑے اور مشہور شہر... بائیں طرف گھمائیں گے تو اس شہر کے  
 حصے تک نظر آئیں گے۔"

"اوہو اچھا۔" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! آپ لوگ چاہیں تو اپنے گھر والوں کو بھی دیکھ سکتے  
 ہیں۔"

"کیا!!! وہ سب چلا اٹھے۔"

اور پھر خادم ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"تب پھر پہلے ہم اپنے گھر کی خبر لیتے ہیں۔" فاروق نے چٹا  
 کر کہا۔

"بری بات ہے فاروق۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"میں... کیا کیا... یہی بات ہے... میں یہی بات کہتا

ہوں۔"

پہلے ہمیں ملک کے حالات دیکھنے پڑیں

اب ان کا شہر ان کے سامنے نظر آ رہا تھا... پورے شہر پر سنگ

ساچھایا ہوا تھا... یوں لگتا تھا جیسے کوئی عظیم لیڈر فوت ہو گیا ہو...  
 دکانیں بند تھیں... دفتر بند تھے... بس ہسپتال کا سماں تھا...

"اب یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہوا ہے... آوازیں بھی تو

سنائی دینی چاہئیں۔"

"آوازوں کے بارے میں خادم صاحب نے نہیں بتایا۔"

"پہلے ہم خود کوشش کر لیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے پروفیسر داؤد

نے آلہ خود لے لیا اور اسے دیکھ کر ایک ٹھن دبا یا... فوراً ہی آوازیں

سنائی دینے لگیں... ایک شخص کہہ رہا تھا... ساتھ میں وہ نظر بھی آ رہا تھا

... مطلب یہ کہ اس وقت فری کونٹری اس مقام پر تھی۔

"کیا وقت آگیا ہے... سونے کے سگنوں نے تو کسی کام کا نہیں

رہے دیا... بس سونے کے سگنے جمع کر لو... انہیں بیچ دو... کسٹے



اور اپنے کا سامان خرید لو۔ اور دنیا کا کوئی کام نہ کرو۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ پہلے ہاتھ پیچ تو چلایا کرتے تھے۔ کھونا پھر ان کو کرتے تھے۔

انہوں نے بن تھوڑا سا اور گھمایا۔۔۔ لوگ بس اسی قسم کی باتیں کرتے نظر آئے۔

”اب میرا خیال ہے۔۔۔ ہم اپنے گھر کے حالات دیکھ لیں۔“ انہوں نے بن گھمانا شروع کیا۔۔۔ شہر کی سڑکیں تیزی سے بدلتی نظر آئیں۔۔۔ آخر ان کی سڑک آگنی۔۔۔ پھر ان کا گھر نظر آنے لگا۔ اب انہوں نے وہاں فری کوئٹھی فکس کر لی۔۔۔

گھر کا منظر ان کے سامنے تھا۔۔۔ پھر گھر کے اندر کا منظر بھی نظر آنے لگا۔

انہوں نے دیکھا، وہاں تمام بیگمات جمع تھیں۔۔۔ سب بچے بھی وہیں تھے۔۔۔ وہ اس وقت کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے۔۔۔ کھانے کے ساتھ ساتھ بات چیت بھی ہو رہی تھی۔۔۔ بیگم جمشید کہہ رہی تھیں۔۔۔

”اللہ کا شکر ہے۔۔۔ ہم سب کے جال میں نہیں آئے۔۔۔ اپنے گھر کے گھر میں رہے۔۔۔ ورنہ عورتیں کیا اور بچے کیا۔۔۔ سب کے سب ان سب کے دیوانے بن کر رہ گئے ہیں۔“

”اور نہ جانے ہمارے گھر والے کہاں ہوں گے۔۔۔ گھر بھٹکے۔۔۔“

انہوں نے اداس لہجے میں کہا۔

”اور ہم۔۔۔ میرے ابو۔۔۔ شادی کی تو اور سالی دی۔“ وہ اللہ کی مہربانی سے جہاں بھی جیسا۔۔۔ نجات سے تین اور ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش میں ہوں گے جنہوں نے ہمارے اسلامی ملکوں کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔۔۔ دیکھا جائے تو اب اسلامی ریاستیں صفر ہو کر رہ گئیں ہیں۔۔۔ ان پر حکم تو سب کا چلتا ہے۔۔۔ سب کے پرسانے والے جب چاہتے ہیں۔۔۔ سب کی توجہ اپنی طرف کر لیتے ہیں۔۔۔ کام کاج میں تو اب کسی کو دلچسپی رہ ہی نہیں گئی۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ یہ کیسی سازش ہے۔۔۔ گلتا ہے۔۔۔ اس سازش کا کوئی توڑ کسی کے پاس نہیں۔۔۔ جب تک سب ختم نہیں ہو جاتے۔۔۔ بھلا کیا ہو سکتا ہے۔“

”اور سب ختم ہونے کا کوئی امکان دور دور تک نہیں۔۔۔ سنا ہے۔۔۔ وہاں تو سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”اللہ سے دعا تو کر ہی سکتے ہیں۔۔۔ بس دعائیں کیے جائیں۔۔۔“

اللہ مالک ہے۔۔۔

وہ دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے۔۔۔ اور مسکراتے رہے۔۔۔ ان کا جی چاہ رہا تھا۔۔۔ کسی طرح وہ اپنا آپ بھی ان لوگوں کو دکھا دیتے

یا قانون پر ہی بات کر لیتے۔ لیکن یہاں کے والی اور افسانہ ساز  
 کو امکان کب رہنے دیا تھا۔  
 ”کیا خیال ہے۔۔۔ اب ذرا ریاست برہائی کے حالات دیکھ لیں۔“

”وہاں کے حالات ہمارے ملک کی نسبت زیادہ خراب ہوں گے۔  
 ارے ہاں! ہم نے یہ تو دیکھا ہی نہیں۔۔۔ کہ ہمارے دفاتر کا کیا  
 حال ہے۔۔۔ صدر صاحب۔۔۔ آئی جی صاحب وغیرہ کس حال میں ہیں  
 اور تو اور انکل اکرام کس حال میں ہیں۔“  
 ”دیکھ لیتے ہیں۔“

”انہوں نے فری کوئٹہ گھانا شروع کی۔۔۔ اور آخر ان کے دفاتر  
 نظر آنے لگے۔۔۔ وہاں سب لوگ اپنی ڈیوٹی پر ضرور موجود تھے۔  
 لیکن لگتا تھا، انہیں کوئی کام نہیں ہے۔۔۔ بس ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے  
 تھے۔۔۔ یہی حال ایوان صدر کا نظر آیا۔۔۔ انہوں نے بور ہو کر ریاست  
 برہائی سے سلسلہ ملایا۔۔۔ وہاں حال اپنے ملک سے بھی برا نظر آیا  
 ۔۔۔ صدر صاحب تو محل میں تھے نہیں۔۔۔ ان کی جگہ ان کے چچا زاد بھائی  
 لے چکے تھے۔۔۔ اور لوگ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنا  
 رہے تھے۔۔۔ لوگ کام کاج کرتے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔۔۔ یوں لگتا

تھا جیسے سب لوگ ہفتہ کوئی کام کیا کرتے ہیں۔۔۔ جیسے انہیں کمانے کی کوئی فکر نہ رہی ہو۔  
 عادی ہو گئے ہوں۔۔۔ سب طرف ایک جیسے حالات ہیں۔  
 انہوں نے بور ہو کر دسکرین بند کر دی۔  
 ”کوئی فائدہ نہیں دیکھتے کا۔۔۔ سب طرف ایک جیسے حالات ہیں۔  
 یہ لوگ جسے دیکھتے ہوں گے کہ فلاں جگہ کے لوگ جاگ رہے ہیں۔  
 ہوش میں آ رہے ہیں۔ ان کی سازش کو سمجھ رہے ہیں تو وہاں یہ سگے  
 کی بارش کر رہے ہوں گے۔۔۔ بس ان کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے  
 لیکن۔“ انسپکٹر کا مران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔  
 ”لیکن کیا انکل۔۔۔ محمود نے ان کی طرف دیکھا۔“  
 ”لیکن۔۔۔ اس مسئلے کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے۔۔۔ بھلا

سونے کے پہاڑوں کا ہم کیا کر سکتے ہیں۔“  
 ”اوہ ہاں! سونے کے پہاڑ۔۔۔ لیکن انکل سونے کے پہاڑوں  
 کی بات تو بعد میں ہوگی۔۔۔ اس سے پہلے تو مسئلہ یہاں کی حکومت کا  
 ہے۔۔۔ یہاں کے انتظامات ہمارے علم میں ہی نہیں ہیں۔۔۔ ہم بھلا  
 یہاں کیا کر سکتے ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس یہاں رہیں گے اور اگر ہم اس ماحول میں  
 رہ گئے تو بیوی بچوں کو بھی یہاں بلوائیں گے۔۔۔ کیونکہ اپنے ملک میں



جو حالات ہیں، ان حالات میں ہم وہاں رہ کر بھلا کیا کر سکیں گے۔  
 "نھیک ہے۔۔۔ پہلے دس پندرہ دن یہاں گھوم پھر لیجئے میں  
 پھر فیصلہ کریں گے۔"  
 "آج تو ہم ٹھکن اتاریں گے، کل سے سیر شروع۔"  
 "بالکل ٹھیک۔"

رات کا کھانا بہت پر تکلف تھا۔۔۔ لیکن سب کا سب ریڈی میا  
 تھا۔۔۔ اور غالباً ایکورم سے لایا گیا تھا۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔  
 مہمانوں کے لیے کم از کم کھانا تیار نہیں کرایا جاتا تھا۔۔۔ منگوا لیا جاتا تھا۔  
 باقی لوگ کیا کرتے تھے۔۔۔ یہ وہ ان سے معلوم کر کے ہی جان سکتے  
 تھے۔۔۔ سولہی تان کر سو گئے۔

دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد انہوں نے سیر کی ٹھانی۔۔۔ کھنٹی  
 بھائی تو خادم اندر داخل ہوا۔۔۔ لیکن یہ وہ کل والا خادم نہیں تھا۔۔۔ اس  
 کا مطلب تھا۔۔۔ ان کے اوقات مقرر تھے۔۔۔  
 "ہمیں سیر کے لیے جانا ہے۔۔۔ ڈرائیور سے کہیں گاڑیاں تیار  
 رکھیں۔"

"گاڑیاں تیار ہیں۔۔۔ یہاں تیار ہونے پر وقت ضائع نہیں کیا  
 جاتا۔۔۔ ہر چیز ہر وقت پر تیار ملتی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"  
 "لیکن اس وقت آپ سیر کے لیے جا کر کیا کریں گے۔ سب  
 لوگ سوئے پڑے ہیں۔۔۔ یہاں دن کے گیارہ بجے سے پہلے کوئی نہیں  
 اٹھتا۔"

"اوہو اچھا! لیکن ہمیں تو اسی وقت سیر کی عادت ہے۔۔۔ ابڑا ہم  
 تو اسی وقت جائیں گے۔۔۔ گیارہ بجے سے پہلے تو ہم شاید واپس بھی  
 لوٹ آئیں گے۔"  
 "آپ کی مرضی۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔۔۔ ایک  
 منٹ بعد ہی اس نے اندر آ کر کہا۔  
 "دونوں گاڑیاں بالکل تیار ہیں۔"

وہ فوراً باہر نکل آئے۔۔۔ ایک گاڑی میں انسپٹر جشید بیٹھے، دوسری  
 میں انسپٹر کامران مرزا۔۔۔ اور پھر باقی لوگ تقسیم ہو گئے۔  
 "جی سر۔۔۔ کہاں چلنا ہے۔" اگلی کار والے ڈرائیور نے کہا۔  
 "سونے کے پہاڑوں کی طرف۔" انہوں نے کہا۔  
 "جی۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ اس وادی میں سب  
 سے اہم چیز تو یہی ہے۔"

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن...“ اس نے کہا۔  
”لیکن کیا...“

”وہ تو یہاں سے بہت دور ہیں... وہاں جاتے جاتے تو...  
ہو جائے گی... اور واپس آتے آتے شام...“

”تو کیا ہوا... آپ کھانے پینے کا سامان ساتھ رکھ لیں...“  
”وہ گاڑیوں میں پوری طرح موجود ہے...“  
”تو پھر پریشانی کیسی...“

”آپ کی مرضی... لیکن جناب! آپ وہاں جا کر کیا کریں گے... وہاں تو صرف پہاڑ ہیں... یا وہ مشینیں... جو سونے کے ٹکڑے کو کاٹ کاٹ کر سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے الگ کرتی ہیں... پھر... ٹکڑے نکمال تک لائے جاتے ہیں...“

”نکمال... کیا مطلب...“

”جہاں ان ٹکڑوں کو سکوں میں ڈھالا جاتا ہے...“

”پھر بھی ہم ان پہاڑوں کو دیکھنا چاہتے ہیں...“

”ٹھیک ہے... میں ساتھی کو بتا دوں کہ ہماری منزل کون سی

ہے...“

”بتادیں...“

دراپور نے پھیلی کار کے ذریعہ اس کے پاس جا کر کہا  
”سونے کے پہاڑوں کی طرف جاتا ہے...“  
”اور... اتنی دور کی سیر...“

”ان کی خواہش نہیں ہے...“  
”ٹھیک ہے...“ اس نے کندھے اچکا دیے۔  
”اور پھر ان کا سفر شروع ہوا۔“

”یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ اس دنیا میں ایک جگہ سونے کے  
پہاڑ بھی ہیں...“ اگلی کار میں موجود آصف کہہ رہا تھا۔  
”عجیب تو ہے... لیکن غریب نہیں، اس لیے کہ سونا کافی مہنگی  
چیز ہے...“ آفتاب نے کہا۔

”صرف انسپکٹر جمشید اس کی بات سن کر ہنس پڑے... بلکہ  
دراپور بھی ہنسا تھا۔“

”اور کیا یہ بات عجیب نہیں کہ یہ جگہ ساری دنیا سے الگ تھلک  
ہے... جب کہ سونے کی ضرورت تو دنیا کو ہوتی ہے... یہ پہاڑ اگر  
وہاں کسی ملک کو مل جائیں تو وہ کیا نہیں کرے گا...“

”ہاں! یہ بات بھی عجیب ہے... لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کے کام

ہیں... اب سے پہلے تو کسی کو معلوم بھی نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی ایسی



جگہ بھی ہے۔ جہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔

”اس شخص پر حیرت ہے۔ جس نے یہ جگہ دریافت کر لی  
آخر کیسے دریافت کر لی اس نے۔“

”اس نے نہیں۔۔۔ انہوں نے۔۔۔ وہ اس علاقے کے سربراہ ہیں۔  
ان کی یہاں حکومت ہے۔۔۔ بلکہ یہاں کیا۔۔۔ اب تو دنیا کے ر  
جاتے کتنے ملکوں پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔۔۔ ابھی ابھی یہ بات  
سننے میں آئی ہے۔۔۔ کہ ایک اسلامی ریاست پر انشادجہ کے کہنے سے  
وہاں کی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔۔۔ یعنی وہاں کا جو حکمران تھا۔۔۔ قانونی  
حکمران تھا۔۔۔ پورے ملک کی رعایا نے اسے اپنا صدر چنا تھا، لیکن  
انشادجہ کے اشارے پر وہاں کی فوج نے اس کا تختہ الٹ دیا۔۔۔ اسے  
گرفتار کر لیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔۔۔ اسلامی دنیا صرف احتجاج کر  
کے رہ گئی۔۔۔ کچھ بھی نہیں بنا۔۔۔ فوج بدستور قبضہ جمائے ہوئے ہے  
اور عوام آپس میں لڑ رہے ہیں۔۔۔ یعنی پہلے صدر کے حامیوں اور فوج  
میں جنگ ہو رہی ہے۔۔۔ جب اندرونی طور پر حکومتیں مضبوط نہ ہوں تو  
پھر یہی کام کیے جاتے ہیں۔“ ڈرائیور کہتا چلا گیا۔۔۔

”ہیں تو آپ ڈرائیور۔۔۔ اور باتیں کر رہے ہیں۔۔۔ بہت پڑھے  
لکھے لوگوں کی۔“

”ہیں قسمت کی بات ہے۔۔۔ اندر دیکھنے میں تو ایک اکیسوا  
بیت بڑی تنخواہ کا لالچ دے کر ڈرائیور بھرتی کر لیا گیا۔ کہنے کے  
بیت ڈرائیور کو ایک انجینئر کی پانچ تنخواہوں کے برابر تنخواہ ملے تو  
کیا ضرورت ہے انجینئر بننے کی۔ ڈرائیور بن جائے۔۔۔ اتنی تنخواہ ملا  
کرے گی۔۔۔ میرے منہ سے تنخواہ سن کر رال چپنے لگی۔ اور میں نے  
ہاں کر دی۔۔۔ بس مجھے راکھ دھوم میں بٹھا کر یہاں بھیج دیا گیا۔ اب  
تنخواہ تو واقعی پانچ انجینئروں جتنی ملتی ہے۔۔۔ لیکن اس تنخواہ کا کیا فائدہ  
۔۔۔ جب میں اپنے گھر میں نہ ہوں، گھر والوں کے ساتھ نہ ہوں۔۔۔ ہر  
وقت انہیں یاد کرتا رہتا ہوں۔۔۔ وہ مجھے یاد کرتے ہیں۔۔۔ لیکن کوئی حل  
نہیں۔۔۔ یہاں کم از کم پندرہ سال پورے کرتا ہوں گے۔۔۔ تب یہ لوگ  
واپس مجھے میرے گھر پہنچائیں گے۔۔۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ  
ایسا کریں۔۔۔ گلتا بھی نہیں ایسا کریں گے۔۔۔ یہاں کا ہر ملازم یہی سوچتا  
ہے۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

ان کے دل دکھی ہو گئے۔

”تو آپ ان سے کہہ کر بیوی بچوں کو یہاں بلا لیں۔“

”میں یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔۔۔ اگر ان کا یہاں دل نہ لگا تو  
کیا ہو گا۔۔۔ پھر وہ بھی یہاں آکر پھنس جائیں گے۔۔۔ اب تو چلو وہ

اپنے ملک میں تو ہیں۔"

"آپ کی کہانی دکھ بھری ہے۔"

"صرف میری ہی نہیں... یہاں ہر ملازم کی یہی کہانی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... جو پائلٹ یہاں سے نکلے گا...  
نے بھی یہی کہانی سنائی تھی... وہ بھی آپ کی طرح اداس تھا۔"

"کیا کہا... سچ لگا۔"

کار کو ایک زبردست دھچکا لگا... وہ بری طرح چوٹے۔

☆☆☆☆

## سونے کی دھار

دراصل پائلٹ غیر ارادی طور پر ڈرائیور نے بریک لگائی تھی۔  
شاید اس نے اپنی زندگی کی حیرت انگیز ترین خبر سنی تھی... پچھلی گاڑی  
سے ڈرائیور کو بھی زبردست بریک لگانے پڑے... ساتھ ہی اس نے  
چلا کر کہا۔

"کیا ہوا انہیں۔"

"یاد رہت حیرت کی خبر سنی ان لوگوں سے یقین نہیں آیا۔ اس

لے غیر ارادی طور پر بریک لگ گئے۔"

"اور اگر میں خبر دار نہ ہوتا... تو ہو گیا تھا نا ایکسیڈنٹ۔"

"یہ گاڑیاں کون سا ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں... دنیا کی موہلی ترین

گاڑیاں ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے... وہ خبر کیا ہے... اس نے گاڑی سے باہر

آتے ہوئے کہا... اب باقی لوگ بھی باہر آگئے تھے... دروازے بند کر



دیے گئے۔

”ان کا کہنا ہے، ہیران کا ایک پائلٹ ایسا ہے۔۔۔ جو ہیران سے بچ نکلا ہے۔۔۔ وہ راکنڈوم کا پائلٹ تھا۔“

”اور وہ بچ کیسے نکلا۔“

”ابھی انہوں نے یہ نہیں بتایا۔“

”تب یہ حضرات گپ چھوڑ رہے ہیں۔“

”تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے۔۔۔ ہم لوگ یہاں لائے نہیں گئے۔۔۔ خود آئے ہیں۔“

”یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”تو تمہیں یقین نہیں آیا۔“

”بالکل نہیں۔۔۔ کیونکہ ان کی مرضی کے بغیر یہاں بھلا کون آ سکتا ہے۔“

”ہم انہیں پوری کہانی سنا دیتے ہیں۔۔۔ لیکن کیا ہماری بات چیت سنی نہیں جائے گی۔“

”گازلیوں میں ہونے والی بات چیت ریکارڈ ہو رہی ہے۔۔۔ لیکن ہم اس وقت باہر کھڑے ہیں۔“

”تو پھر آؤ۔۔۔ ذرا گازلیوں سے دور ہو جائیں۔۔۔ ہم آپ

دونوں کو اپنی کہانی سناتے ہیں اور اس پائلٹ کی کہانی سننے والے تھیں۔۔۔ ہمارے ذریعے ہیران سے نجات دی ہے اور اب وہ اپنے وطن بچنے کے ساتھ ہے۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اس کی سچائی میں دن رات ایک کر رہے ہیں۔۔۔ اور ہو سکتا ہے حقائق کو لیں۔۔۔ لیکن فی الحال تو وہ بچ نکلا ہے۔“

انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔۔۔ سارا ہیران تو سویا ہوا تھا۔۔۔ اس وقت کون ان کی طرف توجہ دیتا۔۔۔ دور آکر انسپکٹر جوشید نے ساری کہانی سنا دی۔۔۔ وہ حیرت زدہ سے سنتے رہے۔۔۔ پھر انسپکٹر جوشید نے دہی آواز میں کہا۔

”اگر تم دونوں ہمارا ساتھ دو تو آہستہ آہستہ ہم اپنا کام شروع کر سکتے ہیں اور ان شاء اللہ ایک دن ہم تم لوگوں کو بھی یہاں سے نکال لے جائیں گے۔۔۔ فی الحال تو ہمیں ہر چیز کو سمجھنا ہے۔“

”لیکن اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ ہم ان کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو ہم سب مارے جائیں گے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”مارے تو ہم دیے بھی جا چکے ہیں۔۔۔ یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔۔۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی حکومت کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ملک

بدر کر دے۔ کیا تم لوگوں کا جی نہیں چاہتا کہ اپنے گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے پاس رہو۔“

”لو اور سنو... یہ اور ہمارا جی نہیں چاہتا ہو گا... ہم تو چاہتے ہیں، بس کسی طرح یہاں سے نکل جائیں اور اڑ کر اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔“

”ان شاء اللہ تم اڑ کر ہی اپنے گھروں میں پہنچو گے۔“

”کیا واقعی... ایسا دن آسکتا ہے۔“

”ہاں! اللہ نے چاہا تو۔“

”لیکن کیسے؟“

”فی الحال آپ اس سوال کو رہنے دیں... یہ ہمارا کام ہے۔“

تم لوگ بس ہمارا ساتھ دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہو... اور بھی جو لوگ یہاں جک ہیں، انہیں آہستہ آہستہ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہو... ہم تمہیں بتا چکے ہیں... ہم یہاں سے ایک شخص کو لے جا چکے ہیں اور اسے یہ لوگ اب تک تلاش نہیں کر سکے... رہ گئے ہم... تو ہم تو خود یہاں واپس آئے ہیں... دراصل ہم یہاں قید سب لوگوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں... اور ان لوگوں کی حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے چلے گئے۔

”لیکن... یہ کیسے ہو گا۔“

”یہ ہمارا کام ہے... اس بات کو چھوڑیں۔“

”آج سے ہم یہ کام شروع کر دیں گے۔“

”ابھی بات ہے... اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ کوئی تم لوگوں کی

”لیکن اس میں ایسی گاڑی اور ایسی عمارت میں اس قسم کی باتیں باتیں نہ سن سکے... بس کھلے میدان میں کسی بہانے ایک ایک دو کو نہیں کرنی ہیں...“

اپنے ساتھ ملائے رہو۔“

”یہ کام ہم کریں گے، آپ فکر نہ کریں، کیونکہ سب لوگ یہاں سے جانے کے لیے پھلی کی طرح تڑپتے رہتے ہیں۔“

”ہوں... ہم سمجھتے ہیں... اشارہ تمہیں بتا دیتے ہیں... ہم ان راکٹروں کو اڑا سکتے ہیں... ان کے خود کار نظام کو ختم کر سکتے ہیں

اور جب ہم ان کے خود کار نظام کو ختم کر دیں گے، تب یہ راکٹروں ہمارے ہاتھ میں ہوں گے... لیکن ظاہر ہے... اس سے پہلے ہمیں ان

لوگوں سے ٹکر لینا ہو گی... باقاعدہ جنگ ہو گی... اس جنگ میں کسی کی بھی فتح ہو سکتی ہے۔“

”یہاں سے سب لوگ جانے کے لیے موت کی حد تک تیار ہیں... بس کوئی انہیں لے کر چلنے والا ہو... شاید وہ لوگ آپ ہی ہیں۔“



”اب تم لوگ بات کو درست طور پر سمجھ رہے ہو۔“  
 اور وہ گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔۔۔ اب انہیں فرائض کے طہر پار  
 دھو کر باتیں کرنی تھیں۔۔۔ یہاں تک کہ وہ سونے کے پہاڑوں تک پہنچ  
 جاتے۔۔۔

”دیکھ کر گاڑی چلایا کرو۔۔۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا آج۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

اب پھر ان کا سفر شروع ہوا۔

”یہ کیا تم مجھے بھی ڈرائیونگ سکھا سکتے ہو۔۔۔ میرا مطلب ہے  
 گاڑی تو میں چلا لیتا ہوں۔۔۔ یہاں کے اصول کیا ہیں۔۔۔ اس کے  
 حساب سے۔۔۔“

”یہاں دائیں طرف ڈرائیونگ ہے اور کوئی بات نہیں۔۔۔ لیکن  
 ظاہر ہے، انہیں اس بات کا پتا چل جائے گا۔“

”خیر۔۔۔ ہم مسز جبرال سے اجازت لے لیں گے۔“  
 ”یہ زیادہ مناسب رہے گا۔“

”ہم اپنے کمروں میں جا کر ان سے رابطہ کریں گے۔۔۔ ابھی تو  
 وہ بھی سو رہے ہوں گے۔“

”جی ہاں!“

اب ان کا سفر پھر پہاڑوں کی طرف شروع ہوا۔۔۔ ابھی تک  
 انہیں کسی بھی قسم کا کوئی پہاڑ نظر نہیں آیا تھا۔۔۔ پھر ایک کھجور کی  
 ڈرائیونگ کے بعد آخر انہیں اپنے سامنے پہاڑ نظر آنے لگے۔۔۔ نیلی وہ  
 نیلے رنگ کے پہاڑ تھے۔۔۔ جب کہ ان کا خیال ہے۔۔۔ وہ سنہری رنگ  
 کے نظر آئیں گے۔

”یہ وہ پہاڑ تو نہیں۔“ انسپکٹر جشید نے کہا۔  
 ”یہی وہ پہاڑ ہیں۔“

”جب پھر یہ نیلے کیوں ہیں؟“

”اس لیے کہ دور سے یہ نیلے ہی نظر آتے ہیں۔۔۔ ابھی سورج  
 نہیں نکلا۔۔۔ سورج نکلے گا اور سورج کی شعاعیں ان پر پڑیں گی تب ان  
 کو دیکھیے گا۔“

”ادہ اچھا۔۔۔ لیکن ابھی تو کافی سفر باقی ہے۔“

”ہاں! یہ نظر بے شک آرہے ہیں۔۔۔ لیکن ہیں ابھی بہت دور۔“

اور پھر ان کا سفر جاری رہا۔۔۔ سب لوگ ان پہاڑوں پر نظریں

جمائے ہوئے تھے۔۔۔ جنہوں نے اسلامی دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا

تھا۔

اور آخر وہ ان پہاڑوں تک پہنچ گئے۔۔۔ اس وقت تک سورج

نکل چکا تھا اور اس کی شعاعیں ان پہاڑوں پر پڑنے لگی تھیں۔  
ان کا رنگ سنہری ہو گیا تھا۔

بالکل پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ کاروں سے اتر گئے  
انہوں نے کاروں کے دروازے بند کر دیے۔۔۔ اب ان کی گفتگو دیکھا  
نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔ اور وہ آزادانہ بات چیت کر سکتے تھے۔۔۔  
”یہاں تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔۔۔ یعنی پہاڑوں سے نکلے توڑے  
والے۔۔۔ یہاں کہاں ہیں۔“

”میں نے بتایا نا۔۔۔ یہاں دن کے گیارہ بجے سے پہلے کوئی کام  
شروع نہیں ہوتا۔۔۔ گیارہ بجے تک سب کا سونے کا وقت ہے۔۔۔ اس  
کے بعد کام شروع ہوتا ہے۔۔۔ اور شام کے سات بجے تک مسلسل کام  
جاری رہتا ہے۔۔۔ اس کے بعد کام کی تو ہو جاتی ہے چھٹی۔۔۔ پھر سب  
لوگ کھانے پینے اور اچھلنے کودنے میں لگ جاتے ہیں۔۔۔ اور انہیں کوئی  
کام نہیں ہوتا۔“

”اس ساری ریاست کا سربراہ کون ہے۔۔۔ یعنی وہ شخص کون  
ہے۔۔۔ جس نے اس سرزمین کو دریافت کیا اور پھر اسے آباد کرنے کا  
منصوبہ سمجھا۔۔۔ اور سونے کے پہاڑوں کے ذریعے اسلامی دنیا کو غلام  
بنانے کی سوچ سوچی۔“

”ہم لوگ انہیں نہیں جانتے۔۔۔ وہ تو یہاں کے مالک تھے۔  
انہی کا حکم چلتا ہے۔“

”اور وہ کہاں ہیں۔“  
”اس ساری سرزمین میں ایک بالکل الگ تھلک امریہ ہے۔  
اس مسٹر جیرال اور مسٹر شنگ جا سکتے ہیں  
وہاں کوئی نہیں جاسکتا۔۔۔ بس مسٹر جیرال اور مسٹر شنگ جا سکتے ہیں  
۔۔۔ انہی دونوں کا باقی سب لوگوں سے رابطہ ہے۔۔۔ یعنی کام لینا ان  
کے ذمے ہے۔۔۔ مگر انی کرنا۔۔۔ دیکھ بھال کرنا سب ان کا کام ہے۔۔۔  
ان دونوں کو ضرور ان کے بارے میں معلوم ہو گا۔۔۔ ویسے انہیں پروفیسر  
آشام کہا جاتا ہے۔“

”پروفیسر آشام۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں۔“

”یہ تو ایسا ہے۔۔۔ جیسے کہا جاتا ہے۔۔۔ خون آشام۔“

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔۔۔ یہ کیا نام ہے۔۔۔ لیکن نام یہی ہے۔“

”مطلب یہ کہ وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔“

”جی نہیں۔“

”خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم مسٹر جیرال سے کہیں گے۔۔۔

کہ ہماری اس سے ملاقات کرادیں۔۔۔ کیونکہ ہمارے نزدیک بہت



حیرت انگیز آدمی ہے۔“

”میرا خیال ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہو گا۔“

”دیکھا جائے گا۔۔۔ اب ہم ان پہاڑوں کو دیکھ لیں۔“

وہ ان پر چڑھنے لگے۔۔۔ یعنی وہ سونے کے پہاڑوں کی طرف

رہے تھے۔۔۔ ان کے ملک میں جو چیز سب سے قیمتی تھی۔۔۔ جو آرمی

کے حساب سے فروخت ہوتی تھی۔۔۔ اور دس گرام بھی پچاس ہزار

قریب کا ملتا تھا۔۔۔ وہ آج ان کے سامنے پہاڑوں کی صورت پر

موجود تھا۔۔۔ وہاں ہر طرف سونے کے پتھر بالکل اسی طرح پھرے

پڑے تھے جیسے تمام پہاڑوں پر پتھر پڑے ہوتے ہیں۔

انہوں نے ان پتھروں کو اٹھا کر غور سے دیکھا۔

”کیا خیال ہے انکل خان رحمان۔۔۔ کیا یہ خالص سونا ہے۔“

”ہاں!“ انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”دنیا میں جہاں جہاں سونے کی کانیں ملتی ہیں۔۔۔ ان میں تو

سونا مٹی اور پتھر کے ساتھ ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور اسے الگ کرنا پڑتا

ہے۔“

”ہاں! بالکل یہ سونا ایسا ہے کہ اس میں سے کچھ الگ کرنے کی

ضرورت نہیں۔۔۔ سو فیصد خالص سونا۔۔۔ یہ دیکھو۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ایک گن لہائی کے نیچے والا لٹا لٹا کر

کراستہ موڑنے کی کوشش کی۔۔۔ وہ قدرے سوجھا ہوا تھا

”دیکھا۔۔۔ خالص سونا نرم دھات ہے۔۔۔ سخت نہیں ہے۔“

”ہوں۔“

اب وہ ڈرائیوروں کی طرف مڑے۔

”اور وہ جگہ کہاں ہے۔۔۔ جہاں سونے کے سائے تیار کیے جاتے

ہیں۔“

”اس جگہ سے تو پتھر گاڑیوں میں بھر بھر کر لے جائے جاتے ہیں

۔۔۔ وہ جگہ اسی طرف کہیں ہے۔۔۔ جہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔۔۔

۔۔۔ وہ جگہ دن رات راکنڈوم اڑتے ہیں۔۔۔ اور نہ جانے کہاں جاتے ہیں

اس جگہ دن رات راکنڈوم اڑتے ہیں۔۔۔ اور نہ جانے کہاں جاتے ہیں

۔۔۔ ظاہر ہے، وہ سونے کے سائے لے کر جاتے ہیں۔“ ایک نے کہا۔

”ہوں۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔ ویسے آپ دونوں کو یہاں کتنی دیر ہو

گئی ہے۔“

”پندرہ سال پہلے ہم ان کے جال میں آئے تھے۔۔۔ اچھی بھلی

ایک ادارے کی ملازمت کر رہے تھے۔۔۔ کہ ان کا بے تحاشہ تنخواہ کا

اشتہار دیکھا۔۔۔ یعنی ڈرائیوروں کی ضرورت کا۔۔۔ بس انٹر ویو دینے

چلے گئے اور پھنس گئے۔“

”انہوں نے انٹرویو کہاں لیا تھا۔“

”انٹرویو تو ہمارے ملک میں ہی لیا گیا تھا۔۔۔ لیکن ملازمت  
لے ایکورم میں بلایا گیا تھا۔۔۔ ہم نے سوچا تھا۔۔۔ تمہیں چار سال کا  
ہم اس قدر دولت جمع کر لیں گے کہ ساری زندگی آرام سے کھا سکیں  
۔۔۔ بس یہ سوچ ہمیں ایکورم لے گئی۔۔۔ ایکورم سے یہ ہمیں راکنڈوم  
بٹھا کر یہاں لے آئے۔“

”جب انہوں نے آپ دونوں کو راکنڈوم میں بٹھایا، اس وقت  
آپ نے گھبراہٹ محسوس نہیں کی تھی۔“

”کی تھی۔۔۔ لیکن اس وقت ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔۔۔ ہم تو  
کے شکنجے میں آچکے تھے۔۔۔ اب ہم راکنڈوم سے نیچے تو کود نہیں  
تھے۔۔۔“

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھٹکا کر اپنی ران پر ہاتھ

مارا۔

”آپ کو کیا ہوا؟“ ڈرائیوروں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ ان کی عادت ہے۔۔۔ آپ کوئی خیال نہ کریں۔“ آفتاب

نے فوراً کہا۔

”محمود نے آفتاب کو کھا جانے والے انداز میں دیکھا۔

”یعنی آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جاوے گا کیا؟“ آفتاب نے گھبرا

ہٹا۔

”میں آدم خور نہیں ہوں۔“ محمود نے اسے اور زیادہ تیز نظروں

سے گھورا۔

”میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کی بات کی ہے اور

آدم خور آنکھوں ہی آنکھوں میں نہیں کھاتے۔“ آفتاب بولا۔

”واہ واہ۔۔۔ بہت اچھا جواب ہے۔“ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

”واہ واہ۔۔۔ بہت اچھا جواب ہے۔“ فرحت نے اسے مشورہ دیا۔

”تو تم بھی دے دو۔“ فاروق نے اسے مشورہ دیا۔

”کیا دے دوں۔“ فرحت نے اس کی طرف دیکھا۔

”جواب۔۔۔ اور کیا۔“

”ہے کوئی تک۔“

”اچھا بس۔۔۔ پہلے ہم سونے کو دیکھ لیں۔۔۔ سونے کی دھار کو

دیکھ لیں۔“

”جی کیا کہا۔۔۔ سونے کی دھار۔“ فاروق زور سے اچھلا اور محمود

سے ٹکرا گیا۔

”اوہو۔۔۔ کیا ہو گیا۔۔۔ عقل سے پیدل تو تم پہلے ہی تھے۔

اب عقل کے اندھے بھی ہو گئے۔“



”دیکھا آپ نے... سنا آپ نے... مجھے اس نے اٹھا کر لیا ہے۔“

”ہو گئے شروع... اب کہاں رکھیں گے... بسبب کہ ہم ان پہاڑوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب... کیا خیال ہے؟“

”ہاں! میں نے کہا تو یہی ہے... کیا خیال ہے۔“ انپلزم جی نے فوراً کہا۔

”کس بارے میں۔“

”بس اسی بارے میں۔“

انہوں نے سونے کے کئی ٹکڑے اٹھا لیے اور ان کو فور سے دیکھنے لگے۔

”ہم یہاں سے سونے کے ٹکڑے اٹھا سکتے ہیں۔“

”لو جی... یہاں تو یہ عام پتھر ہیں۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ پروفیسر دادو نے کہا اور چند پتھر اٹھا کر جیبوں میں رکھ لیے۔

”آپ ان کا کیا کریں گے۔“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ کو تو پتا ہے... ہمارے ملک میں سونا سب سے قیمتی

دھات ہے اور اسی پر ملکوں کی معاشیات کا دارومدار ہے۔ لہذا سونے کو اپنے پاس رکھ کر میں خوش حسوں کروں گا۔ تم لوگ بھی پتھر اٹھا لے۔ ہم سب اپنے اپنے کمروں میں ان ٹکڑوں کو رکھ کر دیکھیں گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔“

ان سب نے پتھر اپنی جیبوں میں بھر لیے۔ انہیں سونے کے یہ پہاڑ کافی دور تک نظر آرہے تھے... سورج لحد پہ لہے اوپر ہو رہا تھا اور پہاڑ گرم ہو رہے تھے... یہاں کا موسم اگرچہ خوش گوار تھا... نہ سردی تھی نہ گرمی... لیکن اس جگہ سورج کی شعاعیں جوں جوں تیز ہو رہی تھیں... پہاڑ تپتے جا رہے تھے... ادھر وہ ان کے اوپر جا کر دوسری طرف دیکھنا چاہتے تھے کہ اس طرف کیا ہے...

”میرا خیال ہے... دوسری طرف دیکھنے کے لیے ہمیں کل پھر آنا پڑے گا... اور بالکل صبح سویرے آنا ہو گا۔“

”لیکن کیوں... اس طرف کیا دیکھنا چاہتے ہیں آپ۔“ انہوں نے کہا۔

”پتا نہیں... کیوں دیکھنا چاہتے ہیں، آپ کو اگر پتا ہے تو آپ

بتا دیں... کیا ہے اس طرف۔“

”نہیں... میں اس طرف ایک دو بار آیا ہوں... وہ بھی کسی

مہمان نے کہا تو اور مہمان پہاڑ دیکھ کر ہی موت جانتے ہیں۔  
 آپ ہیں جو پہلی بار اس طرح ان پہاڑوں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔  
 "اوہ اچھا... کل آنے سے بہتر ہے... تھوڑی سی تفریح  
 برداشت کر لی جائے اور دیکھ لیا جائے... دوسری طرف کیا ہے؟"  
 "لیکن جمشید... اتنے گرم پہاڑ پر کس طرح چڑھیں گے؟"  
 "آپ لوگ ٹھہریں... میں اور کامران مرزا ہو آتے ہیں۔"  
 "ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" پروفیسر خوش ہو گئے۔

اور پھر وہ تیزی سے چڑھتے چلے گئے... دونوں ذرا اندر نہیں  
 اس قدر تیزی سے اوپر چڑھتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے... آخر  
 دونوں چوٹی پر پہنچ گئے اور ان پر لیٹ کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔  
 "آف تو بہ... یہ کیا لوگ ہیں... کس قدر گرم سونے پر لیٹ  
 گئے۔"

اسی وقت انہوں نے انہیں واپس آتے دیکھا... وہ بلا کی تیزی  
 سے اتر رہے تھے... ابھی ان کے چہرے انہیں صاف نظر نہیں آ رہے  
 تھے... جب وہ اتنے فاصلے پر آ گئے تو صاف نظر آنے لگے تو وہ ان  
 کے چہروں کو دیکھ کر بری طرح چونکے۔

☆☆☆☆☆

## سرخی

آخر وہ ان تک پہنچ گئے... ان کے چہروں پر ایک ایسی حیرت  
 تھی کہ انہوں نے پہلے کبھی شاید ہی دیکھی ہوگی...  
 "خیر تو ہے... ہم لوگ تم دونوں کے چہروں پر ایسی حیرت دیکھ  
 رہے کہ پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی... اور یہ بات ہمیں بھی اس حد تک  
 حیران کیے دے رہی ہے۔" پروفیسر داؤد نے دلہی آواز میں کہا۔  
 "ہم کچھ ایسی بات دیکھ کر آئے ہیں۔"  
 "اللہ کرے بات خیریت والی ہو۔"  
 "سونے کے پہاڑوں کے اس پار... یعنی دوسری طرف سمندر  
 ہے... شہری سمندر۔"

"کیا کہا... شہری سمندر... یعنی اس کا پانی شہری ہے۔"  
 "ہاں! یہی کہا جا سکتا ہے... ہم دوسری طرف اترے تو نہیں  
 ... نہ ہم نے پانی ہاتھ میں لے کر دیکھا... ہو سکتا ہے... پہاڑوں کے



کی وجہ سے پانی ہمیں سنہری لگ رہا ہو... لیکن یہ وہ بات نہیں  
پر ہمیں حیرت ہوئی ہے۔“

”لیکن ابا جان! ہم تو وہی بات پوچھ رہے ہیں۔“ فاروق نے  
کہا۔

اور وہ سب ہنس دیے، پھر انپیکلز کا مران مرزا نے کہا۔

”اس سمندر میں ایسی خوفناک چھالیں اٹھتی ہیں کہ انسان دیکھ کر  
خوف زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا... اور کوئی بھی انسان اس سمندر میں  
اترنے کی جرات نہیں کر سکتا۔“

”لیکن بالکل! ہمیں اس میں اترنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔“

”یہ سمندر آگے جا کر دو پہاڑوں کے درمیان بہت تنگ جگہ میں  
آ جاتا ہے... اس تنگ جگہ کے بعد پھر کھلا سمندر ہے اور وہ بالکل پر  
سکون ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”سوئے کے پہاڑوں کے ساتھ سمندر کا جو ٹکڑا ہے... اس کی  
چھالیں حد درجے خوفناک ہیں... لیکن کچھ ہی دور... سوئے کے وہ  
پہاڑے قصبے پر گھڑے ہیں... ان کے درمیان سے پانی اس  
طرف آتا ہے... اور اس کے دوسری طرف کا پانی بالکل پر سکون ہے

آخر یہ کیا بات ہوئی... ہم کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ اگر وہ پانی  
سکون ہے... تو یہ کیوں پر سکون نہیں... پانی کا درجہ حرارت ایک جیسا  
ہے... ہوا جیسی اس جگہ ہے... ویسی وہاں بھی ہے... کوئی فرق نہیں  
... تو پھر چھالیں یہاں کیوں ہیں اور آگے کیوں نہیں۔“

”یہ بات عجیب تو ہو سکتی ہے... لیکن ہمارے لیے بھلا اس میں  
کیا بات ہے۔“ پروفیسر داؤد نے منہ بتایا۔

”ابھی ہم نے اس پر غور نہیں کیا، یہ بعد کی بات ہے... ہو سکتا  
ہے... اس وادی کو دریافت کرنے والے بھی کبھی اس طرف نہ آئے  
ہوں، کیونکہ انہیں تو غرض سونے سے ہے... نہ کہ سمندر سے... لیکن  
ہم چونکہ یہاں بلاوجہ نہیں آئے ہیں... ہمیں تو دیکھنا ہو گا۔“

”آپ کہتے ہیں تو دیکھ لیں گے... لیکن اس وقت تو یہاں  
دھوپ بہت تیز ہو گئی ہے اور شاید یہ اس سونے کی وجہ سے ہے...  
سونا گرم ہو رہا ہے اس لحاظ سے ہوا بہت گرم ہو رہی ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے... اگر ہم کچھ اور دیر اوپر ٹھہر جاتے تو  
ضرور مجلس کئے تھے... اور شاید پھر ہمارے لیے اترنا ہی ممکن نہ ہوتا...  
لہذا ہم کل یہاں اور زیادہ صبح سویرے آئیں گے۔“

”کیا اس قدر صبح اس طرف آنے سے جیرال وغیرہ کو کوئی

اعتراض نہیں ہو گا۔" شوکی نے خیال ظاہر کیا۔

"اعتراض... ہو بھی سکتا ہے... لیکن ہمیں کیا... ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"بھڑا یہ طے رہا... کل ہم صبح سویرے یہاں آئیں گے ہمارے سورج طلوع ہونے سے پہلے واپس اس طرف آجائیں۔"

"تو آپ اس طرف اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں! ہم دیکھیں گے... کہ اس طرف کیا ہے۔"

"ارے باپ رے... کہیں یہ ہمارے لیے خطرناک نہ ہو۔"

لکھن کا نپ گیا۔

"اور ہمارے لیے کوئی معاملہ بھی خطرناک کب نہیں ہوتا۔"

آفتاب نے اسے گھورا۔

"ارے بھائی... اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔"

"اور گھورنے کی بات کس میں ہوتی ہے... آصف نے اسے

گھورا۔

"یہ... یہ تو مجھے معلوم نہیں۔" لکھن جھبرا گیا۔

یہاں ہم طے رہا... کل صبح سویرے ہم یہاں ہوں گے۔"

"لیکن اگلے تاریخ میں ہمارے ہم سفر...

چلیں گے اور اتریں گے۔"

"پتا نہیں... پہلے میں اور کامران مرزا چڑھ کر دیکھیں گے

اور اتر کر بھی... اگر ہم ادھر بغیر کسی دقت کے اتر گئے پھر تم لوگوں کو

بھی اترنے کو دعوت دیں گے... لیکن پروفیسر صاحب ادھر ہی رہیں

گے... ویسے چڑھائی اور اترائی مشکل نہیں ہے... اس طرف سمندر

کے اندر ضرور کوئی خطرے والی بات ہو سکتی ہے... کیونکہ بہت خوفناک

جگہیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"اگر ہم کوئی ایسی بات دریافت کر لیتے ہیں... جو اس جگہ کے

کرنا دھرتا لوگوں کو بھی معلوم نہیں تو یہ ہماری ایک زبردست کامیابی ہو

گی اور کامیابی کی انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

"کیا صرف اس لیے کہ وہ سب اس وقت سوئے ہوئے ہیں؟"

"یہ بات بھی اور یہ بھی کہ اس طرف کیمرے وغیرہ نہیں ہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"یہاں کیمرے نصب کرنے کی کوئی جگہیں ہی نہیں ہیں۔"

"ہم یہ کہ یہاں انہیں کیمرے نصب کرنے کی ضرورت بھی تو نہیں تھی



سونے کی چوری کی تو یہاں کوئی بات ہی نہیں ہے ... یہاں تو سونے کے پہاڑ ہیں ... پہاڑوں کی حفاظت کی بھی کسی کو ضرورت نہیں ہے۔"

"ہوں ... شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

اور پھر وہ گاڑیوں میں آ بیٹھے ... اب ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا ... جونہی وہ اپنے کمروں میں پہنچے ... جیرال اندر آ گیا ... اس کا چہرہ سٹا ہوا تھا ... پیشانی پر ٹل تھے ... اس نے سرسراہی آواز میں کہا۔

"تم نے میری رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔"

"وہ کیسے مسٹر جیرال۔"

"تم لوگ اس قدر صبح سویرے کہاں گئے تھے ... یہاں گیارہ بجے سے پہلے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔"

"یہ بات تو آپ نے نہیں بتائی تھی۔"

"میں بھول گیا تھا ... اب سن لیں ... اس وادی میں گیارہ بجے

سے پہلے کوئی بھی کام کرنا جرم ہے۔"

"اوو ... اوو ... اور رات کو۔"

"رات کو ... رات کو چاہے تمام رات گھومو پھرو ... رات کے

تین بجے تمام کام بند ... تین بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں

سوئے ہیں۔"

"اب یہ بات معلوم ہو گئی ... اب نہیں جائیں گے۔"

"آپ لوگ مجھے کہاں تھے۔"

"یہ تو خیر آپ کو معلوم ہی ہو گا۔"

"نہیں ... ہم سو رہے تھے ... نا ... دوسرے یہ کہ یہاں کہیں

باہر جانے کا راستہ تو ہے نہیں ... اس لیے ہم دن رات نگرانی نہیں کرتے۔"

"بین کیمروں کی ریکارڈنگ تو ہوتی ہے۔"

"کیمرے ہر جگہ نہیں ہوتے ... صرف اہم جگہوں پر ہیں۔"

"ہم تو صرف سونے کے پہاڑ دیکھنے گئے تھے۔"

"میرا خیال بھی یہی تھا ... سونے کے پہاڑ ضرور دیکھنے جاؤ ...

کوئی اعتراض نہیں ... لیکن ... ان اوقات میں جاؤ ... جن میں

اجازت ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں ... اب ہم یہی کریں گے۔"

"اپنا عہد یاد رکھیں ... آپ نے عہد دیا ہے کہ اس وادی کے

غلاف کوئی سازش نہیں کریں گے۔"

"ہم اپنے عہد پر کاربند ہیں مسٹر جیرال۔"

"اور اسی پر مجھے حیرت ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"آپ خود سوچیں۔ یہاں ہم کس قدر مجبور ہیں۔"

"لگتا ہے۔ یہاں آکر آپ کھل طور پر مایوس ہو گئے ہیں۔"

"یہاں امید دانی کوئی بات ہو بھی تو۔" شوکی نے منہ پھار۔

"مسٹر شیک تم پر ہنس رہے تھے۔ کہہ رہے تھے۔ اچھا ہوں۔"

"سب لوگ یہاں آکر پھنس گئے۔ اب انہیں سیس رکھیں گے۔"

"ویسے اگر ہم واپس جانا چاہیں۔"

"اب یہ ممکن نہیں۔"

"پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ہمارے لیے تین راستے ہیں۔"

"یہاں رہ لیں۔ یا مرنا قبول کر لیں یا اپنے ملک چلے جائیں۔"

"میں دیکھ رہا تھا کہ تم کیا کرتے ہو۔۔۔ ورنہ یہاں آنے والے"

"واپس دوسری دنیا میں نہیں جاسکتے۔"

"آپ اس پائلٹ کو بھول رہے ہیں۔"

"اس سلسلے میں ہم سے غلطی ہو گئی تھی۔ ہم بھول گئے تھے کہ"

"تم لوگ راکڈوم کا نظام اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہو۔۔۔ ہمیں"

"جو فیئر دائرہ کی اس قدر صلاحیتوں کا اندازہ نہیں تھا۔۔۔ اب ہم ان سے"

"وائف ہو گئے ہیں۔ یہ بہت خطرناک ہیں۔ اب انہیں ہر وقت نظر"

"میں رکھیں گے۔"

"ارے باپ رے۔" پروفیسر گھبرا گئے۔

"لیکن ہم لوگ سونے کے پہاڑوں کی طرف تو جاسکتے ہیں۔"

"اس طرف جانے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہاں جا کر تم"

"کون سا سونا چروالو گے۔ یہاں ہر چیز سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"یہی سب سے کم قیمت چیز یہاں سونا ہے۔"

"شکریہ۔ ہمیں تو وہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ سونا ہم"

"لوگوں کے لیے اہم چیز ہے نا۔"

"تو جاؤ۔۔۔ جا کر سیر کرو۔۔۔ کس نے روکا ہے۔"

"لیکن انکل جیرال۔۔۔ دھوپ کے وقت پہاڑ گرم ہو جاتے ہیں"

"سونا پگھل جاتا ہے۔۔۔ اس لیے صبح سویرے ہی اس طرف جاسکتے ہیں"

"جب کہ آپ پابندی لگا رہے ہیں۔"

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے۔۔۔ خیر تم لوگ صبح سویرے وہاں جا"

"سکتے ہو۔۔۔ تاکہ دھوپ کی تپش سے بچ سکو۔۔۔ کوئی حرج نہیں۔"

جیرال سکرایا۔

"شکریہ انکل! آپ بہت اچھے ہیں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر"

کہا۔



”ارے ارے... میں حیرال ہوں۔“

”معلوم ہے انکل... اور یہ کیا... سٹر شک سے ملاقات ہوئی۔“

”دراصل یہاں ڈیوٹیاں تقسیم ہیں... ان کی ڈیوٹی اس سٹ پر ہے... جس طرف کوئی آجا نہیں سکتا۔“

”کیا ہم بھی نہیں انکل۔“ فرحت نے پوچھا۔

”نہیں... تم بھی نہیں... اس طرف کوئی نہیں جا سکتا... مرز میں جا سکتا ہوں یا شک اور شک کی ڈیوٹی وہاں ہے۔“

”آپ اپنے ساتھ ہمیں وہاں لے جائیں... ہم دیکھیں تو کی... وہاں کیا ہے؟“

”نہیں بھئی... یہ نہیں ہو سکتا۔“

”آخر کیوں انکل... وہاں کیا ہے۔“

”وہاں... ہاں... سب کچھ ہے... اس شہر کا سارا تنظیمی ڈھانچہ وہاں ہے... نکمال وہاں ہے... یعنی سکتے وہاں بنتے ہیں... اگر چہ سڑکوں کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں... ایسے ہیں... جیسے کلگر پٹر... لیکن پھر بھی وہاں کام کرنے والوں اور دوسرے کام کرنے والوں کو عام لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہے... اس لیے۔“

”اور وہاں آپ کے خیالات ہیں... راکڈوم ہیں...“

”خیاں کا دن اسے بھی ہے وہاں... انسپکٹر جمشید مسکراتے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔“ جبریل نے انہیں گھورا۔

”اور وہاں پوری دنیا کے اسلامی ملکوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے... یا کیا جانا ہے... اس کی تفصیلات ملے کی جاتی ہیں... وہاں آپ کے سائنس دان ہیں... جو ان تمام حالات کو کنٹرول کر رہے ہیں... مثلاً یہاں سے کوئی راکڈوم جاتا ہے تو مرکز سے اس کے ساتھ رابطہ رکھا جاتا ہے... اور وہاں خفیہ کیمروں کا نظام ہے... ان کے ذریعے پورے بہران کو دیکھا جاتا ہے۔“

”ہاں! انسپکٹر جمشید... تمہارے اندازے درست ہیں... اور اس میں شک نہیں... تم لوگ حیرت انگیز ہو... لہذا ہمیں چاہیے... تم لوگوں کو یہاں نہ رہنے دیں... تاکہ تم خطرناک ثابت نہ ہو... لہذا میں بڑوں سے بات کروں گا اور تم لوگوں کو تمہارے ملک بھجوا دوں گا۔“

”کیا واقعی... اور وہ لوگ آپ کی بات مان لیں گے۔“

”میری اور شک کی اتنی خدمات ہیں کہ اگر ہم کوئی مطالبہ کریں

تو یہ لوگ انکار نہیں کر سکتے... مطلب یہ کہ اس پورے شہر کو بنانے اور

قائم کرنے میں ہم نے ہر کام کیا ہے... دن رات ایک کیا ہے... لہذا

یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ان سے کہیں کہ تم لوگوں کو یہاں سے بھیج دو اور وہ کہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

”جیسے آپ کی مرضی... اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم غلام ہیں تو ہمیں بھجوا دیں۔“

”میں ان سے بات کروں گا... ویسے میں ایک بات بتاؤں۔“

”جی ضرور بتا دیں انکل۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”بات یہ ہے کہ اسی شہر کا تباہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔“

”تم یہاں کچھ بھی نہیں کر سکتے... ابھی تو میں نے کہا ہے نا کہ اس میں کوئی نہیں جاسکتا... جس طرف تمام دفاتر ہیں... یا سائنس لیبارٹریز

ہیں اور جہاں ہمارے انچارج رہتے ہیں... یعنی پروفیسر آشام... اس طرف کوئی نہیں جاسکتا... لیکن اگر میں آپ لوگوں کو اجازت دے دوں... تو بھی آپ وہاں جا کر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے... یہاں ہر جگہ

ہم پروف ہے... بلٹ پروف تو چھوٹی بات ہے... تم ان ٹھکانوں کے اندر نہیں جاسکتے... اس سے پہلے ہی تم لوگوں کے پرچے اڑ جائیں گے... اسی لیے سب کو ہٹا دیا گیا ہے... یعنی آپ کو ہی نہیں... یہاں

جتنے لوگ بھی کام کرتے ہیں... رہتے ہیں... ان سب کو یہ بات معلوم ہے... اگر اس سمت میں کوئی جائے گا تو ٹکڑوں میں تبدیل ہو جائے گا

اور اس کے لیے اس طرف سے کسی کو فارار کبھی نہیں ہو سکی۔ اور یہ کام ہو جائے گا... اب میری طرف سے تمہیں اجازت ہے... سونے کے پہاڑوں کی طرف آکر جانا چاہو تو کسی وقت بھی جاسکتے ہو... لیکن وہ یہاں کسی کام کے نہیں... یہاں سب کو ہر چیز ملتی ہے

... جو جی چاہے کھائیں... نہیں... بس اپنا کام کریں۔“

”مسٹر جیروال... جو لوگ یہاں کام کرتے ہیں... اور اب وہ

واپس اپنے گھروں کو نہیں جاسکیں گے تو کیوں نہ ان لوگوں کے بیوی بچوں کو یہاں لے آیا جائے... اس طرح ان لوگوں کی اداسی کچھ تو کم

ہو جائے گی۔“

”ہم ہر ایک سے پوچھ لیتے ہیں... ابھی تک کسی نے بھی یہاں

اپنے بیوی بچوں کو بلانے کی خواہش نہیں کی... ان کا کہنا ہے... وہ تو

یہاں پھنس ہی گئے ہیں... وہ لوگ یہاں آکر کیسے خوش رہیں گے...

اب وہ آزاد تو ہیں۔“

”تب پھر کم از کم اتنا ہی کر لیا کریں کہ ان کی ان کے بیوی

بچوں سے بات ہی کرا دیا کریں... انہیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ ان

کے گھر کا فرد زندہ سلامت ہے... جیسے کوئی شخص جیل میں ہوتا ہے...

اور اس سے مہینے دو مہینے میں جا کر مل تو آتے ہیں... یا انٹرنیٹ پر ان



کی ملاقات کرادیا کریں۔ انسانی ہمدردی کے ٹاٹے کم از کم اتار کر لیں۔“

”میں یہ تجویز انچارج کے سامنے اور باقی سب کے سامنے رکھوں گا۔۔۔ تاکہ ہم دونوں مل کر یہ بات آگے رکھیں۔۔۔ اور وہ غور کرنے پر مجبور ہوں۔۔۔ کیونکہ اب مہران کو ہاؤس کے لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ جیسا کہ تم لوگ یہاں ہماری مرضی کے بغیر آخر آ تو گئے ہو نا۔۔۔ اگرچہ ایسا پہلی بار ہوا ہے۔۔۔ لیکن بہر حال ہو گیا ہے۔“

”ہم ایسا کریں گے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔“

”اور ہمیں تو آپ بھجوا ہی دیں۔۔۔ ہمارا تو بالکل دل نہیں لگ رہا۔۔۔ یہاں کرنے کا کوئی کام بھی تو نہیں ہے۔“

”وہ تو خیر آپ لوگوں کے ذمے ابھی لگایا جائے گا۔۔۔ بیکار یہاں کسی کو نہیں رہنے دیا جاتا۔۔۔ یہاں کرنے کے بہت کام ہیں۔۔۔ آپ لوگ دراصل سب سے پہلے سونے کے پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔۔۔ باقی شہر تو ابھی آپ لوگوں نے گھوما ہی نہیں۔۔۔ جب سارا شہر گھوم پھر کر دیکھیں گے تو اندازہ ہو گا۔۔۔ یہاں کیا کچھ کام ہیں کرنے کے لیے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ہم یہ کام بھی کریں گے۔۔۔ گھومیں گے

پہریں گے سارا شہر دیکھیں گے۔۔۔ اور ان حدود میں بھی وہاں تک جائیں گے۔۔۔ جہاں تک جانے کی اجازت ہے۔۔۔ اس سے آگے نہیں جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ اب میں چلتا ہوں۔“

اور پھر جیروال چلا گیا۔۔۔ انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔۔۔ عصر کی نماز ادا کی۔۔۔ اس کے بعد وہ شہر میں گھومنے کے لیے نکل گئے۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ وہاں کی غارات سفید رنگ کی۔۔۔ بہت نیچی نیچی تھیں۔۔۔ یعنی اونچی چھتوں والی نہیں تھیں۔۔۔ لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔۔۔ یہاں بازار بھی تھے۔۔۔ بازار میں دکانیں بھی تھیں۔۔۔ لیکن ان میں دکان دار نہیں تھے۔۔۔ چیزیں فروخت جو نہیں کی جاتی تھیں۔۔۔ ہر شخص اپنی پسند کی چیزیں خود ہی وہاں سے بغیر قیمت کے لے سکتا تھا۔۔۔ کھانا پکانے کا وہاں تصور نہیں تھا۔۔۔ تمام چیزیں ریڈی میڈ استعمال کی جاتی تھیں۔۔۔ ڈبوں میں بند چیزیں گرم کرنے کے لیے بھی انہی دکانوں میں بڑے بڑے ادون رکھے گئے تھے۔۔۔ اس لیے کسی کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔۔۔ مہمانوں کو ان کے کمروں میں کھانا پہنچا دیا جاتا تھا۔۔۔ مہمان ایک دو دن تو خود جاتے تھے۔۔۔ اس کے بعد ان کی ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی۔۔۔ وہ ان دکانوں کو دیکھتے اور لوگوں کو دیکھتے

آگے بڑھتے چلے گئے ... کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ وہاں ہر  
کے میدان تھے ... اب چونکہ یہاں بچے تو تھے ہی نہیں ... صرف  
اور عورتیں تھیں ... وہی ان میدانوں میں کھیلتے نظر آتے ... فوراً  
دیکھنے پر بھی انہیں کسی بھی چہرے پر ذرہ بھر بھی خوش نظر نہیں آتی  
خوشی بس ان چہروں پر نظر آتی تھی ... جو یہاں سے اپنے گھروں  
جاسکتے تھے ... اور ایسے ابھی انہوں نے صرف دو فرد ہی دیکھے تھے  
ان کے چہروں پر دور دور تک کوئی رنج اور غم انہیں نظر نہیں آیا تھا  
اور وہ تھے جیرال اور شک ... وہ ضرور خوش نظر آتے تھے اور بس  
کیونکہ وہ اکثر دوسرے کاموں کے لیے وہاں سے جاتے رہتے تھے ...  
خود ان سے کئی مرتبہ ان کا سامنا ہوا تھا۔

انہوں نے لوگوں کی رہائش بھی دیکھی ... رہائش کھلی اور صاف  
ستھری تھی ... گھروں کے چاروں طرف درخت اور پودے بھی تھے  
... پھول بھی تھے ... پھل دار درخت بھی تھے ... انہوں نے ایک  
درخت کا پھل توڑ کر چکھا ... پھل میٹھا تھا اور شگفتا لو جیسا تھا ... ان  
سب نے چند پھل بھی کھائے ... آڑو کی قسم کے پھل بھی نظر آئے ...  
انہوں نے کچھ لوگوں سے ملایک سلیک بھی کی ... ان کے ذمے جو کام  
لگائے گئے تھے ... ان کاموں کی نوعیت بھی معلوم کی ... انہیں تو آٹھ

مختص مسلسل کام رہا تھا ... شیپوں پر لادنا اور بھاری بھانتی  
کام ... ذرا بھنگ ... مہانوں کی خدمت ... کبھی قسم کے کام لوگوں  
کے ذمے لگے ہوئے تھے ... شام تک وہ اسی طرح کھاتے پیتے  
رہے ... کھاتے پیتے رہے ... ایک شخص نے انہیں روک کر بچہ پوچھا  
لیا۔  
"آپ لوگ بہت خوش اور مطمئن ہیں ... ذرا بھی غم زدہ نہیں

ہیں ... اس کی کیا وجہ ہے۔"  
"کاپلی وجہ یہ کہ ہم آئے بھی ابھی کل ہیں ... دوسری وجہ یہ کہ ہم  
لائے نہیں گئے ... خود آئے ہیں۔"

"کیا مطلب ... خود آئے ہیں۔" اس نے چلا کر کہا۔  
اس کی آواز سن کر بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑے اور  
جلدی وہاں بیسیوں لوگ جمع ہو گئے ... ان میں عورتیں بھی تھیں ...  
"کیا بات ہے ... کیا ہوا ... تم کیوں چلائے تھے ... یہ کون  
لوگ ہیں۔" کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔

"یہ ... دونوں ... میں نہیں جانتا، کون ہیں ... شاید سہراں میں  
نئے ہیں ... لیکن انہوں نے ایک حد درجے عجیب بات کہی ہے۔"  
"اور وہ کیا؟" ان سب نے پوچھا۔



اس وقت وہ اصل وہ اپنی کاروں سے اترے ہوئے تھے اور وہ  
دکان کے باہر موجود تھے... جب انہوں نے یہ بات کہی تو  
سب لوگ اس شخص کی طرف دیکھ رہے تھے... گویا وہ سب عدالت  
میں حاکم کرنا چاہتے تھے...

"ہاں تو وہ کیا حد درجے عجیب بات ہے... جو انہوں نے کی  
ہے۔"

"ان کا کہنا ہے... انہیں بہران میں لایا نہیں گیا۔"

"کیا مطلب... اگر انہیں بہران میں لایا نہیں گیا تو پھر یہ کس  
آگے... آپ ہمیں وہ عجیب بات کیوں نہیں بتا دیتے۔" کئی لوگوں نے  
اسے گھور کر دیکھا۔

"ان کا کہنا ہے... یہ یہاں لائے نہیں گئے... بلکہ خود یہاں آ  
گئے ہیں۔"

"کیا!!!"

ان سب نے ایک ساتھ چیخ کر کہا۔

☆☆☆☆☆

## حلف شلف

بازار میں موجود سب لوگ اب ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ وہ  
سب کی توجہ کا پوری طرح مرکز بن چکے تھے... ان میں سے ایک نے  
کہا:  
"ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی... بہران میں تو سب لوگوں کو  
لایا گیا ہے... یہاں تو خود سے کوئی بھی نہیں آیا... ہاں وہ لوگ ضرور  
خود سے آئے ہیں، جنہوں نے بہران کو دریافت کیا ہے... جنہوں نے  
اس جگہ کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا ہے... وہ لوگ ضرور خود سے آئے  
ہیں، لیکن وہ ہمارے درمیان کب آئے ہیں... ہم نے تو انہیں آج  
تک نہیں دیکھا... ہاں کبھی براہ راست بات کرنی ہوتی ہے تو مسٹر جیرال  
اور مسٹر شک ہمارے پاس آ جاتے ہیں... یا کسی کو سزا دینی ہوتی ہے۔  
تب وہ دونوں آتے ہیں۔"

"کیا کہا... سزا..." مکھن نے کانپ کر کہا۔

”ہاں! یہاں کام کرنے والوں کو کبھی کبھی کسی غصی یا سزا مل سکتی ہے۔“

”اور ہوا چھا۔ اور وہ سزا کیا ہوتی ہے۔“

”اپنی بات بتائی نہیں اور ہم سے ہماری بات پوچھنے کے لئے لوگ آخر ہو کون۔“

”ہم اس وادی میں مہمان ہیں۔ اسی لیے ہمیں گھونے کے لئے کاریں دی گئی ہیں، ہم جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں۔“ محمود سنا کر بنایا۔

”لو اور سنو۔“ کسی نے کہا اور پھر وہ سب زور زور سے بننے لگے۔ وہ اس طرح ہنس رہے تھے جیسے پاگل ہو گئے ہوں۔ جیسے بہت مدت بعد ہنسے ہوں۔ بس وہ ہنستے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے اپنے پیٹ پکڑ لیے۔

”ارے ابھی آخر ہو کیا گیا ہے۔ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ جس پر اس قدر ہنسا جائے۔“ انسپکٹر جمشید تیز آواز میں بولے۔ ان کی آواز سن کر وہ سب خاموش ہو گئے۔

”کیا کہا تم نے۔ تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ارے یہاں جاؤ۔ تم نے کیا نہیں کہ تم لوگوں کو یہاں وہ کاریں دی گئی

جیسا۔“

”ہاں تو پھر۔ اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے۔“

”ارے میاں کاروں کو یہاں کون چاہتا ہے۔ ایک چھوڑا ہوا

دو کاروں کے لیے۔ چاہے ایک وقت میں ایک آدمی دو دو کاروں میں

بٹھ جائے۔ یہاں ہر شخص کو کار دی گئی ہے۔ تاکہ گھومیں پھریں

میں کریں، خوش رہیں۔ لیکن پتا نہیں کیا بات ہے۔ خوش ہم پھر

بھی نہیں رہتے۔ ہمارے ہونٹوں کی فسی غائب ہو گئی ہے۔ کیوں

بھی۔ کیا بات ہے۔ ہم یہاں خوش کیوں نہیں ہیں۔ سب کے

پس گھونے پھرنے کے لیے کار ہے۔ ہم جو جی چاہے کھا سکتے ہیں۔

پا سکتے ہیں، لیکن خوش نہیں ہیں۔ آخر کیوں۔“

”ہاں! آخر کیوں۔ ہم خوش کیوں نہیں ہیں۔“ وہ چلائے۔

میں اس وقت ایک گرج دار آواز سنائی دی۔

”میں بتاتا ہوں تمہیں۔ تم خوش کیوں نہیں ہو۔“

آواز جیرال کی تھی۔ اس آواز کو سن کر وہ سب اس طرح سر پر

ٹھکر کر بھاگے کہ جیسے موت کو دیکھ لیا ہو اور پھر کسی نے پیچھے مڑ کر نہ

دیکھا۔ صرف ایک منٹ میں وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا

دکانیں اور بازار اب سناں ہو چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا ایک



بڑی اور سنہری کار تیزی سے آگے آرہی تھی ... یوں لگتا تھا ... وہ اب بھی پھل دے گی ... پھر وہ جلدی سے دکان کے اندر چلے گئے ... دکان کے نزدیک آکر رکی ، پھر اس میں سے جیرال اتر ا ... اس نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی ۔ پھر ان کی طرف آنے لگا ۔

”تم لوگوں نے آخر ہنگامہ شروع کر دیا ... تم نے تو کہا تھا کوئی سازش نہیں کرو گے۔“

”ہائیں انگل ... ہم نے کون سی سازش کی ہے۔“

”ان لوگوں کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی ... تم لوگوں کو یہاں لایا نہیں گیا ... بلکہ تم خود آئے ہو۔“

”اب ہمیں کیا پتا تھا ... یہاں اتنی سی بات سن کر لوگ پاگل ہو جائیں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے بڑا سامنہ بنایا ۔

”بہر حال ! تم لوگ احتیاط کرو ... ورنہ تمہیں واپس بھجوا دیا جائے گا۔“

”جیرال انگل ! آپ بڑا نہ مانیں ... کیا یہ بات عجیب نہیں۔“

”کون سی بات؟“

”پہلے سارا زور اس پر لگایا گیا کہ ہم لوگ سہران کا رخ نہ کرنے پائیں ... اور آپ لوگوں کی تمام کوششوں کے بعد بھی جب ہم

یہاں آگئے تو ہمیں یہاں برداشت کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ۔

”کیوں۔“

”میں نے یہاں کے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ تم لوگ بہت خطرناک

ہو ... اتنے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے ... لہذا تم لوگوں کا ادنیٰ سہران

میں آنا کسی طرح بھی ہمارے حق میں نہیں ہوگا ... لیکن ان لوگوں کا کہنا

تھا ... تم لوگ یہاں آ ہی نہیں سکو گے ... جب کہ ہم ان کے ہر قدم

پر رکاوٹ بنیں گے ... اور راستہ بھی انہیں معلوم نہیں تو کیونکر آجائیں

گے بھلا ... میں نے اس پر یہی کہا تھا کہ آپ لوگ دیکھ لیجیے ... یہ

لوگ آجائیں گے ... بس ہمارے درمیان یہ بات چیلنج بن گئی ... میرا

اور شک کا کہنا تھا کہ تم آ جاؤ گے ... ان کا کہنا تھا نہیں آؤ گے ...

اور پھر آخر کار تمام تر رکاوٹوں کے باوجود ، مشکلات کے باوجود اور اس

بات کے باوجود کہ کسی کو راستہ معلوم نہیں تھا ۔ تم پھر بھی آ گئے ... اس

وقت یہاں کے بڑوں کو بہت حیرت ہوئی ۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تمہیں

مروا دیا جاتا ... لیکن بڑوں نے کہا ... نہیں ... تم لوگوں کو یہاں

رہنے دیا جائے ... ذرا دیکھیں تو سہی ... تم کیا کرتے ہو ... اب بھی

انہیں یقین ہے کہ تم سہران کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ... اور ہم خوف زدہ

ہیں کہ کہیں تم کوئی کام نہ دکھا جاؤ ... بس یہ ہے وہ مقابلے کی فضا جس

کی بنیاد پر تم لوگوں کو یہاں کھلی جھوٹ دی گئی ہے۔"

"تب پھر ہم سے حلف کیوں لیا گیا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ تم حلف کے الفاظ میں ہر حال چلو گے... سو میں نے انہیں دکھا دیا کہ وہ الفاظ ایسے ہیں کہ تم اس حلف کے باوجود سب کچھ کرنے کے اہل رہو گے... سو میں نے انہیں الفاظ دکھا دیے... پہلے تو الفاظ انہیں بالکل درست نظر آئے، لیکن جب میں نے ان کی توجہ اس پر دلائی کہ تم نے لکھا تھا... آپ کی مرضی کے عین مطابق ہم سبران کے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے... اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق تو سازش کر سکتے ہو نا، تب ان پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا... ہم نے اپنی بات ثابت کر دی تھی کہ تم لوگ حدود بے خطرناک ہو... انہوں نے یہ بات مان تو لی... لیکن پھر بھی انہوں نے یہی کہا کہ بہر حال تم لوگ سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے... خیر بہر حال... اب یہ سن لو... کہ یہ فیصلہ سبران کو دریافت کرنے والوں کا ہے... ہمارا نہیں... کہ یہاں تم جو بات بھی کرو گے... سن لی جائے گی... جو حرکت بھی کرو گے، دیکھ لی جائے گی... سبران کی کوئی جگہ بھی ہمارے مرکز کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہاں آخر

دنیا کے بہترین سائنس دان جمع کیے گئے ہیں... ایک دن آنے کا جب پروفیسر واؤد بھی ان کے ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے... کیونکہ آخر تھک ہار جائیں گے اور سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے... یہ آزادی اور سیر و سیاحت کی اجازت بھی یہی دیکھنے کے لئے دی گئی ہے کہ تم کیا کرتے ہو... اب بھی تم پوری طرح آزاد ہو... جو کچھ کرنے کی کوشش کر کے دیکھ لو... یہاں رہنے والوں کو مرکز کے خلاف بغاوت پر اکسا کر دیکھ لو... سب کے سب منہ کی کھائیں گے... سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور جب تم تھک جاؤ گے، تب سبران کے غلاموں میں شامل ہو جاؤ گے... رہی یہ بات کہ ہم نے کہا تھا، اگر تم یہاں سے واپس جانا چاہو تو ہم تمہیں واپس بھیج دیں گے... تو یہ دل کو بہانے کی بات تھی... یہاں آکر آج تک کوئی نہیں گیا... اب تم کہو گے... ایک پائلٹ کو تم لوگ سبران سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہو اور تم خود سبران میں آ گئے ہو... تو یہ دونوں باتیں سبران کے سب لوگ مانتے ہیں... تسلیم کرتے ہیں... تمہاری ذہانت کے بھی قائل ہو چکے ہیں اور اسی لیے تمہیں موقع دیا گیا ہے... جو کر سکتے ہو کر لو... جب تھک جاؤ گے تو پھر سبران کے لیے کام کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے... کیا سمجھے۔" جیرال یہاں تک کہہ کر



خاموش ہو گیا۔

”اچھا کیا... وضاحت کر دی... بھلا ہم کل کہاں تک گئے تھے۔“

”سونے کے پہاڑوں تک۔“ جیرال نے کہا۔

”اور کہاں گئے تھے ہم۔“

”میں نے بتایا تو ہے... سونے کے پہاڑوں تک... سونے کے پہاڑوں سے آگے بہران کی حدود ختم ہو جاتی ہے... دوسری طرف سمندر ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... ہمیں یقین آ گیا کہ ہمیں ہر لمحے ہر آن دیکھا جاتا ہے... اور ہماری کارروائیوں کو نوٹ کیا جاتا ہے... اور ان حالات میں ہمیں بہران کے خلاف کام کرنا ہے... یہی بات ہے نا۔“

”کر کے دکھانا ہے... ہم دیکھنا چاہتے ہیں... تم بہران کے خلاف کیا کر سکتے ہو۔“

”بس ٹھیک ہے... اگر ہم ایک ماہ تک بہران کے خلاف کچھ نہ کر سکے... تو بہران کے غلاموں میں شامل ہو جائیں گے اور بقیہ تمام زندگی اس کے غلام رہیں گے۔“

”ہو گئی بات ملے...“ جیرال نے خوش ہو کر کہا۔ ”اب تم کچھ بھی کرو... بہران کے لوگوں کو کچھ بھی بتاؤ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... وہ حلف شلف بھی ختم... کیا سمجھے...“ جیرال ہنسا۔

”آپ نے کمال کر دیا انکل... کیا یہ کاریں بھی ہمارے پاس رہیں گی۔“

”ہاں کیوں نہیں... ڈرائیور تو تم لوگوں کو اس لیے دیے گئے ہیں کہ تمہیں بہران کے راستے معلوم نہیں ہیں... جب راستوں سے واقفیت ہو جائے گی... تب کاریں بھی تم خود ڈرائیو کرو گے... کاریں ہر شخص کے پاس ہیں... اسی لیے یہ لوگ تمہاری بات سن کر پاگلوں کی طرح ہنسے تھے۔“

”اگر ان سب کی ملاقات ان کے بیوی بچوں سے کرا دی جائے کرے... تو ان بے چاروں کی زندگیوں میں بھی کوئی خوشی کے لمحات آجایا کریں گے۔“

”خوشی کے وہ لمحات بعد میں اور زیادہ غمزہ کر دیتے ہیں... اس لیے... ہم ایسا نہیں کر سکتے... دوسرے یہ کہ ایسا کرنے میں بہت الجھنیں ہیں... سب لوگ پوری دنیا سے لائے گئے ہیں... کسی ایک جگہ سے نہیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں... اب ہم آجو گئے ہیں... ان سب... یہاں کی قید سے نجات دلا دیں گے۔“

”ضرور... ضرور۔“ اور پھر جبرال جانے کے لیے مڑ گیا۔  
اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

”اب کیا پروگرام ہے۔“

”اس حلقے سے چند فائدے ہو گئے... ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں... کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں اور یہ کہ ہماری حرکت ان کی نظروں میں ہے... ہماری ہر بات سنی جا رہی ہے... ان حالات میں ہمیں اپنا کام کرنا ہے... آؤ چلیں... صبح سے اپنا کام شروع کریں گے... ہم ایک بار پھر سونے کے پہاڑ کی طرف جائیں گے۔“

”بالکل ٹھیک۔“ سب نے پر جوش انداز میں کہا۔

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ زور سے اچھلی... اس نے تیزی سے اپنا رخ تبدیل کیا... پھر زمین پر جھکی اور کوئی چیز اٹھانے ہوئے مٹھی میں دبا لی... پھر اس نے بلند آواز میں کہا:

”انگل جبرال... بھلا بتائیں تو میری مٹھی میں کیا ہے۔“

”میں اس وقت مرکز میں نہیں ہوں... مرکز سے پوچھتا

ہوں... آپ لوگ بتائیں... فرزانہ کی مٹھی میں کیا ہے۔“  
”اس کی مٹھی میں کچھ نہیں ہے... اس نے یہ حرکت صرف ہمارے

امتحان لینے کے لیے کی ہے۔“

”کیوں فرزانہ...“ جبرال بڑھا۔

”آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ فرزانہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور انہوں نے جبرال کے ہنسنے کی آواز سنی۔

ساتھ ہی وہ اپنی کاروں کی طرف بڑھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے... فرزانہ کی مٹھی اب تک بند تھی... اس کے جسم میں ایک اہال سا اٹھ رہا تھا... اس کے اندر ایک جوش کی کیفیت تھی، لیکن اس نے اپنے اس جوش کو ظاہر نہ کیا... خود کو پر سکون رکھا... یہاں تک کہ وہ اپنے کمروں میں پہنچ گئے۔

پھر جب وہ سونے کے لیے لیٹے... اور انہوں نے کمرے کے

بلب بجھا دیے اور اندر محسوس اندھیرا ہو گیا... تب فرزانہ نے ہاتھ انسپکٹر

جمشید کی طرف بڑھا دیا... اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی کوئی چیز

ان کی مٹھی میں تھما دی... انسپکٹر جمشید نے اس کا اندھیرے میں جائزہ

لیا... پھر وہ انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھا دی۔ اس طرح وہ چیز

ایک ایک کے ہاتھ سے ہو کر پھر واپس فرزانہ کے تک آ گئی۔



اصل میں وہ دیکھنا یہ چاہتے تھے کہ کیا واقعی ہر بات کا ہمارے  
کے ذمے دار لوگوں کو پتا چل جاتا ہے... یا یہ صرف ان کا دماغ ہے...  
اور کیا وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتے ہیں، کیا اندھیرے میں ہونے  
والی کارروائی بھی ان کی نظروں میں آ جاتی ہے یا نہیں... فرزانہ کو اس  
جگہ واقعی ایک چیز پڑی نظر آئی تھی... اس نے اپنا رخ اچانک تبدیل  
کیا تھا اور اس نے اپنے خیال کے مطابق وہ چیز اس طرح اٹھائی تھی کہ  
کسی کو پتا نہیں چل سکتا تھا... اسی لیے اس نے جیال سے ہر  
پوچھا تھا کہ اس نے زمین سے کیا چیز اٹھائی ہے... اور انہوں نے  
جان لیا تھا کہ بہران کے ذمے داروں کو معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس  
نے کیا چیز اٹھائی ہے... یہ ان کے لیے کافی حوصلہ افزا بات تھی  
اب انہوں نے یہی جانتے کے لیے کہ کیا ان کی سرگوشیوں کو یہ لوگ سن  
سکتے ہیں یا نہیں، باتیں شروع کیں:

"خیند نہیں آ رہی... اب میں کیا کروں۔" یہ سرگوشی محمود کی  
تھی۔

"باتیں شروع کر دو اور کیا کر سکتے ہو۔" آصف نے سرگوشی  
کی۔

"اندھیرے میں۔" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں... کیا تم آنکھوں سے باتیں کرتے ہو؟" آصف کے

جیران ہو کر کہا۔  
"کرتے تو خیر ہم آنکھوں سے بھی ہیں۔" محمود کی آواز سنائی

دی۔  
"ارے باپ ارے... یہ... یہ کیا چیز ہے... میرے بستر

پر... یا اللہ رحم۔" مکھن چلا اٹھا۔

"کیا ہوا... کیا ہے۔" شوکی نے ہانک لگائی۔

"تو یہ ہے تم سے، اندھیرے میں بھی انہیں چین نہیں ہے۔"

پروفیسر داؤد نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دل... لیکن انکل... اگر آپ کے بستر پر اس گہرے اندھیرے

میں کوئی چیز محسوس ہو تو کیا آپ اچھل نہیں پڑیں گے۔" مکھن نے  
پوچھا۔

"ہاں مکھن... اچھل تو خیر میں پڑوں گا۔"

"تو یہ لیں... وہ چیز میں آپ کے بستر کی طرف اچھال رہا

ہو، آپ اچھل پڑیں۔" مکھن نے فوراً کہا۔

"حد ہو گئی... اندھیرے میں تم میرے بستر پر کیسے اچھال سکتے

ہو۔"

”جی... اندازے سے۔“

”لیکن بھی اندازہ تو غلط بھی ہو سکتا ہے۔“

”یہ تو خیر آپ نے ٹھیک کہا، ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“

”ارے باپ رے... یہ... یہ کیا چیز ہے... مم... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“ پردیفر داؤد کی آواز میں واقعی بہت خوف تھا۔

”تو لائٹ جلا کر دیکھ لیتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

”نہیں...“ مکھن ہکایا۔

”کیوں نہیں؟“ انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

”روشنی میں اس چیز کو دیکھ کر تو اور ڈر لگے گا۔“ پردیفر بولے۔

”ہے کوئی تک اس بات کی۔“ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

”پپ پتا نہیں انکل۔“ اشفاق کی آواز سنائی دی۔

”کس بات کا پتا نہیں۔“ اشفاق نے پوچھا۔

”اس بات کا کہ کوئی تک ہے یا نہیں۔“

”ہے کوئی تک۔“ انسپکٹر کامران مرزا جھلا اٹھے۔

”مخبرہ! میں لائٹ آن کر رہا ہوں۔“ وہ بات نہیں جانتے تھے۔

انہوں نے اٹھ کر مین دبا دیا۔ لیکن کمرے میں روشنی نہ ہو سکی۔

اب انہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن اندھیرا ہی رہا۔ وہ کہتے ہیں آگے۔ گویا نہ وہ روشنی کر سکتے تھے

دروازہ بھی نہ کھلا۔ اور اس کا ساف مطلب یہ تھا کہ جیرال

اور نہ دروازہ کھول سکتے تھے۔ کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ کھلی چھٹی نہیں

کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ انہیں کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ بات کریں

دی گئی تھی... انہوں نے سوچا، صبح اس سلسلے میں جیرال سے بات کریں

گے... کیونکہ رات کے وقت ہی تو وہ اپنی کارروائی کر سکتے تھے۔ دن

میں تو انہیں یہ آسانی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر انہوں نے کبھی جاگ کر اور کبھی سو کر اور کبھی باتیں کر کے

رات کاٹی... لیکن دن نکلنے پر بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا... انہوں نے

دھوکا، نماز پڑھی اور کھنٹی بجا دی... رات انہوں نے گھنٹی نہیں بجائی

تھی... ورنہ خادم تو رات کو بھی آ جاتا:

”ہمیں سونے کے پہاڑوں کی طرف جانا ہے... اس سے پہلے کہ

دھوپ سے پہاڑ گرم ہو جائیں۔“

”کاریں تیار ہیں... ڈرائیور تیار کھڑے ہیں۔“ خادم نے مسکرا

کر کہا۔



”آپ بہت اچھے ہیں۔ ویسے آپ کا نام کیا ہے۔“  
”روبن۔“

”روبن۔۔۔ ایسے نام تو غالباً ہندوؤں کے ہوتے ہیں۔“  
”جی ہاں! میں ہندو ہوں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔“ انہوں نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

”ہم ناشتا وہیں کریں گے۔۔۔ ناشتے کا سامان بھی گاڑیوں میں رکھ دیا جائے۔“

”ہر گاڑی میں کھانے پینے کا سامان ویسے بھی ہوتا ہے۔۔۔“  
اس نے منہ بنایا۔

”اور مسٹر روبن! آپ کو یہاں کتنا عرصہ ہو گیا۔“

”بارہ سال۔“

”اپنے گھر میں جانے کو جی نہیں چاہتا۔“

”اپنے گھر جانے کو کس کا جی نہیں چاہتا۔“ اس نے کہا۔

”ہم آپ کو آپ کے گھر پہنچائیں گے۔“

”یہ دیوانے کا خواب ہے۔۔۔ یہاں سے جانا ممکن نہیں۔۔۔ اب تو

میر کر رہی یہاں سے جانا ہو گا۔“

”میر کر کیسے۔“

”اپنے دوسرے جنم میں۔“

”اوہ ہاں! ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان پھر

اس دنیا میں دوسری بار پیدا ہوتا ہے۔۔۔ بلکہ پھر مرنے کے بعد تیسری بار بھی پیدا ہوتا ہے۔۔۔ لیکن ہمارا اسلام کہتا ہے۔۔۔ مرنے کے بعد کوئی

انسان دنیا میں واپس نہیں آتا۔“

”بہر حال اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے آکر۔۔۔ اب ہم

چلتے ہیں۔“

”آخر آپ وہاں کیا کریں گے۔۔۔ کل بھی گئے تھے۔“  
”سب لوگوں کو سیران سے نکال لے جانے کی کوشش میں ہیں ہم

لوگ۔“

”یہ نہیں ہو گا۔۔۔ ہم ٹکریں مار مار کر مر جائیں گے۔“  
اور وہ باہر نکل آئے۔۔۔ عین اس لمحے ایک ڈرائیور تڑ سے

مرا۔

☆☆☆☆☆

## سبران کی سیر

انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا ... خود اس کا سامنی بھی بوکھلا کر اس پر جھکا :

”رونی ... رونی ... کیا ہوا تمہیں۔“

رونی نے کوئی جواب نہ دیا ، نہ اس کے جسم میں کوئی حرکت ہوئی ... اب انہوں نے اس کی نبض چیک کی ... دل کی دھڑکن دیکھی ... دل بہت زیادہ زور زور سے دھڑک رہا تھا اور نبض بھی تیز تھی ۔

”کوئی جسمانی گڑبڑ لگتی ہے ... یہ شخص دل کا مریض تو نہیں۔“

انہوں نے پوچھا ۔

”اس نے کبھی بتایا تو نہیں ... لیکن یہاں آکر رہنے پر مجبور

لوگ دل کے مریض بن سکتے ہیں۔“ اس نے دیکھی انداز میں کہا ۔

”بات معقول ہے ... تو پھر پہلے اسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔“

”ہسپتال میں اس وقت کون ہوگا ... کوئی بھی نہیں ... سب

مرے پاس ہیں۔“  
”لیکن بھی ... ہسپتال تو چوتیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں۔“  
”یہاں ایسا نہیں ہے ... کیارہ بجے سے پہلے کوئی چنہ نہیں

کھلتی۔“

”خیر کوئی بات نہیں ... میں دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر پروفیسر داؤد اس پر جھک گئے ۔ انہوں نے جیب سے چند شیشیاں نکالیں اور ایک میں سے چند قطرے اس کے منہ میں ٹپکا دیے ... پھر دوسری شیشی کا ڈھکنا اتار کر اس کے ناک کے قریب کیا ... فوراً ہی اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں :

”اوہ ... میرے دوست ... مجھے کیا ہوا تھا۔“

”تم اچانک گرے تھے اور بے ہوش ہو گئے تھے ... انہوں نے ایک دوائی تمہارے منہ میں ٹپکائی اور ایک سنگھائی ... تب تم نے آنکھیں کھولیں ... اللہ کا شکر ہے۔“

”پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا ۔

”انسان کا کیا پتا ... کب اس کے ساتھ کیا ہو جائے ...

ہے ... یہاں رہتے ہوئے تمہارا دل بہت کمزور ہو گیا ہے ... دیر وقت

اپنے گھر والوں کو جو یاد کرتے رہتے ہو۔“



”ہاں! لیکن میں کیا کروں... ان کی یاد کو آنے سے کیسے روک سکتا ہوں۔“

”اللہ پر بھروسہ رکھو... دیکھو یہ لوگ آتے ہیں... انہوں نے کہا تو ہے کہ یہ ہمیں یہاں سے لے جائیں گے۔“

”ہاں... انہوں نے کہا ہے یہ بات... لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ہم کبھی بھی یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

”ناامید نہیں ہونا چاہیے... مایوسی گناہ ہے۔“ اشفاق نے فوراً کہا۔

اس نے ایک نظر اشفاق پر پھر سب پر ڈالی اور کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولا:

”چلیے... اب میں ٹھیک ہوں۔“

اور پھر وہ تیز رفتاری سے چلتے سونے کے پہاڑوں تک پہنچ گئے... آج وہ کل کی نسبت بہت جلد یہاں آ گئے تھے اور سورج نکلنے میں ابھی کافی دیر تھی... سورج نکلنے سے پہلے پہلے انہیں اپنا کام شروع کرنا تھا... لہذا بلکی تارکی کے باوجود وہ ایک پہاڑ پر چڑھنے لگے... فوراً پچھپچھے ہی وہ گئے تھے... تقریباً ایک گھنٹے کی چڑھائی کے بعد وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ اب صبح کا اچالا پوری طرح پھیل گیا تھا... تاہم

ابھی سورج نہیں نکلا تھا، کچھ ہی دیر بعد نکلنے والا تھا... ہمیں اس طرف اترنا ہوگا... میں اور کامران مرزا دیکھ چکے ہیں... سمندر یہاں بہت گہرائی میں ہے... اور یہ پہاڑ سمندر میں ہی کھڑے ہیں... یوں کہہ لیں کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں... اور دیکھنے سے یوں لگتا ہے کہ کسی وقت بھی یہ سمندر میں گر سکتے ہیں... گویا ان کا جھکاؤ سمندر کی طرف ہے اور اس وادی کی زمین سمندر سے بہت اونچی ہے... بالکل اسی طرح جیسے وہ وادی تھی، کالا جنگل کے درخت والی... ہم لوگ درخت سے نیچے گرے تھے... اور کافی اونچائی سے گر کر نیچے اس اسٹینج پر پہنچے تھے... اور اس وادی میں بھی چٹانیں تھیں، ان پر چڑھ کر جب ہم نے دیکھا تھا تو سمندر کس قدر گہرائی میں نظر آیا تھا، یہاں تک کہ پہلے ہم نے منور علی خان کا آنکڑا لٹکایا تھا...

اس نے کافی دیر بعد پانی کو چھوا تھا۔“

”ہائے میرا آنکڑا!“ منور علی خان نے سر د آہ بھری۔

اور وہ سب مسکرانے لگے:

”چلیے یہ تو ہے کہ یہاں بھی سمندر بہت زیادہ گہرائی میں ہے اور یہ سونے کے پہاڑ سمندر کے کنارے ہیں... ان کا جھکاؤ بھی سمندر کی طرف ہے... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

کیا آپ کے ذہن میں کوئی بات ہے۔

”ہاں نہیں۔ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے پہچان میں نہ  
تجربات کیے تھے۔ پروفیسر صاحب میں آپ کو اپنے پہچان کے تجربے  
سنانا چاہتا ہوں۔ آئیے اس طرف چلتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ پہاڑ کے دوسری طرف۔۔۔ یعنی سنہ  
کی طرف۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”ہاں اس طرف۔۔۔ جنہیں ڈر لگتا ہے۔۔۔ وہ اس طرف رک  
جائیں۔۔۔ جنہیں ڈر نہیں لگتا، وہ میرے ساتھ آئیں۔“

”کیوں مکھن۔۔۔ تمہیں ڈر لگتا ہے۔“ شوکی نے پوچھا۔

”پپ پتا نہیں۔۔۔ اتر کر دیکھتا ہوں۔۔۔ ڈر لگا تو واپس آجاؤں

گا۔۔۔ نہ لگا تو ان حضرات کا ساتھ دوں گا۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”بس تو پھر سب ایسا ہی کریں گے۔“

اب انہوں نے چوٹی سے نیچے کی طرف اترنا شروع کیا۔  
ڈھلوان پر اترتا اگرچہ آسان تھا۔۔۔ لیکن ہر لمحے وہ یہ خوف بھی محسوس کر  
رہے تھے کہ کسی دقت بھی ان میں سے کوئی بھی نیچے لڑھک سکتا تھا  
۔۔۔ اور پھر دوسرے پہاڑوں کی نسبت یہ پہاڑ اس لیے بھی بالکل مختلف  
تھے کہ ان پر کوئی درخت، جھاڑیاں یا پودے تو سرے سے تھے ہی

نہیں۔ اس لیے کہ یہ پتھر اور مٹی کے پہاڑ نہیں تھے۔ سونے کے  
اور سونا ایک دھات ہے۔ دھات میں کوئی چیز نہیں آتی۔  
وہ اترتے چلے گئے۔۔۔ یہاں تک کہ پانی تک پہنچ گئے۔۔۔ یہاں

پانی سونے کے پہاڑوں کو چھو رہا تھا اور یہ نظارہ وہ دیکھ کر دیکھا جا  
سکتا تھا۔۔۔ انہوں نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پانی گرم محسوس ہوا۔  
”پانی گرم ہے اور ابھی دھوپ نہیں نکلی۔۔۔ دھوپ کے بعد تو یہ

بے تحاشہ گرم ہو جائے گا۔“ پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔  
”اور دھوپ کے ساتھ ہی پہاڑ گرم ہونے لگے گا۔ کیا ہم

واپس دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔  
”اچھا تو۔۔۔ تم سب ادھر چلے جاؤ۔۔۔ چوٹی پر پہنچ کر دوسری

طرف تو اتر سکو گے نا۔“

”جی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ لیکن آپ لوگ۔“

”ہم سورج نکلنے تک یہاں رکنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔“

اور پھر چھوٹی پارٹی چوٹی کا رخ کرنے لگی۔۔۔ اس طرف صرف

بڑے رہ گئے۔

”پروفیسر صاحب آپ بھی جائیں۔“



لیکن میرے بغیر تم یہاں رک کر کیا کرو گے۔" پروفیسر...  
سکرائے۔

"خیر آپ ٹھہرے رہیں... کوئی مشکل پیش آئی تو ہم آپ پر  
سہارا دے کر اوپر لے جائیں گے۔"  
"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

"میں کچھ دور تک تیر کر دیکھنا چاہتا ہوں... یعنی دیکھنا پاتا  
ہوں... یہ پانی کیسا ہے اور اس میں تیرنا کیسا ہے۔"  
"صرف تم چلے جاؤ جمشید... سب کو یہ تجربہ نہیں کرنا چاہیے۔  
نہ جانے کیا صورت حال پیش آئے۔" خان رحمان نے ڈرے ڈرے  
انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے خان رحمان۔"

اور پھر انسپکٹر جمشید پانی میں اتر گئے... فوراً ہی انہوں نے کہا:  
"پانی سطح پر زیادہ گرم ہے... نیچے اتنا گرم نہیں ہے... لہذا  
تیرنا مشکل نہیں ہوگا..."

"یہ اچھی بات ہے۔"

اور پھر انسپکٹر جمشید با کی تیزی سے تیرتے ہوئے ان سے دور  
ہونے لگے... وہ پہاڑوں کے ساتھ ساتھ تیر رہے تھے... اور لہ لہ

ان سے دور ہو رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتے رہے۔ آخر کافی دیر بعد  
دوواپس آتے نظر آئے... یہاں تک کہ ان کے ہاتھ نزدیک آ گئے۔  
"جہاں تک یہ پہاڑ ہیں... پانی گرم ہی ہے... پہاڑ سے دور  
ہوتے چلے جائیں تو پانی کی گرمی کم ہو جاتی ہے۔"  
"اس بات سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" خان رحمان نے

منہ بتایا۔

"ہم نے یہ بات جان لی کہ اس جگہ پانی سونے کے پہاڑ کی  
ہج سے گرم ہے اور کوئی بات نہیں... دوسری بات پانی اس جگہ کافی  
کثیف ہے اور اس میں تیرنا آسان نہیں، مجھے کافی طاقت صرف کرنا  
پڑی ہے۔"

"تو کیا اس بات سے ہمیں کوئی مدد مل سکتی ہے۔" منور علی خان

نے خیران ہو کر کہا۔

"ابھی ہم جائزہ لے رہے ہیں... پتا نہیں کون سی بات ہمارے  
کام آجائے... اور ایسا میں نے پروفیسر صاحب کی خواہش پر کیا ہے۔"  
انہوں نے بتایا۔

"بالکل ٹھیک جمشید۔" پروفیسر داؤد نے فوراً ان کی تائید کی۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے... ورنہ دھوپ تیز ہو جائے گی اور پہاڑ





پھریں۔ جو جی چاہے، کریں۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔  
 "پابندی تو خیر ہے۔" ایسے میں شوکی نے منہ سے ہنسنے لگا۔

"کون سی پابندی ہے۔"

"آپ لوگ جہاں ہیں۔ ہمیں وہاں آنے دیا جائے۔  
 وہاں آنے کی پابندی ہے یا نہیں۔" شوکی نے منہ ہلایا۔

"دیکھا تم نے... یہ کیا کہہ رہے ہیں... بھئی یہاں آئے بغیر  
 کوئی کام دکھاؤ نا۔"

"اگر آپ لوگ ہمیں اپنے خاص کمروں میں نہیں آنے دیں گے  
 تو بھی ہم یہاں رہ کر کام دکھائیں گے... ایک دن آئے گا... جب  
 ہم ان سب کو یہاں سے لے جائیں گے۔"

"ہم اس دن کا انتظار کریں گے۔"

"آؤ بھی چلیں۔"

انہوں نے ڈرائیوروں کو اشارہ کیا... جب یہ لوگ کاروں میں  
 بیٹھ کر چلے گئے تو لوگ بے اختیارانہ انداز میں ہاتھ ہلانے لگے... گویا  
 سب کے سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

ادھر انہوں نے کہا:

"ان مہارات کی طرف چلیں۔ جن میں داخلہ منع ہے۔"

"اچھی بات ہے... ویسے لگتا ہے... اب یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر  
 رہے گا... آپ لوگوں کے بارے میں اب سب کو معلوم ہو گیا ہے  
 اور میران کے حکمرانوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ آپ لوگ باز نہیں  
 آئیں گے... لہذا ہو سکتا ہے... یہ لوگ اب آپ لوگوں کو مار ڈالنے کا  
 حکم دے دیں۔"

"ان کے اپنے لوگوں میں ایک شخص ایسا ہے... جو نہیں چاہتا

ہمیں مار ڈالا جائے اور اس کا نام ہے... جیرال۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے... یہاں کے حکمران جیرال کی یہ

بات مان لیں گے۔"

"ہاں بالکل... جیرال اور شنگ نے ان لوگوں کے لیے بہت

کام کیا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ لوگ ان کی بات مان لیں گے...

یہ بھرا خیال ہے، آج ہی آپ پر حملہ ہوگا۔"

"ارے ارے... اس قدر صاف اور ستھرا اندازہ، آخر یہ

اندازہ کس بنیاد پر ہے۔"

"یہاں ایک شخص نے بغاوت کا اعلان کر دیا تھا... اس نے

لوگوں کے مجمعے میں اعلان کیا تھا... زندگی رہے یا نہ رہے... میں اس  
لوگوں کے لیے کام نہیں کروں گا... بہران کو آگ لگا دوں گا... جس  
اس کے یہ اعلان کرنے کی دیر تھی کہ اسی وقت دس طاقت ور ترین آدمی  
نہ جانے کس طرف سے آگئے تھے... ان دس آدمیوں کو داری میں پہلے  
کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا، بس پھر ان سب کے سامنے ان دس نے  
اس آدمی کے ساتھ اس قدر خوفناک سلوک کیا تھا کہ لوگ تھر تھر کانپ  
اٹھتے تھے... انہوں نے اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیا تھا... وہ بھی کسی تو  
دھار آ لے سے نہیں... ہاتھوں سے کھینچ کھینچ کر اور پکڑ پکڑ کر... اور میرا  
خیال ہے... آپ لوگوں کے بارے میں بھی ایسا ہی کوئی فیصلہ ہونے  
والا ہے۔“

”ارے نہیں... ہمارے بارے میں وہ ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر  
سکتے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”خیر... ہم اب اس طرف چل رہے ہیں... جس طرف لوگوں  
کا جانا منع ہے... جہاں تک ہم جائیں گے... وہاں سے وہ غمراہات  
دھندلی دھندلی نظر آتی ہیں... میرا مطلب ہے... اس قدر زیادہ فاصلے  
پر ہیں وہ غمراہات۔“

”ہمیں ان غمراہات تک جانے کی ضرورت نہیں... ہم ان کو

دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

ان کی کاریں صاف اور شفاف سڑک پر دوڑتی رہیں یہاں تک  
کہ آبادی بہت پیچھے رہ گئی... تب کہیں جا کر کاریں رکیں... دونوں  
ڈرائیور نیچے اترے اور انہوں نے کاریوں کے دروازے کھول دیے۔

یہاں دور دور تک کوئی انسان نہیں تھا۔  
”ہں اس جگہ سے آگے کوئی نہیں جا سکتا... ایک شخص نے بے  
دقتی کی تھی... اس حد کو پار کر گیا تھا... بس اسی وقت کسی نظر نہ آنے  
والی طاقت نے اسے اچھال پھینکا تھا... اور وہ سڑک پر آ کر اس طرح  
کرا تھا کہ اس کا سر پھٹ گیا تھا... یہ بات فوراً ہی پورے بہران میں  
پھیل گئی تھی۔“

”یہاں مرنے والوں کی لاشوں کا کیا کیا جاتا ہے، آخر کچھ لوگ

مرتے بھی تو ہوں گے۔“

”بہران میں ایک طرف قبرستان ہے... وہاں دفن کر دیتے

ہیں۔“

”اوہ اچھا... فاروق۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”جی انگل۔“



”اپنی جیب سے کوئی بھی سی چیز نکال کر اس کو  
دیکھا۔“ انہوں نے کہا۔

”کی اچھا۔“ فاروق نے جواب دیا اور جیب سے وہ لٹا  
پادی قوت سے اندر کی طرف اچھال دیا۔ وہ اندر کی طرف کیا نظر  
لیکن اسی قوت سے واپس ان کی طرف لوٹ آیا اور ان کے سر پر  
سے ہوتا ہوا دور جا کر۔

”انہوں نے ان عمارات کے چاروں طرف گھروں کا جال بچھا  
ہوا ہے۔“

”ہوں۔ اسی لیے کوئی اس کے اندر نہیں جاسکتا۔“

وہ کچھ دیر ادھر سے ادھر ٹھہرتے رہے اور عمارات کی طرف دیکھنے  
لگے۔ ان میں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔

”اور دائرہ دوم۔ وہ کہاں کھڑے کیے جاتے ہیں۔“

”وہ بھی اسی اعلیٰ میں کھڑے کرتے ہیں۔ اس کے لیے ایسی  
پتھر کاٹ کے دوسری طرف جانا ہوگا، پیدل چلتے ہوئے تو تھک جائیں  
گے۔“

”تھک ہے۔ ادھر بھی ہو آتے ہیں۔“

اب وہ پھر گالوں میں بیٹھ گئے۔ پتھر کاٹ کر اعلیٰ کے

”دوسری طرف چلے۔ انہوں نے کہا۔ وہاں ایک دوسرا دائرہ ہے گا۔“  
”جیسے ان کے انہوں نے دیکھا۔ وہاں چاروں طرف دائرہ کھڑے تھے  
۔“ بھی اتنے ہی لاپختہ تھے۔ جیسے لاپختہ پر لڑتے پتھر کی تھیں  
۔“ فاروق۔ اس طرف بھی کوئی جی نہیں نکلا۔“ وہ دیکھ رہے تھے۔

اب فاروق نے پھل تراش نکالا۔ وہ اندر کی طرف اچھال  
دیا۔ اس کا بھی وہی انجام ہوا۔ وہ جتنا اندر گیا تھا۔ اچھا ہی۔ اسی  
دقت سے باہر آ گیا۔ اور دور جا کر۔

”آؤ چلیں ایک بار پھر لوگوں کے پاس۔“

”اب لوگوں کے پاس جا کر کیا کریں گے۔“

”انہیں بتائیں گے کہ بہت جلد ان کی رہائی کا وقت قریب آنے  
کا ہے۔“

”وہ اس بات پر یقین کریں گے۔“ انہیں نے کہا۔

”تم چلو تو۔“

وہ پھر وہیں آ گئے۔ جہاں سے چلے تھے۔ انہوں نے آوازیں

لے کر سب کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ پھر پروفیسر داؤد نے کہا:

”سہراں کے لوگو! تم لوگوں کی آزادی کا وقت آ گیا۔ ہم

کل آپ کو ایک ایسا ٹھکانہ دکھائیں گے کہ آپ لوگ دیکھ کر عجب حیرت

جائیں گے۔ کہ واقعی وہ وقت آنے والا ہے۔

میں اسی وقت انہوں نے ایک خوفناک آواز سنی۔ انہوں نے  
چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر انہوں نے دیکھا۔ ایک بڑی اور  
خوفناک گاڑی چلی آرہی تھی۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی لوگ بے چین  
”یہ... یہ وہی گاڑی ہے۔“

☆☆☆☆☆

بشن

انہوں نے ایک نظر گاڑی پر اور دوسری سب لوگوں پر ڈالی، پھر

پوچھا:

”کون سی وہی گاڑی۔“

”جب کسی کو سزا دینی ہوتی ہے تو پھر یہ گاڑی ان سفید عمارات

سے ادھر آتی ہے۔“

”اوہ... تو یہ تم میں سے کسی کو سزا دینے کے لیے آرہی ہے۔“

عمود نے چونک کر کہا۔

”ہم میں سے تو کسی نے کچھ نہیں کیا... لگتا ہے... یہ آپ

لوگوں کے لیے آرہی ہے۔“ چند آوازیں سنائی دیں... اتنے میں گاڑی

نزدیک آکر رک گئی... اس کے دروازے کھل گئے اور ان میں سے

تقریباً پندرہ خوفناک آدمی باہر آ گئے... یہ سب کے سب سیاہ قلم تھے

اور حد درجے خوفناک لگ رہے تھے... ان کو دیکھ کر سہرا ان کے سر



لوگوں کی آنکھوں میں خوف دوز گیا۔

”یہ... یہ لوگ زنجیر مار مار کر لہو لہان کر دیتے ہیں۔“  
تک کہ جسم کا سارا خون نکال دیتے ہیں۔“

”خاموش... اب کوئی بولا تو سارا خون نیچوڑ لیں گے اس کا  
ہماری رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کا انجام اب تم اپنی  
آنکھوں سے دیکھو گے... تم سب لوگ چاروں طرف سے پیچھے ہٹ  
جاؤ... ہمیں ایک دائرے میں رہ کر ان کا مزاج پوچھنا ہے۔“

”کک... کن کا... کن کی بات کر رہے ہیں بھائی۔“ شوکی  
نے تھر تھر کا نپتی آواز میں کہا۔

”بزدل!“ فاروق نے بڑا سا منہ بتایا۔

”چپ۔“ ایک زنجیر والا گر جا۔

”مم... مجھ سے کہا۔“ فاروق بوکھلا کر بولا۔

”اور نہیں تو کیا تمہارے فرشتوں سے کہا۔“

”اوہ اچھا... معاف کیجیے گا... اب نہیں بولوں گا۔“

”اے لڑکی... وہ ہٹن نکالو۔“

”ہٹن... کون سا ہٹن۔“

”وہی جو تم نے کل یہاں سے اچانک جھک کر اٹھایا تھا... یا

اچانک جھک کر اٹھانے کی ادکاری کی تھی۔“  
”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... آپ کے سب کچھ دیکھنے  
والوں نے تو کل ہی کہہ دیا تھا... میں نے زمین سے کچھ بھی نہیں اٹھایا  
تھا۔“

”بات یہی تھی... لیکن۔“

”لیکن کیا۔“ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس نے زمین سے کچھ نہیں اٹھایا تھا... اس حد تک ہمارے

ماہرین کی بات غلط نہیں تھی۔“

”کیا مطلب... ابھی آپ کیا کہہ رہے تھے... اور ابھی کیا کہہ

رہے ہیں۔“

”میں نے غلط نہیں کہا... دراصل کل ہوا یہ تھا کہ اس چالاک

لڑکی نے مسٹر جبریل کے کوٹ کی جیب سے وہ ہٹن غیر محسوس طور پر نکال

لیا تھا... اس کا کسی کو پتا نہ چلا۔“

”لیکن کیوں پتا نہ چلا، آپ کے ماہرین کو اس دقت کیا ہو گیا

تھا... آپ کے خفیہ کیمروں کو کیا ہو گیا تھا۔“

”ہر نظام میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے... بات سامنے

آنے پر ہی وہ خامی دور کی جاسکتی ہے... اب اس خامی کو دور کر لیا

جائے گا۔ ہاں تو اس لڑکی نے۔ وہ بن مسر جیرال کی جیب سے ہوا تھا۔ اور پھر سڑک پر اس طرح جھکی تھی جیسے اس نے زمین سے ہاتھ اٹھایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ماہرین نے کہا تھا کہ اس نے فرش سے کچھ نہیں اٹھایا۔ لیکن بعد میں مسر جیرال نے رپورٹ درج کر دی کہ ان کی جیب سے بن عائب ہے۔ تب ویڈیو کیمروں کے ذریعے کل کے تمام مناظر دیکھے گئے۔ اور معلوم کر لیا گیا کہ یہ لڑکی لیٹرٹھیں طور پر مسر جیرال سے زیادہ قریب جا کھڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ ہم میں سے کسی نے... یہاں تک کہ ماہرین نے بھی اسے ان کی جیب میں ہاتھ ڈالتے نہیں دیکھا۔ لیکن ہوا یہی ہے۔ کیونکہ جب مسر جیرال یہاں تھے... تو اس وقت وہ بن ان کی جیب میں تھا، اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ بن اس لڑکی کے پاس ہے۔

”آپ میری تلاشی لے لیں۔“

”جب پھر تم نے رات کی تاریکی میں وہ بن کسی کو دے دیا ہوگا۔ لہذا ہم سب کی تلاشی لیں گے۔“

”ضرور لیں تلاشی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ان سب کی تلاشی ایک ہی وقت میں ایک ایک آدمی لے لے۔“ اس نے کہا جو اب تک بات کرتا رہا تھا۔

فورا ہی ایک ایک سیاہ ٹام ان میں سے ایک ایک کی تلاشی کیے گا۔ کسی کی جیب سے جی وہ بن برآمد نہ ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ تب پھر انہوں نے اندھیرے کا کام لے لیا۔ اٹھا کر وہ اپنے کمروں میں کہیں پھپھا دیا ہے۔ کیوں۔۔۔ تم لوگ بتاؤ۔ کیا یہی بات ہے۔“

”پہلے یہ بتاؤ۔۔۔ وہ بن ہے کیا۔“

”نہیں۔۔۔ تم بن ہمارے حوالے کر دو۔۔۔ ورنہ تم سب کا انجام بھانک ہوگا۔“

”تم لوگ بھول رہے ہو۔۔۔ ہم مسر جیرال کے مہمان ہیں۔۔۔ خاص مہمان۔“

”مسر جیرال آج سہراں میں نہیں ہیں۔۔۔ وہ کل آئیں گے۔۔۔ لیکن ہم کل تک نہیں ٹھہر سکتے۔۔۔ اس لیے بن ہمارے حوالے کر دو۔“

”اب یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ اگر ہمیں نقصان پہنچا۔۔۔ تو مسر جیرال تم سے جواب طلبی کریں گے۔“ انسپکٹر جمشید کی سرد آواز گونجی۔

انہوں نے اس وقت ان کے چہروں پر الجھن دیکھی۔۔۔ آخر ایک نے کہا:

”میں پروفیسر آشام سے اجازت لے لوں۔۔۔ کہیں لینے کے



دینے نہ پڑ جائیں۔

”وہ تو تمہیں ویسے بھی پڑیں گے۔“ قاروق ہنسا۔  
”کیا پڑیں گے۔“ ایک نے ہنسا کر کہا۔

”لینے کے دینے... ویسے کیا تم لوگ بھی بہران سے باہر اپنے گھروں تک آتے جاتے رہتے ہو۔“  
”نہیں... اور ہمیں جانے کی ضرورت بھی نہیں... ہم بیکر خوش ہیں۔“

”حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے... پہلے بندے دیکھے ہیں، جو بہران میں خوش ہیں... ورنہ جو لوگ اپنے گھروں کو نہیں جاسکتے... وہ تو یہاں خوش نظر نہیں آتے... آپیں ضرور بھرتے ہیں۔“

عین اس لمحے اس زنجیر والے نے جیب سے ایک موبائل نکال کر اس کا بٹن دبا دیا اور سلسلہ ملنے پر بولا:

”باس! یہ لوگ وہ بٹن دینے پر تیار نہیں... اور کہہ رہے ہیں کہ جیرال کے سہمان ہیں... اگر انہیں نقصان پہنچا تو مسٹر جیرال ہمیں نہیں چھوڑیں گے... اب فرمائیں... آپ کیا کہتے ہیں۔“

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے آل جیب میں رکھ لیا اور ان کی طرف مڑا۔

”پروفیسر آشام نے کہا ہے... بٹن حاصل کرنا ضروری ہے۔  
اگر آپ لوگ لڑکے بڑے بغیر دے دیں تو ہمیں لڑکے کی کیا ضرورت ہے... لیکن اگر نہیں دیں گے تو پھر ہر صورت میں وہ بٹن حاصل کریں گے۔“  
”وہ بٹن ہے کیا بلا جس کے لیے اس والی کا پاس بھی سرا جاتا رہا ہے۔“

”یہ الفاظ مستخانہ ہیں اور تمہیں ان کی سزا الگ سے دی جائے گی۔“

”لیکن ہم سے بٹن حاصل کرنے سے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ وہ بٹن کیا ہے۔“

”تو کیا بتا دینے کی صورت میں تم وہ بٹن ہمیں دے دو گے۔“  
اس نے منہ بنایا۔

”اس کا فیصلہ تو ہم بعد میں کریں گے کہ بٹن دینا ہے یا نہیں۔“  
”پروفیسر آشام صاحب فی الحال ٹری سے کام لے رہے ہیں... اور اس وقت سے جب وہ ہمیں سختی کا حکم دیں گے۔“

”اچھا ڈر لیں گے۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ ایسے نہیں مانیں گے... زنجیروں سے ان پر پل پڑے اور...

بٹن ان کے پاس سے برآمد کر لو۔" اگلے واسے نے کہا۔  
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پندرہ آدمی خوفناک زنجیریں لٹا کر

آگے بڑھنے لگے۔۔۔ پھر زنجیریں گھومنے لگیں۔۔۔ وہ سب ان کے  
میں گھما رہے تھے۔ لوگ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹ رہے تھے۔  
اور اس طرح ان کا دائرہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ سب لوگ پیچھے ہٹ  
رہے تھے، ساتھ میں۔۔۔ ان کی آنکھوں میں خوف بڑھ رہا تھا۔  
میں سے کئی تو تھر تھر کانپ بھی رہے تھے۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ ہم الگ الگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔ اس  
طرح ایک کا مقابلہ ایک سے ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی حیرت انگیز اتفاق ہے کہ پندرہ ہم ہیں اور  
پندرہ ہی یہ ہیں۔"

"لہلہ۔۔۔ لیکن۔۔۔" مکھن ہکھلایا۔

"لیکن کیا۔۔۔"

"آپ لوگ تو خیر ان سے لڑیں گے۔۔۔ ہم کیا کریں گے۔"

"تم بھی لڑو گے۔۔۔ ہاں نہیں تو اور کیا۔" محمود نے آنکھیں

ٹکائیں۔

"محمود ٹھیک کہہ رہا ہے مکھن۔۔۔ تم بھی لڑو گے۔"

"آپ۔۔۔ آپ کہتے ہیں تو لڑ لیتے ہیں۔۔۔ مگر آپ تو جانتے

"اخلاق کہتے کہتے مرگ گیا۔"

ی ہیں۔" "کیا جانتے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے۔

"یہ کہ ہم لڑنا بھڑنا نہیں جانتے۔"

"میرا ان کے لوگوں۔۔۔ آج تم پھر خونی منظر دیکھو گے۔"

"ہاں۔۔۔ وقت نہ ضائع کرو۔"

"اس سے پہلے کہ ہماری جنگ شروع ہو۔۔۔ کیا مسٹر جیگ نے

اس پر اعتراض نہیں کیا کہ ہم سے کیوں لڑا جا رہا ہے۔"

"وہ بھی مسٹر جیگال کے ساتھ گئے ہیں۔۔۔ کل سے پہلے نہیں

آئیں گے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔۔۔ تم لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھانا

چاہتے ہو۔۔۔ ورنہ بٹن کا تو بس ایک بہانا ہے۔"

"نہیں! یہ بات نہیں۔۔۔ ہمارا ایک آلہ گم ہے۔۔۔ اور وہ جیگال

کی جیب میں ہی تھا۔۔۔ رات کے وقت جب مسٹر جیگال اپنی رہائش کی

طرف جانے لگے۔۔۔ اس وقت انہیں پتا چلا کہ آلہ ان کی جیب میں نہیں

ہے۔ انہوں نے فوراً اس بات کی اطلاع پروفیسر آ شام کو دی۔۔۔

انہوں نے وڈیو کیمروں میں جائزہ لینے کا حکم دیا۔۔۔ اس کام پر جو لوگ



ماسور ہیں۔ انہوں نے دیکھا اور اس لڑکی کی چوری چکاری کو فراموش کیا۔  
 کیونکہ اسی نے زمین سے کل کوئی چیز اٹھائی تھی۔ لیکن اس وقت  
 چال چل گئی۔ جب غور سے فلم کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلے  
 مسٹر جیرال کے بالکل قریب ہوئی تھی۔ پھر اس نے اچانک جھک کر  
 اداکاری کی تھی کہ جیسے اس نے کوئی چیز اٹھائی ہو۔ اس طرف اشارہ  
 اس نتیجے پر پہنچے اور یہ بات پروفیسر آ شام کو تھوڑی دیر پہلے ہی بتائی  
 سکی۔ کیونکہ وہ بھی سہراں سے باہر اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لیے  
 گئے ہوئے تھے۔ بس یہ وجہ تھی۔ ورنہ ہم تو رات ہی آپ کے پاس  
 آگئے تھے۔ اس چیز کے لیے۔“

”آخر اس چیز کی اہمیت کیا ہے اور مسٹر جیرال اس کے بغیر اپنی  
 رہائش میں کیوں نہیں جاسکے۔ یعنی وہ چیز انہیں رہائش گاہ میں داخل  
 ہونے سے پہلے کیوں یاد آئی۔“ آفتاب نے الجھن کے عالم میں کہا۔  
 اس کی بات سن کر انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید بے ساختہ  
 مسکرا دیے۔ ادھر زنجیر والوں نے بڑے بڑے منہ بنائے۔ ان میں  
 سے ایک نے کہا۔

”ہم یہاں تم لوگوں کا کام تمام کرنے کے لیے آئے ہیں۔  
 تمہارے سوالات کے جوابات دینے کے لیے نہیں آئے۔“

”اے۔۔۔ تو کیا واقعی تم لوگ ہمیں موت کے گتے بچاؤ کے  
 جیرال کے مہمان ہونے کا ذرا بھی خیال نہیں کر کے۔۔۔“  
 ”نہیں۔۔۔ اب پروفیسر آ شام نے یہ بات جان لی ہے کہ تم  
 لوگ خطرناک ہو۔۔۔ اس وادی کے سائنس دانوں سے بھی کچھ نہ کچھ  
 اور کہیں نہ کہیں غلطیاں ہوئی ہیں۔ ان غلطیوں کا اب تک جائزہ لینے  
 کی نہ تو کوشش کی گئی۔ نہ ہی انہیں یہ اندازہ تھا کہ ان سے کچھ  
 غلطیاں ہو گئی ہیں۔۔۔ اب انہیں یہ اندازہ ہوا ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے  
 کہ پہلے تم لوگوں کو ختم کر دیا جائے۔۔۔ پھر نئے سرے سے اپنے  
 انتظامات کا جائزہ لیا جائے۔۔۔ کیونکہ تم لوگوں کا راکنڈوم پر قبضہ کر لینا  
 سائنس دانوں کی کسی کوتاہی یا غلطی کے سبب ہی ممکن ہوا تھا۔۔۔ لیکن ہم  
 یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں۔۔۔ ہمیں تو۔۔۔“

میں اسی لمحے ایک کار تیزی سے اس طرف آتی نظر آئی۔۔۔ انہوں  
 نے چونک کر اس طرف نظریں جمادیں۔۔۔ اور پھر جب کار قدرے  
 نزدیک آگئی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ کیونکہ کار جیرال کی تھی۔  
 ”واہ۔۔۔ خوب موقع پر آئے۔“ فرزانہ چبکی۔

”کچھ نہیں کر سکیں گے یہ تم لوگوں کے لیے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

پھر کار نزدیک آگئی... اس سے جیرال اور شنک بیٹھے اترے۔  
انہوں نے سب پر ایک نظر ڈالی... پھر صورت حال کو بھانپ کر جیرال  
نے کہا:

”ہم ابھی ابھی راکڈوم سے اترے ہیں... اترتے وقت ہم نے  
دیکھا تھا کہ اس طرف کوئی گزرا ہے... سو ہم پہلے اس طرف پہ  
آئے ہیں۔“

”آپ نے اچھا کیا انکل۔“ محمود نے فوراً کہا۔

جیرال اور شنک نے ایک نظر ان پر ڈالی... پھر جیرال نے زنجیر  
دالوں کی طرف دیکھا:

”کیا کیا ہے ان لوگوں نے اور ان کے بارے میں کیا حکم  
ہے۔“

”پروفیسر آ شام ان کے خلاف ہو گئے ہیں... ان کا حکم لا ہے  
... انہیں فوری طور پر ختم کر دیا جائے... آپ کا گم شدہ ہٹن بھی  
دراصل انہوں نے ہی آپ کی جیب سے اڑایا تھا۔“

”ارے!“ جیرال کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”اور اب یہ لوگ وہ ہٹن بھی نہیں دے رہے... انہوں نے اسے  
سکین چھپا دیا ہے۔“ اس نے جلدی جلدی بتایا۔

... خوب خوب... بہت خوب... ہم لوگ تو ان سے  
جانتے ہیں... اور تم لوگوں کو ان کا تجربہ نہیں... اپنی جگہ پر لپکتا  
... اور واپس مرکز چلے جاتا... ان کے بارے میں ہم پروفیسر سے بات  
کر لیں گے۔“

”جی نہیں۔“ ان کے انچارج نے انکار میں سر ہلایا۔

”جی نہیں کیا۔“

”پروفیسر صاحب کا حکم ہے... انہیں ہر حال میں ختم کرنا ہے  
... اب اگر ہم یہ کام کیے بغیر گئے تو وہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے... جلا  
کر راکھ بنا دیں گے۔“

”اچھی بات ہے... ہم خود ان سے بات کر لیتے ہیں۔“

یہ کہہ کر جیرال نے جیب سے موبائل نما آلہ نکالا... شاید یہ  
آلے اس وادی کے لیے خاص طور پر تیار کیے گئے تھے... اس نے ہٹن  
دبایا... پھر سلسلہ ملنے اور پروفیسر کی آواز سننے کے بعد گویا ہوا:

”پروفیسر صاحب... آپ نے ان لوگوں کے سلسلے میں اتنا سخت  
حکم کیوں دے ڈالا۔“

حکم کیوں دے ڈالا۔“

”تم نے ٹھیک کہا تھا جیرال... شنک نے بھی یہی کہا تھا... یہ  
لوگ بہت خطرناک ہیں... سانپ سے بھی زیادہ... تو ہم اس خطرے



کو اپنی وادی میں کیوں رہنے دیں۔ خطرے کو کیوں پہنچنے دیں۔ اس  
سراسی وقت کیوں نہ کچل دیں۔

”یہ خطرناک ضرور ہیں۔ لیکن اتنے ہی فائدہ مند ہیں۔  
ان سے بہت بڑے بڑے فائدے اٹھا سکتے ہیں۔“

”جب یہ خطرناک زیادہ اور کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرہ بن  
سکتے ہیں تو ان سے نجات کیوں نہ حاصل کر لی جائے۔“

”میرا خیال ہے۔۔۔ انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔۔۔ اس بات کی  
خفایت میں لیتا ہوں کہ یہ بہران کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔“

”ان کی حرکات سکناات تمہاری بات کی نفی کر رہی ہیں جیرال۔  
ان لوگوں نے بہران کو تباہ کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔۔۔ ہذا تم  
درمیان سے ہٹ جاؤ۔“

جیرال نے ایک نظر شک پر اور دوسری ان پر ڈالی۔۔۔ پھر بولا۔  
”لیکن پروفیسر۔۔۔ انہیں مار ڈالنا بھی تو آسان نہیں۔“

”کیا بات کرتے ہو۔۔۔ اس وقت یہ نیتے ہیں اور ہمارے پندہ  
تریت یافتہ لڑاکے خونی زنجیریں لیے ان کے سروں پر موجود ہیں۔۔۔ یہ  
تو فتم کر دیں گے انہیں چٹم زون میں۔“

”مسٹر شک۔۔۔ آپ ہی پروفیسر صاحب کو سمجھائیں۔“

”ابھی بات ہے۔“ شک نے کہا۔۔۔ پھر آواز میں  
”پروفیسر صاحب۔۔۔ مسٹر جیرال ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان لوگوں

سے نجات آسان طریقہ نہیں۔۔۔ ہاں انہیں بہران سے باہر کھینچ دیا جائے  
یعنی ان کے ملک اور اس کے بعد یہاں رہ جائے والی خامیاں دور  
کی جائیں۔ تاکہ یہ پھر نہ آسکیں۔ ایسے میں خود ان لوگوں کا جانی  
دشمن ہوں۔۔۔ اور اپنے دوست جیرال سے اس معاملے میں اتفاق نہیں  
رہتا کہ انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ لیکن اس وقت ضرور میں یہ کہوں  
گیا کہ انہیں مارا نہ جائے۔۔۔ بہران سے فارغ کر دیا جائے، پھر کوئی  
اور حل سوچا جائے۔“

”تم لوگوں نے بلاوجہ انہیں ہوا بنا لیا ہے۔۔۔ چند منٹ کے لیے  
ایک طرف ہو جاؤ اور پھر مجھ سے بات کرنا۔“  
”کم از کم میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔“ جیرال نے گرج دار  
آواز میں کہا۔

”مجھ سے۔۔۔ جیرال۔۔۔ تم نے مجھ سے اس لہجے میں بات  
کی۔۔۔ میں تمہیں بھی ان کے ساتھ مزا چکھا دوں گا۔۔۔“ پروفیسر آشام  
کی گرج دار آواز سنائی دی۔

”یہ تمہاری بھول ہے پروفیسر۔۔۔ کہ تم مجھے مزا چکھا سکتے ہو۔“

اس وادی کو بنانے میں ہم نے کچھ کم حصہ نہیں لیا... کیا تم ہماری خدمات کا یہ صلہ دو گے۔“

”میں تم سے بگاڑنا نہیں چاہتا، اس لیے ایک بار پھر کہتا ہوں۔ ان کے اور زنجیر پارٹی کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔“

”انکل جیرال! آپ اپنے پروفیسر صاحب کی بات مان لیں؟ کیوں ہمارے لیے ضد کر رہے ہیں... بس آپ تیل دیکھیں... تیل کی دھار دیکھیں۔“

”اچھی بات ہے... تم لوگوں کی مرضی... ورنہ میں تو اس وقت تم لوگوں کی خاطر ان پندرہ سے ٹکرا جاتا۔“

”شکریہ انکل جیرال!“ سب بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

”یہ... تم نے... جیرال... یہ تم نے کیا کہا... تم ان پندرہ سے لڑ پڑتے۔“

”ہاں! لیکن مجھے ان لوگوں نے روک دیا ہے... ورنہ ضرور

لڑتا۔“

”جب پھر تم ہمارے ساتھی نہیں رہے... اسی وقت سے۔“

”ادکے پروفیسر... اب میں ان کا ساتھی ہوں... ان کی طرف

سے لڑوں گا۔“

”کیا!؟“

”سب مارے حیرت کے چلائے... حالات اس رشت بھی بدلتے ہیں... تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔“

☆☆☆☆☆



## پندرہ زنجیریں ایک پستول

چند لمبے کے لیے چاروں طرف موت کا سناں چھایا۔  
جیرال کی آواز ابھری:

”شنگ میرے دوست حالات نے بہت عجیب رخ اختیار کر لیا ہے۔ میرے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں ان لوگوں کا ساتھ دوں۔ یہ میرے بہت پرانے اچھے دشمن ہیں۔ تم نے سنا ہوا ہے۔ بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن اچھا ہے۔ یہ چونکہ عقل مند ہیں۔ چاہے دشمن ہیں۔ لیکن میرے لیے یہ اچھے ہیں۔ لہذا اب میں کم از کم بہران کی حد تک ان کا دوست ہوں۔ تم سے بھی بچی چاہوں گا کہ تم بھی میرا ساتھ دو۔ کیا خیال ہے شنگ۔“

”نہیں دوست۔ میں تمہارا دوست ضرور ہوں۔ ان کا کسی صورت دوست نہیں ہو سکتا، میں تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن ان کی خاطر اگر تم میرے مقابلے پر آئے تو پھر میں تم سے

وہاں گا۔“

”شنگ۔ تم نے جو کہا ہے۔ سوچ سمجھ کر کہا ہے۔“ جیرال

کے لیے میں حیرت تھی۔

”اسلام دشمنی میری تھن میں پڑی ہے۔ اور یہ مسلمان ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ اپنے دین کے لیے۔ اپنی قوم کے لیے اور اپنے وطن کے لیے کرتے ہیں، ان حالات میں میں ان کا بکا دشمن ہوں۔ جو ان کا دوست ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ میں اس کا بھی دشمن ہوں۔ لہذا میں پروفیسر آ شام کا ساتھ دوں گا۔ ہم نے بہران پر سالہا سال لگائے ہیں، اب آکر ہم اپنے مقصد میں کامیابیاں حاصل کرنے لگے ہیں تو ان لوگوں کے لیے بہران کا نظام درہم برہم کر دیں کیا یہ کوئی عقل کی بات ہوگی۔“

”تب پھر پروفیسر آ شام سے کہو۔ ان لوگوں کو اور ان کے ساتھ مجھے بہران سے نکل جانے دیں۔“

”اب یہ نہیں ہوگا شنگ۔“ پروفیسر آ شام کی آواز سنائی دی۔

”شکر یہ پروفیسر۔ آپ فکر نہ کریں۔ جیرال کو میں سنبھال

لوں گا اور ان پندرہ کے لیے تو یہ پندرہ زنجیریں ہی کافی ہیں۔“

”نہیں تو پھر ٹوٹ پڑو ان پر اور کرو ان کے ٹکڑے ٹکڑے۔“

"چلو بھئی... اپنی زنجیروں سے کام لو... بہت دیر لگائی تمہاری یہ زنجیریں۔" شک چلایا۔  
"اوکے۔"

"لیکن یوں کیا خاک مزہ آئے گا... ہر ٹونگ بچ جائے گی۔ کسی کے پلے کچھ نہیں پڑے گا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں ہو رہا۔" ایسے میں محمود کی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب... کیا ہم یہ لڑائی مزہ لینے کے لیے لڑ رہے ہیں...؟" آصف بولا۔

"حد ہو گئی... بھئی میرا مطلب ہے... اس طرح ایک بے ہمت سی افراتفری مچ جائے گی۔"

"تو پھر تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" پروفیسر آشام کی آواز سنائی دی۔

"ایک وقت میں صرف ایک مقابلہ... ایک تمہاری طرف سے آئے اور ایک ہماری طرف سے... اس طرح پرانے زمانے کی جنگوں کی یاد تازہ ہو جائے گی، اسے مبارزت کہتے ہیں... پہلے زمانے میں دونوں لشکروں میں سے پہلے ایک آدمی باہر نکل کر درمیانی جگہ میں آجاء تھا اور مخالف لشکر کو لٹکارتا تھا کہ کون بہادر میرے مقابلے پر آتا ہے۔"

اس طرح ایک جہان دوسری طرف سے لگتا تھا۔ دونوں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ جہاں تک کہ ایک مارا جاتا تھا۔ فتح پانے والے کا لشکر خوب نعرے لگاتا تھا۔ آج بھی ایسا کیوں نہ کر لیا جائے۔ جہان کے سب لوگ یہ مقابلہ دیکھ رہے ہیں... آپ لوگ بھی دیکھ رہے ہیں اور کچھ ہر ایک پر وفسر آشام اور ان کے ساتھی جو سفید عمارت میں ہیں... سب بھی اس مقابلے کو دیکھیں گے... یہ ہے میری تمہاری جگہ۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں... آؤں... تم اپنے صرف ایک ساتھی کو میدان میں بھیج دو۔"

"بہت بہتر پروفیسر آشام۔" اس نے کہا اور اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا... وہ فخر کے عالم میں زنجیر ہلاتا آگے بڑھا۔ انہوں نے دیکھا... وہ ڈیل ڈول کے اعتبار سے ان سبھی سے کافی طاقت ور اور ہٹا کٹنا نظر آ رہا تھا... اور وہ سب اس کے مقابلے میں ٹک ٹک نظر آ رہے تھے... میدان میں آتے ہی اس نے کہا:

"آؤ... کون کرتا ہے مجھ سے مقابلہ۔"

"ابا جان! مجھے اجازت دیں۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔ اس کی نظریں سیاہ فام پر بدستور جمی تھیں۔

اسٹیز جشیڈ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر سر کے اشارے سے



فرزانہ خالی ہاتھ آگے بڑھی اور میدان میں گھڑ سے سیاہ فام کا رینگ  
کرنے لگی۔ سیاہ فام کے مقابلے میں وہ بالکل ٹھنکی ٹھنکی گلابی فیر آتش  
تھی۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسا۔

”تم مجھ سے مقابلہ کرو گی۔۔۔ وہ بھی خالی ہاتھ۔۔۔“  
”یہ انصاف پروفیسر آشام کا ہے۔۔۔ ہمارا نہیں۔“ حیرال نے در  
بنایا۔

”کیا مطلب؟“ شک نے بھٹا کر کہا۔

”ان کے ہاتھوں میں بھی ایسی زنجیریں ہونی چاہئیں۔“

”میں ایسے انصاف کا قائل نہیں۔۔۔ نہ میں نے انصاف کرنے کا  
ٹھیکہ لے رکھا ہے۔۔۔ شک۔۔۔ تم ان لوگوں کو لڑاؤ۔۔۔ اب یہ تمہارا  
کمال ہے۔“

”اد کے باس! آپ فکر نہ کریں۔۔۔ تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے  
ہو۔۔۔ ٹوٹ پڑو اس پر۔“

زنجیر والا پہلے ہنسا۔۔۔ پھر وحشیانہ انداز میں زنجیر گھمانے لگا۔

زنجیر کے گھومنے میں لمحہ بہ لمحہ تیزی آرہی تھی:

”فرزانہ سنبھل کر۔“ محمود پریشان ہو گیا۔

”کھڑے کی ضرورت نہیں۔۔۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔ اس  
کی نظریں سیاہ فام پر جمی تھیں۔

وہ براہِ آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔ اب سب کی نظریں اس مقابلے پر  
تھیں۔ مقابلہ بہت سنسنی خیز تھا۔۔۔ فرزانہ کے پاس ہتھیار کے لئے ہولی

چیز نہیں تھی۔۔۔ پھر بھی وہ سکون سے کھڑی تھی۔۔۔ پھر جونہی وہ اس سے

بیک نزدیک آیا کہ فرزانہ زنجیر کی زد میں آسکتی تھی۔۔۔ وہ تڑپ سے گری

اور اس کی طرف لوٹ لگا مئی۔۔۔ یہ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی کہ زنجیر

زمین سے کافی اوپر گھوم رہی تھی۔۔۔ لوٹ لگاتے ہی وہ اس کی ہانگوں

سے ٹکرائی۔۔۔ وہ اپنی دھن میں آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔ اس کے وہم و گمان

میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ کام دکھا جائے گی۔۔۔ نتیجہ یہ کہ وہ اوندھے منہ

گرا۔۔۔ اور جونہی گرا۔۔۔ فرزانہ نے اس کے زنجیر والے ہاتھ پر ہاتھ

ڈال دیا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی۔۔۔ وہ ابھی اٹھ

تی رہا تھا کہ زنجیر پوری قوت سے اس کے سر پر لگی۔۔۔ اس کے منہ

سے ایک دل دوز جیج نکلی

”یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا؟“ پروفیسر آشام کی حیرت میں ادنیٰ آواز

آئی۔

”وہی ہوا جس کا میں ذکر کر رہا تھا۔“ حیرال ہنسا۔

"تم سے تو میں سمجھ لوں گا جیرال۔"

"پروفیسر آشام... انگل جیرال سے جغرافیہ سمجھنا۔" فرحت نے کہا۔  
"ہے نا بے وقوفی کی بات۔" محمود نے ہنسا کر کہا۔

"کس کی بات ہے وقوفی کی ہے۔" فرزانہ نے زنجیر اٹھائی۔  
پھر اس کے سر پر مارتے ہوئے پوچھا۔

"تم اپنا دھیان لڑائی کی طرف رکھو۔" انسپکٹر جمشید فرانس۔  
"جج... جی اچھا۔"

"فرزانہ کا سوال میں کیے لیتا ہوں... ہاں تو کس کی بات ہے  
وقوفی کی ہے۔"

"فرحت کی... پروفیسر آشام کو مشورہ دے رہی ہے کہ  
جیرال سے جغرافیہ سمجھیں... جب کہ پروفیسر آشام سے بڑا کر جغرافیہ  
ماہر کون ہو سکتا ہے۔" محمود نے بڑا سمانہ بنا کر کہا۔

"وہ کیسے... تم کبھی پروفیسر آشام سے ملے تک نہیں... تم نے  
انہیں کبھی دیکھا تک نہیں... تم ان کے بارے میں کچھ جانتے نہیں  
پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ جغرافیہ کے بہت ماہر ہیں... بلکہ اتنے  
ماہر کہ کوئی کیا ان سے بڑا ماہر ہوگا۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔  
"ہونا بے وقوف۔" محمود ہنسا۔

"کیا بات ہے... تم تو ہے... آج بار بار سے وقوفی..."

زیبیت حسین نے کہا۔ "لاداقی نے حیران ہو کر کہا۔"

"جی سیدھی سی بات ہے... حیران کس کے... بات کیا ہے..."

پروفیسر آشام نے، تو یہ جغرافیہ کے ماہر ہونے کا۔"

"اوہ ہاں! لیکن لگتا ہے... اصل ماہر یہ نہیں... اسے اس کس..."

نے دریافت کیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مطلب... یہ آپ نے کیا نئی بات کہا۔ اور آپ کہہ..."

بات کیسے معلوم ہو گئی۔"

"حق سے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب... کیا آپ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں... کہ حیران..."

پروفیسر آشام نے دریافت نہیں کیا تھا۔"

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو انسپکٹر جمشید۔" پروفیسر آشام کے لہجے میں

املنے بھر کی حیرت شامل ہو چکی تھی۔ اب وہ سب لڑائی کو بھول چکے

تھے۔ اور فرزانہ کا مقابل بھی تین چار زنجیروں کے بعد ہی سماتے...

ہنا تھا اور اعتیاداً فرزانہ نے اس کے بعد بھی اس کے سر پر وہ لہجہ

اور ہماری تھیں... باقی چودہ دم سادھے کھڑے تھے... اپنے ساتھی کا



یہ بھیا تک انجام دیکھ کر وہ دم بخود ہو چکے تھے۔ اس پر وہ لوگ ہنس رہے تھے۔  
شروع ہو چکی تھی۔ جو اس قدر دلچسپ تھی کہ سب لوگ ہنسی دے رہے تھے۔  
والے کو بھی بھول چکے تھے۔ تاہم فرزند اس سے متعلق قدم سے  
فاصلے پر بالکل چوکس کھڑی تھی۔ اور زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی۔  
ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

”وادی سبران... پروفیسر آشام کی دریافت نہیں ہے۔“  
”اور یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو۔“

”ہمارے ملک سے چار آدمیوں کی لائبریری سے چار کتابیں  
پر اسرار انداز میں چرائی گئیں۔ آخر کیوں... یہ میرا اندازہ ہے۔ اور  
ان شاء اللہ غلط نہیں ہے، اس وادی کو دریافت کرنے والا وہ شخص تھا  
جس نے وہ کتاب لکھی تھی۔ وہ کتاب وادی سبران ہی کے بارے میں  
تھی۔ اس کتاب کو پروفیسر آشام نے پڑھا۔ تب اس کے ذہن میں  
یہ شیطانی منصوبہ آیا۔ کہ بے تحاشہ سونا لٹا کر مسلمان ممالک کو عیاشی کی  
موت مار ڈالو، غالباً پروفیسر آشام کا تعلق بیگال سے ہے۔ یہودی ذہن  
ایسی ہی باتیں سوچتا رہتا ہے۔... برس ہا برس پہلے منصوبہ بناتا ہے اور  
عمل اس پر بہت سالوں بعد شروع ہوتا ہے۔ تو اس نے بیگال کی مدد  
سے یہ منصوبہ شروع کیا۔ سبران کو آباد کرنا۔ اس کے لیے ماہرین

کو مائنس دانوں کو، انجینئرز کو لایا گیا۔ آخر پروفیسر آشام کو معلوم  
ہوا۔ اب سولے کے سکوں کی بارش ہوگی۔ تو ان لوگوں نے وہ  
کتاب پڑھ رکھی ہوگی۔ انہیں یاد آ جائے گا۔ وہ اپنی لائبریری سے  
وہ کتاب نکال کر پڑھ لیں گے۔ اور پھر سبران پر حملہ آور ہوں گے  
منصوبے بننے لگیں گے۔ لہذا اس نے سوچا۔ سبران کا رستہ ہی  
غائب کر دیا جائے۔ اس کتاب کو ہی پوری دنیا سے غائب کیا جائے۔  
مگر جس جس نے خریدی تھی۔ وہاں وہاں اپنے کارندوں کو بھیجا گیا  
اور جب یہ یقین ہو گیا کہ تمام کتابیں انہوں نے حاصل کر لی ہیں  
تب سولے کے سکوں کی بارش شروع کی۔... میرے اندازے اگر غلط  
ہیں تو پروفیسر آشام بتا سکتے ہیں۔“ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش  
ہو گئے۔

پوری فضا میں موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ سب لوگ سن ہو  
کر رہ گئے تھے۔ خود پروفیسر آشام بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ آخر حیرال  
کی آواز ابھری۔

”میں نے ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا تھا۔“

”ہاں مسٹر حیرال! تم نے ٹھیک کہا تھا۔ لیکن یہ لوگ کون  
کون تھے اور ان کے ساتھ تم بھی کمنا می کی موت سر جادو گے۔“

لیکن کیسے پروفیسر آشام... کیا تم نے دیکھا نہیں ہے...  
چھوٹی سی ہتھی چنگی نے تمہارے سیاہ فام کا کیا حشر کیا ہے... جب گراں  
کے ہاتھ میں یہ خون زنجیر تھی۔

کوئی پروا نہیں... سہراں کی فوج ابھی حرکت میں نہیں آئی  
مجھے ان لوگوں کے بارے میں واقعی معلوم نہیں تھا... ہمیں کیا ضرورت  
ہے... یہ کھیل کھیلنے کی... میں سہراں کی فوج کو بھیج رہا ہوں... لوگوں  
... تم بھی مل کر ان کا مقابلہ۔

پروفیسر آشام! آپ کو ایک بات معلوم نہیں۔ انسپکٹر جمشید نے  
میں کر کہا۔

اور وہ کیا بات ہے جو مجھے معلوم نہیں۔

ہاں! تم نہیں جانتے... پروفیسر... ہمارے پاس بھی ایک فوج  
ہے... وہ سہراں کی فوج سے بٹ لے گی...

تمہارے پاس بھی کوئی فوج ہے... بھی واہ... لگتا ہے پاگل  
ہو گئے ہو۔

جی نہیں... اب پاگل ہونے کی باری تمہاری ہے... سہراں  
کے لوگو! تیار ہو جاؤ... تمہاری آزادی کا وقت آپہنچا... انہوں نے  
چاروں طرف کھڑے ہزاروں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

ہم تیار ہیں... ہم تیار ہیں... اس قید کی زندگی سے موت  
ابھی ہم سب جانیں دے دیں گے۔  
... تم نے سنا پروفیسر آشام... ہماری فوج تیار ہے... انسپکٹر  
مریٹ پر میرے ساتھی... ان سے زنجیریں پھینک رہے ہیں... یہ تمہاری  
پہلی جھٹ بوگی۔

ان الفاظ کے ساتھ بے خبر کھڑے زنجیروں والوں پر ان کے  
راستی بے تحاشہ انداز میں ٹوٹ پڑے... ان کی آن میں زنجیریں ان  
کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ سب ان زنجیروں سے سیاہ قاموں کی خیر  
لے رہے تھے اور ان کی بلند بانگ چیخیں فضا کو تھرا رہی تھیں... شک  
پہلی چنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا... جب کہ جبرال مسکرا رہا تھا  
نہر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

خان... رحمان... یہ ٹھیک ہے... کہ تمہارے پاس ایک نئی  
فوج ہے... لیکن آج تمہارا تجربہ کام آئے گا... اپنی فوج کو مورچہ بند  
کر دو... فی الحال ہمارے پاس یہ پندرہ زنجیریں ہیں۔

گلز نہ کرو جمشید... خان رحمان چلا کے۔

اور میں شک کو دیکھتا ہوں۔

یہ کہ کمر جبرال شک کی طرف مڑا تو وہ غائب تھا۔ ہاتھ



دیکھ کر شگ وہاں سے کھسک گیا تھا۔

”کوئی بات نہیں شگ۔۔۔“

آتا ہی ہوگا۔“

”میں آرہا ہوں۔۔۔ اپنی فوج کے ساتھ۔۔۔“

کی آواز کہیں دور سے آئی۔

”اور میرے پاس صرف ایک پستول ہے۔“

بتایا۔

”کوئی بات نہیں انکل! آپ اسے رکھیں۔۔۔ ہمارے پاس۔۔۔“

پندرہ زنجیریں ہیں۔“

”لیکن ان کے پاس آتشیں اسلحہ ہے۔“

”تو انکل! یہ سوچے کس دن کام آئیں گے۔۔۔ ہمارے انکل“

مورچہ بندی کے بہت ماہر ہیں۔“

”اور میں اپنا کام شروع کر چکا ہوں۔“

انہوں نے خان رحمان کی آواز سنی۔۔۔ اب وہ سب تیزی سے ان

کی ہدایات پر عمل کرتے نظر آئے۔۔۔ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور

منور علی خان بھی ان کی مدد کرنے لگے۔۔۔ جیرال نے بھی اپنے لیے

ایک جگہ منتخب کر لی۔۔۔ اس طرح صرف آدھ گھنٹے بعد وہاں کوئی بھی نظر

نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اب کہ سب کے سب تھے وہی۔۔۔ عام لوگوں کو۔۔۔

ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ صرف پیچھے رہیں گے۔۔۔ اور ہاتھ بندھیں

جو ہدایات دی جائیں۔۔۔ ان پر عمل کریں گے۔۔۔ ان سب کے سر پر

دبے تھے۔۔۔

گویا اب وہ جنگ کے لیے ہاتھ تیار تھے۔۔۔ ایسے میں فوج

نے پوچھا۔

”انکل جیرال۔۔۔ وہ مین کیا سفید عمارات میں داخل ہونے کے

لیے ہے۔“

”اوہ ہاں! تم نے درست اندازہ لگایا۔۔۔ جن کی جیبوں میں وہ

میں ہوتا ہے، لہریں انہیں اٹھا کر نہیں اچھالتیں۔“

”بہت خوب۔۔۔ تب تو پھر ان چدرہ کی جیبوں میں بھی وہ مین

ہوں گے۔“

”ہاں بالکل۔۔۔ بلکہ جو فوج اب مقابلے کے لیے آرہی ہے۔۔۔ ان

سب کے پاس وہ مین ہیں۔۔۔ فکر نہ کرو۔۔۔ وہ ہمارے کام آئیں گے۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے سیاہ فاسوں کی طرف دیکھا۔۔۔ وہ سر ہچکے

تھے یا مرنے کے قریب تھے۔۔۔ بہر حال ان کے مین ان کے کام آنے

والے تھے۔۔۔ اس خیال نے بھی ان میں اطمینان کی لہر دوڑا دی۔

ایسے میں انہوں نے پروفیسر آشام کی فوج کو آتے دیکھا۔

... آپ۔۔۔ اگلے خانہ داروں۔۔۔ اب کیا ہوگا؟" اخلاق نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

"... وہی ہوگا اخلاق جو اللہ کو منظور ہوگا۔" خانہ داروں نے منکرانہ لہجے میں کہا۔

... بالکل ٹھیک۔۔۔ منور علی خان فوراً بولے۔

"... سب لوگ بس سوچوں میں دبے رہیں۔۔۔ اس صورت میں

ان کی رائےیں بنانا کچھ نہیں بکاڑ سکیں گی۔ اور جب یہ اس طرف

میدان صاف پائیں گے تو ظاہر ہے۔۔۔ نزدیک آئیں گے۔۔۔

وقت ہم حرکت میں آئیں گے۔۔۔ لیکن عام لوگوں کو حرکت میں آنے کی

ضرورت نہیں۔۔۔ وہ بدستور دبے رہیں گے۔"

سب نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا دیے

"اور مسٹر جیرال۔۔۔"

"ہیں؟" اس نے فوراً کہا۔

"ہم آپ کے دل و جان سے شکر گزار ہیں۔ آپ نے اس

ہلکے وقت میں ہمارا ساتھ دیا۔۔۔ اور اب ہماری فوج میں شامل ہیں

یہ آپ کا ہم پر احسان بھی ہے۔" انسپکٹر جھید کی آواز بیانیات سے

مدنی ہوئی تھی۔

"لکھا بات کہنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ وہاں مجھے آپ کے بچوں

## سبران کے باغی

وہ فوج بڑی بڑی بچیوں میں آ رہی تھی۔۔۔ ان سب میں فوجی

بھرے ہوئے تھے۔۔۔ اور ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب رائفلیں

تھیں۔ ایسی رائفلیں انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔۔۔ ان رائفلوں

کو دیکھ کر انسان کا خون خشک ہوتا تھا:

"یہ... یہ کیسی رائفلیں ہیں انکل جیرال۔" شوکی نے تھر تھر کانپتی

آواز میں پوچھا۔

"ایک ہی وقت میں پچاس گولیاں برسانی والی رائفلیں ہیں۔

ان سے نشانہ لینے کی ضرورت نہیں۔۔۔ گولیاں چاروں طرف پھیل کر

جاتی ہیں اور بالکل سیدھ میں بھی جاتی ہیں۔۔۔ مطلب یہ کہ کوئی ان کی

سیدھ میں کھڑا ہو یا ان کے دائیں بائیں یا اوپر نیچے۔۔۔ ان کی زد میں

ضرور آئے گا اور دوسرے یہ کہ ان کی رینج بھی عام رائفلوں سے تین گنا

ہے۔۔۔" جیرال نے بتایا۔



... میرا مطلب صرف محمود، فاروق اور فرزاد سے نہیں۔ ہارنی چھوٹی پارٹی سے ہے ... ان سب سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں انہیں بہت پسند کرتا ہوں ... ان کی حرکتوں اور شرارتوں اور چالوں سے دل خوش ہو جاتا ہے ... اس لیے کم از کم میں اپنے ہاتھوں انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا ... یا اپنے سامنے انہیں نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا ... بس اتنی سی بات ہے۔“

”اب میں ایک بات کہتا ہوں ... کیا پروفیسر آشام کے لیے ایکورم سے مزید فوج منگوانا ممکن ہے۔“

”بالکل منگوا سکتا ہے... لیکن وہاں سے فوج آنے میں کم از کم بارہ گھنٹے لگیں گے۔“

”ہوں... اس کا مطلب ہے... ہمیں اپنا کام بارہ گھنٹے سے پہلے پہلے ختم کرنا ہوگا۔“

”اور میرے خیال میں یہ اتنا آسان کام نہیں... دوسرے انجکٹر  
جمشید... آپ لوگوں نے ایک پہلو کی طرف شاید غور کیا ہی نہیں۔“

”اور وہ کیا جیرال ہمارے دوست۔“

”اور وہ یہ کہ ہم لوگ اس فوج سے نیٹ بھی لیں گے...  
پروفیسر آشام کا کام تمام بھی کر دیں گے... تو کیا یہ مہم ختم ہو جائے گی

انکار و امتناع سے آج میں ہے۔ یعنی جانتے پہچانتے  
کے بعد پھر سے یہاں ان لوگوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ  
انہوں نے اپنے لیے پیاز ہیں۔“

یہاں بیٹیاں سونے کے پیارے ہیں۔۔۔ پہلے آپ یہ بتائیں  
 کہ باقیوں کے ہمارے ذہن میں ہیں۔۔۔ اگر ہم ریٹوں کے کٹروں سسٹم کو دیکھیں تو  
 یہاں موجود راکٹوں سے آگے ہم ملک جا سکتے ہیں۔۔۔  
 کیا ہم ان کے ذریعے اپنے ملک جا سکتے ہیں۔۔۔  
 جی ہاں ہنسنا۔

"میں جوانی راستوں کا ماہر نہیں۔" جبریل ہنسا۔

”میں ہوائی راستوں کا تجربہ نہیں کرتی۔“  
 ”ہوائی راستے ہم خود طے کر لیں گے۔ کیونکہ ہم یہاں سے  
 سیدھے کالا جنگل جائیں گے۔ وہاں سے برہائی اور برہائی سے  
 اپنے ملک کو پیغام دے سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کی فوج میاںوں کے  
 دریچے اسلامی ملکوں کے راستے برہائی آ سکتی ہے۔“  
 ”اس طرح تو ممکن ہے۔۔۔ لیکن انسپکٹر جہشید

”اسی طرح تو ممکن ہے... لیکن انکیلر جہشید

بیرال کے الفاظ درمیان میں رو گئے۔ پروفیسر آشام کی قوت نے سو رہے سنبھال لیے تھے اور اب ان کے کلماتوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔

”میرا دل ایسا ہے“

یہ کہ کرو وہ رک گیا گویا روئے و یکنا چاہتا تھا ۔

سیکند بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔

”تم بہت تھوڑے سے بہتے لوگ ہو۔ تمہارے پاس ہمارے مقابلہ کرنے چلے ہو۔ ابھی تم ان راتوں سے واقف نہیں۔ ایک رات سے صرف ایک فائر کیا جائے گا۔ وہ تمہارے پیچاس لوگوں کے لیے کافی ہوگا۔ لہذا ابھی وقت ہے، میں تمہیں موقع دیتا ہوں۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔ ہم تمہیں گرفتار کر کے پروفیسر آٹھام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ جانیں۔ تم لوگ ہمارا کام تو بس اتنا ہوگا کہ تمہیں گرفتار کر کے ان تک پہنچا دیں۔“

جواب میں کسی نہ کچھ نہ کہا۔۔۔ کمانڈر کی آواز پھر گونجی لگی۔

”لگتا ہے۔۔۔ یہ بزدل لوگ یہاں سے بھاگ کر کہیں دور جا چکے ہیں۔ گویا اب ہمیں ان کی تلاش میں آگے جانا ہوگا۔ چلو آؤ۔“

جیپوں کو چھوڑ دو۔۔۔ جیپوں کی حفاظت کے لیے دس آدمی یہیں ٹھہریں۔“

یہ سن کر وہ خوش ہو گئے۔ کیونکہ یہی تو وہ چاہتے تھے۔۔۔ خان رحمان نے مورچے پہلے ہی اس طرح بنائے تھے کہ آنے والی فوج ان کے درمیان سے آگے بڑھتی چلی جائے اور وہ اس فوج کے عقب میں

آجائیں۔

فوجی جیپوں سے اتر کر راتوں پہنچائے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور یہ لوگ جیپوں کے پیچھے پیچھے کے لیے حرکت کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ اب دس آدمی ان راتوں سے مسلح ان کے سامنے موجود تھے۔ جب کہ ان کے پاس صرف ایک ہتھوڑ تھا۔ آخر جیروال نے ایک مناسب جگہ پہنچ کر اپنے ہتھوڑ سے دس فائر کر دیے۔ وہ دس کے دس تیرا کر گرے۔ گولیوں ان کے ہاتھوں میں لگی تھیں۔

ساتھ ہی ان کے دس ساتھی آگے چھپنے اور دوسرے ہی سے ان کے ہاتھوں میں وہ راتوں تھیں۔۔۔ جیروال نے آن واحد میں ان کے چلانے کا طریقہ انہیں سمجھا دیا۔ انہوں نے جیپوں کو مورچے کا لیے۔ دوسری طرف فائرنگ کی آواز سن کر فوجی بھڑک کر پیچھے آئے۔ انہوں نے جیپوں والے ساتھیوں کو اچھل اچھل کر گرتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے یہ سوچنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی کہ ان پر حملہ کس طرف سے ہوا ہے۔۔۔ بس اندھا دھند جیپوں کی طرف دوڑ پڑے۔۔۔

”فائر“



ایک ساتھ ہی دس راتھوں اور کیا رہیں جنہاں کے بھڑکے  
گولیاں اگل دیں... پروفیسر آشام کی فوج تڑا تڑا گرتی چلی گئی  
جو بچے تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے... اور ان کا رخ بچوں سے  
پیچھے کی طرف تھا... ان کے بھاگنے کا موقع انہوں نے خوب افادہ  
مرنے والوں کی راتھوں پر دھڑا دھڑا قبضہ شروع کر دیا۔

خان رحمان نے چھوٹی پارٹی کو تو فوری طور پر ایک ایک دھڑ  
دے دی... خود باقی راتھیں عام لوگوں میں تقسیم کرنے لگے اور انہیں  
جلدی جلدی چلانے کا طریقہ سمجھانے لگے... ان سے نشان لینے کی  
ضرورت تو تھی ہی نہیں، اس لیے صرف چلانے کا طریقہ بتانا تھا... اور  
وہ چند منٹ میں سب نے آسانی سے سمجھ لیا... اس طرح ان کی بھی  
ایک فوج تیار ہو گئی... لیکن اس فوج کے پاس اسلحہ بہت کم تھا اور  
دوسری بات یہ کہ ان پر ایک خوف سوار تھا... یہ دو باتیں پریشان کن  
تھیں... جو بھی تھا اور جتنا بھی تھا... غنیمت تھا اور انہیں دشمن سے  
بہر حال لڑنا تھا... خان رحمان اب پھر نئے سرے سے اپنی فوج کی  
مورچہ بندی کر رہے تھے:

”جیرال! ہمارے دوست... یہاں پروفیسر آشام کے پاس کتنی

فوج ہوگی۔“

”فوج زیادہ نہیں ہے... لیکن وہ انکسار سے بھی چاہے گا...  
اور اب فوج اس سے ہمارے کھٹے میں آجائے گی...  
کھڑے گا... وہ تو چاہے فوجی اسلحے کے ساتھ آئے گی۔ اب ہمارے  
ہم کیا کریں گے... وہ تو چاہے فوجی اسلحے کے ساتھ آئے گی۔ اب ہمارے  
تو ہم صرف آٹھ سے دس کھٹے کے اندر بعد یہاں کا میدان بدلیں  
جب بات بن سکتی ہے... وہ تو ہمیں اس فوج کا سامنا کرنا ہوگا۔ اب  
یہ آپ دیکھ لیں کہ ایسا کیسے کر سکیں گے... جیرال نے جلدی جلدی  
بتایا۔“

”اگر ہم انکسار کی فوج آئے سے پہلے یہاں کی فوج کا صفایا کر  
دیں، تب بھی تو یہاں ہمارے کرنے کا بہت کام باقی رہے گا... یہاں  
کی فوج کا صفایا ہوتے ہی تو یہاں سے فارغ نہیں ہو جائیں گے...  
اسپلر جشید نے کہا۔“

”اس کا مطلب ہے... ہمیں یہاں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا  
لیکن پوری فوج کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہوگی... اسی  
لیے ہمیں بہر حال اپنے ملک سے فوج منگوانا ہوگی۔“

”لیکن کب تک؟“ خان رحمان نے ان کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب خان رحمان... کب تک کیا؟“

”ہم کب تک اپنے ملک سے فوج منگواتے رہیں گے...“

سے تو یہ لوگ نہ صرف ایکورم سے بلکہ بیگال سے فوجیں منگوا رہے تھے۔

”ہوں! تب پھر ہم کیا کریں... تمہارا تو ایسا کچھ ہے۔“  
 پروگرام ہی نہیں تھا... یہ جنگ تو ہمیں اچانک لڑنی پڑ گئی ہے۔  
 ”اس کا پھر ایک ہی حل ہے۔“ حیرال نے سوچ میں گم ہو کر کہا۔

”اور وہ کیا؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”ہم پروفیسر آشام کو ختم کر دیں اور ساتھ میں شنگ کو بھی۔“  
 پھر ان کی رہنمائی کرنے والا یہاں کون ہوگا... سفید عمارات میں تو  
 ماہرین کام کر رہے ہیں... وہ تو ظاہر ہے... ماہرین ہیں... جنگ  
 وجدل کے ماہر نہیں ہیں... وہ کیا کر سکیں گے۔“

”بس تو پھر... اس سے پہلے کہ پروفیسر آشام اپنی فوج کا با  
 دست ہماری طرف روانہ کرے... ہمیں سفید عمارات پر حملہ کر دینا  
 چاہیے... ابھی اس نے ایکورم سے رابطہ نہیں کیا ہوگا... اپنی فکرت  
 اسے آسان نہیں لگ رہی ہوگی... اور وہ اس خیال میں ہوگا کہ دوبارہ  
 مضبوط ہے...“ خان رحمان نے کہا۔

”سفید عمارات پر حملہ بھی آسان نہیں ہے... ہم مرنے والے

فوجوں کی بیویوں سے فوج لے کر آئے ہیں... اس طرح  
 سفید عمارات تک پہنچ جائیں گے... لیکن ان عمارات کی طاقت  
 ”ہی بہت سے طریقے اختیار کیے گئے ہیں...“  
 ”اگلے! آپ کو تو وہ طریقے معلوم ہی ہوں گے۔“ فرات نے

منہ دکایا۔

”یہی تو مشکل ہے... پروفیسر آشام نے جردنی کا محل کی قوت  
 داری ہمیں سوچنی ہوئی ہے... عمارات کے اندر کے ہم قوتے ہمارے  
 شک بھی نہیں... لیکن اب پہلے سرطے پر اگر ہم سفید عمارات کی طرف  
 پیش قدمی کرتے ہیں تو وہ شنگ کو ہمارے مقابلے پر بھیجے گا۔“  
 ”کوئی بات نہیں... ہم شنگ اور اس کی فوج سے دور رہنا  
 چاہتے ہیں... اس کے بعد جو صورت حال سامنے آتی ہے... دیکھا  
 جائے گا۔“

”اچھی بات ہے... یو نہیں سہی... لیکن وہاں صرف ہم نہیں  
 کے عوامی فوجی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے... البتہ خان رحمان  
 انہیں ہدایات دے دیں... تم لوگ وہ آگے نکال لو۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

اور پھر خان رحمان عوامی فوج کو ہدایات دینے لگے۔



... ہاں ایک ہے۔

... مسٹر جیرال ... ایسے میں ایک آواز اچھڑی۔

... جیرال موجود ہے۔ اس نے کہا۔

... مسٹر جیرال! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا، اس ساری صورت

حال کے اصل مجرم تم ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا۔ مگر یہ لوگ یہاں

آئی گئے ہیں تو انہیں ختم کر دو۔ لیکن تم نے یہ بات نہیں مانی۔

محامات یہاں تک آ گئے۔ ہمارا برسوں پرانا منصوبہ بہت کامیابی سے

آگے بڑھ رہا تھا اور جو ہم چاہتے تھے۔ اس میں قریب قریب

کامیاب ہو چکے تھے، لیکن تم نے دمک میں بھگ ڈال دیا۔

تو اور تم ہم سے دشمنی پر بھی اتر آئے۔ اب یہ لوگ تمہیں ہم سے بھی

اچھے لگنے لگے۔ تم ان کے ساتھی بن گئے۔ تم نے اپنے بھتیجے

دوست شنگ سے بھی بگاڑ لی۔ خیر۔ میں تمہیں ایک موقع دے

دوں۔ اب بھی وقت ہے۔ جیپ سے اتر کر سفید عمارت تیسرے ایک

میں داخل ہو جاؤ۔ اس کا دروازہ تمہارے لیے تین منٹ تک کھلا رہے

گا۔ اگر تم نہ آئے اور یہ تین منٹ گزر گئے تو پھر یہ دروازہ تمہارے

لیے کبھی نہیں کھلے گا اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم کتنے اہل تک

لذات کے احمق صورت حال کیا ہے۔ ہم ابھی عاقبت میں ہیں۔

...

...

...

...

فارغ ہو کر وہ ان کی طرف آئے تو وہ آگے نکال پڑے۔  
میں سے ہر ایک کے پاس آلات بھی تھے اور راتیں بھی۔  
جلدی جیپوں میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے راتیں پہنچائیں۔  
ان کا یہ چھوٹا سا فوجی قافلہ سفید عمارت کی طرف روانہ ہوا۔  
دل دھک دھک کر رہے تھے۔ کیونکہ صورت حال بہت عجیب  
اٹوکی تھی۔ انہیں قطعاً کوئی اندازہ نہیں تھا۔ آخر وہ اس مقام  
پہنچ گئے۔ جہاں تک آئے تھے۔ جیرال سب سے آگے والی گاڑی  
میں تھا۔ بلکہ جیپ چلا بھی وہی رہا تھا۔ وہ جیپ کو آگے بڑھنے  
گیا۔ کسی کو کچھ نہ ہوا۔ کوئی رکاوٹ نہ پیش آئی۔ بس وہ آگے  
بڑھتے چلے گئے۔

”میں ان عمارت میں داخل ہونے کی دیکھ رہا ہوں۔ وہاں  
کے چاروں طرف موجود ہیں۔ اب اس جگہ سے جوئی ہم آگے بڑھیں  
گے۔ وہ ہم پر چاروں طرف سے فائرنگ کر دیں گے۔“  
”اور ہم اس وقت کھلی جگہ پر ہیں۔ جیپوں سے باہر نکل کر  
آگے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو مارے جائیں گے۔“  
”لیکن ان جیپوں کو گولیاں نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ہم  
کے اندر رہ کر فائرنگ کر سکتے ہیں۔“

یہاں کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے، یہ تمہیں معلوم نہیں۔  
 کروں کی طرف بڑھنے والے ہل کر راکھ ہو جائیں گے۔ ان لوگوں  
 کا یہاں نشان تک نہیں ملے گا۔ تم سے تو شک ہوتا ہے۔ بہت ہی  
 فوراً میرے پاس آ گیا۔ اسے بہت بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔  
 دنیا کی عیش اسے حاصل ہوگی۔ میری بات ختم ہوئی۔ تم وہ  
 لو... فیصلہ کر لو... دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ اس میں سے صرف تم  
 گزر سکو گے۔ کوئی اور آیا تو اسے جلا دیا جائے گا۔ اور یہ بھی نہ  
 لوگوں کی بھول ہے کہ میں ان حالات کی خبر ایکورم کو دوں گا۔ ہرگز  
 نہیں... اس جگہ کا بادشاہ میں ہوں۔ یہاں میری حکومت ہے۔  
 ایکورم کو تو میں سونا دیتا ہوں... اس کے بدلے میں وہ میری خدمت  
 کر دیتے ہیں۔ دنیا کے ماہرین کو جب ہم لوگ ایکورم پہنچاتے ہیں  
 تو وہ انہیں ادھر بھجوا دیتے ہیں۔ بس یہ خدمت ہے ایکورم کی۔ بدلے  
 میں وہ بہت کچھ پاتے ہیں۔ تم لوگوں سے مقابلے کے لیے مجھے ک  
 فوج کی ضرورت نہیں۔ ایکورم کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے  
 یہاں کی حفاظت کے لیے برسوں لگائے ہیں۔ تم دونوں کو تو یہاں  
 کاموں کے لیے رکھا گیا تھا۔ تاکہ تم ان عام لوگوں کو قابو میں رکھو۔  
 باہر سے آنے والوں کی آواز بھگت کرو۔ وغیرہ اور یہ کام تم نے اعلیٰ

کرتے ہو۔ جس ان لوگوں کے آنے پر سارا ملک ہل گیا  
 میں بات ختم کر رہا ہوں۔ تم ان بچیوں میں نہ کر میری طرف کا ملاحظہ  
 کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ میں وہ وقت بھلا رہا ہوں  
 ایک بار پھر تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے۔  
 اس کے ساتھ ہی خاموش ہو گئی۔ انہوں نے اپنے اگلے ہاتھ  
 والی لماری میں دروازہ کھلتے دیکھا۔ اس وقت قرآن پڑھنے لگا  
 "انگل جیرال! آپ ہماری وجہ سے خود کو مشکل میں نہ لائیں  
 اور اپنے پہلے والے ساتھیوں کے پاس چلے جائیں۔ اللہ مالک  
 ہے۔"  
 "ہاں انگل آپ کو ایسا کر لینا چاہیے۔ کمزوروں کا ساتھ دے۔  
 کر آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جب کہ اس طرف دنیا کے محل  
 عیش ہیں۔" فرحت نے فوراً کہا۔  
 "جائے انگل جیرال۔ دروازہ بند ہونے والا ہے۔" شوکی کی  
 آواز ابھری۔

جیرال اس سے مس نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تین منٹ گزر گئے اور  
 دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ اس وقت اس نے کہا:  
 "میں اپنے فیصلے بدل نہیں کرتا۔ تم مجھے ابھی طے پانے لے رہے ہو۔"



اب خان رحمان کے ہاتھ میں فون کی کمان ہے۔  
ہم کریں گے۔

”ہم فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔“ خان رحمان نے کہا۔  
”اور انکل انہوں نے بھی پہل نہ کی تو۔۔۔“

”جب ہماری چیخیں عمارتوں کی طرف بڑھیں گی۔۔۔ اور۔۔۔“ خان رحمان مسکرائے۔  
”اور کیا انکل۔۔۔“

میں اسی لمحے چھتوں پر موجود فوجیوں نے ایک ساتھ فائر کول دیئے۔ ان گنت گولیاں جھپوں سے ٹکرائیں۔

☆☆☆☆☆

## سرخ لکھیں

یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ان میں سے کسی کا کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ جیسے باٹ پر فٹ تھیں۔  
”چھتوں پر موجود لوگوں کو نشانہ بناؤ۔“ خان رحمان چلائے۔

ان سب نے جھینی ہوئی رائفلوں سے ان بچہ گولیوں کی بارش کر دی۔ وہ دم دم نیچے گرے۔ اس طرح پہلے حملے میں دشمن کا زخمی دست نقصان ہوا۔ ان کا کچھ نہ بچا۔

”بھئی واہ۔۔۔ یہ چیخیں تو ہمارے لیے بہترین مورچے ہیں۔“  
”اور اب بچپوں کو سفید عمارات سے ٹکرا دو۔“ خان رحمان چلائے۔

ان کی جھپیں آگے بڑھیں۔ لیکن اسی وقت ایک زبردست دھماکا ہوا۔ ان کی دونوں جھپیں الٹ گئیں۔ وہ ان ہی گولوں سے مارے گئے۔  
”بچپوں سے لکھنا نہیں۔۔۔ یونہی دم مار دے۔“ خان رحمان

نے سرگوشی کی۔

”خان رحمان! یہ سرگوشی بھی سنی گئی ہے۔“

”کوئی پروا نہیں... جب تک ہم بچپوں میں ہیں، کتنو ہیں کیونکہ ان کی گولیوں نے بچپوں کا کچھ نہیں بگاڑا۔ دھماکے نے مجھ کو صرف بچپوں کو الٹایا ہے... ٹوٹی پھوٹی یہ پھر بھی نہیں... میں... سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں اور وہی رانقلیں سنبھال لیں۔“

”جو حکم۔“ محمود نے کہا اور خان رحمان کی ہدایت پر عمل کرنے لگے۔ جلد ہی وہ الٹی ہوئی بچپوں میں پوزیشن لے چکے تھے... اس حالت میں انہیں خود پر ہنسی آرہی تھی۔ ایسے میں ایک دھماکا ہوا اور ان کی دونوں جھپیں اچھل کر اور دو ر جا گریں۔ انہوں نے اپنے حواس بحال رکھے... اور دم سادھ لیے... یہ ظاہر کیا، گویا وہ اس دھماکے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔

”شنگ دیکھو انہیں... اکیلے نہ جانا۔“

”او کے پاس۔“

وہ ساکت پڑے رہے... جلد ہی انہوں نے بھاری قدموں کی

آواز سنی... پھر شنگ بیس کے قریب فوجیوں کے ساتھ آتا نظر آیا

”فائر۔“ خان رحمان چلائے۔

ان سب نے فائر کھول دیے۔ بیس کے تین فوجی زمین پر ڈپے نظر آئے۔ لیکن شنگ جوں کا توں نظر آیا۔

”یہ کیا... مسٹر شنگ... کیا آپ گوشت پوست کے لیں ہیں۔“

آصف کی آواز ابھری۔

”ہوں تو گوشت پوست کا... لیکن میرا گوشت پوست تو اسٹیل

تھم کا ہے، اپنے ساتھیوں سے پوچھ لو... یہ مجھ سے کہا ہے۔“

”کوئی ضرورت نہیں کسی سے پوچھنے کی۔ ہم خود ہی دیکھ لیں

گے۔“

”ارے تو آؤ نا... کھڑا ہوں تو میں۔“

”ہاں کیوں نہیں... موقع اچھا ہے... مسٹر شنگ کا کام تو کر رہی

ہیں۔“ محمود ہنسا۔

”دیکھ لو بھئی... کہیں تمہارا اپنا کام نہ ہو جائے۔“ شنگ ہنسا۔

”اللہ مالک ہے۔“

”کیا خیال ہے... میں اس سے مقابلے کے لیے جاؤں۔“

اپنے کامران مرزا نے کہا۔

”نہیں کامران مرزا... یہ میرا شکار ہے۔“

”بلکہ ہوں کہیں... میں اس کے ہاتھوں شکار ہونے کے لیے



انسپکٹر جمشید نے جیسے سنا ہی نہیں... وہ برابر آگے بڑھ رہے تھے اور شنگ تپا کھڑا تھا... اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

پسے تم لوگوں کا قبضہ ختم نہ کرنا سکے۔ کوئی اور آئے گا۔  
نکرائے گا۔ یہ دنیا بہادروں سے خالی ہے، نہ عقل مندوں سے۔  
مجھ میں اور میرے ساتھیوں میں تو بس ایک بات ہے۔  
بات ہی ہم سب کے لیے کافی ہے۔

”میں جانتا چاہوں گا... وہ کیا بات ہے؟“

”وہ ایک بات یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے، اپنے اہل  
راضی کرنے کے لیے کرنا ہے... دنیا دکھاوے کے لیے نہیں کرنا ہے۔  
اب اس کوشش میں ہم کامیاب ہوتے ہیں یا نا کام، اس سے کوئی فرق  
نہیں پڑتا... کیونکہ ہمارا مالک ہم سے ضرور خوش ہوگا... جب کہ  
بات تم لوگوں کے پاس نہیں... تم اس دنیا کے لیے لڑتے ہو...  
صرف کامیابی حاصل کرنا تمہارا مقصد ہوتا ہے۔“

”یہ سب باتیں ہیں اور میں اس قسم کی باتوں کا قائل نہیں  
میں تو بس ایک بات جانتا ہوں... اور وہ یہ کہ ہمیں تم لوگوں کو بہانوں  
میں ختم کرنا ہے اور بس... اسی صورت میں ہم سونے کے پہاڑوں کے  
مالک رہیں گے اور اسلامی دنیا کو موت کی نیند آسانی سے سلاتے رہیں  
گے۔“

”اب باتیں ہی بناتے رہو گے یا کوئی کام بھی دکھاؤ گے۔“

ایک جھگڑا، لیکن اب بھی ان کی آنکھوں میں اسی شہ  
”یہ بات نہیں بنے گی۔“ ایسے میں فاروق کی آنکھیں  
”کیا مطلب... یہ بات تم نے کس سے کہی کہ یہ بات نہیں  
بنے گی۔“ آفتاب نے بڑا سا منہ دکھایا۔

”سب سے کہی ہے۔“

”سب سے کہی ہے... لیکن کون سی بات نہیں بنے گی۔“

”بھی تو بتاؤ۔“

”یہ ابا جان کی اور اسی دلی بات... لڑائی شروع ہونے سے پہلے  
ابا جان کو موڑ میں لانا ہوگا۔“

”بہت خوب فاروق... میں تمہاری اس بات کی تائید کرتا  
ہوں...“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”بس تو پھر مسٹر شک۔“ اس نے اعلان کرنے والے آواز میں  
کہا۔

”بس تو پھر کیا؟“

”آپ ذرا سی مہلت دے دیں۔“

”مہلت... کیسی مہلت۔“

”ابھی لڑائی شروع نہ کریں... ہم ذرا اپنے ابا جان کو موڑ میں



”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ تم جو کہنا چاہتے ہو۔“  
 ”ابا جان! دیکھیے۔۔۔ اس وقت مقابلہ شنگ سے ہے۔ اگر وہ  
 سے نہیں۔۔۔ شنگ سے اگرچہ کئی بار ہماری جنگ ہو چکی ہے۔  
 شکست بھی ہر بار شنگ نے ہی کھائی ہے۔۔۔ لیکن یہ بات بھی  
 اب اس بار شاید بات زندگی اور موت کی ہوگی۔۔۔ کیونکہ فرار ہونے کا  
 راستہ اگر ہمارے پاس نہیں ہے۔۔۔ تو شنگ کے پاس بھی نہیں ہے۔“  
 ”یہ بات تو خیر غلط ہے۔۔۔ ہم تو سیران سے کہیں بھی جائے  
 ہیں۔۔۔ ہمارے پاس تو راکڈوم ہیں۔۔۔“

”اوہ راکڈوم۔۔۔ لیکن ہمیں تو راکڈوم کہیں بھی نظر نہیں  
 آرہے۔“

”سفید عمارات کے دوسری طرف۔۔۔ راکڈوموں کا ایک پورا راز  
 موجود ہے۔“

”تب پھر وہ ہمارے کام کیوں نہیں آسکتا۔“ فاروق ہنس۔

”اوہ ہاں۔۔۔ شنگ چونکا۔

”بات ہو رہی تھی۔۔۔ ہنسنے، ہنسنے کی اور پٹے لگنے کی۔“

راکڈوموں کی طرف۔۔۔ فرزانہ نے بڑا سامنا بنایا۔

”جو لیا۔۔۔ اور میں راکڈوموں کی طرف چلا گیا۔  
 ”ابا جان! دیکھیے۔۔۔ اس وقت مقابلہ شنگ سے ہے۔ اگر وہ  
 سے نہیں۔۔۔ شنگ سے اگرچہ کئی بار ہماری جنگ ہو چکی ہے۔  
 شکست بھی ہر بار شنگ نے ہی کھائی ہے۔۔۔ لیکن یہ بات بھی  
 اب اس بار شاید بات زندگی اور موت کی ہوگی۔۔۔ کیونکہ فرار ہونے کا  
 راستہ اگر ہمارے پاس نہیں ہے۔۔۔ تو شنگ کے پاس بھی نہیں ہے۔“  
 ”یہ بات تو خیر غلط ہے۔۔۔ ہم تو سیران سے کہیں بھی جائے  
 ہیں۔۔۔ ہمارے پاس تو راکڈوم ہیں۔۔۔“

”نہیں انکل بات نہیں بنی۔۔۔ ابھی آپ کی مسکراہٹ میں وہ جان  
 بھانپیں ہوئی جو کہ آپ کی مسکراہٹ میں ہوتی ہے۔۔۔ سیرانی فرما کر  
 ایک کوشش اور کریں۔“

”وہ ہنس پڑے۔۔۔ انہیں ہنسنے دیکھ کر انہیں طوفانی مسکراہٹ ہوئی۔

مکھن نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ چہرے پر جو اداسی تھی۔ وہ پر لگا کر اڑ چکی ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"ویسے ابا جان! ہم اب بھی کہتے ہیں۔ آپ شنگ کے منہ پر ہم میں سے کسی کو جانے دیں۔"

"ہاں اور کیا۔۔۔ مجھے مقابلہ کرنے دیں۔" اخلاق کی آواز ابھری۔

اس پر سب ہنس پڑے۔ شنگ کے مقابلے میں اخلاق درجے تک منک تھا۔

"کیا خیال ہے دوستو! ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔

"کیا کہنا چاہتے ہو شوکی۔"

"اخلاق ہی کو کیوں نہ بھیجا جائے۔"

"نہیں بھئی۔۔۔ یہ انصاف نہیں۔"

"تو پھر انپیکٹر جمشید! مجھے جانے دیں۔۔۔ یہ بات تو انصاف سے

بعید نہیں۔" حیرال نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو اور زیادہ نا انصافی ہے۔"

"دقت میرے گی۔" شنگ نے ہنسا کر کہا۔

"ہائیں۔ ہائیں۔ مسٹر شنگ۔ یہ آپ کو کیا ہوا۔" انیس

آپ میں محدود کی روح تو نہیں چلی گئی۔" آصف ہنسا۔

"ارے باپ رے۔" محمود گھبراہٹا ہوا۔

"پاتوں میں دقت برپا ہو گیا ہے۔ ہاں ہے۔ معلوم ہو گیا تم لوگ

دقت سے کئی کتنا رہے ہو۔"

"ارے نہیں۔۔۔ کئی بھی کوئی ایسی چیز ہے۔ جسے کتنا

ہنسے۔" آفتاب ہنسا۔

"تو پھر آؤ نا۔۔۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔" شنگ کہتے کہتے رنگ

گھبرا۔

"ہاں ہاں۔ کیا کہتے ہیں آپ۔"

"میں تو کہتا ہوں، تم سب مل کر مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ اپنے ساتھ

حیرال کو بھی ملا لو۔"

"ہائیں ہائیں۔۔۔ آپ اتنے طاقتور ہیں۔"

"تم سب کی چٹنی بنانا میرے ہائیں ہاتھ کا کھیل ہو گا۔"

"انگل حیرال کی بھی۔" فادوق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور نہیں تو کیا۔۔۔ حیرال میرے مقابلے میں کیا ہے۔"



”میں رگ چکا اندازہ ... مقابلہ برابر کا ہے ... نہ تم کے تراش  
میں لا سکتے ہو ... نہ میں تمہیں ... یہ مقابلہ تو ہاتھوں اور سچوں سے ہوگا  
... ہاں موقع مل گیا تو ہم اسلحے کو بھی آرمائیں گے۔“  
”تو پھر آؤ۔“ انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔  
ان الفاظ کے ساتھ ہی شبنم ہوا میں اڑتا نظر آیا۔  
☆☆☆☆☆

”بس لڑ چکے تم لوگ... تمہیں تو بس باتیں بٹانا آتی ہیں۔“

”اب میں اور طعنے نہیں سن سکتا... اور دیکھ لو... اب میں بالکل خوش لگ رہا ہوں... اس اور اسی کا دور دور تک پتا نہیں... وہ اس طرح غائب ہو گئی ہے... جس طرح گدھے کے سر سے سینک... بگڑ جی

## جنگ کا آغاز

ان سب کو یوں لگا تھا، گویا شک اڑتے ہوئے ان پر گرا ہے۔  
لیکن ایسا نہیں ہوا تھا... جواب میں انسپکٹر جمشید نے صرف اتنا کیا تھا  
کہ پیچھے گرتے ہی اسی طرف آہستہ سے لڑھک گئے تھے اور وہ اپنی  
جھونک میں کافی دور جا کر گر رہا تھا... لیکن اپنے پیروں پر... گویا سیدھا  
کھڑا تھا:

”کیسی رہی۔“ شک ہنسا۔

”یہ تم بتاؤ... اپنی طرف سے تو تم نے بہت زبردست وار کیا تھا  
لیکن یہ وار تو خالی گیا ہے، لہذا تم بتاؤ... کیسی رہی۔“  
”اس میں شک نہیں کہ اچھی رہی... لیکن یہ میری آزمائش  
چھلانگ تھی۔“

”پھر کوشش کرو۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ایک بار پھر وہ ان پر چھلانگ لگانے کے لیے تیار نظر آیا۔

انسپکٹر جمشید اس سے مناسب فاصلے پر کھڑے تھے۔ گارڈوں نے اسے  
دراستی اڑ کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ لیکن اس مرتبہ وہ اس صلب  
سے آ رہا تھا کہ وہ چھلانگ لگائیں تو ساتھ ہی وہ اچھا رخ چھلانگ لگائے  
اور انہوں نے اپنی چھلانگ کا رخ بھی فوراً طے کر لیا۔ شک نے جان  
لیا... وہ کس طرف چھلانگ ہے ہیں... جس اس نے اسی وقت اچھا  
رخ تبدیل کر لیا۔ اور انسپکٹر جمشید نے کیا یہ تھا کہ حرکت صرف ظاہر  
کی تھی... لگائی نہیں تھی... لہذا وہ وہیں کھڑے رہ گئے اور شک ایک  
بار پھر آگے نکل گیا۔

”اور مسٹر شک یہ تمہاری دوسری ناکامی ہے۔“

”پر وہ نہیں... میں تو ایسی سو چھلانگیں لگا کر بھی دھکوں۔“

”اللہ کی مہربانی سے میں بھی ایسی سو چھلانگوں کو مدد کر سکتا

ہوں۔“

”کیا!!!“ شک نے چلا کر کہا۔

سب لوگ اس کی چیخ پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

”مسٹر شک یہ چیخ کس خوشی میں۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ چیخ خوشی کی چیخ ہے... کہ مقابلہ برائے کا ہے... کوئی لیا

دیا نہیں ہے۔“



اور اسے گھرانہ کی بات پر سید کر دی۔ اچھا ہو یہ پلٹے ہی نہیں آئے۔  
 کھڑے تھے۔ اور ذرا سے ترچھے ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے  
 انہیں ہاتھ کی پٹی اس کی گردن پر دے مانی۔ ان کے ہاتھ کی پٹی  
 اس کی گردن پر مانی گئی۔ لیکن ان کے سر سے اس دور کی لکڑی  
 اور وہ اپنے ہاتھ کو پکڑ کر بیٹھے پلٹے گئے۔ یہی وہ موقع تھا جب  
 شنگ نے انہیں جھک کر دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور وہ اچھا لیا۔ اب  
 یہ اور بات ہے۔ کہ وہ کرنے سے پہلے ہی سنبھل چکے تھے اور اس  
 طرح گرے کہ انہیں کوئی چوٹ نہ آئی، تاہم ہاتھوں کی چوٹ کہ وہ سے  
 وہ ابھی بہت بے چین تھے۔ انہیں یوں لگا تھا، جیسے ان کی پانی کی  
 بحر پر دے ماری مٹی ہو۔ شنگ کا جسم واقعی لوہے کا جسم تھا۔

”کیا میں اسے روکوں انسپکٹر جمشید۔“ انسپکٹر کا مہمان سزا لے

جلدی سے پوچھا، کیونکہ شنگ اب پھر اس طرف بڑھ رہا تھا۔

”نہیں!“ ان کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

”ابا جان! انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ فرزانہ نے بے محنتی

کہا۔

”نہیں۔“ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

ایسے میں شنگ پھر ان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک لمحہ پر

”جب تو ٹھیک ہے۔“ آصف نے ٹوٹ کر کہا۔  
 ”ویسے اگر آپ دونوں کو یہی چھلانگیں لگاتے رہیں تو کیا ہوگا۔“  
 آپ چھلانگیں لگاتے رہیں گے اور یہ بچاستے رہیں گے۔  
 ”یہی ہاس!“

”اس طرح لڑائی لمبی ہو جائے گی۔ اور ہم یہاں کوئی کام  
 نہیں کھیل رہے۔۔۔ جلد از جلد اس جھگڑے کو ختم کر دو۔ ہمیں اور  
 تھوڑے کام ہیں، جو ان بے کار لوگوں پر وقت ضائع کریں، میں نے  
 پہلے دن ہی کہا تھا کہ ان سب کو ختم کر دیا جائے۔ مگر۔۔۔ قہر ال تو  
 گیا۔۔۔ اب دیکھ لو۔۔۔ وہ ان کے ساتھ جا بیٹھا ہے۔۔۔ اس کا بھی وہی  
 حشر ہوگا۔۔۔ جو سب کا ہوتا ہے۔“

”فکر نہ کریں ہاس! ان میں سے ایک بھی میرے ہاتھوں نہیں  
 بچ پائے گا۔۔۔ اب حکم دیا ہے تو میں اس لڑائی کو بہت جلد سمیٹ دیتا  
 ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف چھلانگ لگانے کی  
 بجائے ایک ایک قدم بڑھنا شروع کر دیا۔۔۔ یہ ایک ایک قدم بھی  
 آہستہ آہستہ نہیں اٹھا رہا تھا، بلکہ بہت تیز تیز چل رہا تھا۔۔۔ آن کی  
 آن میں وہ ان تک پہنچ گیا۔۔۔ اور پہنچتے ہی اس نے اپنے سر کی ایک

ان کے تانک پر مارا۔ وہ جھک گئے۔ لیکن اس بار انہوں نے ہتھ میں اس کے سر یا گردن پر وار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس کا اہم کام پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ بلکہ انہوں نے کیا یہ کہ جھکتے ہی اس کی "ایک ٹانگ" پر ہاتھ ڈال دیا اور ایک زبردست جھٹکا آگے کی طرف دیا۔ وہ پتھر پہلے ہی آگے کی طرف بڑھتا چلا آیا تھا۔ اور مکا مارے ہوئے بھی اس کا وزن آگے کی طرف ہو گیا تھا، اس لیے ان کے ہاتھ کا یہ جھٹکا اسے دور لے گیا۔ اور وہ زمین پر لڑھکتا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بلا کی رفتار سے اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے سر پر ہتھی گئے۔ شک ابھی اٹھ نہیں سکا تھا۔ اٹھنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا۔ انہوں نے دائیں پاؤں کی ایک زبردست ٹھوکر رسید کر دی۔ لیکن اس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بس کچھ اور آگے لڑھک گیا۔ انسپکٹر جمشید سمجھ گئے کہ اس طرح وہ شک کو شکست نہیں دے سکتے۔ لڑھکنے سے اسے کوئی خاص چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ اور وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک گہری طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ "دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"آؤ... انسپکٹر جمشید... آؤ... آج کی شکست تم سب کو یاد ہے

گی۔"

ان سب کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

"یہ مقابلہ اس طرح لہا۔۔۔ ہائے گا۔ کون برکتوں سے ہارے گا۔ اسے مختصر کر لیا جائے۔" خاں سلطان نے غصہ آواز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو خاں زمان۔" انسپکٹر جمشید نے گھر میں آگ

پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ کہ ایک ہسپتال تم لے لو اور ایک ہسپتال لے لے

شک۔ اور ایک دوسرے پر فائرنگ کر کے مقابلہ جلد ختم کر لو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شک نے کہا۔

"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

"تب پھر میرے پاس ہسپتال موجود ہے۔ انسپکٹر جمشید کی طرف

اچھال رہا ہوں۔"

"شک کے لیے ہم اوپر سے اچھال رہے ہیں۔"

سفید ٹمارات کی چھت کی طرف سے آواز آئی۔ اس طرح ایک

نی وقت میں دو ہسپتال اچھالے گئے۔ انسپکٹر جمشید نے اپنا ہسپتال روک

لیا اور شک نے اپنا۔ انہوں نے ہسپتال چیک کیے۔ ہارٹک نے کہا

"ہسپتالوں سے مقابلے کے بھی کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ



ڈاکل ہے۔ کیا آپ ڈاکل پسند کریں گے۔  
 ”جو آپ پسند کریں مسٹر شک۔“

”مجھے تو پھر یہ پسند ہے کہ تم اپنا پستول پہلے آزمائو۔  
 سامنے کھڑا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے شک کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ شک نہایت آسانی سے وار بچا گیا۔ اب انہوں نے دوسرا فائر کیا اور خوب سوچ سمجھ کر کیا۔ لیکن شک یہ وار بھی بچا گیا۔ آخر انپکٹر جمشید نے لگا تار فائرنگ شروع کر دی۔ اب شک گویا ہوا میں قلا بازیاں کھا رہا تھا۔ جیرال کے چہرے پر اس وقت زبردست جوش تھا۔ کیونکہ وہ بھی اس فن کا ماہر تھا۔ اور غالباً اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ شک پر فائرنگ کرتا۔ آخر انپکٹر جمشید کا پستول خالی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شک زور سے ہنسا۔ اس نے کہا:

”اب تم کیا کرو گے انپکٹر جمشید۔“

”وہی کروں گا۔ جو تم نے کیا ہے۔ یعنی خود کو تمہاری فائرنگ سے بچاؤں گا اور ان شاء اللہ بچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”چلو پھر۔۔۔ ہو جاؤ تیار!“ شک نے کہا۔

”اللہ کی نگرانی سے تیار ہوں۔“

اب شک نے ان پر پہلا فائر کیا۔ وہ اس وار سے آسانی سے بچا۔ اس نے سوچ سمجھ کر دوسرا فائر کیا۔ وہ اسے بھی بچا۔ اب شک نے کہا:

”مسلل فائرنگ شروع کر رہا ہوں انپکٹر جمشید۔  
 خبر نہیں ہوئی۔ اپنے ساتھیوں کو آخری بار دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو۔  
 کیونکہ اس کے بعد تو تمہاری لاش یہاں پھڑک رہی ہو گی۔“

”اللہ مالک ہے۔ تم اپنا کام کرو۔“

اس نے برا سامنے بنایا اور فائرنگ شروع کر دی۔ انپکٹر جمشید گویا ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اور پھر شک کا پستول خالی ہو گیا۔ اس نے بھا کر پستول بھی ان پر کھینچ مارا۔ انہوں نے اسے نہایت خوبصورتی سے کچل کر لیا۔

”سبحان اللہ! ماشاء اللہ۔“ وہ سب ہلکے آواز میں پکار اٹھے۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آئی!“ کھن نے اڑتے اڑتے کہا۔

”کوہو ابی سینڈ کی کوڑا کم۔“ لادوق نے فوراً ہی کہا۔

”بھائی اسے بولتے تو دور۔“ (انپکٹر جمشید بولے۔

”مگر جب ہم نے رائفل سے فائر کیا تھا تو شک کو پتہ نہیں چلا۔“

تھا تو پھر اب اس پستول کے فائر سے بچنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی؟  
نے۔ "مکھن نے کہا۔

"واہ بہت خوب... بلکہ شاباش... تم نے اچھا سوال کیا۔" خان  
رحمان بولے۔

"لو بھائی مفت میں شاباش لے گیا یہ تو۔" آفتاب جل کر بولا۔  
"اب اس سوال کا جواب تو شک ہی دے سکتے ہیں۔" منور علی  
خان نے کہا۔

"ہاں! اس پستول کی گولی بھی اگر لگ بھی جاتی تو مجھے کوئی  
نقصان نہیں پہنچاتی، میں تو بس ذرا ورزش کے لیے اچھل کود کر رہا تھا۔"  
"یہ کیا مذاق ہے شک۔" پروفیسر آشام کی گرج دار آواز سنائی  
دی۔

"کیا کہا پروفیسر... مذاق... آپ کس بات کو مذاق کہہ رہے  
ہیں۔"

"یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے... نہ تمہاری گولیوں سے انپکڑ  
جھید کا کچھ بگڑا نہ انپکڑ جھید کی گولیوں سے تمہارا... لگتا ہے اب  
مجھے میدان میں آنا پڑے گا... لیکن کیوں... اب تو یہ سب زور  
ہیں... چھتوں پر موجود میرے بہادر سپاہی... ان سب کو آن کی آن

میں لگاؤ گاؤں... پہلے تو یہ گاڑیوں کی آٹ میں تھے۔ اب سنا ہے  
کڑے جیسا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سب لوگ آٹ لگا گئے۔ وہ تو سب بھی  
نہیں جانتے تھے کہ پروفیسر آشام اس قدر بزدلانہ حکم دے گا۔ اور وہ  
سلسل گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن اتنی دیر میں وہ کافی  
پہلے پر آچکے تھے اور گولیاں ان تک نہیں آرہی تھیں۔ ایسے میں  
انہوں نے بے شمار لوگوں کا شور سنا... انہوں نے لڑھکتے ہوئے اور  
دبکا... بہران کے قیدی شور مچائے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ انہیں بھی  
اس جگہ کی خبر ہو گئی تھی:

"بس ٹھیک ہے... ان سے رائفلیں لے لو... اور پوزیشن  
سنبھال لو۔" خان رحمان نے اعلان کیا۔

اس وقت تک وہ لوگ اس جگہ تک آچکے تھے... جس سے آگے  
نہیں بڑھ سکتے تھے... چنانچہ انپکڑ کامران مرزا نے اعلان کیا:  
"اوپر رک جائیں... ورنہ آپ لوگوں کو یہ میدان باہر اچھال  
دینگے۔"

وہ ٹھیک کر رک گئے... اور ان سب نے وہ لائن عبور کر لی اور  
لوگوں کے پاس پہنچ کر جلدی جلدی ان سے رائفلیں لے لیں۔ اور



... کے ساتھ ساتھ ہائے ... ہائی ... کے یہ نام دیکھ ... یہ ایک  
... کی بار بھی نکلی ...  
... تو ٹھیک ہے ... پھر میدان میں پہنچے جاؤ ... اس کی آواز

... کی ...  
... انہیں ہمیشہ ... کیا خیال ہے ... اس طرح تو کوئی بات ہے

... نہیں ہوئی ...  
... ٹھیک ہے ... پہلے ہم آپس میں فیصلہ کر لیتے ہیں ... ٹھیک صبر

... وہ میں حیران ہوں ...

... کس بات پر ...

... اگر تم میرے ہاتھوں ... یا میرے کسی ساتھی کے ہاتھوں ...

... ہاتھ ہو تو یہ تمہارا پروفیسر آشام کیا کرے گا ...

... بابا ... انہوں نے پروفیسر آشام کی ہنسی کی آواز سنی ...

... کیا ہوا پروفیسر ...

... پوچھ رہے ہیں ... تمہارے پروفیسر کا کیا ہے گا ... ٹھیک انہیں

... پروفیسر آشام کوئی عام آدمی نہیں ہے ... وہ تو بی بی بی کا ...

... انہیں ...

... تم نے کیا کیا ... ٹھیک نے کہا ...

اسٹج بھی لے لیا ... انہوں نے جلد کی جلدی راکٹیں لود کیں اور چھوٹوں  
والوں پر قارٹرنگ کے لیے آگے بڑھنے لگے۔

ان کی گولیاں چھتوں تک نہیں جا رہی تھیں ... اور چھتوں والوں  
کی گولیاں ان تک نہیں آ رہی تھیں ... لہذا اس بے مقصد جنگ کا کوئی  
فائدہ نہیں تھا ... ان کے ہاتھوں میں راکٹیں آنے سے البتہ اتنا فائدہ  
ضرور ہوا تھا کہ اب چھتوں والے نیچے اتر کر بے دھڑک ان کی طرف  
آکر قارٹرنگ نہیں کر سکتے تھے۔

ایسے میں انہوں نے دیکھا ... انسپکٹر جمشید اب ان کے درمیان  
موجود تھے اور شنگ سفید عمارات کے سامنے کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا  
... ایسے میں پروفیسر آشام کی آواز سنائی دی :

... اس لڑائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا ... شنگ کچھ سوچو ... کیا ہم

ان پر دھماکا خیز مواد کی بارش کر دیں ...

... اس طرح ہمارے اس حصے کو بھی نقصان پہنچے گا ...

... تب پھر کیا کیا جائے ...

... اسی طرح مقابلہ ٹھیک تھا ... آخر کو مجھ میں اور انسپکٹر جمشید میں

سے ایک کو تو مارا ہی جانا تھا ... پھر ان میں سے دوسرا آگے آئے ...

بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا ... اس طرح ایک ایک کر کے یہ لوگ سب

"ہاں اشنا... دیکھا جائے گا... اللہ کی مہربانی سے ہم لوگ بھی کوئی عام لوگ نہیں ہیں... عام ہوتے تو یہاں تک کیسے پہنچتے؟"

"شک... جلدی سے انسپکٹر جمشید کو ٹھکانے لگانا... ان کو اس سے اگر یہ ایک شخص مارا گیا تو سمجھ لو... یہ سب مارے جانے لگے کیونکہ پھر ان میں لڑنے کی سکت نہیں رہ جائے گی... یہ دل ہار جانے لگے۔"

"یہ دل ہارنا کیا ہوتا ہے شوکی۔" آصف نے ہانک لگائی۔

"مم... مجھے تو پتا نہیں... انکل خان رحمان سے پوچھو۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"ان سے کیوں۔"

"جنگلوں میں ہارنے جیتنے کا انہیں زیادہ تجربہ ہے۔"

"ادہ بھائی... جنگلوں کی بات نہیں ہو رہی... دل ہارنے کی بات ہو رہی ہے۔"

"اس بارے میں پروفیسر انکل سے پوچھیں... یہ سائنس دان ہیں۔" محمود ہنسا۔

"اس بارے میں پروفیسر انکل سے پوچھیں... یہ سائنس دان ہیں۔"

"محمود ہنسا۔"

"حد ہو گئی... کیا اب یہ لوگ پھر ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"پروفیسر آشام کی آواز ابھری۔"

"میں کرتا ہوں... ان کا مزاج درست۔"

"یہ کہنے ہی شک کچھ اس تیزی سے ان کی طرف پہنچا کہ ان کا جیسے ہوا میں اڑتا ہوا آ رہا تھا... اور اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید ان کے مقابلے کے لیے حرکت میں آتے۔ جبرال نے اپنی جگہ سے ہٹاؤ لگا دی اور شک کی طرف دوڑ پڑا۔"

"شک نے جب دیکھا کہ انسپکٹر جمشید کے بجائے جبرال اس کی طرف آ رہا ہے تو وہ چونک اٹھا... اس نے خوش ہو کر کہا۔"

"بہت خوب جبرال... تم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"ورنہ تم قدم قدم پر ان کی مدد کرو گے۔"

"میں آ رہا ہوں... مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کیا ہو لے گا۔"

"میں تو بس یہ جانتا ہوں... جن سے میں نے دوستی کی ہے ان سے دوستی بھا کر رہوں گا، جان جاتی ہے جائے۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"

"اور پھر وہ دونوں آسنے سامنے آکر رک گئے... پھر ایک دوسرے کی طرف چلائے لگائی... دونوں کی طرف ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرائے سے ایک ٹوکڑا نکلا۔"



”یہ دہی ہوا جو اللہ کو منظور تھا... مکھن کی آواز ابجری۔  
دونوں اب بھی بدستور... اسی طرح لینے ہوئے تھے  
”لگتا ہے... ان کا اٹھنے کا کوئی پروگرام نہیں۔“ غاروق نے  
حیران ہو کر کہا۔

”تب پھر ہم کیوں نہ مسٹر شک پر ٹکاو پالیں... اس وقت  
مسٹر شک زمین یوں ہیں۔“ آفتاب ہنسا۔  
”نہ نہیں۔“ جیرال گرچا۔

”ارے باپ رے... اس قدر خوفناک گرج... انگل آپ  
ہمارے دل ہلا کر رکھ دیں گے۔“

”شک سے تو مقابلہ اب میں ہی کروں گا... باقی کون کس سے  
جنگ کرتا ہے، مجھے کوئی پروا نہیں... اس لیے کہ۔“

”اس لیے کہ کیا انگل جیرال۔“ شوکی نے بلند آواز میں پوچھا۔  
”اس لیے کہ شک نے دوستی کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس  
نے کہا تھا... ہم ساتھ جمیں گے... ساتھ مریں گے... جو ہم بھی  
کریں گے... ایک ساتھ رہیں گے، لیکن شک اپنے وعدے پر  
نہیں اتر سکا۔“ جیرال نے بلند آواز میں کہا۔

”مم... میں نہیں جیرال... تم۔“ شک غرایا۔

”کیسے؟“

”جیران کے خلاف تم ہوئے ہو یا نہیں۔“ شک چلا۔  
”میں نے دوستی کا وعدہ جیران سے ہی پہلے کیا تھا۔ جسے تو  
بعد میں مٹا۔ اور اس کے لیے کام کرنے کا فیصلہ بھی ہم نے بعد میں  
کیا۔ جب میں نے ان لوگوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو ہماری صورت  
جہیں میرا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ اگر اس وقت تم بھی میرے ساتھ  
ہیں شامل ہو جاتے تو صورت حال اس قدر خوفناک نہ ہوتی۔ ہم  
آسانی سے پروفیسر آشام کو شکست دے سکتے تھے۔“  
”یہ تمہاری بھول ہے مسٹر جیرال۔“ پروفیسر آشام کی آواز

ابجری۔

”ہم آپس میں بات کر رہے ہیں پروفیسر آشام۔ مہربانی فرما

کہ درمیان میں دخل نہ دیں۔“

”کیوں دخل نہ دوں... یہ داوی میری مالک ہے... میں اس کا

عمران ہوں... اس داوی کے تمام ماہرین میرے گھروں والا ملازم ہیں۔  
جس تک کہ شک بھی اور جیرال بھی۔ اب اگر تم نے غارتگری  
کے لیے کیا ہوا... میں تمہارا عام ونگان ملا دوں گا۔ آج تک تم نے  
کے ادا نہیں کیا... شک نے بھی نہیں کیا۔ اس لیے تم مجھے جانتے

میں کیا ہوں۔"

"خیر۔ پروفسر آٹام۔ جب وہ وقت آئے گا تو آپ  
جائے گا۔ اس وقت آپ ہمیں مقابلہ کرنے دیں۔ میں تم کو  
فیصلہ کریں گے۔ پھر آپ کی باتی آئے گی۔"

"لیکن تم لوگ مقابلہ کیا کر رہے ہو۔ تم تو کچھ سب سے  
جیسے ملی ہو۔ چہا کھیلنے ہیں۔ یا جیسے ملی اور کچھ ایک اور سے  
بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔"

"آپ نے دیکھا نہیں۔ ہم دونوں کس قدر طاقت سے کام  
لے رہے ہیں اور اس نعرے میں ہی ہم لے لیتے ہوئے ہیں۔ بالکل  
انٹھ گیا۔"

یہ کہتے ہی شنگ فوراً اٹھ گیا۔

"تو اصرار کیا ہے کہ میں نہ اٹھوں۔" جیرال نے منہ باز  
اس پر سب کے چہرے کھل گئے۔

"بہت خوب انکل جیرال۔"

"اور بہت خوب شنگ۔" پروفسر آٹام کی آواز سنائی دی۔

ایک بار پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف پائل کاٹ سے  
دوڑ لگا دی۔ دونوں پھر بہت زور سے نکلے۔ اس مرتبہ نکلنے کے

تو پہلے کی نسبت زیادہ تیز تھی۔ دونوں پائل کاٹ سے  
نکل کرے اور طاقت ہو گئے۔  
"اٹھ۔" دونوں چلے۔

"جگ۔" پروفسر آٹام کی آواز آئی۔

دونوں کے جسموں میں گول آواز نہ ہوئی۔  
"کٹا ہے۔" بے ہوش ہو گئے۔ "پتھر چھوڑ دی تھی۔"

"کیا میں دیکھ لوں جا کر۔" جان دھان لے کر پھل۔

"جیرال کو دیکھ آؤ۔" لیکن وہ شہید رہا۔ دیکھ نہ سکا۔

بے ہوش نہ ہو اور تم پر حملہ کر دے۔"

"اٹھ گیا ہے۔"

انہوں نے کہا اور تیز تیز قدم اٹاتے جیرال سے ٹکرائے۔

اس سب کی خبر ہی اس سے مل گئی تھی۔ کچھ لے کر پھل کھانے کی

دکان تھی۔ وہ دھان لے جیرال سے قریب کھڑا تھا کہ اسے ہوا چلا۔

اور وہ لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولی۔ آخر وہ اٹھ کر اپنے

سنبھلے بیٹے کی طرف آئے۔

"جیرال کھل چھوڑے ہوئے ہے۔"

"جب پھر شک کی ہے ہوئی ہے۔" پتھر چھوڑنے کے لیے۔



”میں دیکھ آتا ہوں۔“ انپکڑ کا مران مرزا نے کہا۔  
 ”کوئی ضرورت نہیں کا مران مرزا۔ معلوم ہو چکا ہے کہ  
 کیا پروفیسر آشام کی طرف سے کوئی اسے دیکھنے نہیں آئے گا۔“  
 ”مسٹر آشام... بلکہ مسٹر خون آشام... اپنے ساتھی کی خبر لینے  
 ارادہ ہے یا نہیں۔“ فاروق بولا۔

”ڈاکٹر زمری آرہے ہیں۔ اور یہ تم نے کیا کہا... آشام۔“

”ہاں! پرانے زمانے کی جادوئی کہانیوں میں یہ لفظ بھی سنے ہی  
 آیا کرتا تھا... اس لیے منہ سے نکل گیا... اگر آپ کو بڑا لگا ہے تو میں  
 یہ نام واپس لے لیتا ہوں... مجھے تو یوں بھی ناولوں کے ناموں کی  
 ضرورت رہتی ہے۔“

”تم لوگوں کی فضول باتوں سے شک آگیا ہوں... اب  
 یہاں آئے ہو... بس ادھر ادھر کی باتیں جا رہے ہو۔“

”بس کیا بتائیں پروفیسر! مہمات کے دوران کچھ غامت ہی  
 مکنی ہے... دراصل اس طرح ہم چاق و چوبند رہتے ہیں۔“

”ایسی کی تمہی میں جاؤ۔“ پروفیسر نے بھنا کر کہا۔  
 ”ہماری طرف یہ جملہ یوں نہیں بولتے... بلکہ کہتے ہیں۔“

”تین آپ کو کیا پتا... ہمارے کتے چلے۔“  
 ”ہے کوئی شک۔“ پروفیسر آشام کی مہمات کے دوران غامت

ای۔ اسی وقت ڈاکٹروں والے کمرے میں ایک شخص جگ کی طرف آج  
 نظر آیا۔

”لڑیکہ آکر دو اس پر جگ کیا... اس نے دل کی دھڑکن ہتھ  
 کی۔ نہیں دیکھی... پھر اٹھتے ہوئے بولا۔“

”پروفیسر آشام... یہ صرف بے ہوش ہیں... لیکن ابھی ان کے  
 ہوش میں آنے میں دیر لگے گی۔“

”نہیک ہے... ہم شک کہ یہاں سے اٹھوا لیتے ہیں اور  
 جگ جو میدان میں لے آتے ہیں... تاکہ یہ لوگ یہ خیال نہ کر سکیں کہ  
 ہمارے پاس بس ایک ہی جگ جو ہے... جو جن... جب تک مسٹر  
 اب ہوش میں نہیں آجاتے... تم میدان میں آجاؤ اور ان کے کسی  
 ایک بندے سے مقابلہ شروع کر دو۔“

”میں آجاتا ہوں بس... لیکن ہم ایسا کیوں کر سہے ہیں  
 آپ حضاروں سے کام لے کر انہیں فوری طور پر ختم کیوں نہیں کر دیتے  
 یہ ہتھکڑیوں کی مار بھی لگاتے نہیں ہوں گے۔“

”میں نے شک کو یہی کہا تھا... اس نے میری بات پہنچائی۔“

”لیکن اب تو وہ بے ہوش ہیں... جنگ جو میدان میں لے آئیں... میں ان کی کمان کروں گا اور یہ لوگ یہاں اسی میدان میں تڑپتے نظر آئیں گے۔“

”یہ اچھی بات ہے اور مجھے یہی بات پسند ہیں... شک! طریقہ مجھے پسند نہیں آیا۔“

”تب پھر آپ یہاں سے شک کو اٹھوائیں۔“

”ضرور... شک کو اٹھا کر اس کے کمرے میں پہنچا دو۔“

”او کے پاس۔“ آواز آئی۔

جلد ہی دس کے قریب لمبے ترنگے آدمی ایک سڑیچر لے آئے۔ انہوں نے مل کر اسے سڑیچر پر ڈالا اور سفید عمارات کی طرف لے گئے۔ ادھر ان لوگوں نے بھی جیرال کو اٹھا لیا اور ایک طرف لے آئے۔ ان کے پاس کمرے تو تھے نہیں... اس لیے انسپکٹر جمشید نے کہا:

”فرزانہ تم جیرال کے پاس رہو... ان کا خیال رکھنا تمہارا

ذمہ ہے... بلکہ فرحت کو بھی ساتھ لے لو۔“

”اچھی بات ہے... آپ فکر نہ کریں۔“

”جنگ کے اٹھائے جانے کے بعد علیہ کمرے سے نکلتے ہوئے وہ اپنے گلی... وہ جیتے اسلحے سے لیس تھے۔ وہ اس موقع کو دیکھ کر ہٹان ہو گئے۔ کیونکہ ان کے پاس اس کی کوئی تہ نہیں تھی۔ یہاں مورچے تھے۔“

”خانہ رحمان... اپنے جنگی تجربے کو آواز دو۔“

”اچھی بات ہے...“ انہوں نے کہا۔ پھر کہہ رہے تھے کہ

آواز نکلتی

”اس سے پہلے کہ یہ لوگ مورچے سنبھالیں... انہیں علیہ

مدارات کی لوٹ لے لینی چاہیے۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“

ان سب نے سفید کمرے کی طرف دوڑ لگا دی

”ارے باپ رے۔“ فرزانہ چلا آئی۔

”کیا ہوا۔“ انسپکٹر جمشید نے۔

”یہ... یہ انکل جیرال... کیا ہم انہیں سنبھال سکتے ہیں؟“

”ارے نہیں... فی الحال یہ ہمارے دوست ہیں۔“

”تب پھر۔“

”فکر نہ کرو۔“



یہ کہہ کر انپکنز جمشید دوز کر جیرال کی طرف آئے  
 "تم دونوں دوز لگا دو... ورنہ سب سے پیچھے رہ جاؤ گی۔"  
 "اور آپ۔۔۔"  
 "نہم۔۔۔ میں۔۔۔ یہ دیکھو۔"

یہ کہہ کر وہ لپکے اور انہوں نے جیرال کو گتے پر ڈال دیا۔  
 اس کے بعد دوز لگا دی۔۔۔ اب وہ دونوں کیوں رکتے۔۔۔ انہوں نے  
 بھی دوز لگا دی۔ ادھر پروفیسر آشام کی فوج نے سب یہ دیکھا تو  
 انہوں نے بھی سفید کمروں کی طرف دوز لگا دی۔

نتیجہ یہ کہ دونوں فریقین اب سفید کمروں کی دیواروں کی آواز  
 لے چکے تھے۔۔۔ ایسے میں خان رحمان کی آواز ابھری

"بہت خوب! اب یہ لوگ دھماکا خیز مواد ہم پر استعمال نہیں  
 سکیں گے۔۔۔ کیونکہ اس طرح ان کی سفید عمارات کو نقصان پہنچے گا۔"  
 "بالکل ٹھیک ہے۔" انپکنز کامران مرزا نے کہا۔

"ارے۔۔۔ یہ جمشید کہاں رہ گئے۔"

"وہ آرہے ہیں جیرال کو اٹھائے۔"

"ارے باپ رے۔۔۔ جیرال کو اٹھا کر لانا کوئی دشمن!"

تھا۔۔۔ پروفیسر داد گھبرا گئے۔

"اے اب! اب آپ کو گھروالے کی طرف لے جائیں۔"  
 "جی ہاں۔"

"تو پہلے کیوں نہیں آتا۔ میں پہلے گھبرا گیا۔" انہوں نے کہا۔  
 "پروفیسر صاحب! آپ کی اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔"

خان رحمان ہنسنے لے۔  
 "ابن بھائی۔ کیا کمروں۔۔۔ اے اب! اب تو بے گئی بات ہے۔"

خان رحمان نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔  
 "اب علم ہے پروفیسر آشام۔۔۔ کیا ہم ان پر کوئی بارش شروع  
 کر دیں۔۔۔ کیونکہ اب یہ پوزیشن لے چکے ہیں۔ اور آخر ہم ان پر

مک ہاری کرتے ہیں۔ تو سفید عمارت کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"میں باری رہے دو۔۔۔ صرف دیکھوں گے کام تو۔۔۔ ہم تعداد

میں ان سے کی گنا زیادہ ہیں۔"

کہتے ہیں پروفیسر۔

دور جہاز ان کی طرف لاؤنگ شروع ہو گئی۔۔۔ گولیاں سفید عمارت

پر گرنے لگیں۔

"ارے بے کیا علم ہے۔" انپکنز جمشید نے کہا۔  
 "کیا اہل ہمیں لاؤنگ کی ضرورت نہیں۔۔۔ خان رحمان نے

”اور کیا میں اپنی کوشش کر لوں۔“ پروفیسر دادا نے کہا۔  
 وہ چونک اٹھے۔ وہ تو پروفیسر کو بھولے ہوئے تھے۔  
 ”ارے دادا انکل۔۔۔ ہم تو آپ کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔“  
 ”تو پھر اللہ کا شکر ادا کرو۔۔۔ میں تمہیں یاد آ گیا۔ اور اللہ کو یاد  
 بھی کرو۔“

”م۔۔۔ میں کہاں ہوں۔“ انہوں نے جبرال کی آواز سنی۔  
 ”بیجے۔۔۔ انکل جبرال بھی ہوش میں آ گئے۔۔۔ انکل آپ زرا  
 پہلے ہوش میں نہیں آ سکتے تھے۔۔۔ بے چارے ابا جان کو آپ کو کدے پا  
 اٹھا کر لانا پڑا۔“ فرزانہ نے برا سامنہ بنایا۔

”کک۔۔۔ کون بے چارے ابا جان۔“  
 ”ہمارے ابا جان۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اوہ۔۔۔ معاف کرنا انسپکٹر جمشید۔۔۔ آپ کو میری اجازت سے بہت  
 زحمت ہوئی۔۔۔ ہائیں کیا کہا۔۔۔ مجھے اٹھا کر لانا پڑا۔۔۔ وہ بھی اچھا  
 جمشید کو۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔“ اس کے لہجے میں حیرت و حیرت  
 تھی۔

”کیوں انکل۔۔۔ کیا ہوا۔“

”میں اتنا مافی ہوں اور انسپکٹر جمشید تو دلے چکے ہیں۔  
 یہاں سے اٹھا سکتے تھے۔“  
 ”یہ آپ کو اس لیے اٹھا سکتے تھے کہ یہ آپ جیسے آدمیوں کو  
 اٹھا سکتے ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا لے گیا۔  
 ”ہائیں۔۔۔ کیا واقعی۔“

”آپ کہیں تو ابھی آپ کو اٹھا کر دکھا دیں۔“  
 ”نہیں۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ آپ بھٹ نہیں بولتے  
 لیکن اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ اور اس وقت صحت حال کیا  
 ہے۔“  
 ”جبرال کو صورت حال بتانے گئے۔۔۔ جبرال نے مجھے ان ہوکر  
 اپنے چاروں طرف دیکھا۔۔۔

”تو ہم سفید عمارات کی دیواروں کی اوٹ میں ہیں۔۔۔ اوہ  
 پروفیسر آشام کی فوج نے بھی انہی دیواروں کی اوٹ لے رکھی ہے۔“  
 ”یہ بات ہے انکل۔“

”اور اب ہمارے پروفیسر صاحب کوئی کام دکھانے والے ہیں۔“  
 ”اوہ۔“

”میں اس وقت ایک لود وار دھاکا ہوا۔ پروفیسر آشام نے



تم کون سے ہو

”یہ جو سبھی تم لوگوں کو... ہے وہ تو...“ یہاں پر اس نے لکھ

کہا۔  
”اے... ہماری آنکھیں... ان میں کچھ سے کوئی ہے...  
ہے اب... ہمارا دوا اور پھر بجلی سی جگہ... بس ہماری آنکھوں میں آگ  
لاگ گئی۔“

”پھر بہار... زبردست موقع ملا ہے... ان کے ساتھ کچھ  
ان پر کڑک شروع کر دے... یہ تو اپنی آنکھوں کو... ہے یہ۔“  
ہاں، یہاں کی آواز سننے ہی وہ گویا ہوش میں آئے۔ تو  
مردوں سے باہر نکل کر دشمن کی طرف دوڑ چکے اور جوتھا اور نکل آئے  
انہوں نے ہر طرف الٹی کی دھنوں سے ڈرک شروع کر دی۔ ان  
سے لڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

انہوں نے جہاں اس طرح ڈرک کی گئی وہاں گرتے پڑے تھے

فوجیوں کے سروں پر بجلی سی چکی... پھر ان کی ٹیٹھک جالی ایک...  
چمک رہے تھے...  
”ہائے... ہماری آنکھیں... ہائے ہماری آنکھیں...“  
ایسے میں پروفیسر داؤد زور سے چمکے... انہوں نے تیراں...  
کر اپنے پاس کمزری فرزانہ کو دیکھا۔  
اور پھر فرزانہ نے ایک عجیب حرکت کی۔

☆☆☆☆☆

بدحواسی نے انہیں اس طرح اپنے قانو میں کر لیا تھا کہ انہیں ہر  
بھائی نہیں دے رہا تھا... بس چیخ و پکار کا ایک بازار ہو چلا تھا۔  
کرم ہو گیا تھا... دوسری طرف خان رحمان کی فون اب سب نے نظر  
ادھر کھوم پھر کر گولیاں برس رہی تھیں... آخر پندرہ منٹ کی بھاگ دوڑ  
اور گولیاں کی بارش کے بعد پروفیسر آشام کا کوئی فونی اور دوسری  
نظر نہیں آیا تھا... وہ سب کے سب کھیت رہے تھے... ہر طرف  
ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں... اور اپنے کمرے میں بیٹھا پروفیسر  
پچنی پچنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا... آخر اس نے ان لوگوں  
کہا۔

”تم لوگ بے وقوف ہو... بالکل بے وقوف۔ تم نے  
میرے اتنے آدمی ہلاک کر دیے... لیکن ہاتھ تمہارے کچھ بھی  
آئے گا... تم ان ساری غمراہات کو تباہ کر دو... تم مجھے بھی  
شک کو بھی ہلاک کر دو... میرے ماہرین کو بھی مارو... وہ تو بے  
لڑائی بھڑائی کے ماہر نہیں ہیں... وہ تو اپنے کاموں کے ماہر ہیں  
یعنی ڈاکٹر ہیں... انجینئر ہیں... ان سب کو بھی ہلاک کر دو... لیکن  
سب کر کے بھی تم ناکام ہو جاؤ گے... یہ بات تو تم نے سنی  
نہیں۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو پروفیسر آشام؟“  
اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا کہ یہاں ہیں... تم لوگ  
کرتے... انکس سے اور فون آ جائے گی... تمہاری گولی چلی تھی  
ہلے گی... اور آخر تم مارے جاؤ گے۔“  
”پہلے ہم نہیں پروفیسر تم ہو... آخر تمہیں کیا لے گا... سلطان  
لوگوں کو تباہ و برباد کر کے۔“

”ہاں ایہ تم نے کام کی بات پوچھی... سلطانوں سے  
وہی دشمنی آج سے نہیں پندرہ سو سال سے چل آ رہی ہے... ہم نے  
سلطانوں کا کیا بگاڑا تھا... ہمیں کیوں تباہ کیا گیا... ہمارے ملک کو  
جیتے گئے... اور ایرانیوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا... تم نے انہیں  
شکت پر شکست دی... عیسائیوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا... کیوں  
تمہارے نبی نے ہم سب کے خلاف جہاد کا حکم دیا... کیوں ہمیں قتل  
کیا گیا... کیوں ہمارے ملکوں پر قبضہ کیا گیا۔“

”اب تم نے درست سوال پوچھا ہے... اور میں تمہیں اس سوال  
کا جواب دوں گا... یہ اللہ کا حکم تھا کہ اللہ کا پیغام تم تک پہنچا  
جائے... جو مان لے... اسے کچھ نہ کہو... وہ تمہارے ملک چھوڑ  
دے گا... ان کے تعلق ہیں ان کے... جو نہ مانیں... ان سے بڑے لوگ...



اور ان کے ملکوں کو کچھ نہ کہو۔۔۔ اور جو یہ دونوں باتیں نہ ماننے والے ہوں ان کے خلاف جہاد کرو۔۔۔ اصل مجرم تم ہو۔۔۔ تم نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانا۔۔۔ لہذا تمہارے خلاف تلوار اٹھائی گئی۔۔۔ اور پھر تمہارے ساتھ وہ ہوا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔۔۔ لیکن اگر تم اللہ کا حکم مان لیتے تو کیا نہ ہوتا۔۔۔ غلطی تمہاری ہے۔۔۔ اور الزام تم ہمیں دیتے ہو۔۔۔ اب اگر تم اس بنیاد پر پوری اسلامی دنیا کو ختم کر دینا چاہتے ہو۔۔۔ تو یہ بھی سن لو۔۔۔ اللہ کا حکم پورا ہو کر رہے گا۔۔۔ پوری دنیا میں صرف اور صرف اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا۔۔۔ اور وہ وقت دور نہیں۔۔۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو نازل ہوتا ہے، ان سے چند سال پہلے حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہوتا ہے۔۔۔ اس وقت یہود و نصاریٰ اور بنو یاسین تمام قوموں کے خلاف جہاد ہوگا۔۔۔ جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے۔۔۔ اس وقت تم لو تمہارے یہ سونے کے پہاڑ کیا کر لیں گے اور پیش گوئیوں کی رو سے اب وہ وقت دور نہیں۔۔۔ بہت جلد آنے والا ہے۔۔۔ تم کہو گے کہ ان باتوں کو نہیں مانتے۔۔۔ تو ان تمام پیش گوئیوں کو پڑھ لو۔۔۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما گئے ہیں، جو ہماری کتاب میں موجود ہیں اور جن میں سے اکثر پوری ہو چکی ہیں۔۔۔ چودہ سو سال پہلے جن کا بیان کرنا صرف انسانی علم کے ذریعے ممکن ہی نہیں تھا۔۔۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں۔۔۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کی گئیں اور آپ نے اپنی امت کو بتائیں۔۔۔ وہ تمام پیش گوئیوں کی سچی تھیں۔۔۔ تم ان کا مطالعہ کر لو۔۔۔ تم جان لو گے کہ پہاڑ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔۔۔ تم ناکام ہو جاؤ گے۔۔۔ تم نے ٹھیک ہی کہہ دیا۔۔۔ ہم ان باتوں کو نہیں مانتے۔۔۔ مزہ تمہاری مرضی ہے۔۔۔ ہم بھی کبھی گولیاں نہیں کھیلے۔۔۔ تمہارا یہاں خراب کر کے بنا رہیں گے ہم۔۔۔ اس وقت بھی دیکھ لو۔۔۔ کشت کسے ہو رہی ہے۔۔۔ کیا تم سوچ سکتے تھے کہ ہم وادی سہران میں آجائیں گے۔۔۔ لیکن اللہ کی مہربانی سے ہم آگئے ہیں۔۔۔ کیا تم سوچ سکتے تھے کہ ہم یہاں تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ جہاں آنے والی ہر چیز بگڑ چکی تھی کہ ہم یہاں تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ کیا تم سوچ سکتے تھے کہ جبرال تم سے کٹ کر ہم سے آئے گا۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے اب بھی ہو گیا، کیا تم سوچ سکتے تھے کہ جبرال اور شک کا مقابلہ ہوگا۔۔۔ بلکہ اس سے بھی پہلے میرا اور شک کا مقابلہ ہوگا۔۔۔ لیکن مقابلہ بھی ہو گا۔۔۔ اور کیا تم سوچ سکتے تھے کہ تمہارے اسنے فوجی ادارے ہمارے ہمارے جائیں گے اور اب اس وادی سہران میں لے آئے گے۔۔۔ ہمارے مہرین وہ لگے ہیں یا تم۔۔۔ سوا ب تمہاری پارٹی۔۔۔

"جب تک ہم ان کمروں میں ہیں... ہم محفوظ ہیں۔  
ان رانٹلوں کی گولیاں ان عمارت کا کچھ نہیں ہکاڑکیں گے۔ اور میں  
حالات دیکھ کر ایکورم فون کر دوں گا۔ وہاں سے اتنی فوج آئے گی کہ  
تمہاری سخی گم ہو جائے گی۔"

"تم وہ فوج بھی بلا لو... ہم اس سے بھی ٹکرا جائیں گے۔ فی  
الحال تو تم اپنی خیر سناؤ... کہاں گیا... وہ تمہارا شک... او تو ابھی  
تمہارے پاس ہے۔"

عین اس لمحے انہوں نے راکڈوم کی آواز سنی۔ انہوں نے  
حیران ہو کر اوپر کی طرف دیکھا... وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان  
میں فرزانه اور پروفیسر داؤد بیٹھے تھے۔ فرزانه ان کی طرف اچانک  
ہاتھ ہلا رہی تھی... اور راکڈوم لمحہ بہ لمحہ نیچے آ رہا تھا...

"یہ... یہ کیسے ہو گیا۔" مارے حیرت کے پروفیسر آشام کے منہ  
سے نکلا۔

"میں نے کہا تھا نا... ان لوگوں کو اس دادی میں ہرگز نہ آئے  
دیا جائے اور جب یہ آگئے تو میں نے کہا تھا... انہیں فوراً ختم کر دیا  
جائے... لیکن حیرال نے ایسا نہ کرنے دیا... یہ سارا کیا دھرا حیرال کا  
ہے۔" انہوں نے شک کی آواز سنی۔

"چھوڑ جاؤ۔ حیرال کو ختم کر دو۔"

"ہاں! میں ایسا کروں گا... میں یہ کام کر کے رہوں گا۔"  
ایسے میں راکڈوم اور نیچے آ گیا۔ اس کا رخ سفید عمارت کی  
طرف تھا۔ گویا وہ ان کی سیدھ میں نیچے آ رہا تھا۔ اور پھر انہوں  
نے راکڈوم کو ایک کمرے کی چھت سے کھراٹے دیکھا۔ انہوں نے جلد  
یہی اس کمرے کی چھت کو آواز کے ساتھ گرتے سنا۔  
اب راکڈوم اوپر اٹھ رہا تھا۔ اوپر اٹھ کر وہ پھر نیچے آتا نظر  
آیا۔ یہ دیکھ کر پروفیسر آشام چٹایا۔

"سب لوگ ان کمروں سے اگل آؤ۔" وہ یہ راکڈوم کے  
ذریعے تمام کمروں کو گرا دیں گے... اور تم لوگ ان کے نیچے اب جاؤ  
گے۔"

اس آواز پر کمروں کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان میں سے  
حیران کے ماہرین نکلتے چلے گئے... اب حیران میں ایک بار پھر بے  
تلاش لوگ نظر آ رہے تھے، لیکن وہ سب کے سب بری طرح بے ہوش  
تھے۔ ایک ٹھک تھا۔ جو کسی تھکاؤ و درخت کی طرح کا کھڑا تھا۔  
یہ نہ جان سکے کہ ان میں پروفیسر آشام کون سا تھا۔  
"پروفیسر آشام... ان میں تم کون سے ہو؟"



پروفیسر آشام کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

”تم مجھ سے بات کرو۔۔۔ پروفیسر آشام کی بات سمجھو۔۔۔ کون مجھ سے مقابلہ کرتا ہے۔۔۔ کرو مجھ پر فائرنگ۔۔۔ کہاں ہیں تمہاری رانقلیں۔“ شنگ کی آواز میں بلا کی گرجا تھی۔ دھمک تھی ان کے دل دہل کر رہ گئے۔۔۔ اس عالم میں بھی وہ اس قدر دلیہ تھا انہوں نے جیرال کی آواز سنی۔

”اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں اسے اچکھوں گا تم اپنا کام کرو۔“

”اپنا کام۔“ ان کے منہ سے سوالیہ انداز میں نکلا۔

”ہاں اپنا کام۔۔۔ جو تمہیں اس راہی میں کرتا ہے۔“

”نہیں جیرال۔۔۔ پہلے شنگ کا کانٹا نکالا جائے گا۔۔۔ پھر ہم کام کریں گے۔“

”اور ان لوگوں کا کیا کیا جائے۔“ جیرال نے ماہرین کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ لوگ بھی برابر کے مجرم ہیں۔۔۔ اس منصوبے کے معاملہ ہیں۔۔۔ یہ یہاں قیدیوں کی زندگی نہیں گزار رہے تھے۔۔۔ یہ تو جب بنی پڑا تھا۔۔۔ ایکورم چلے جاتے تھے۔۔۔ جب پچاتے تھے۔۔۔ یہاں آجاتے

مقدم لوگ تو یہ ہیں۔“

نے۔ انہوں نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ جو عام لوگ میدان کے اس طرف کھڑے تھے۔

”یہ لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے۔۔۔ اور جرمایہ ہیں۔“

ان کا انہام وہی ہو گا جو پروفیسر آشام کا ہو گا۔ جو مسٹر شنگ کا ہو گا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ جو کیا ہے۔۔۔ پروفیسر آشام نے کیا ہے۔۔۔ یہ سارا منصوبہ پروفیسر آشام کا بھی نہیں بیکال کا ہے۔ بیکال کے ایک شخص نے یہ علاقہ دریافت کر لیا تھا۔

اس نے اس پر ایک کتاب لکھ ماری۔ اس وقت تو ان لوگوں کو اس

منصوبے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ بس وہ کتاب پھپھکی گئی۔ اس کی

بہت جلدیں تم لوگوں کے ملک میں بھی گئیں۔ اس کے کافی مدت بعد

ہونے کے پہاڑوں کا عجیب و غریب احتمال بیکال کے پروفیسر آشام

نے ان میں آیا اور اس نے اپنی حکومت کے کچھ ذلے وار لوگوں سے

بات کی۔ انہوں نے اس پر غور شروع کیا۔۔۔ دوسرے جولا کر بیٹھ گئے اور

یہ شیطانی منصوبہ شروع ہوا۔ اس سے کام شروع کیا گیا۔ یہ پھر وہ

مال پٹے کی بات ہے۔۔۔ جب کام مکمل ہو گیا اور منصوبہ پورے عمل کو

اتنے آگیا تو ان لوگوں کو فکر ہوئی کہ اس کتاب کی جلدیں۔۔۔ ہاں ہاں

میں موجود ہیں۔ اس میں اس وادی تک پہنچنے کی پوری تفسیر ہے۔  
 تھیں۔ اور اسے پڑھ کر کوئی پارٹی سبران تک چاسکتی تھی۔ اس لیے

پہلے یہ پروگرام طے کیا گیا کہ اس کتاب کو دنیا سے غائب کر دیا جائے۔  
 اس کے لیے کارندے چھوڑے گئے۔ کتاب کی فروخت کا ریکارڈ

رکھا گیا تھا۔ وہ ریکارڈ ان کے کام آیا اور کتاب چن چن کر جاش کی  
 مٹی... جب انہوں نے جان لیا کہ ایک بھی کتاب نہیں رہی ہوگی۔

تب سونے کے سٹوں کی بارش شروع ہوئی... یہ ہے کہانی... اب تم  
 سوچو... اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ان میں سے ایک اذیت زدہ کی

چلا گیا۔

”اس حد تک ہم پہلے ہی جان چکے ہیں مسٹر۔ کیا ہم بے  
 تمہارا؟“

”میرا نام طولان باریسی ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”تو مسٹر طولان باریسی... ہم تم لوگوں کے ساتھ زنی کر رہے

ہیں... اگر تم ہماری معلومات میں اضافہ کر سکو۔“  
 ”جو کچھ ہمیں معلوم ہے... بتا دیتے ہیں۔“

”بس تو پھر تم یہ بتا دو... کہ ہم سونے کے پہاڑوں کا لالچہ  
 کریں کہ بیگال کے لوگ پھر سے یہ منصوبہ شروع نہ کریں۔ کیونکہ ہم

”ہاں! کیا بات ہے۔“  
 ”خیر... یہ بات اچھی ہے۔ اب تم یہ بتا دو... تم میں  
 ہائیر آفیسر کون سے ہیں۔“

”انہوں اہم نہیں جانتے۔ آج تک وہ ہم سے بڑے تھے۔ وہ  
 بات کرتے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے ساتھ کبھی نہیں آئے۔“

میں موجود ہیں۔ اس میں اس وادی تک پہنچنے کی پوری تفسیر ہے۔  
 تھیں۔ اور اسے پڑھ کر کوئی پارٹی سبران تک چاسکتی تھی۔ اس لیے

پہلے یہ پروگرام طے کیا گیا کہ اس کتاب کو دنیا سے غائب کر دیا جائے۔  
 اس کے لیے کارندے چھوڑے گئے۔ کتاب کی فروخت کا ریکارڈ

رکھا گیا تھا۔ وہ ریکارڈ ان کے کام آیا اور کتاب چن چن کر جاش کی  
 مٹی... جب انہوں نے جان لیا کہ ایک بھی کتاب نہیں رہی ہوگی۔

تب سونے کے سٹوں کی بارش شروع ہوئی... یہ ہے کہانی... اب تم  
 سوچو... اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ان میں سے ایک اذیت زدہ کی

چلا گیا۔

”اس حد تک ہم پہلے ہی جان چکے ہیں مسٹر۔ کیا ہم بے  
 تمہارا؟“

”میرا نام طولان باریسی ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”تو مسٹر طولان باریسی... ہم تم لوگوں کے ساتھ زنی کر رہے

ہیں... اگر تم ہماری معلومات میں اضافہ کر سکو۔“  
 ”جو کچھ ہمیں معلوم ہے... بتا دیتے ہیں۔“

”بس تو پھر تم یہ بتا دو... کہ ہم سونے کے پہاڑوں کا لالچہ  
 کریں کہ بیگال کے لوگ پھر سے یہ منصوبہ شروع نہ کریں۔ کیونکہ ہم

”ہاں! کیا بات ہے۔“  
 ”خیر... یہ بات اچھی ہے۔ اب تم یہ بتا دو... تم میں  
 ہائیر آفیسر کون سے ہیں۔“

”انہوں اہم نہیں جانتے۔ آج تک وہ ہم سے بڑے تھے۔ وہ  
 بات کرتے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے ساتھ کبھی نہیں آئے۔“



ہاں مسٹر جنک یا مسٹر جیرال کے سامنے آئے ہوں تو معلوم نہیں۔  
 "نہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ پر زور انداز میں کہا۔  
 "کیا کہا... نہیں... تو آپ دونوں نے بھی پروفیسر آشیام کو  
 نہیں دیکھا۔"  
 "نہیں... بالکل نہیں۔"

"یہ عجیب بات ہو گئی... پروفیسر بہت چالاک ثابت ہوئے۔  
 انہوں نے خود کو ان سب میں شامل کر لیا... اب ہمیں ان سب میں  
 سے انہیں تلاش کرنا ہوگا... اس سلسلے میں مسٹر جیرال ہماری مدد کریں  
 گے۔"

"کیا مطلب... میں کیسے مدد کروں گا... میں نے بھی تو انہیں  
 کبھی نہیں دیکھا۔"

"آواز تو سنتے رہے ہیں نا ان کی... جب ہم ان سب کی آواز  
 سنیں گے تو وہ پہچان لیے جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے... وہ آواز بدلنے کے ماہر ہوں۔"

"اس صورت میں بھی ہم انہیں پکڑ لیں گے... لیکن یہ کام  
 بعد میں کر لیں گے... پہلے تو ان سب کو قیدی بنانا ہے... پھر ان کے  
 بازار میں رسیاں تو ہوں گی۔"

"ریاں... ہاں تمہیں نہیں... عام لوگوں کی طرف سے گی

آوازیں اٹھیں۔  
 "ہیں تو کچھ لوگ ایک بیپ پر جائیں... اور رسیاں لے آئیں  
 اب تک آپ لوگ ان کے قیدی رہے ہیں اب یہ لوگ آپ کے  
 قیدی ہوں گے۔" انسپٹر جوشید نے اعلان کیا۔  
 "بھئی واہ... مزہ آگیا... لیکن... ان میں سے ایک نے  
 پکڑ کر کہا۔  
 "لیکن کیا۔"

"مہل مزہ تو اس وقت آئے گا جب آپ لوگ ہمیں مارے  
 گروں تک پہنچا دیں گے۔"

"خیر نہ کریں... یہاں سے کالا جنگل تک کا راستہ تو ہمیں معلوم  
 ہی ہے اور یہ پورا راستہ کسی ملک کی فضائی حدود میں شامل نہیں  
 ہے... وہاں سے ہم ریاست برہائی جاؤں گے... لیکن پہلے رسیاں۔"  
 "لیکن کیسے انا جان۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"کیسے کیا... راکٹروں کے ذریعے کالا جنگل جائیں گے...  
 وہاں ریاست برہائی کا جہاز منگا لیں گے... راکٹروں کو بھی اس پر کوا  
 کر لیں گے... اس طرح برہائی ہوگی جائیں گے... وہاں سے اپنے ملک

بہت سے کام لے سکتی تھیں۔ کیا ان سب کاموں کی پچھلی کوئی  
توں نے گرا دیا ہے۔ انہوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا۔  
"ابھی تو صرف ایک عمارت کی چھت کو گرایا تھا کہ یہ سب بھٹکا  
کر باہر نکل آئے۔" فرزانہ نے بتایا۔

"فرزانہ! اس میں شک نہیں کہ چھاری ترکیب خوب رہی۔ بلکہ  
بہت زبردست تھی۔۔۔ ان لوگوں کو اس ترکیب نے فرار میں باہر نکال دیا  
تجی مسٹر پروفیسر آشام چال چل گئے۔ ہمیں ان کی چال ان کے  
ن پر ماری ہے۔ اس کے لیے میں تمہیں فرحت کو اور تھوکی کو آواز دینا  
ہوں۔ بلکہ تم تینوں کی عقلوں کو آواز دینا ہوں۔" انہوں نے کہا۔  
"یہ تو اکل آپ کی بہت بڑی نا انصافی ہے۔" تھکن کی آواز  
برئی۔

"ہائیں۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ نا انصافی اور میری۔۔۔ حالانکہ سب لوگ  
جاتے ہیں، میں کس قدر انصاف پسند ہوں۔"

"آپ بہت انصاف پسند ہیں۔۔۔ لیکن اس وقت آپ انتہائی  
الغائی کر رہے ہیں۔ بلکہ کرنے پر حل گئے ہیں۔"

"ہائیں ہائیں۔۔۔ یہ کہہ گیا رہے ہو مکھن۔" ہمارے محل کے  
انہوں نے کہا۔ باقی سب بھی حیران تھے۔ ان سب کی فکر نے غصے

تھی جانا بھلا کیا مشکل ہو گا۔۔۔

"دہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کیسے۔۔۔ اسلامی ملکوں کے حالات  
اس وقت کیا ہیں ہمیں نہیں معلوم۔۔۔ برنائی کا تختہ تو پہلے ہی اٹھنے کے  
قریب تھا۔۔۔ وہاں بھی تو کوئی بیگال یا انشاجہ کا ایجنٹ حکمران ہو چکا ہو  
گا۔۔۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"اود ہاں! اس بات کا امکان ہے۔"

"تب پھر۔"

"بھئی کالا جنگل پہنچ کر بہت کچھ کیا جاسکے گا۔۔۔ غور کرو۔"  
انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بتایا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ آپ جائیں۔"

"لیکن جائیں کیسے؟" انہی لوگوں میں سے کسی نے پوچھا۔

"بھئی تم جیپ لے کر چلے جانا۔۔۔ کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے۔"

انسپکٹر جمشید نے تھوڑا کر کہا۔

"ابھی لیجیے۔۔۔ آپ کا حکم نہیں مانیں گے تو کس کا مانیں گے۔"

... آپ تو ہمارے نجات دہندہ ہیں۔"

انہوں نے فوراً ہی ایک جیپ کو روانہ ہوتے دیکھا۔

"میرے ذہن میں ایک بات ہے۔۔۔ ہم اس بات کے ذریعے



پر تم کر رہی تھیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا ہے... میں فرزانہ و فرات کو اور شوکی کو آواز دیتا ہوں... بلکہ ان کی عقلوں کو آواز دیتا ہوں۔ پروفسر آشام کو تلاش کرنے کی کوئی ترکیب بتا کیں... تو کیا یہ نامعترفی نہیں۔" مکھن نے پر زور انداز میں کہا۔

"آخر کیسے... وضاحت کرو بھی۔"

"تو سن لیں... آپ کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمارے سب عقل سے پیدل ہیں۔"

"اودہ ہاں واقعی مکھن... بات تو تم نے بہت سچے کی گئی ہے۔" مطلب یہ کہ تم کہنا چاہتے ہو... میں سب کی عقلوں کو آواز دوں۔"

"جی ہاں... یہ ہوگا یقین انصاف... پھر جو ترکیب بتا دے جیت اس کی۔"

"ٹھیک ہے مکھن... سب لوگ اپنی اپنی عقلوں کو آواز دے... مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اور ہمیں بھی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر شروع کرتے ہیں غور۔"

ایک منٹ بھی کیا ہم عقل سے پیدل ہیں۔" پروفسر

نے کہا۔ "نہیں تو پروفسر صاحب... ہم تو یہ بات سوچ رہے ہیں۔"

"اب ہم کیوں اپنی عقلوں کو آواز نہیں دے سکتے۔"

"یہاں ٹھیک؟ اس مسئلے پر ہم سبھی سوچیں گے۔"

اب تو وہ سبھی سوچ میں گم ہو گئے۔ تاہم اس سال میں بھی ان کی نظریں اپنے قیدیوں پر تھیں۔ اور ان کی دھڑکن کے ساتھ ان کی طرف تھے۔ تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکیں۔

"اس سے پہلے ایک اور خیال آرہا ہے۔" شوکی نے کہا۔

"اور وہ کیا شوکی۔"

"نہیں ان غارتوں میں کچھ لوگ چھپے نہ رہ گئے ہوں۔"

"اودہ... اودہ۔"

"اور پروفسر آشام بھی انہی میں نہ ہوں۔"

"اودہ... اودہ... یہ جین ممکن ہے... ہم نے ان طاقتوں کی تو

مدد سے حائل لی ہی نہیں۔"

"مکھن سب ماہرین کے پاس تو کسی قسم کا اسلحہ تھا نہیں۔ صرف

وہاں ہیں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ ہم چیک کرتے ہیں۔۔۔ ۲۲ خان رحمان نے

۲۰ پ مجھے صاحب نہ کہیں۔۔۔ صرف خیرال کہہ لیں۔۔۔ سچو

تھا کر کہا۔

۲۱ واچھا۔۔۔ پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا۔

پھر دو رائفلیں ہاتھوں میں لیے عمارات کی طرف چلے گئے

پروفیسر داؤد نے ایک ہاتھ میں اپنا ایک کھلونا بھی پکڑ رکھا تھا۔

۲۲ ہاں اتم لوگوں کی عقلوں نے کوئی جواب دیا نہیں۔۔۔ مہشید

بند نے انہیں ٹوکا۔۔۔ وہ سب سوچ میں گم تھے۔۔۔ اسٹیو کجمران مبرا

۲۳ مہشید کے ساتھ کھڑے تھے۔۔۔ جب کہ شک دوسری طرف ان

لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

۲۴ کیا سوچ رہے ہیں اتنا جان۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔

۲۵ لگتا ہے۔۔۔ شک کو کوئی پوٹ آگئی ہے۔۔۔ انکل خیرال کے

مانو گرانے کی وجہ سے۔۔۔

۲۶ ہاں ایسا لگتا ہے۔۔۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حال ہے

۲۷ کے حکم میں ہو۔۔۔ بہر حال ہمیں خبردار رہنا چاہیے۔۔۔ کسی دھتک

فوجیوں کے پاس تھا۔۔۔ لیکن ظاہر ہے پروفیسر آشام تو ہادی خان سے  
سے لیں ہو گا۔۔۔ کیا ان لوگوں میں شامل ہونے کے لیے اس نے  
اسلحہ بھی اندر چھوڑ دیا ہو گا۔۔۔

یہ سوال سن کر سب خاموش رہ گئے۔۔۔ وہ بھی سوچ میں پڑے  
تھے۔۔۔ آخر خان رحمان نے کہا۔

۲۸ ہم ان عمارتوں کی تلاشی لے لیتے ہیں۔۔۔

۲۹ ٹھیک ہے۔۔۔ خان رحمان۔۔۔ مسٹر جیرال۔۔۔ آپ دونوں اپنے  
ساتھ چند ساتھیوں کو لے لیں اور اور تلاش شروع کر دیں۔۔۔ اندر  
چھپا ہو تو اسے نکال لائیں۔۔۔

۳۰ ایک منٹ۔۔۔ پروفیسر داؤد نے ہاتھ اٹھایا۔

۳۱ جہاں تک میرا خیال ہے۔۔۔ اندر اب کوئی نہیں۔۔۔

پروفیسر آشام نے سب کو حکم دیا تھا کہ باہر نکل آؤ۔۔۔ میرا خیال ہے

اس حکم کے بعد کوئی بھی اندر نہیں رہ سکتا تھا۔۔۔ جب کہ راکڈم

سے چھتیں گرا رہا تھا۔۔۔ اور اسی لمحے پروفیسر آشام نے یہ فیصلہ کر لیا

کہ وہ بھی ان ماہرین میں شامل ہو جاتا ہے۔۔۔ تاکہ اپنے آپ

صاف بچالے۔۔۔

۳۲ آپ کی بات میں بہت وزن ہے، لیکن چیک کر لینے میں



## ترکیب

”اللہ کا شکر ہے... کسی نے کچھ تو مارا۔“ انسپٹر بلیک کے عرق

پڑ کر کہا۔

”جلدی بتاؤ... مکھن...“ انسپٹر کامران سرزاد نے کہا۔

”نہیں انکل۔“

”کیا کہا... نہیں انکل... یہ کیا بات ہوئی۔“ فرزانہ نے اسے

گھبرا۔

”میں اپنی ترکیب سب کے سامنے نہیں بتا سکتا۔“

”اور... مطلب یہ کہ تم کان میں بتاؤ گے۔“

”تی ہاں!“

”یہ تو خیر ابھی بات ہے۔“

”اوہ اے... یہ کیا۔“ ایسے میں فرست نے چمک کر کہا۔

”اب تمہیں کیا ہوا۔“ فرزانہ بلی گئی۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

”پردیفسر آشام... آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ خود کو

کردیں... اس صورت میں ہم آپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے  
لیکن اگر آپ نے ایسا نہ کیا اور بعد میں ہم نے اپنا ذہانت اللہ تعالیٰ  
سے آپ کو پہچانا تو پھر ہم سے کسی اچھے سلوک کی امید نہ رکھیے گا۔  
اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

”خیر کوئی بات نہیں... پہچان تو ہم آپ کو لیں گے۔“

اس نے اب بھی کچھ نہ کہا... نہ جانے وہ کہاں تھا... جب  
چال چل گیا تھا وہ... ایسے میں مکھن بہت زور سے اچھا... اس نے  
چلا کر کہا۔

”وہ مارا۔“

☆☆☆☆☆

"بھئی ایک حد، ترکیب سوچ لی۔"

"حد ہو سکتی... یہ کیا ہو رہا ہے فرزانہ۔" فاروق نے پوچھا۔

"وہی ہو رہا ہے جو اللہ کو منظور ہے۔" فرحت ہنسی۔

"خیر کوئی بات نہیں میں بھی اعلان کیے دیتا ہوں۔" میں نے فرحت کی ترکیب سوچ لی ہے۔"

"یعنی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں پرورش آسام کون ہے... تین ساتھیوں نے تین ترکیبیں سوچی ہیں... کیا یہ بات جہ نہیں۔"

"عجیب ہو یا غریب... ہے دلچسپ۔" انیسٹر کامران ہنس کر اُڑے۔

"تو کیا تم دونوں بھی اپنی اپنی ترکیب کان میں ہی بتاؤ گے۔"

"جی ہاں! مجبوری ہے۔"

"ٹھیک ہے... کوئی بات نہیں... ہم کانوں میں سن لیں گے۔"

پہلے کون سنائے گا۔"

"سب سے پہلے مکھن نے آواز لگائی تھی... لہذا ترکیب بھی پلے

مکھن... بتائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

میں نے کہا ان کے نزدیک تھا کہ میں نے اپنے ترکیب اپنے پیچھے کے کان میں بتائی۔ وہ سن کر اچھل پڑے۔ اس کے کان پر ہنسی۔ اب انہوں نے وہ ترکیب کامران مرزا کو بتائی۔ وہ بھی اچھل پڑے۔

"بہت خوب!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اب فرحت کی باری ہے۔" انیسٹر کامران مرزا نے۔

اب فرحت آگے آئی۔ اس نے انیسٹر کامران مرزا کے کان میں اپنی ترکیب بتائی۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اوہو... کمال ہے۔"

اب فرزانہ نے بتائی، وہ پھر بولے۔

"کیا بات ہے بھائی، کمال کر دیا؟"

"اس کا مطلب ہے... ہم تمہارے ترکیبیں خوب سنیں۔"

فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بات نہیں۔" انیسٹر جیسے مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے... ہم تمہارے ترکیبیں سنیں۔"

خوب نہیں۔"

"یہ بات نہیں۔"



"پہلے پروفیسر صاحب! خان رحمان اور عبدالحمید! وہ  
میں شروع کریں گے۔"  
"نیک ہے۔"

"وہ گئے۔ انتظار کرنے۔ اور پروفیسر آشام کے باہر سے تھک  
جک کر بیٹھتے جا رہے تھے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ کچھ نہ فرمے تو  
"بھی انسان ہی۔۔۔ آخر کار ان تینوں کی واپس ہو گئی۔  
"ان کمروں میں کوئی نہیں ہے۔۔۔ ہم نے ایک ایک کمرے کو  
انہی طرح دیکھ لیا۔"

"اور آلات؟"

"کمروں میں ساتھی اور دوسرے آلات بدستور گئے ہوئے  
ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔۔۔ اب ان سب کو ہال میں لے جائے گا۔ اگر یہ  
ہم صرف ہم لے گیا تو بہت دیر لگ جائے گی۔ اس لیے یہ کام ہم  
ہم سب لیتے ہیں۔ خواہ ہم اس کام کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"  
"یہ ٹھیک رہے گا۔"

"اب پھر ان لوگوں کو اندر لے جائے گا۔۔۔ وہ بھی ہم انہی کے  
ساتھ ہیں۔ تاکہ یہ لوگ باہر کی آسانی سے اس طرف آسکیں۔"

"یہ بات بھی نہیں اور وہ بات بھی نہیں۔ تو پھر یہ کیا  
اشفاق نے حیران ہو کر کہا۔  
"بات یہ ہے کہ ان تینوں نے تین نہیں ایک ہی ترکیب بتائی  
ہے۔"

"کیا!!! ان کے منہ سے نکلا۔"

"اور ترکیب کیسی ہے۔"

"بہت اچھی ہے۔۔۔ پروفیسر آشام بے نقاب ہو جائیں گے۔"  
"بہت خوب۔۔۔ مزہ آجائے گا پھر تو۔۔۔ فاروق نے خوش  
کر کہا۔"

"یہ تو خیر ابھی نہیں کہا جا سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسک  
کر کہا۔

"کیوں بھلا۔"

"یہ تو وقت بتائے گا۔۔۔ مزہ آتا ہے یا نہیں۔"

"خیر! اللہ مالک ہے۔"

اور پھر وہ جیب آتی نظر آئی جو رسیاں لینے گئی تھی۔ آصف  
کر گیا اور ان سے رسیاں لے آیا۔۔۔ کیونکہ وہ تو اس طرف نہیں آئے  
تھے۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“ پروفیسر آشام کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔

انہوں نے دیکھا، وہ عجیب سے طے کا بہت لمبا چڑا سا آدمی تو اور اسے دیکھنے سے خوف آتا تھا۔۔۔

”کیا چاہتے ہیں مسٹر۔۔۔ کون ہیں آپ؟“ انہیں جوشیلے نے اسے گھورا۔

”دہی۔۔۔ جس کی آپ کو تلاش ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔۔ ان شری پچوں نے کیا ترکیب سوچی ہے۔۔۔ یہی تا کہ پروفیسر آشام عمارت سے باہر خالی ہاتھ تو آیا نہیں ہو گا۔۔۔ اپنی حفاظت کا کوئی نہ کوئی سہارا ضرور ساتھ لایا ہو گا۔۔۔ یا پھر اس کے پاس کوئی ایسا آلہ ضرور ہو گا جس کے ذریعے وہ ایکورم یا کسی اور خاص مقام پر موجود اپنے ساتھیوں سے رابطہ کر سکے گا اور انہیں موجودہ صورت حال بتا سکے گا۔۔۔ یہی سوچا ہے تا تم لوگوں نے۔“

”تت۔۔۔ تو آپ ہیں پروفیسر آشام۔“

”ہاں! خود کو بندھوانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں تمہیں اپنی

طاقت دکھا دوں۔۔۔ تم کیا سمجھتے ہو۔۔۔ کامیاب ہو گئے تم نے۔۔۔ سہراں پر قبضہ کر لیا۔۔۔ میری برسوں کی محنت پر پانی پھیر دیا۔۔۔ نہیں

ہرگز نہیں۔۔۔ دل تو سب سے پہلے یہ سوال ہے کہ تم یہاں کرنا کیا کر رہے ہو۔۔۔ اس کے پہاڑ تم اٹھا کر تو لے جاؤ گے۔۔۔ وہ کھربے کے سامنے ہی کام آئیں گے۔۔۔ اگر ہم چاہیں۔۔۔ تم غلط تو چڑا ہے۔۔۔ اپنی طاقت لگا دے گا۔۔۔ پورا بیچال آپنے گا۔۔۔ اپنی اسلحہ دیا کو بے کار کر دینا ان میں سے کون پسند نہیں کرے گا۔۔۔ لیکن میں نے تو سوچا تھا۔۔۔ یہ میری جگہ ہے۔۔۔ میں ہی اس جگہ کا مالک ہو سکتا ہوں۔۔۔ کوئی دوسرا کیوں۔۔۔ لہذا میں نے کسی کو بھی یہاں نہ بٹھائی دیا۔۔۔ اور بیچال اور انشارجہ اگرچہ میرے ساتھ ہیں۔۔۔ لیکن میں نے ان سے بھی یہی کہا تھا کہ یہاں قبضہ میرا ہو گا۔۔۔ ہاں تمہیں ہر طرح کی مرا میں پہنچاؤں گا۔۔۔ اپنے لیے جتنا سونا تم کہو گے، وہوں گا۔۔۔ لیکن تم میرے کام میں تاگیں نہ اڑاؤ۔۔۔ مجھ سے میری حکومت نہ چھینے۔۔۔ ان مسلمانوں کا تاگ میں دم کرتے رہا۔۔۔ میں ان سے اگلے پچھلے کام بدلے چکانا چاہتا ہوں۔۔۔ آج سے چھ ماہ پہلے ہمارے ساتھ ان مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا۔۔۔ اس سب کا گن گن کر بدلہ لینے والے ہیں اور کچھ نہیں چاہتا۔۔۔ پس ان دونوں ملکوں کے میرا ساتھ دینے کا یہ کیا تھا۔۔۔ لہذا انہوں نے آج تک میرے کام میں کوئی دخل نہیں دیا۔۔۔ ان سے ہٹا سکتا ہے دے رہے ہیں، اس کی نمرت اس پہلے ہی کوئی کی



نہیں ہے۔ بس وہ بہت خوش ہیں۔ بہت مطمئن ہیں۔ اس لیے  
میں نے یہاں ہونے والی گزبڑ کے بارے میں ابھی تک پوچھ نہیں سکا۔  
وہ یہاں فوج آنے میں اور کتنا وقت لگ جاتا۔ آج نہیں۔ تو  
آجانی۔ پھر تم کیا کر لیتے۔ اب بھی جب میں دیکھوں گا کہ معاملہ  
میرے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ تو انہیں اطلاع دے دوں گا اور وہ  
آجائیں گے۔ چند لوگ کب تک انشارج سے لڑیں گے۔ فضا سے  
ڈیزی کسٹر بم گرانے گا۔۔۔ جنہیں ڈیزی کسٹر کا لفظ بھولا تو نہیں ہوگا  
... تمہارے کان اس لفظ سے اور اس جیسے وزنی ترین بہوں سے خوب  
اچھی طرح آشنا ہوں گے۔ تمہارے مسلمان ملک پر گرائے تھے انہوں  
نے۔۔۔

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔ بہت اچھی طرح یاد ہے۔۔۔ جیالیں ملوں  
نے مل کر ایک نہتے ملک پر، بے سرد سامان ملک پر حملہ کیا تھا۔ تم  
نے ان کے پہاڑوں کو سیاہ کر دیا تھا بم گرا کر۔۔۔ پھر کیا ہو گیا۔  
کیا بگاڑ لیا تم نے ان سچے لوگوں کا۔۔۔ صرف اللہ سے ڈرنے والوں کو  
تم کبھی شکست نہیں دے سکتے۔۔۔ یہ بات یاد رکھنا۔۔۔ تم ہمیں ہی دیکھو  
... کیا ہم یہاں نہیں آگئے۔۔۔ تم نے ہمارے راستے میں تھی  
رکاوٹیں کھڑی کیں۔۔۔ لیکن ہم تمہارے سامنے موجود ہیں۔“ انپٹلر ہشید

جہاں آواز میں کہتے چلے گئے۔  
”اب سب جہاں کی دیوار سے ہوا۔۔۔ یہ خدا کی گواہی ہے۔  
اب اسے بھی سزا ملے گی۔“ جہاں نے کندھے اٹھائے۔ پھر اس نے  
”کوئی پہاڑ نہیں۔“ جہاں نے کندھے اٹھائے۔ پھر اس نے  
”پٹل ہشید سے کہا۔

”اس شخص سے میں مقابلہ کروں گا۔“  
”ایک منٹ جہاں۔۔۔ ہمیں تیل دیکھتے ہیں، تیل کی دھواں  
دیکھتے ہیں۔ یہ صاحب چاہتے کیا ہیں۔ انھیادوں سے مقابلہ کرنا  
ہوتے ہیں یا کسی اور حربے سے یا پھر ہاتھوں سے۔“  
”اب مقابلہ صرف ہاتھوں سے ہو گا۔ میں اور شک۔۔۔ صرف

”اوری تم سب کے لیے کافی ہوں گے۔“  
”چلو! یہ تو طے ہوا۔۔۔ باقی لوگ صرف تماشا دیکھیں گے۔ اور  
ہم ان تم دونوں سے مقابلہ کریں گے۔ لیکن ایک کا مقابلہ ایک سے  
ہو گا۔ لہذا سب سے پہلے آپ کو پسند کریں گے یا مسز شک۔“  
”میں۔۔۔ پروفیسر صاحب کو رحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں  
ایلا تمہارے لیے کافی ہوں۔ اجازت ہے پروفیسر۔ اس نے حاکم  
ال کی طرف دیکھا۔“

"ٹھیک ہے شک۔" انہوں نے پروفیسر آشام کی آواز میں  
"ویسے ہمیں امید نہیں تھی۔" فرزانہ نے جیب سے انوار میں  
کہا۔  
"کیا امید نہیں تھی۔"

"یہ کہ آپ پروفیسر آشام ہوں گے اور خود کو اس طرح ظاہر  
دیں گے۔"

"میں نے جان لیا تھا۔ جب میری جاسی لی جاسے گی اور جیب  
سے خاص قسم کا ٹرانسمیٹر نکلے گا تو تم فوراً جان جاؤ گے کہ یہ ہے  
پروفیسر آشام۔ لیکن اس وقت میں بندھا ہوا ہوں۔ میں نے سوچا  
اس سے یہ بہتر ہے کہ میں پہلے ہی سامنے آ جاؤں۔ اب میں مقابلہ  
کرنے کی پوزیشن میں تو ہوں۔"

"یہ آپ نے عقل مندانہ فیصلہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ  
میں بہت ذہین۔۔۔ خیر۔۔۔ اب اپنے شک کو بھیج دیں۔ میں ان کے  
مقابلے پر آرہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں انسپکٹر جمشید۔۔۔ آپ پہلے ہی اس سے مقابلہ کر کے مجھے  
ہوئے ہیں۔۔۔ اور مسٹر جیرال بھی۔۔۔ لہذا اب میں آپ دونوں کی ٹنگ  
سنوں گا۔۔۔ مقابلے پر میں جاؤں گا۔" انسپکٹر کامران نے کہا۔

"اور اگلے آپ ہماری قید میں لیں۔" شوکی نے غلطی سے کہا۔  
"اب۔۔۔ تم کہہ۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہ کہ شک کے مقابلے میں ہمیں جانے دیں۔ یہی شوکی  
دہرایا تھا۔"

"نہیں شوکی۔ تم نہیں۔ میں اور صرف میں۔"

یہ کہنے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے قدم آگے بڑھایا۔ جیرال  
اور انسپکٹر جمشید کے ہاتھ اٹھے رہ گئے۔ وہ انہیں روک نہ سکے۔  
ان کے ہاتھ گرتے چلے گئے۔

دوسرے شک نے اپنے چورے جسم کو اوجھار کر دیکھا۔  
"آگے بڑھا۔"

دونوں میدان کے بالکل درمیان میں آگئے۔ اب سب کی  
کونیں ان پر مچھلیں جھپکنا بھول گئے تھے۔  
"کیوں نہ ہم ہاتھوں میں ہاتھ دے کر زور لگائیں اور لڑائی کر  
لیں کریں۔" شک کی آواز ابھری۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اس سے کہہ  
دیا۔ اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔ گویا انہیں اس طرح  
مخدوعہ۔ انہوں نے کوئی کرم جیسی نگاہوں کی اس جہتی دکھائی نہ  
سے ان بات کی۔ بلکہ ڈھیلے آواز سے انداز میں ہاتھ آگے کر دیا۔



شنگ نے ان کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں اور بولا۔  
 "میں صرف انگلیوں کا دباؤ ڈالوں گا۔۔۔ یعنی اپنی انگلیوں کی  
 طاقت صرف کر دوں گا۔۔۔ آپ اپنی انگلیوں کی طاقت صرف کر لیں  
 پھر جو آپ کا جی چاہے، آپ کریں، جو میرا جی چاہے، میں کر دوں  
 ویسے لگتا ہے۔۔۔ آپ تو میرے مقابلے میں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکیں  
 گے۔"

"یہ کس بات سے اندازہ لگایا مسٹر شنگ۔۔۔ انجینئر کاران مرزا  
 دیرے سے مسکرائے۔

"آپ کے ہاتھ بالکل ڈھیلے ڈھالے ہیں۔۔۔ ان میں کوئی جوش  
 ہی نہیں لگتی۔۔۔ آپ سے کہیں زیادہ طاقت تو انجینئر جوشید میں ہے  
 اور مسٹر جیرال کی طاقت کو تو خیر ماننا پڑتا ہے۔"

"آپ طاقت صرف کر لیں۔۔۔ میری باری بعد میں آئے گی۔"

"گویا آپ پہلے ہی اپنی طاقت صرف نہیں کریں گے۔"

"جی نہیں۔۔۔" انہوں نے سادگی سے کہا۔

شنگ نے حیران ہو کر ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کچھ بیمار بیمار سے لگتے ہیں۔۔۔ مجھے آپ پر دوسرا  
 ہے۔۔۔ آپ واپس چلے جائیں۔"

اسی طرح حیران کی فضا مجھے راس نہیں آتی۔۔۔ آپ دیکھا تو فرق تو  
 ہوتا ہے۔۔۔  
 "ہاں ہوتا تو ہے۔۔۔ ہمیں تو یہاں کی فضا بہت راس آتی ہے۔"

"ہم اپنے ملک میں ہی خوش رہتے ہیں۔" انجینئر کاران مرزا  
 نے کہا۔

"اب پھر شروع کریں مقابلہ۔" شنگ اب بھی ان کی آنکھوں  
 میں دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! مقابلہ تو کرنا ہو گا۔"

"میں زور لگانا شروع کر رہا ہوں اور آپ کو شجر وار لگے اسے اور  
 جی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے خبر ہو گئی۔"

شنگ اپنی طاقت انگلیوں میں لے آیا۔ اس نے انجینئر کاران  
 مرزا کی انگلیوں پر دباؤ شروع کیا۔ اس کے ہاتھ بے شک ہو گئے کی  
 راج غٹ تھے۔۔۔ اور اس کا دباؤ کوئی معمولی دباؤ نہیں تھا۔۔۔ انکی  
 آنکھ کاران مرزا پر سکون انداز میں کھڑے رہے۔ وہ طاقت صرف  
 کر رہا تھا۔ لیکن ان کے سکون میں فرق نہ آیا۔۔۔ یہاں تک کہ اس  
 نے اپنے ہاتھ زور لگا دیا۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں ہلکے لچک گیا

رے کی اہانت اولیٰ جائے۔ انسان کا گناہ تو ان سے ہے۔

”اے اللہ! اچھا ٹھیک ہے۔ آپ اکیسوں پر درود لگا لیں۔“  
اور اس کے بعد میں جو چاہوں گا، کر سکیں گا۔“ انسپٹر کامران  
سردار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ اس طرح بولا جیسے نیچے میں ہو۔  
”جی ہاں مسٹر شک۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ کہہ کر  
انسپٹر کی آواز گونجی۔

”میں ٹھیک ہوں پند فیسر۔“ ڈرا انسپٹر کامران مرزا کا دل خوں  
کر رہا تھا۔

”تو کیا تم نے ان کی اکیسوں پر چار درود صرف نہیں کیا۔“

”نہیں۔ میں تو ان سے تھیں رہا تھا۔“

”اب پھر زور صرف کر لیں۔“ اکیسوں تو ابھی اکیسوں میں

ہیں۔“

شک نے پھر اکیسوں پر زور لگانا شروع کیا۔ جہاں تک کہ اس

نے پورا زور لگا دیا۔ انسپٹر کامران مرزا اس سے مس نہ ہونے

لیہ انہوں نے زور لگایا تو شک چلا اٹھا۔

اس کے منہ سے نکلا۔

”نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔“

”کیا نہیں نہیں۔“ آفتاب کی آواز سنائی دی۔

”یہ... یہ... کیسے ہو سکتا ہے؟“ خوف کے عالم میں اس نے  
منہ سے نکلا۔

”کیا کیسے ہو سکتا ہے۔“ فرحت نے پوچھا۔

”یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

”کیا دیکھ رہے ہیں... ہمیں بھی تو دکھائیں۔“ آفتاب نے  
پوچھا۔

”اب میری باری ہے۔“ انسپٹر کامران مرزا نے اب بھی نیچے  
ڈھالے انداز میں کہا۔

”نہیں۔“ اس نے خوف کے عالم میں کہا۔

”کیا مطلب... کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں زور صرف

کروں۔“ انسپٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔“

”لیکن ابھی آپ نے کہا تھا... جو آپ کا جی چاہے گا، آپ

کیجیے گا... جو میرا جی چاہے گا... میں کروں گا... تو مجھے بھی تو



گی۔

"ارے ارے... کیا کر رہے ہیں۔ یہ کی انگلیاں لٹک رہی ہیں۔"

وہ زور لگاتے چلے گئے۔ اور شنگ کی آواز میں جھنجھکی مچ گئی۔  
 کئی... پروفیسر آشام کی حالت اس وقت بہت خراب تھی۔  
 اس کے چہرے سے صاف جھٹک رہی تھی۔ یہاں تک کہ تکلیف  
 وجہ سے وہ دہرا ہو گیا۔ اب اس کی کمر انیسٹر کا مران مران کے سر  
 نیچے آگئی۔ انہوں نے انگلیوں کو تو اسی طرح قابو میں رکھا۔  
 میں اپنے سر کی نگر اس کی کمر پر دے ماری۔ وہ پہلے ہی انہیں  
 تکلیف سے دہرا ہوا جا رہا تھا۔ انیسٹر کا مران مران کی آواز  
 کی ہڈی پر لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ انہوں نے اس کی  
 انگلیاں اب بھی نہ چھوڑیں۔ اور ایک نگر اور رسید کی۔ وہ دلی طرح  
 بلبلایا۔

اس لڑائی پر سب سے زیادہ حیرت جیرال کو ہوئی۔ کیونکہ وہ  
 جانتا تھا... شنگ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ ہزار لڑاکوں کا ایک لڑاکا  
 ہے۔ تو پھر اس وقت وہ اس قدر آسانی سے مار کیوں کھا گیا۔  
 یہ بات جیرال ہی کیا۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔  
 دیر پہلے تو سب نے شنگ کو انیسٹر جمشید اور جیرال سے لڑنے دیکھا تھا۔

اور اس وقت تک رہا تھا۔ انیسٹر جمشید اسے کھٹ دے نہیں گئے۔  
 لیکن اب وہی شنگ تھا اور وہی طرح مار کھا رہا تھا۔  
 "شاہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ شنگ کیا ہو گیا تھی۔"  
 پروفیسر آشام نے چیخ کر کہا۔

یہاں میں آؤ۔ اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے ایک دم مار کھا اپنے  
 شنگ کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے ایک دم مار کھا اپنے  
 وہاں ہاتھوں کو مارا اور انیسٹر کا مران مران کے ہاتھوں سے اس کے  
 دونوں ہاتھ یک دم نکل گئے۔

اس پر انیسٹر کا مران مران دھک سے روکے کہ یہ کیا ہو گیا۔  
 "یہ کیا ہوا۔ شنگ اب تم نے اپنی انگلیوں کو کیسے نکال لیا۔"  
 "میں بھول گیا تھا پروفیسر۔" شنگ سٹرا۔  
 "کیا بھول گئے تھے۔"

"یہ کہ سارے جسم میں میں انگلیوں کے اعتبار سے کمزور ہوں۔  
 ہر طرف انیسٹر کا مران مران اس قدر اچھے اچھے نظر آ رہے تھے  
 کہ لگ رہا تھا۔ یہ تو میرے ایک ہاتھ کی بھی مار نہیں۔ اور یہی غول  
 ٹکی مجھے مار گئی ہے۔ لیکن آپ لکھ کر میں نے اپنی انگلیوں  
 آواز کرتی ہیں۔ اور اب میں انیسٹر کا مران مران سے آواز لے رہا ہوں۔"

ان کے چلاؤ آگے کی طرف بھاگا۔ انہوں نے پھر بھی گڑبگڑی ہوئی۔  
 ایک بار پھر وہ آگے کی طرف بھاگا۔ لیکن اس مرتبہ انہوں نے  
 اس کا ہاتھ پھینکا تھا۔ خود بھی اس کے ساتھ اچھے تھے۔ انہوں نے اس  
 اس کے اوپر گرے۔ ایسے میں ایک کی چیخ اٹھ گئی۔ انہوں نے اس  
 اس کے ساتھ ہی زمین پر دبے چلا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکے  
 کی چیخ اٹھ گئی۔ ساتھ ہی وہ اس کے اوپر گرا۔ وہ اس کی  
 دونوں ہاتھیں پکڑ لیں۔ اب جو انہوں نے زور لگایا، انہوں نے اس  
 ہاتھ سے گھمایا تو وہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ پس پھر کیا تھا۔ وہ گنگے گھر سے  
 بڑوں تک رہا تھا۔ جیسے انسپکٹر کا مران مران نے کسی سے کوئی نہیں سے  
 پکڑ رکھا ہو اور اسے گھماتے دے رہے ہوں۔ ان سب کی آنکھوں کے  
 سامنے ایک بلا کی تیزی سے گھوم رہا تھا۔ اور پھر وہی آواز سر  
 کرتے ہوئے انہوں نے اسے اچھا پیٹا۔ ایک آواز ہوئی۔  
 بہت دور۔ ان لوگوں کے پاس جا کر۔ جو غارت کی حدود سے  
 دور کھڑے تھے اور جو اس دلی کے قیدی تھے اور جن کی زندگی کی سب  
 سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح اس دلی سے نکل کر اپنے گھروں  
 لوٹ جائیں۔ ایک اس بار ان کے پاس جا کر گھماتا  
 "دلی کے قیدیوں! اب تمہارا قیدی تمہارے پاس آگیا ہے۔"

تب پھر جلدی کر دھک۔ کبھی وقت نہ ملے۔ ہاتھوں سے  
 نکل نہ جائے۔ پہلے ہی ان لوگوں نے ہمیں کئی سال پہلے بیٹھ  
 ہے۔ اب نئے سرے سے محنت کرنی پڑے گی۔  
 "وہ تو بعد کی بات ہے پروفیسر۔ پہلے ان لوگوں سے بات  
 لیں۔" یہ کہتے ہوئے ایک بری طرح اچھلا اور انسپکٹر کا مران پکڑا  
 وہ پہلے ہی ہوشیار تھے۔ اپنی جگہ سے سرک کے اور گھومتے ہوئے اس  
 کی ایک ٹانگ پکڑ کر ایک زبردست جھٹکا دیا۔ ایک گویا ہوا میں اڑتے  
 ہوا دور جا کر۔ اب تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔  
 "ایک بہترین وار تھا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔  
 "اس میں شک نہیں جمشید۔" پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔  
 ادھر انسپکٹر کا مران مرزا کی پوری توجہ ایک طرف تھی۔ انہوں  
 نے اس کے گرنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ اپنی جگہ رکے نہیں رہے تھے۔  
 ساتھ ہی اس کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ ادھر وہ گرا، ادھر انہوں نے  
 پھر اس کا ایک بازو پکڑ کر آگے کی طرف جھٹکا دیا۔ اس کا دباؤ پہلا  
 ہی آگے کی طرف تھا۔ اس لیے... کچھ اس دباؤ کی وجہ سے اور کچھ  
 ان کی طاقت کی وجہ سے وہ پھر اچھلا اور آگے جا کر۔ انسپکٹر کا مران  
 مرزا پہلے ہی آگے بڑھنے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے بھی ساتھ



بھابھی کا کہنا ہے کہ میں ہی نہیں آ رہی ہے۔

بھابھی اب ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں... انکل نے اس کی کوئی کمزوری بھابھی سے ہے... انہوں نے ہاتھ پیر سے مارے بغیر اس کا پتہ مال کیا ہے... اگر یہ بھی انکل حیران کی طرح اس سے ٹکراتے تو ان کا اہام بھی وہی ہوتا۔

ہاں واقعی... انکل نے بہت ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔

یہ کچھ نہیں... انہوں نے شک کی آواز سنی۔

جی انکل ممک... آپ نے کس سے کہا... یہ کچھ نہیں۔

وقت نے حیران ہو کر کہا۔

کیا کیا... ممک۔

وہ سوری شک کہنے چلی تھی... منہ سے نکل گیا ممک۔

امت بولی۔

فرحت کرو... اب تم سب کے ممک ہونے کی باری ہے۔

انہیں... یہ ام خم... ابھی تک... فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

اور نہیں تو کیا۔

اب اس سے مجھے ہی مقابلہ کرنا پڑے گا... ان سب سے

انکل کی آواز سنی۔

اسے بتا دو... قید کیا ہوتی ہے اور قیدی کیا ہوتے ہیں۔

حیران کے قیدی اس پر ٹوٹ پڑے... لیکن پھر انہیں مارا کر پیچھے ہٹ گئے... جس نے بھی اسے ہاتھوں یا جیروں سے مارا۔ ہٹ اسی کو لگی... لہذا سب کے سب خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے... دیکھ کر شک زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

حیرت ہے... آخر انپکڑ کا مران مران نے اس کا مقابلہ کر طرح کیا۔ پروفسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ انپکڑ کا مران مران ہٹا۔

کیا مطلب... انکل... آپ شک کے ساتھ جنگ کرتے کرتے محاورات پر اتر آئے۔ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

لیکن انکل اس وقت اس محاورے کا موقع نہیں تھا... ہاں آپ یہ کہہ سکتے تھے ناچ نہ جانے آنگن نیز جا۔ محمود نے منہ ہٹایا۔

اور مسٹر شک کے ساتھ جنگ کے لیے انکل کو محاورات کی ضرورت بھی کیا ہے... یہ تو آئیل مجھے مار والی بات ہے۔

یہ اور بے تکی کہی... یہاں آئیل مجھے مار والا محاورہ کہاں سے آپکا... وہ بھی کچے ہوئے آم کی طرح۔

ارے باپ رے... وہ مسٹر شک اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

سب جس پر سے ... شنگ نے بھی اس کی طرف دیکھا اور بے جا

ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے اسے لگا دیا۔

”آؤ ... آؤ ... تمہارا وقت قریب ہے۔“

”تیل دیکھو ... تیل کی دھار دیکھو۔“ شنگ فرما۔

”گلتا ہے ... آج ... شنگ ہمدی نکارات کے ذریعے بھی خبر لیں گے۔“

”اور نہیں تو کیا ... آج ہی تمہیں معلوم ہو گا۔ کون کتنے پانی میں ہے۔“

”اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں گزرتا ... خود کو ہی سب سے اونچا سمجھتا ہے ... تم بھی اس خوش فہمی میں رہ گئے ہو۔ اور یہ بھول رہے ہو کہ تھوڑی دیر پہلے تم کس طرح چٹیاں کھا رہے تھے۔“

”مجھ سے غلطی ہو گئی تھی ... اور انسپکٹر کامران مرزا نے میری کمزوری بھانپ لی ... لیکن اب میں اپنی کمزوری پر قابو پا چکا ہوں۔“

”اور وہ کمزوری کیا تھی۔“ فرحت نے پوچھا۔

”یہ اپنے انکل سے پوچھو ... کامران مرزا تمہارے انکل ہیں۔“

☆☆☆☆☆

اور میں۔“

”اب یہ اپنی کمزوری پر کس طرح قابو پالیں گے۔“

فرحان ہو کر کہا۔

”اب تو اب دیکھیں گے۔“

”میں پھر کہتا ہوں ... مجھے ان سے مقابلہ کرنے دیں۔“

”اب کے قابو میں نہیں آئے گا۔ اور میں انہیں ایک منٹ میں فرج کر

دلاؤ گا۔“ اخلاق نے ہانک لگائی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اور دوسروں نے چونک کر اخلاق کی طرف

دیکھا۔ ان کے چہرے پر کوئی خاص بات تھی۔ جسے دیکھ کر وہ چونک

اٹے تھے۔



## عجیب بات

"انسپکٹر کامران مرزا۔" پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"جی پروفیسر صاحب۔"

"اخلاق احمد کو لڑ لینے دو۔"

"جی اچھا۔" انہوں نے نہایت فرماں برداری سے کہا۔

اور سب حیران رہ گئے ... شک ان سے بھی زیادہ حیران تھا۔  
اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب ... یہ کیا ... تم اس چھوٹے سے ... پتے دے  
سے ... شک منک سے ... بچے کو میرے مقابلے میں بھیج رہے ہو ...  
نہیں نہیں ... یہ میری توہین ہے۔"

"توہین ہے تو ہوتی رہے ... ہمیں تمہاری توہین کی کیا پروا ... یہ  
چھوٹا سا بچہ تم سے لڑے گا۔"

"یہ تو میری ایک چھوٹی سے انگلی کی بھی مار نہیں۔"

"تم آپ اس چارہ نہ کریں گا۔ اسے مار کر لے دیں۔ جب  
پھر کے خود ہی شک جائے گا تو تم اپنی چھوٹی انگلی کا مار کر لے۔"

"پہلی جگہ مار نہیں آئے گا۔"

"سچا حریف کا نہیں ... مقابلے کا ہے ... جس کی طرف

ہے یہ مقابلے کے لیے آ رہا ہے۔"

"ابھی بات ہے ... آؤ۔" اس نے براہ راست ہٹا کر ساتھ ہی

کہا۔  
"یہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا ... مجھے بہت افسوس ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں ... دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر ان سب نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ اخلاق ان کے  
درمیان سے نکل کر شک کی طرف جا رہا تھا اور انسپکٹر کامران مرزا اس  
کے پاس سے اپنے ساتھیوں کی طرف آ رہے تھے ...

"تو آپ مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔" اخلاق نے نزدیک پہنچ کر  
کہا۔

"کیا ضرورت ہے ... تم اس کے بغیر ہی مارے جاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے ... میں تو آپ کی کمر پر وار کر سکتا ہوں۔"

"یہ اور اچھی بات ہے ... ہنگ لگے نہ پھٹکیں، رنگ پھٹکا

آئے۔ مجھے تو پھر کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

”یہ لیں۔۔۔ میں آرہا ہوں۔۔۔ آپ کی کمر کی طرف ہرگز نہ  
کے لیے۔۔۔ پھر نہ کہیے گا۔۔۔ خبر نہیں ہوئی۔“

یہ کہتے ہوئے اخلاق پرسکون انداز میں چٹا شنگ کی طرف گیا۔  
اسے کوئی خوف تو تھا نہیں کہ بچا کر آتا۔۔۔ شنگ کو تو اس پر تلو لگنا  
ہی نہیں تھا۔۔۔ سب کی نظریں اس پر جمی تھیں اور وہ سب حیرت زدہ  
تھے، ویسے پہلے بھی اخلاق کئی مرتبہ بہت بڑے بھرموں کے خلاف کی  
کام دکھا چکا تھا۔۔۔ اس لیے بھی وہ اسے موقع دینے پر مجبور ہوئے تھے  
لیکن یہ بات شنگ کو معلوم نہیں تھی۔۔۔

بالکل کمر کی طرف آتے ہی وہ اچھلا اور دونوں ہاتھ اس کی گردن  
میں ڈال دیے۔۔۔ اب وہ اس کی گردن سے جھول رہا تھا۔  
”بس! یہی وہ دار تھا۔“ شنگ ہنسا۔

”اسے کہتے ہیں، ناچ نہ جانے آگن میزھا۔“ آصف نے بڑے  
کر کہا۔

”بلکہ میں تو اس موقع پر یوں کہوں گا۔۔۔ اندھے کو اندھیرے  
میں بہت دور کی سو جھی۔“ محمود نے برا سامنہ بنایا۔

”یہ بھی ٹھیک نہیں۔۔۔ یہ کہنا چاہیے۔۔۔ سادوں کے اندھے کو ہرا

دانی سچا ہے۔“

”یہی کہتا ہوں۔۔۔ اس وقت اخلاق اور یہ سو فیصد لگے ہیں  
آٹھ مجھے مار۔۔۔ شامت کو دعوت اس نے خود دلی  
کے لیے ہے۔“

”اب ہنسا۔“  
”یہی کہتا ہوں۔۔۔ چارے کے پیچھے چڑھنے ہو ہاتھ دھو کر۔۔۔ دیکھ  
وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔“ آٹھ بھید نے ان سب کو ڈانٹا۔  
”اب سے تو دیکھ رہے ہیں ابا جان۔۔۔ بھائی صاحب جا کر میں  
مڑھک کی گردن سے لٹ گئے ہیں۔“

”جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔۔۔ انہیں بھی واقعی الجھن ہو رہی تھی۔۔۔  
بھائی نے کہا۔

”بھائی کب تک یونہی لٹے رہو گے۔۔۔ کچھ کر دے بھی یا  
لیں۔“

”نی اچھا امین اور سانس لے رہا تھا۔“ اخلاق لے کہا۔

”سانس لے رہا تھا۔۔۔ اس سے پہلے تم نے کون سا مسٹر شنگ  
ہے ہنگ کی ہے۔ یا بھاگ دوڑ کی ہے کہ سانس لے رہے تھے۔“

”ہن وہ۔۔۔ ملے ارا۔۔۔ جلد تھک جاتا ہوں۔۔۔ اچھا اب سب  
لیں۔“ اسی نے کہا۔



میں اس کی گردن دہانے میں کامیاب ہو چاہوں گا اور پھر جس مسرہک سے بہت مل جائے گی۔

”نہیں۔“ شک مارے خوف کے چلایا۔

”ابھی بات ہے مسٹر جیروال۔ اس کی ایک ٹانگ میں نے پکڑ لی ہے اور ان شاء اللہ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ دوسری ٹانگ پر ایک کامران مرزا کا قبضہ ہے اور ان شاء اللہ وہ بھی اسے چھوڑیں گے۔

پھر ایک بارو خان رحمان کے قابو میں ہے۔ اور امید ہے۔۔۔ وہ اسے چھوڑیں گے نہیں۔“

”بالکل جشید۔“ غرور کر دیا۔

”اور دوسرا ہاتھ منور علی خان کے قابو میں ہے۔ منور علی خان بھی کوئی کمزور آدمی نہیں ہیں۔ یہ بھی اس کا بارو چھوڑیں گے نہیں ان کے ہاتھ۔“

”بالکل ٹھیک۔“ منور علی خان۔

”اور باقی وہ مجھے ہم۔۔۔ ہم طاقتوں اور ہاروں کے باقی حصے سے بچنے چاہئے ہیں اور کمر کے باقی حصے سے بچنے چاہئے ہیں۔ ہم ان کے ہاتھوں کے نہیں۔“

”لیکن اخلاق نے بلند آواز میں کہا۔

”تیار ہو جائیں۔۔۔ کس کام کے لیے۔“

”مسرہک کو قابو میں کرنے کے لیے۔“ اخلاق نے کہا۔

”کیوں یہ کہاں بھاگے جا رہے ہیں۔ میدان میں کھڑے ہیں۔“

”جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔۔۔ میں نے خبردار کر دیا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے موقع گنوا دیا تو پھر میں بھی کچھ نہیں کر سکتوں گا۔“ اخلاق نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”ہم۔۔۔ تیار ہیں اخلاق۔۔۔ تم غور نہ کرو۔“ انپکڑ جشید نے جلدی سے کہا۔

ان کی آواز نے سب کو خبردار کر دیا اور اخلاق نے نہ جانے کیا کیا۔۔۔ شک بہت زور سے اچھلا اور اونٹھے انداز میں آیا۔۔۔ ساتھ ہی اخلاق چلایا۔

”قابو کر لیں اسے۔“

وہ سب کے سب جوش کے عالم میں شک کی طرف دوڑ پڑے اور آن کی آن میں اسے چھاپ لیا۔۔۔ چھاپ لینے والوں میں جیروال بھی شامل تھا۔ اور اس نے شک کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

”آپ لوگوں نے اگر اس کے بازو اور ٹانگیں نہ چھوڑیں۔۔۔ تو

... لیکن کیا؟ سب نے ایک ساتھ کہا۔

... لیکن یہ ابھی جہر جہری لے گا۔ اصل طاقت کی ضرورت تو اس وقت پیش آئے گی۔ اٹکل جیرال ... آپ پوری طاقت صرف کر لیں۔ جہر جہری کا موقع ہی نہ ملے اسے۔

... بالکل ٹھیک۔ جیرال نے کہا اور پوری قوت صرف کرنے لگا۔ باقی سب نے بھی پوری قوت صرف کر دی۔ ایک بار پھر شنگ کے سر سے مارے خوف کے نکلا:

”نن ... نہیں ... نہیں۔“

اور پھر انہوں نے محسوس کیا ... شنگ کا جسم اٹھلا پڑ رہا ہے۔ یہ بات محسوس کر کے فاروق چلا اٹھا۔

”وہ مارا۔ یہ جا رہا ہے۔“

”ہو سکتا ہے ... یہ ٹکر کر رہا ہو۔“ آصف چٹایا۔

”اوہ۔“

ادھر شنگ نے جہر جہری لی ... اس کا پورا جسم زور سے ہل رہا تھا۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے۔ انہوں نے اپنے جسموں کا پورا زور لگا دیا ... اور اس وقت جب سب کی توجہ اس پر تھی ... کسی بھی سمت کا دھیان نہیں رہ گیا تھا۔ ایک چڑا کر

... اس کے سر پر مڑی۔ اور ہر لٹاک دھکا دیا۔ یوں لگا جیسے بولی ہر جہر جہری۔ جیرال اچھل کر دوڑا جا کر ... اس کے ساتھ تھا باقی سب اس بات کو گت۔ سب کے سب شنگ کے جسم سے الگ ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا۔ شنگ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر ایک ایسا ہنس چھل چھلی تھی اور اس سے وہ دھڑک رہا تھا۔ ایک ایسا عالم تھا اس نے خوفناک ترین آواز میں کہا۔

”نہیں چھوڑوں گا۔ اسے نہیں چھوڑوں گا۔“

اس کا رخ افلاق کی طرف تھا ... سب لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ جیرال تو بالکل ساکت تھا ... اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ باقی سب کسی نہ کسی حد تک اور کہیں نہ کہیں سے زخمی ضرور تھے۔ افلاق کی تاک سے خون بہہ رہا تھا اور اس وقت شنگ کا دل صرف اور صرف وہ تھا۔ گویا شنگ اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

اسیات اٹھار میں وہ چھوٹا چھوٹا اس کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی کہتے تھے:

”آؤ اب لٹ کر دکھائی۔ میری گھر سے اور دھاک دھکا۔“



نہری کر کے اس جتنے کو... جو میری کمزوری ہے... ہاں یہ بات نہ  
تقریب کے قابل ہے کہ تم نے اس جگہ کے بارے میں کیسے جان لیا  
یہ کہتے ہوئے وہ لمحہ بہ لمحہ اخلاق کے قریب ہو رہا تھا...  
میں اچانک اخلاق نے دوڑ لگا دی... یہ دیکھ کر شک خوفناک انداز میں  
ہوا... اور اس کے پیچھے دوڑ پڑا... اخلاق نے رفتار اور بلا معاوضی  
شک بھی اور تیز دوڑنے لگا... اخلاق دائرے میں دوڑ رہا تھا...  
وہیں وہ سب بکھرے پڑے تھے... شک اندھا دھند دوڑ رہا تھا...  
اچانک اس کی ٹانگوں میں انسپکٹر کا مران مرزا نے اپنی ٹانگیں دے مارتے  
... وہ ان کی طرف سے چوری طرح بے خبر ہو چکا تھا اور صرف اچانک  
کو دیکھ رہا تھا... بس وہ دھڑام سے سر کے بل گرا... اس کا سر پہلے  
قوت سے زمین سے ٹکرایا تھا... اور انہوں نے اس کے سر سے  
اچلتے دیکھا...

"وہ مارا... یہ پہلی شان دار چوٹ آئی ہے..." یہ کہتے ہی اچانک  
جمشید نے اس کے سر پر اپنے جوتے کی ٹوک دے ماری اور میں اس  
کے زخم پر دے ماری۔

وہ کسی بھینسے کی طرح ڈکرایا... ادھر انسپکٹر جمشید اپنا دار آؤٹ  
ہی چلے گئے... یہاں تک کہ اس کی آواز سست ہوتی چلی گئی...

... اور صرف سان سان کی آواز باقی رہ گئی...  
اب تک یقین نہیں کہ شک مارا جا چکا ہے...

... یہاں چاہتا تھا کہ...  
... اسے تو ہم سب بھول ہی گئے...  
... اس سے تو اس کے جسم  
... اس کا خیال کیوں نہ آیا... اس سے تو اس کے جسم

... اس سے ہم کاتے جانتے تھے...  
... اس نے پتا اس سے لے لیا اور شک کی طرف  
... اب اسے کوئی موقع دینا خود کو خطرے میں ڈالنا تھا

... اس نے اسے تو وہ مکمل طور پر قانع ہو چکے تھے...  
... اس کی گردن سے بے تحاشہ خون اگل کر سامنے  
... اچھل کر ادھر ادھر ہو گئے... پردیسر آشام اور باقی  
... عالم میں پھیل چکی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہے

... اس نے چونک کر کہا...  
... اس نے فریاد بھری آواز میں... اس نے چونک کر کہا...  
... اس کے سر سے گھرائی تھی... اور

... اس کا شک پلٹ دیا تھا...  
... اس کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے... کیونکہ وہ سب تو اس  
... اس کی طرف جھپٹتے... ایسے میں ان کی طرف کے تماشاخیوں

میں سے ایک نے کہا۔

”اس شخص نے جیب میں سے کوئی سول پنچ نکال کر پیم کرنے شروع کر دی۔ آپ لوگوں کی طرف اونچی اچھالی تھی۔“

”اودہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

پھر انسپکٹر جمشید نے آندھی اور طوفان کی طرح اس طرف دوڑ دی۔ اور آن کی آن میں اس تک پہنچ گئے۔ انہوں نے جلدی جلدی اس کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن اس کے پاس سے کچھ بھی نہ اُٹھا۔

”مسٹر طولان اودہ کیا تھا۔“

”ایک ننھا سا بزم۔“ وہ ہنسا۔

”بس ایک ہی تھا۔“

”ہاں! میں نے اپنے ساتھی کو بچانے کی ایک آخری کوشش کر ڈالی۔“ اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”اب انہوں نے پردیفیر آشام کی بھی تلاشی لی۔۔۔ ان کے ہاتھ ہاتھ میں چاقو تھا اور دائیں سے وہ تلاشی لے رہے تھے۔“

”میرا خیال ہے۔۔۔ ان سبھی کی تلاشی لینی چاہیے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔ لیکن صرف آپ آگے جائیں۔۔۔ باقی

سب اپنی اپنی جگہ پر رہیں۔“

انہوں نے سر ہلا دیا۔ ان دنوں نے سب کی تلاشی کی۔

”ان سب کو اب ہاتھ لیا جائے۔۔۔ پردیفیر صاحب آپ

یہاں کے سرگرم بن کر رہیں۔“

”تھک ہے۔“

”کچھ ہم بھی کسی نہ کسی حد تک رنج ہیں۔“

”ہاں! ابھی کی سرہم بنی ہو گی۔“

ان سب کو ہاتھ لیا گیا۔۔۔ پھر سب کی سرہم پتی کی گئی۔ اس

کام سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید اخلاق کی طرف مڑے۔

”ہاں اخلاق! اب بتاؤ۔۔۔ تم نے کیا کیا تھا۔“

”جب انھیں کامران مرزا نے پہلی بار شک کو آگے کی طرف

اچھال پھینکا تھا۔۔۔ اور شک دور جا گرا تھا۔۔۔ تو اس کے ساتھ ہی

انھیں بھی آگے چلے گئے تھے اور اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔۔۔ جب

شک نے دیکھا کہ انھیں میں اس کے اوپر آ کر گرنے لگے ہیں تو اس

نے بے ہمتی اخلاق میں اپنے دائیں کان پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔۔۔ انھیں

ان طرف سے وہ اپنے دائیں کان کو چوٹ سے بچانا چاہتا تھا۔۔۔ بعد

میں ہی میں نے یہ بات سنی تھی ہارمسوں کی کہ وہ اپنے دائیں کان کی



طرف سے غر مند ہے۔۔۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے کان پر  
چھت مار کر تجر پہ ضرور کروں گا۔۔۔ اور یہی میں نے کیا۔۔۔  
"اخلاق! اس میں شک نہیں کہ تمہارا مشاہدہ بہت خوب تر  
شک کی شکست کا ذریعہ بھی مشاہدہ بن گیا۔۔۔ یعنی تم بہت خوب  
رہے۔۔۔"

"شش۔۔۔ شکر یہ اٹکل۔۔۔"

"بے کوئی تک۔۔۔ بے چارے شکر یہ کے دو ٹکڑے کر دیے۔۔۔  
آصف نے برا سامہ بنایا۔۔۔"

"ایسا کوئی میں نے ہی نہیں کیا ہے۔۔۔ آپ لوگ اکٹڑ کرتے  
رہتے ہیں۔۔۔" اخلاق برا مان گیا۔۔۔

"کیا کرتے رہتے ہیں۔۔۔" محمود نے تھکا کر کہا۔۔۔

"بے چارے شکر یہ کے دو ٹکڑے آپ لوگ بھی کرتے رہتے  
ہیں۔۔۔"

"ادہ ہاں! یہ تو اخلاق نے ٹھیک کہا ہے۔۔۔" پروفیسر داد نے  
نہیں کر کہا۔۔۔

"اور اس میں شک نہیں کہ اس بار اخلاق کا مشاہدہ تیز رہا۔۔۔"  
"پہلے مان لیتے ہیں۔۔۔ یہ بھی آخر حار اعلیٰ ساتھی ہے۔۔۔ اور

آپ کو بتا رہی ہے۔۔۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔۔۔  
"کیا بتا رہی ہے۔۔۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔۔۔  
"یہ کہ طریقہ غریب ہے۔۔۔ کو دیکھ کر رنگ بکھرتا ہے۔۔۔" فاروق

مشاہدہ۔۔۔  
"آپ نے دیکھا بالکل۔۔۔ اب یہ مجھے طریقہ کہہ رہے ہیں۔۔۔"

"نہیں اخلاق۔۔۔" پروفیسر داد نے۔۔۔

"نہیں اخلاق۔۔۔"

"کیونکہ اگر اس نے جنہیں  
"ہاں! تمہاری یہ شکایت بجا نہیں۔۔۔"

"کیونکہ اگر اس نے جنہیں  
"ادہ ہاں! یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔۔۔" اس نے فوراً کہا۔۔۔

"آپ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مہم میں اپنے دشمن پر  
"راز کی عطا کردی ہے اور یہ سب ہمارے قابو میں ہیں۔۔۔ تو کیوں نہ ہم

"یہ بات طے کر لیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔۔۔"

"اور۔۔۔" فرائد بہت نرم سے اچھل۔۔۔

"اب اس قدر بھی نہ اچھو کہ سہراں سے ہی باہر اٹھ جائے۔۔۔"

"میں نے حد بتایا۔۔۔"

"نہ کہتے ہیں۔۔۔" مہمان آدائی۔۔۔ یعنی حد سے باہر لگتا۔۔۔"

قادر حق نے منہ بتایا۔

"اچھا بھائی... مان لیا... یہ حد سے باہر نکل گئی... تم زور میں رہو۔"

"یار کیا حد حد لگا رکھی ہے تم نے۔" خانہ دھماکا جمل کے۔  
 "اب کیا کریں انکل... کس قدر مشکل حالات میں سے نکل کر فارغ ہوئے ہیں... کچھ دیر تو انہیں بول لینے دو۔"

"اچھا یہ بات ہے... تو پھر خوب ہنس بول لو... کیونکہ ابی ہمیں یہاں بہت کام باقی ہے۔"

"ارے!" فرزانہ نے پھر اسی قدر بلند آواز میں کہا۔  
 "اوہو... آخر یہ ہو کیا گیا ہے... سہراں میں تو ٹھہر بھی نہیں ہیں۔"

"ایک زور دار خیال... فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو بتا دو... زور دار خیال کے بتانے میں کیا حرج ہے۔"  
 "ہاں اکیوں نہیں... وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے... جس سے پروفیسر آشام ایکورم وغیرہ سے رابطہ رکھتے تھے۔"

"ارے!" ان سب کے منہ سے نکلا پھر ان کی نظریں پروفیسر

آشام ایکورم پر جمیں۔ آشام ایکورم نے ہنس کر کہا۔

"ابی! میں نے یہ بتا کر کہا۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تم اب پھر وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے۔"

جان ایکورم سے رابطے میں نہ رہے ہو۔  
 "ٹرانسمیٹر میں نے آخر وقت میں شک کو اسے دیا تھا۔ تاکہ وہ ان کی طاقت کو سمجھ سکے۔"

"ابی... ہاں... ہم نے شک کی سفاشی تو لی ہی نہیں، خانہ دھماکا اس کے کپڑوں میں ٹرانسمیٹر ہے۔"

خانہ دھماکا نے آگے بڑھ کر شک کے کپڑوں کی خوب اچھی طرح چوٹی لی۔ پھر ان کا سر ہلاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"نہیں بریج... اس کی جیبوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔"  
 "اب پھر پروفیسر آشام کی سفاشی لینے چاہیے۔ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"نہیں... میں نے بہت نہیں بولا... شک نے مقابلہ شروع کرنے سے پہلے اسے کہیں چھپا دیا ہوگا۔"

"سفاشی تو آپ کی لی چاہئے گی۔"



"مشرور نے یس۔۔۔ لیکن فرانسسز میر سے ہاں نہیں ہے  
شک دعوہ ہوتا تو اس سے معلوم کیا جاسکتا تھا۔۔۔ نہ جانے کیا  
کہاں دکھ دیا ہوگا۔"

"خان زمان اتم پروفیسر آشام کی بھی تلاش لے لے۔  
انہوں نے تلاش کی۔ لیکن فرانسسز نہ ملے۔  
"اب فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید کی سوالیہ نظریں اس کی طرف ہو  
گئیں۔

"ہمیں ان کمروں میں تلاش کرنا ہوگا۔ ان کمروں میں پروفیسر  
آشام کا کمرہ کون سا ہے۔۔۔ شک کا کمرہ کون سا ہے۔"  
"ہائل ٹھیک۔۔۔ ہم کمروں کی تلاش لیں گے۔ بلکہ سب کمروں  
کی تلاش لیں گے۔ کیونکہ۔" پروفیسر داؤد کہتے کہتے رک گئے۔  
"اب آپ یہ ایک عدد کیونکہ کہاں سے لے آئے انگل۔" شوکی  
نے حیران ہو کر کہا۔

"جہاں سے تم سب لیکن وغیرہ لے آتے ہو۔" انہوں نے نہ  
بنایا اور سب مسکرانے لگے۔

"اچھا چلیے۔۔۔ لے آئے آپ وہیں سے جہاں سے ہم لے آئے  
ہیں۔ کیونکہ کے بعد آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"راشد کی حالت تو ایسا ہی دھیرہ دھیرہ کم ہو گئی۔ کچھ بھی ایک  
جوشی دل ہے۔ اگر کہیں وہ جی لیا کریں گے تو اس کی تو جرح آدھے  
سوئے آتے تھے، اپنے بھی آتے تھے۔ کیونکہ بہت دن ہو گئے  
ہوئے ہیں۔"

"اس سے ۲۴ گھنٹے ہیں ہوئی۔" سنو ریل خان نے پوچھ کر کہا۔  
"نہی۔ حوس سے۔" شوکی نے فوراً کہا۔  
"اچھا۔ ان واقعات۔" وہ کچھ سر ہلانے۔

"جیسے پھر آپ وہ سچ تلاش کر لیں، ہم فرانسسز تلاش کر لیتے  
ہیں۔"

"اور جہاں ان لوگوں کی عمرانی پوچھ کون رہے گا۔" آصف نے  
کہا۔

"فرانسسز کی تلاش کے لیے سب کو جانے کی ضرورت نہیں  
ہو سکتی ہے۔ لے کر صرف جہاں پروفیسر صاحب رکھتے ہیں۔ کیونکہ  
یہاں ہی معلوم۔ لیکن کس چیز کی تلاش ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میرے ساتھ آگاہ اور کھن چلے جائیں۔"

"نہی آپ ال بھلا نا چاہتے ہیں ساتھ ساتھ۔ لیکن انگل پ

کام تو ہم بھی کر سکتے تھے۔" آصف نے منہ دٹایا۔  
"کوئی سا کام۔"

"بہی... دل بہلانے کا۔"

"اوہ اچھا... تم یہ خیال کر رہے ہو کہ میں جو ان تینوں کو ساتھ لے جا رہا ہوں تو ان کی باتیں سن کر لطف اٹھاؤں گا۔"

"تو کیا یہ بات نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"بالکل نہیں... میری طرف سے آصف، محمود اور شوکی ہیں۔"

"تو ہم سبھی انکل کے ساتھ کیوں نہ جائیں... صرف یہ۔ یہاں رہ جائیں... ان کی مگرانی کے لیے۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے... آؤ بیچ۔"

"چلیے انکل۔"

"ایک بات اور۔" انسپکٹر کامران مرزا بول اٹھے۔

"چلیے... آپ وہ بھی بتا دیں۔"

"تمام کمروں میں سے صرف ایک کمرے کی چھت گری ہے۔"

ایک کمرے کو تم دیکھ لو گے۔ یہیں جہاں کمرے کی چھت گری  
اس کمرے کی چھت کیسے لی جاتے گی... کیا فیروز ہی کمرہ چھت  
کا پرفیسر آٹام گا۔"

"یہ بات تو قیرانل حیران بھی بتا دیں گے۔"

"ہاں کچھ نہیں... میں ساتھ چلتا ہوں۔"

"حیران... تم نے اچھا نہیں کیا... اب مزید برا کرنے چلے ہو۔"

"تم بہت سچی تھے... تم نے سہراں سے دنیا جہاں کے قاتل سے  
دور اب تم ان کے ساتھی بن گئے ہو۔" پروفیسر آٹام نے

"تو آپ بھی میری بات مان لیتے نا... میں نے بھی تو کہا تھا

ان لوگوں کو ہلاک نہ کیا جائے، سہراں سے باہر بھیج دیا جائے۔"

تو آپ نے میری یہ بات بھی نہیں مانی... میں نے بھی تو آخر سہراں

کے لیے ان رات ایک کیا تھا... آپ نے میرا اتنا حق بھی نہ سمجھا...

اب مال دیکھ لیں... کس قدر بے بس کھڑے ہیں... کیا وہ گیا

آپ کے چلے... سہراں بھی اچھ سے گیا اور اب آپ بھی اپنی جان

بے جا کر گئے۔"

نہرے نہیں۔" پروفیسر آٹام نے ہنس کر کہا۔



”کیوں نہیں بھلا۔“

”تم میرا ساتھ دینے والے بن جاؤ۔ پانز اب بھی ہر طرح سے  
سہرا کی ہاگ دور اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ تم کو  
اسی طرح پیش کریں گے۔“

”وہ کیسے پروفیسر۔“ حیرال ہنسا۔

”وہ ایسے کہ۔۔۔ تم ان سب کو ختم کر دو۔۔۔ اور بس۔“

”لیکن میں ان سب کو کیسے ختم کر دوں۔“ کیا یہ اتنا ہی آسان  
کام ہے۔۔۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہو سکا اب تک کہ انسپکٹر جمشید کیا ہیں  
انسپکٹر گامران مرزا کیا ہیں۔۔۔ یہ سچے کیا ہیں۔۔۔ ان کے ساتھی  
ہیں۔۔۔ یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ پروفیسر  
آپ نے دیکھ لیا۔۔۔ ان کے سب سے کمزور ساتھی نے شک کو کیسے نبھایا  
اور گرایا۔“

”ہاں میں نے سب دیکھا ہے۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ  
عجیب و غریب ہیں۔۔۔ لیکن مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ تم ان سب  
بھاری ہو۔“

”یہ بات نہیں پروفیسر آشام۔۔۔ میرا جب بھی ان سے مقابلہ ہو  
یہ لوگ میرے مقابلے میں کبھی بھی ہلکے ثابت نہیں ہوتے۔۔۔

”میرا ہر کام ہوتا ہے۔۔۔ اس کی دانت مجھے گتے کا سامنا کرنے چاہیے۔  
یہ بات ہوگی۔۔۔ لیکن میں بھی قہار سے ساتھ رہوں گا۔۔۔ ہر  
گزشتہ سال میں اب بھی میری طرف آجائے تو یہ بات اب بھی  
اسی ہوگی۔“ پروفیسر آشام کے جذباتی انداز میں کہا۔  
”کیا واقعی۔“ حیرال نے غیب سے انداز میں کہا۔  
”جی ہاں۔۔۔ ان سب نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔۔۔ جیسے کہ۔

”یہ کیا کر رہے ہیں انکل۔“

”اب حیرال ایہ باریک اب بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔۔۔ تم  
دیکھا ہو۔۔۔ دنیا بھر کی پیش و عشرت تمہاری ہوگی۔“  
”ہاں کیا واقعی۔“ اچھا ایک بات بتا دیں۔۔۔“ حیرال نے  
اب بھی غیب سے انداز میں کہا۔۔۔ انہوں نے پھر چونک کر ان کی طرف  
دیکھا۔

”انکل۔“ بچوں کے منہ سے نکلا۔

”یہاں بات ہے سچ۔“ انسپکٹر جمشید نے انہیں ڈانٹا۔

”نہاں مطلب۔“

”یہ بات کر لیں۔۔۔ ابھی دھل ت دو اور یہ بات یہاں

”آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”ایک بات بتاویں پروفیسر آشام۔“

”ہاں جی ہاں کیوں۔“

”اس کے بعد مجھے اس قدر دہروست دشمن اس چوری دیا کہ  
کہاں ملیں گے۔“

”کیا مطلب ... یہ تم نے کیسا سوال کیا پوچھا۔“

”کیوں پر افسر! کیا یہ سوال نہیں ہے۔“

”مطلب یہ کہ تم ان کے دوست بھی ہو... دشمن بھی۔“

”ہاں! یہ میرے بہترین دوست ہیں اور بہترین دشمن ہیں۔“

میں ان کا بہترین دوست ہوں۔۔۔ اور بہترین دشمن ہوں۔"

”جب تم ان کے ملک سے دشمنی پر کالی منصوبہ شروع کرتے

ان دنوں کی نہیں اسے سمجھ گئے۔  
 ابھی سمجھ گئے ہیں تو ابھی اسے سمجھ گئے ہیں  
 ابھی سمجھ گئے ہیں ان کے بغیر وہ ابھی آئے

ان کی روایت میں یہاں ہے کہ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں  
 ان کی روایت میں یہاں ہے کہ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں  
 ان کی روایت میں یہاں ہے کہ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں

یہ کتاب کے لئے لکھی گئی ہے۔

...اور ان کے ساتھ ساتھ ایک اور شخص کا نام مرزا نے لکھا ہے۔  
...اس شخص کا نام ...

...اپنی اہلیا کے منہ سے بھی ہا آواز بلند ہوئی۔ نظر کیا ... اس  
... فیصلہ آسام لے گیا۔

میں نے کہا: "اے خداوند! میں نے اپنے آپ کو بے گناہ نہیں سمجھا۔" اسی وقت پر افسر آشام نے کہا:

”جی جی! تم بھولی گئے ہو۔“

”میں نے کیا بھول گیا ہوں یہ فیصلہ“ جی ال مسکرایا۔

پہلے میں یہ لیسر آشام ہوں۔ آشام۔ یہ دقیر آشام۔

ایک اور ایسا خوفناک قصہ کہ ان سب کے بدن پر لکھنا لازمی ہو

انہوں نے دیکھا۔ چوتھیں آٹھام کی آٹھیس بائیں سرخ ہو گئی

اور اسی پر ایک دہائی جیسے آگے اگل رہی ہوں۔ وہ کہیں

ان وقت پر یہ لکھنا اہم ہے کہ ایک عجیب حرکت کی



"اگرچہ میں اقل ہوں۔"  
اور تم کیا کیا دکھاؤ گے؟ "جبریل نے  
کہا۔

یہ کیا پروا ہے آپ انسان ہیں یا جن۔۔ انسان تو اپنے جسم کو اس  
توڑی بیچ سکتے۔۔ ہاں جنات کے بارے میں سنا ہے کہ وہ اپنے  
نہر پہلے سے چھوڑ اور بڑے سے بڑا کر سکتے ہیں۔ ایک چھوٹی

”ارے باپ رے... یہ پروفیسر آسٹام کو کیا ہو گیا...“

آپ نے پہلے بھی اسے اس روپ میں دیکھا ہے۔ ”شوکی نے باز آواز میں کہا۔

”نہیں... یہ روپ ان کا پہلی بار دیکھ رہا ہوں... اور تم نے  
اور پیچھے ہٹ جاؤ... کیونکہ یہ صرف اور صرف مجھ پر حملہ کرنے کا  
”صرف اور صرف آپ پر کیوں... ہم پر کیوں نہیں  
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”پروفیسر کا سارا کھیل میں نے خراب کیا ہے ... میری وجہ سے  
اس وقت یہ اس صورتِ حال سے دوچار ہے ... لہذا اپنا غصہ مجھ  
اتار دے گا ... لہذا پیچھے ہٹ جائیں ... میں اس کا مقابلہ کروں گا۔“  
”نہیں جبرال ... یہ ہمارا شکار ہے ... اس سے ہم خواہ مخواہ

دو ہفتہ وہیں کے خوف ناک لگے تھا۔

آپ پہلے یہ بتائیں۔ بے ہوش کسی شخص کے ہیں۔  
اسی ہوں تو گوشت پوست کا ہی۔ لیکن میرا گوشت اور

پوست اور رگم آ ہے۔

اور تم کہتے تھک کا بھی تھا۔

اس کا جسم۔۔۔ صرف سخت تھا۔۔۔ کوہے جیسا سخت۔۔۔

نہیں۔۔۔ کہتے تھے رگ گیا۔

بب کہ میرا جسم رگ جیسا ہے۔۔۔ تم میری گردن پر سب مل کر

تھک لگایا۔ میں جنہیں خود اجات ہوں گا۔۔۔ خود کے چاقو سے مجھ

پہاڑ کر لیتے۔ پروفیسر راکم کے کسی کھلونے کو بھی آزما لینا۔ منور علی

مکان کی ہی کو بھی آزما لینا۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آرہی۔ اور خان دھماں

اپنے لوتی گولے کو بھی آزما لیں۔ انسپکٹر جیشید اور انسپکٹر کامران مرزا تم

دونوں اپنی مہارت کو آزما دے لیتا۔ بچہ پارٹی اپنی ترکیب نمبر 13 اور

فول لانا ترکیب بھی میدان میں لے آئے۔ وہ کیا جھال۔ اس کی

موت آگ سے انہوں سے ہو گئی۔ اسے اس کی بقاءات کا جوہر

بچاؤ ہونے لگا۔

کی ہوش میں نہا سکتے ہیں اور پھاڑتے بھی اوسپنے ہو سکتے ہیں۔  
جنگلات تو انسانوں کو نظر ہی نہیں آتے اور پروفیسر آشام تو ہمیں غمناک

ہیں۔۔۔  
"اللہ اپنا رحم کرے۔ آپ کیا جتن ہیں بھی۔" مٹھنی۔

کا پتتی آواز میں کہا۔  
"تم سب کی موت۔۔۔ مجھ پر گولیاں چلا لو۔ کوئی نام پروفیسر

دادو کے پاس ہو تو وہ بھی آزما لو۔ اور شک شک شک تم سے ماہ ذرا

اس جیسے تو میرے ناخنوں میں پڑے ہیں۔"

"ہیں۔۔۔ دکھائیے ذرا اپنے ناخن۔" فاروق نے پوچھا کر کہا۔

اور انہیں اس خوفناک صورت حال میں بھی ہنسی آگئی۔

"ہائیں۔۔۔ تم ہنس رہے ہو۔"

"دراصل ہم میں بس یہی اچھی بات ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم ہر حال میں ہنس لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی

مہربانی سے موت کے منہ میں بھی ہنس لیتے ہیں۔ آپ بھی تو ہمارے

لیے اس وقت موت کا منہ بن چکے ہیں۔"

"فاروق وغیرہ جو کرنا چاہو۔ کر لو۔ تاکہ تمہیں کوئی مسرت



کا بت بن کر رہ گیا تھا... انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تو کہ یہ بازی یہ رخ بھی اختیار کر سکتی ہے... وہ تو اس خیال میں تھے کہ انہوں نے یہ مبہم سر کر لی ہے... ادھر لائن کے اس پار موسم پہنچ چکا تھا۔ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے... انہیں یوں لگ رہا تھا کہ آوازوں کا خواب چکنا چور ہو کر رہ جائے گا... اور وہ پھر سے ایران کے قیدی بن جائیں گے اور پروفیسر آشام بدستور اس دواہی کا حکمران ہو گا... اور یہ سب لوگ اس کے ہاتھوں مارے جائیں گے... ان خیالات کی بنا پر ان کی آنکھیں بے پناہ خوف سے پھل مٹی تھیں... اور پھیلی ہوئی آنکھوں میں مایوسی کے آنسو جھللا رہے تھے...

انسپکٹر جمشید نے ان سب پر ایک نظر ڈالی... پروفیسر آشام کو بھی دیکھا... پھر اپنے ساتھیوں کو دیکھا... اس کے بعد انہوں نے کہا۔  
 "میرے ساتھیو! مایوسی گناہ ہے... ہماری زندگی میں کیسے کیسے طاقت ور لوگ آئے... آج وہ کہاں ہیں... اور پروفیسر آشام جیسے لوگ بھی ہمارے مقابلے میں آچکے ہیں... وہ بھی ہمارے آگے پانی بھر گئے... لہذا آپ لوگ گھبراہٹیں نہیں... ہمارے لیے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں... ہمارا تو چھوٹے سے چھوٹا کارکن اس دیوتا کی خدمت سے مقابلہ کر سکتا ہے۔"

"ہاں!..." پروفیسر آشام نے کہا۔

"پروفیسر صاحب... آپ کو جس چیز کی تلاش ہے... اس کی تلاش کے لیے چلے جائیں... ساتھ میں چھوٹی پارٹی کو لے جائیں... ان ہمارے سے ہم سے مقابلہ کر لیتے ہیں۔"

انہیں جمشید... پروفیسر آشام نے انکار میں سر ہلایا۔  
 "کیا مطلب؟"

"کیا کہا... نہیں جمشید... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کام ہم بعد میں کر لیں گے... تم لوگوں کو عطا چھوڑ کر لیں جائیں گے... مقابلے کے میدان میں رہیں گے۔"

"میں نے تو اس لیے کہا تھا... اس طرح وقت بچ جائے گا۔"

"کوئی پروا نہیں... بعد میں ہمارے پاس کافی وقت ہو گا۔"

انہوں نے کہا۔

"ابھی بات ہے... آپ لوگوں کی مرضی۔"

"یہ تم کیا آگاہی میں باتیں کرنے لگے... میں تم لوگوں کو مہلت دے رہا ہوں... میں تم سب پر حملہ کر رہا ہوں... ایسی کی تھیں میں جاؤ۔"

اور تم سب جاؤ بھلاؤ۔"

"آپ کو کیا پروفیسر آشام! آپ تو گاڑی ادھر لے لیتے ہیں۔"

انہوں نے کہا۔

"میں بہت سی ذہائیں کاظمی بول لیتا ہوں۔ تم اپنی طرف سے ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ کسی جگہ کی طرف گھبراہٹ سے کھوٹنے کے انداز سے ہی وہ خوف زدہ ہو گئے۔" ہاں اگے جیسے وہ لوگ مشین ہو اور جس کا سوچ دبا دیا گیا ہو۔

"ارے باپ رے۔ بھائی تم انسان ہو یا بگولا؟" آہل چل تھا۔

"انسان نما بگولا... فاروق بولا۔

"بب... بلکہ بگولہ نما انسان۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ارے باپ رے... یہ دونوں تو دو دھرم پاتلوں کے نام ہو سکتے ہیں۔" فاروق چٹایا۔

"توبہ ہے تم سے۔ یہاں جان پرستی ہے اور انہیں پاتلوں کے نام سوچ رہے ہیں۔"

"سب لوگ فوراً ادھر ادھر ہو جائیں۔ بگولہ بلا کی رفتار سے آئے گا۔" حیرال نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب انکل... آپ کو کیسے پتا۔"

"کیا کیسے پتا۔" شوکی نے پوچھا۔

"یہ کہ بگولہ بہت تیزی سے آئے گا... کیا آپ نے اسے پہلے

جی ہاں... میں سمجھا ہے۔" DT آپ نے حیران ہو کر کہا۔  
"بگولہ اپنا ہتھیار لگائے۔ یہ تو کوئی ہاتھ آ رہا ہے۔"

"بگولہ کو مٹا دے۔"

"اور آدم ہے۔" امپیکٹر جیسے بولا۔

ابن نے اٹھا۔ بگولہ آپ پہلے سے ہی مگرہ بیڑی سے گردش کر رہا تھا۔ واقعی انسان کے بہانے طوفانی بگولہ نظر آ رہا تھا۔

"ایک ۱۶ پہلے بھی ہم ایک بگولے سے ٹکرائے تھے۔" حیران بولا۔  
"ایک ۱۶ جیسے جیسے۔"

بگولہ بولا۔ "آپ تو اس طرح شکستہ ہیں جیسے حرا لے رہے ہوں۔"

"ہاں تو مرہ لینے میں کیا حرج ہے۔" محمود... فوراً اپنا ہاتھ اٹھائے۔

"ارے..."

"ہاتھ لے لیں۔ لیکن آپ بھول رہے ہیں... اس نے کہا تھا۔"

آزاد لیا محمود کا ہاتھ بھی۔

"مجھے یاد ہے... ٹھیک کر... اور ہاتھ میری طرف اٹھالیں۔"

"ارے..."

"ارے... ہاتھ میں لگ گئے اور وہ سر ہٹا گیا۔" حیران

تھا۔



انہوں نے دیکھا... بکول واقعی سر پر آچکا تھا... وہ گمراہ اور  
ادھر دوڑ لگا گئے... بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جدھر جس کے سینکڑے آدمے  
چلا گیا... آن کی آن میں میدان ان سے خالی تھا اور بکول تھا پھر کیا  
رہا تھا...

"لو بچو! اب لگاتے رہو چکر۔"

"ارے مگر... تم کہاں چھپ گئے ہو۔" بکولے میں سے جیت  
بھری آواز گونجی۔

"میں نے کہا تھا تا مسٹر بکولے... ہم لوگ کوئی عام لوگ نہیں  
ہیں اور جو لوگ ہمیں عام لوگ خیال کرتے ہیں... وہ نقصان میں رہتے  
ہیں... "جیرال کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"حد ہو گئی... مسٹر جیرال! تم بھی تو نظر نہیں آ رہے۔"

"میں بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا ہوں... تلاش کر لیں  
پروفیسر۔" جیرال نے ہانک لگائی۔

اب پروفیسر آشام رک گیا... اس کی گردش بند ہو گئی... کیونکہ  
گردش کے دوران وہ انہیں تلاش نہیں کر سکتا تھا... اب وہ میدان کے  
پتوں بچ کھڑا تھا... اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں... میدان  
میں انہیں کوئی ایک بھی نظر نہ آیا...

مردانہ لہجے سے... اس طرف سے طرف سے چھپ گئے۔  
لوگوں سے لپٹا... کھٹ مٹی سے... "اس طرف سے آگ  
... اس طرف سے پھر آشام کے ماہرین کھڑے تھے۔  
تو تم لوگ ان کی اوتے میں آؤ۔"

"جی جی لیں۔"

"تو کیا ہو انہیں بچھڑا رہا ہوں۔"

"اپنے ماہرین کا کیا کریں گے۔"

"ابو! کو چاہیے... ادھر ادھر ہٹ جائیں۔"

"یہ ادھر ادھر ہٹ جائیں گے تو ہم بھی ادھر ادھر ہٹ جائیں  
گے۔"

"یہ کوئی بہادری نہیں۔"

"ہم بھی جی سکتے ہیں۔" اسٹیلر جشید نے فہم کر کہا۔

"کہا کتنے ہیں۔"

"یہ کہ یہ کوئی بہادری نہیں... لیکن ہم مجبور تھے... ہمارے ایک  
بچہ کو کسی قدر مہلت دینا چاہی۔"

"مہلت... کیسی مہلت؟" پروفیسر آشام چونکا۔

"مہلت... کیسی مہلت... جو ہم نے اپنے ساتھی کو دینا چاہی۔"

"مہلت... کیسی مہلت... جو ہم نے اپنے ساتھی کو دینا چاہی۔"

”میں سمجھا نہیں۔“

”آپ بہت جلد سمجھ جائیں گے۔“ فادوق ہنس۔

”گلتا ہے۔ تم کوئی چکر چلا رہے ہو۔“ فادوق نے کوئی چارچرخ میں چم سے کھونا شروع کرتا ہوں۔ جو بھی میری ذمہ میں آگیا۔ وہ مارا گیا۔ کیونکہ اس صورت میں میرا بدن تیز رفتار کے طرح ہو جاتا ہے۔ تم لوگ کت کت کر رہے گے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”جب تو ہمارے ساتھی نے اچھا کیا۔ ہم سے مہلت مانگی۔“

”مہلت مہلت لگا رکھی ہے۔ بہت ہے تو مقابلے میں نہیں آتے۔“

اسی وقت فضا میں سائیں سائیں کی آوازیں شروع ہوئی اور یہ لمحہ تیز ہونے لگی۔ اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”یہ آتے گئے ہیں مقابلے میں ہمارے دوست۔“

”کہاں ہیں۔۔۔ مجھے تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔“

”کیا آپ سائیں سائیں کی آواز نہیں سن رہے۔“

”وہ تو سن رہا ہوں۔۔۔ لیکن یہ آواز تو اوپر سے آرہی ہے۔“

”اللہ آپ کی بات سن رہا ہے۔“

”اس لیے کہ میں پوری طرح باخبر ہوں۔“

”ان بات تک سائیں سائیں کی آواز ہے۔“

”پھر اچانک ایک رسی اس سے لٹکائی گئی۔ اور پتھر پتھر سے پڑنے لگی۔ یہاں

”پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے اور پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے۔ اور پھر سب نے ایک

”پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے اور پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے۔ اور پھر سب نے ایک

”پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے اور پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے۔ اور پھر سب نے ایک

”پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے اور پتھر پتھر سے لگاتے لگاتے۔ اور پھر سب نے ایک



رہیں گو تاک لیا تھا ... وہ بہت مضبوط تھیں ... وہ کیا یہ سوال کہ انہوں نے یہاں آنکڑے کا بندوبست کہاں سے کیا تھا ... آنکڑے کی جگہ انہوں سونے کا ایک بھاری ٹکڑا باندھ لیا تھا ... بالکل پتھر کی شکل کا ٹکڑا ... یہ لوگ جب پہاڑ پر گئے تھے تو آتے ہوئے بہت سے پہاڑ بڑے ٹکڑے ساتھ لائے تھے ... اس وقت ان میں سے ایک ٹکڑا کام آ رہا تھا اور منور علی خان نے اسے تیار کرنے کی مہلت اس وقت حاصل کی تھی جب سب لوگ ماہرین کے پیچھے چھپ گئے تھے ... اور سب لوگ پروفیسر آشام سے باتوں میں لگے ہوئے تھے جب کہ منور علی خان الہا ری تیار کر رہے تھے ... اور پروفیسر آشام انہی کی ہی کا شکا رہو کر تھا ...

وہ سب پاگلوں کی طرح اس طرف دوڑے ... جہاں پروفیسر آشام جا کر ٹکرایا تھا ... دوڑتے دوڑتے آخر وہ اس جگہ تک پہنچ گئے اور سب ایک لخت رک گئے ... ان کے ساتھ وہ ماہرین بھی آئے تھے ... یعنی آشام کے ساتھی ...

انہوں نے دیکھا ... پروفیسر آشام کا جسم بالکل بکھر گیا تھا ... ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا ... سر پاش پاش ہو گیا تھا ... اور اس کے گرد خون ہی خون پھیلا ہوا تھا ...

... یہ الہام تھا اس کا ... پروفیسر داؤد بڑا اے ...  
... کہ وہ بھی حضور تھا ... بڑا بول بولا تھا اس نے ...  
... سیرا خیال ہے ... اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے ...  
... پروفیسر صاحب آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے ... اس کی تلاش میں  
... کے ضائع کرنے سے یہ بھتر ہے کہ آپ ان کے ماہرین سے اس کے  
... سے میں معلوم کر لیں ...  
... کیا یہ بتا دیں گے ... پروفیسر داؤد بولے ...  
... میں پہلے ان سے بات کر لوں ...

اب دو ان ماہرین کی طرف مڑے ... پھر انہوں نے کہا ...  
... کیجیے ... ہمیں آپ سے کوئی دشمنی نہیں ... ہم یہاں سے نکل  
... جائیں گے ... آپ کو بھی ساتھ لے جائیں گے ... پھر آپ لوگوں کو  
... آپ کے غریبوں میں بھجوا دیں گے ... یہ ہمارا وعدہ ہے ... لیکن شرط یہ  
... ہے کہ آپ لوگ پوری طرح تعاون کریں ...

... سیرا خیال ہے ... ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے ... ساتھ ...  
... یہ ضرورت میں ہم نقصان میں عیا رہیں گے ... یہ ہم سب کو ختم  
... کر آتے ہیں ... یہ بات طوائف نے کہی تھی ...

... قیہ ہے ... ہم ان لوگوں کا ساتھ دیں گے ... ان کی مدد

میرا یہ فیصلہ دیکھ کر اہل کوہ ساھو نے کراہ کر تمام ماہرین کے ساتھ  
 اہل کوہ کے ساتھ چلا گیا۔ وہ ان باتوں کو لے کر دیکھتے رہے۔  
 "فہمی۔"  
 "اور اس کو لے کر وہ میں نہ جانے"

اس نے اپنا ہی کیا۔ ورنہ اس کیوں کہا کہ وہ میں نہ جانے  
 ہوں کہ کس کس سے تک رخصتی ہوگا۔ اس طرح بیٹک  
 کی چوکیا آگیا۔ "نور علی خان نے ہراسا نہ بنایا۔  
 اس نے آگیا کہا جا سکتا۔" نور علی خان نے ہراسا نہ بنایا۔

یہ سب باتیں سن کر وہ بھی ہنس پڑا۔  
 "جی ہاں، یہ سب باتیں سن کر وہ بھی ہنس پڑا۔  
 "جی ہاں، یہ سب باتیں سن کر وہ بھی ہنس پڑا۔"

اب لاہور بھی چمک چمک اٹھ اٹھ آئے۔

میتھ کی کلاسیک ہے یہاں 7 انسانوں کے رنگ

ہے۔ کیا تم نے سنا بھی۔ اسی کے چرے پر ایک رنگ

”جی... میں تیار ہوں۔“ جبرال نے فوراً کہا۔



”اگر ایک دم جا رہا تھا۔“

”میں نے پورے پر۔“ منور علی خان نے بے خیالی کے عالم میں

کہا۔

”وہ جس پڑے۔“

”میرا مذاق ازار ہے ہو۔“ منور علی خان تھوڑے اٹھے۔

”کیا کیا جائے انکل۔“ مجبوری ہے۔“ فاروق نے کسی صورت

حالت۔

”مذاق اڑانے میں مجبوری کہاں سے آچکی۔“ منور علی خان نے

انکھیں لگائی۔

”مجبوری کے آپکے کی بھی ایک ہی کہی ... یہ تو کہیں بھی آپکے

سکتی ہے۔“ فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا چلو بتاؤ ... کیا مجبوری پیش آگئی۔“

”یہاں اڑانے کی کوئی اور چیز نہیں ہے نا انکل۔“

”دھت تیرے کی ...“ منور علی خان نے تھملا کر اپنی ران پر

ہاتھ مارا۔

”اے باپ رے ...“ محمود بوکھلا اٹھا۔

”گنگ ... کیا ہوا۔“ منور علی خان ڈر سے گئے ... اس پر خان

میں نے ایک تہذیب لگایا۔

”آپ کو کیا ہوا۔“ وہ فوراً ان کی طرف مڑے۔

”مہم ... میرا مطلب ہے۔“ بلکہ نہیں۔“ محمود کا مطلب ہے

”نہیں اس کی روح آپ میں تو حلول نہیں کر گئی۔“

”نہیں۔“ منور علی خان نے مارے خوف کے کہا اور اپنا بدن

ٹوٹے گئے۔

”یار منور علی خان ... بدن کو تم ٹٹول تو اس طرح رہے ہو جیسے

روح کو ہاتھوں سے محسوس کر لو گے۔“ خان رحمان ہنسے ... اور منور علی

خان کھانے انداز میں مسکرانے لگے ... پھر انہوں نے کہا۔

”تم سب بڑے وہ ہو۔“

”ہائیں انکل ... آپ خود کو ہم سے الگ کر رہے ہیں۔“

اس پر انسپٹر جمشید اور انسپٹر کامران مرزا بھی ہنس پڑے ...

”اب تم مار کھاؤ گے۔“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”آپ کہتے ہیں تو کھا لیتے ہیں ... دیے تو ہم یہاں کچھ نہ کچھ

کھاتے ہی رہے ہیں ... مثلاً ہم نے خوف بہت کھایا ہے۔“

”پتا نہیں ... اب پروفیسر انکل ... اندر کتنی دیر لگائیں گے۔“

”کتنی دیر ہی کیوں نہ لگائیں ... اب ہمیں کیا جلدی ہے ...“

## سب سے بڑا سوال

”گھبرانے والی کوئی بات نہیں... سب خیریت ہے۔ جس کمرے میں اس وقت پروفیسر انکل اور جیرال انکل ہیں... وہاں کے آلات دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے... اس قدر انتظامات کئے گئے ہیں کہ کیا بتاؤں... انہیں فارغ ہو لینے دیں... پھر ہم سب بھی ان کمروں کو اور ان میں نصب شدہ آلات کو دیکھیں گے۔“

”یہ ٹھیک رہے گا... ہاں تو تم نے انہیں پیغام دے دیا۔“

”بالکل... ان میں سے ایک نے کہا ہے کہ پانچ منٹ بعد لہریں ختم ہو جائیں گی... پانچ منٹ بعد باقی لوگوں کو بھی میدان میں لایا جاسکے گا۔“

اور پانچ منٹ بعد انہوں نے ان لوگوں کو اندر آنے کے لیے کہا... لیکن وہ برابر خوف محسوس کر رہے تھے... کوئی ایک بھی اندر نہ آیا۔

شوکی کی آواز سنائی دی۔

”بالکل ٹھیک... اب ہم اس میدان میں بیٹھ جاتے ہیں... عام لوگوں کو بھی بتھا لیتے ہیں... لہروں کے جال کو اب ختم کر دینا چاہیے... شوکی تم ذرا دوڑ کر جاؤ... اور سہران کے سائنس دانوں سے کہو... وہ میدان میں گردش کرنے والی لہروں کو ختم کر دیں تاکہ یہ سبے چارے بھی ہمارے ساتھ آکر بیٹھ سکیں۔“ انشیکز جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور دوڑ لگا دی... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی... انہوں نے دیکھا... اس کے چہرے پر بلا کی حیرت تھی... لیکن اس حیرت میں خوف شامل نہیں تھا... اب سب کی نظریں اس پر جم گئیں... جیسے پوچھ رہے ہوں... ”ایسا کیا دیکھ آئے ہو۔“

☆☆☆☆☆



"شوکی تم پر جاؤ۔ اور تصدیق کر آؤ۔" فاروق نے کہا۔  
 "پھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ان میں سے کوئی بھی سی ٹکر  
 اندر پھینک کر، کچھ نہیں۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"تو اتنی بات کہنے میں منہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق  
 کا بھی منہ بن گیا۔

"تو تمہارا منہ جو بن گیا ہے۔" شوکی مسکرایا۔

بس بس۔۔۔ لڑنے پڑنا۔۔۔ ہم پہلے ہی لڑنا کر تھک چکے ہیں۔"  
 انیسٹم جیشید نے گہرا کر کہا۔

"جی اچھا۔۔۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں لڑتے۔۔۔ درد لڑنے کا موسم  
 تو بن گیا تھا۔" شوکی مسکرایا۔

"کیا کہا۔۔۔ لڑنے کا موسم۔۔۔ میں اس وقت یہ کہنا چاہتا تھا۔۔۔  
 یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن نہیں کہہ رہا ہوں۔۔۔ بلکہ میں یہ  
 کہوں گا تم شوق سے لڑو۔۔۔ کیونکہ تم تو میرے ایک ہاتھ کی بھی مار  
 نہیں ہو۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھا۔۔۔ یہ بات ہے۔" شوکی نے اسے گھورا۔

"ہاں انہی بات ہے۔" فاروق نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔ تم تو واقعی لڑنے پر عمل رہے ہو۔" آصف

گہرا گیا۔  
 "تو اس میں گہرا جانے کی کیا بات ہے۔" فرحت مسکرائی۔  
 "گہرا جانے کی بات کس میں ہے۔۔۔ میں اس  
 "تو پھر تم بتا دو۔"

میں گہرا ہوں گا۔"

"ہے کوئی تک۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"اچھا چپ۔۔۔ پہلے بے چارے عوام کو اندر آنے دو۔۔۔ آپ  
 "نخا سا سنکر اٹھا کر اس طرف اچھاں دے۔۔۔ تاکہ ہمارے  
 میں کوئی ایک۔۔۔ ننھا سا سنکر اٹھا کر اس طرف اچھاں دے۔۔۔ تاکہ ہمارے  
 پلے، لہریں ختم ہو گئی ہیں یا نہیں۔۔۔ سنکر پھینک کر خود فوراً نیچے بیٹھ  
 جائیں۔"

"جی اچھا۔"

انہوں نے سنکر پھینکا تو وہ واپس نہ گیا۔۔۔ اس کا مطلب تھا،

لہریں ختم ہو گئی ہیں۔۔۔

"اب آپ لوگ بے دھڑک آ سکتے ہیں۔"

وہ سب اچھلتے کودتے شور مچاتے میدان میں آگئے اور آ آ کر ان  
 کے پاس بیٹھ گئے۔۔۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے۔۔۔ آنکھیں چمک  
 رہی تھیں۔۔۔ وہ مستقل اداسی جو ان کی آنکھوں میں صاف نظر آتی تھی  
 ۔۔۔ پر لگا کر اڑ چکی تھی۔

"تو آپ سب لوگ بہت اچھا محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں! اللہ کی ہر بات ہے۔"

"بس... اب ان شاء اللہ بہت جلد ہم واپسی کا پروگرام شروع کریں گے اور آپ سب کو اپنے اپنے ملک بھجوا دیں گے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ان سب نے کہا۔

"پھر پروفیسر صاحب یہاں اپنا کام مکمل کرنا چاہتے ہیں اور بس... پھر واپسی کا پروگرام شروع۔"

"اس سے بڑھ کر ہمارے لیے خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے گھروں میں پہنچ جائیں... یہ خواہش تو ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔"

"لیکن آپ ان لوگوں کا کیا کریں گے۔" ان میں سے ایک نے

ماہرین کے بارے میں پوچھا۔

"ان لوگوں کو... ان کے ملکوں کو بھیج دیا جائے گا... اس

مدارے منصوبے کا اصل مجرم پروفیسر آشام تھا... اور اس کی مدد کی تھی بیگل اور انشارج نے... ان لوگوں کو تو ماہرین ہونے کے ناطے ادھر

ادھر سے جمع کیا گیا تھا... ان کا جرم تو صرف بڑی سے بڑی عیش و عشرت حاصل کرنا ہے... ہم چونکہ ان کی مدد سے یہاں سے آسانی

سے نکل سکیں گے... اور خود انہیں بھی یہاں سے رہائی مل رہی ہے... اس لیے یہ کوئی مڑ بڑ بھی نہیں کریں گے... یہ جگہ تو اب اس قدر نہیں رہ جائے گی کہ یہاں رہا جاسکے۔"

"لیکن... کیسے جناب! آخر یہاں سونے کے پہاڑ ہیں... بیگل اور انشارج اس جگہ کو کیسے اپنے دامنوں سے نکال سکیں گے بھلا۔"

"ہاں! یہ اس وقت کا بہت بڑا سوال ہے... بلکہ وادی ہیران کا سب سے بڑا سوال یہی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں... اس سوال کا جواب کیا ہے۔"

"جواب ہی کی تو تلاش ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے... جب تک جواب نہ مل جائے... ہم

یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

"نہیں خیر... یہ بات تو نہیں... سونے کے پہاڑوں کا مسئلہ

اگر ہم حل نہ کر سکے... تب بھی یہاں سے تو ہم جائیں گے... لیکن

اس صورت میں ہمیں پھر یہاں آنا ہو گا۔"

"لیکن جناب اس وقت تک تو یہاں بیگل اور انشارج پھر سے آ

چکے ہوں گے۔"

"ہاں! یہ سب باتیں ہماری نظر میں ہیں... فی الحال آپ لوگ



انکار کریں۔ پروفیسر داؤد واپس آئیں گے تو کچھ اعزاز ہو گا۔  
 تو تاجان۔ اس وقت تک ہم راکڈوموں کا جائزہ کیوں نہ  
 لے لیں۔ ان میں تیل وغیرہ کیوں نہ بھر لیں۔ تمام راکڈوموں کو تیار  
 حالت میں تو رکھنا چاہیے۔

”یہ کام ہم کر لیتے ہیں۔ آؤ چلیں۔“ انہیوں نے کہا۔

”اور ہمارے لیے کیا ہدایت ہے۔“ ان میں سے ایک نے

پوچھا۔

”آپ سب لوگ یہیں رہیں۔ ہمارے ساتھی آجائیں تو انہیں  
 بتا دیجئے گا کہ راکڈوموں کی طرف گئے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

اب وہ سب اس ست میں چلے۔۔۔ فرزانہ پروفیسر داؤد کے  
 ساتھ پہلے بھی وہاں جا چکی تھی۔۔۔ لہذا وہ سیدھے وہاں جا پہنچے۔۔۔  
 انہوں نے دیکھا، وہاں پورے پندرہ راکڈوم موجود تھے۔۔۔

”بھئی داؤد! آگیا۔“ آصف چہکا۔

”او کیسے آگیا بھلا۔“

”یہ پندرہ ہیں۔“

”تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”ہم بھی پندرہ ہیں۔ ایک ایک کے حصے میں ایک ایک راکڈوم

تہا ہے گا۔“ دو مسکرایا۔  
 ”یہ کوئی کھانے کی چیزیں ہیں کہ ایک ایک لے لیں گے۔“ محمود  
 نے ہلکا کر کہا۔

”مطلب یہ کہ سفر کرنے کے لیے۔“ آصف ہلکایا۔

”اچھا بس چپ رہو۔“ محمود نے منہ بنایا۔

”کیوں بھائی۔۔۔ کیا ہوا؟“

”بلاوجہ آئیں بائیں کر رہے ہو۔“

”ہائیں۔۔۔ یہ میں آئیں بائیں کر رہا ہوں۔۔۔ کیا واقعی۔“ اس

کے لہجے میں حیرت ہوئی۔

”سنو بھی۔۔۔ اس طرف پٹرول پمپ موجود ہے۔۔۔ میرا خیال

ہے۔۔۔ ہم ان میں پٹرول بھر لیتے ہیں۔۔۔ ایک راکڈوم میں تقریباً پندرہ

آدلی آتے ہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ ایک چکر میں صرف

225 آدلی یہاں سے سفر کر سکیں گے۔۔۔ جب کہ ان کی تعداد کم از کم دو

ہزار تو ضرور ہوگی۔۔۔ گویا اس طرح دس چکر لگیں گے۔۔۔ اور یہ کوئی

آسان کام نہیں ہے۔۔۔ اس طرح یہ بہت صبر آزما کام ہو گا۔۔۔ لیکن

بہر حال ہمیں کرنا ہو گا۔۔۔ پھر مسئلہ کالا جنگل سے آگے کا بھی ہو گا۔۔۔

وہرا سڑکا ہنگل تک کا ہی تو نہیں ہے۔ سب لوگوں کو وہاں سے آگے بھی لے جانا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے۔۔۔ کا جگہ پہنچ کر ہم بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

انہوں نے باری باری تمام راکڈوموں میں پٹرول بھریا۔ پٹرول کا وہاں بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ لہذا اس بارے میں انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔۔۔ یوں بھی راکڈوموں میں پٹرول بہت کم خرچ ہوتا تھا۔ اور انہیں پٹرول کے سلسلے میں کوئی پریشانی آنے کی امید نہیں تھی۔۔۔ وہ اس کام سے فارغ ہو کر میدان میں آئے۔۔۔ تو اسی وقت پروفیسر داؤد، جیرال اور باقی ماہرین آتے نظر آئے۔۔۔ اس کا مطلب تھا، انہیں اپنے مطلب کی چیزیں مل گئی ہیں، لیکن دوسری طرف جب انہیں جیرال کی طرف دیکھا تو وہ بہت پریشان نظر آیا۔۔۔ اس پر انہیں بہت حیرت ہوئی۔۔۔ انہوں نے دلی آواز میں انسپکٹر کامران مرزا سے کہا۔

”دیکھ رہے ہیں کامران مرزا۔“

”ہاں ا“ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”پروفیسر خوش ہیں اور جیرال پریشان۔۔۔ جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ اگر پروفیسر صاحب کامیاب لوٹے ہیں تو جیرال کو بھی خوش بنانا چاہیے۔۔۔ تب پھر وہ پریشان کیوں ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ اور یہ بات خطرے کی گھنٹی ہے۔ لہذا پہلے

ہیں خطرے کی اس گھنٹی سے نبٹنا چاہیے۔“

”ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ پہلے صرف پروفیسر کو اپنی طرف بلائے

جیں۔۔۔ جیرال سے بعد میں بات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید غیر محسوس طور پر پروفیسر داؤد کے پاس گئے اور انہیں کانٹے سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔

”کیا بات ہے پروفیسر صاحب۔۔۔ خیر تو ہے۔“

”بالکل خیریت ہے۔۔۔ جن جن چیزوں کی مجھے تلاش تھی۔۔۔ وہ

سب مل گئی ہیں۔۔۔ ایک بڑے بیک میں وہ سامان لایا جا رہا ہے۔“

انہوں نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ ان میں سے دو آدمی

سامان کا بیک اٹھائے چلے آ رہے تھے۔۔۔

”لیکن جیرال ہمیں خوش نظر نہیں آ رہا۔۔۔ بہت پریشان دکھائی

دے رہا ہے۔“



"اور ہوا چھا۔ میں نے تو یہ بات محسوس نہیں کی۔"

"آپ کی نظر ابھی جاسوسی نظر نہیں بن سکی۔"

"ہاں! یہ تو خیر ہے۔ میں اپنے کاموں میں الجھا رہتا ہوں۔"

"۔"

"کوئی بات نہیں... آپ باقی ساتھیوں کے پاس چلیں۔"

"جیرال سے بات کرتا ہوں۔ کیا یہ آپ کے ساتھ درست انداز میں

ہے؟"

"ہاں پوری طرح معمول پر رہے ہیں۔ انہوں نے کوئی گز بڑ

نہیں کی۔"

"ابھی بات ہے... آپ چلیے۔"

"اب وہ غیر محسوس طور پر جیرال کی طرف بڑھے... اور اس کے

ساتھ لگ کر چلے گئے... پھر انہوں نے سرگوشی کی۔"

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں... مسٹر جیرال۔"

"اس میں شک نہیں۔" جیرال نے خشک انداز میں کہا۔

"اور اس کی وجہ؟"

"وجہ مجھے معلوم نہیں... اسی لیے تو میں پریشان ہوں، اگر وجہ

معلوم ہو جاتی تو پھر پریشان نظر نہ آتا۔"

"اور۔" یہ تو مشکل بات ہو گئی... خیر... ہم آپ کی پریشانی

کی تلاش لے لیتے ہیں۔"

"کیا کہا آپ نے... پریشانی کی تلاش؟"

"ہاں! میرا مطلب ہے... آپ کی پریشانی کی وجہ معلوم کرنے

کی کوشش کر لیتے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں... کر لیں تلاش۔" جیرال زبردستی

منکرا ہوا۔

"آپ نے یہ پریشانی کس وقت محسوس کرنا شروع کی؟"

"جو نہیں ہم ان کمروں میں داخل ہوئے... میں پریشان ہو گیا۔"

اس نے بتایا۔

"خوب! اور ان کمروں سے واپس آ جانے کے بعد بھی پریشانی

موجود ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

"پروفیسر صاحب نے جو چیزیں جمع کی ہیں... ان کے بارے

میں آپ کو معلوم ہے... یعنی ان کے جمع کرنے کا مقصد آپ کو معلوم

ہے۔"

"نہیں! میں نہیں جانتا... وہ کیا چیزیں ہیں اور وہ ان کا کیا





## ہڑ بونگ

انہوں نے ایک نظر جہاں پر ڈالی ... اس کے چہرے سے اب پریشانی کے بادل چھٹ گئے تھے ... گویا یہ بات بتاتے ہی وہ پرسکون ہو گیا تھا ... چنانچہ انہوں نے کہا۔

”بس ٹھیک ہے ... ہم اسے چیک کر لیں گے ... آپ فکر نہ کریں۔“

یہ ساری بات چیت اس انداز میں ہوئی تھی کہ ماہرین میں سے کسی نے کوئی بات محسوس نہیں کی تھی ... اب انہوں نے کہا۔

”کیا رہا پروفیسر صاحب۔“

”کامیابی میں کچھ وقت اور لگے گا۔“

”تو کیوں نہ ہم ان سب حضرات کو کالا جنگل تک بھیجے گا

پروگرام شروع کر دیں ... کیونکہ اس کام میں بہت وقت لگے گا ... یعنی

گی دن لگ جائیں گے ... یہاں دو ہزار کے قریب لوگ موجود ہیں ...

ایک راکڈوم میں چند آدمی سفر کر سکتے ہیں اور چند راکڈوم ہیں ... ایک طرح اگر چند راکڈوم روانہ کیے جائیں ... تو ایک اس طرح اگر آدمی جائیں گے ... گویا وہ چکر لگیں گے ... ایک رات میں سوا دو سو آدمی جائیں گے ... گویا ... سولہ گھنٹوں میں دو سو آدمی چکر میں تقریباً سولہ گھنٹے لگیں گے ... اس طرح کل 160 گھنٹے لگیں گے ... ایک اس طرف جائیں گے ... اس طرح کل 160 گھنٹے لگیں گے ... اس کا مطلب ہے ...

”سانہ گھنٹے کے تقریباً سات دن بنتے ہیں ... اس کا مطلب ہے ...

ہیں ایک ہفتہ کم از کم لگے گا کالا جنگل تک پہنچنے میں ... کھانے اور پینے کا بہت سامان یہاں موجود ہے ... وہ ہم ہر چکر میں ساتھ لے جائیں تاکہ جنگل میں رہنے کے دوران اس خوراک سے کام چلایا جا سکے ... اس طرح یہ ایک کافی طویل کام ہو گا اور صبر آزما بھی ... ابھی آگے کا مرحلہ بھی ہے ... یعنی کالا جنگل سے کسی دوست ملک جانا ... اس لیے یہ کام شروع کرتے ہیں ... آپ سب لوگ صبر کا مظاہرہ کریں گے ... اور سکون کا بھی ... آپ لوگوں کے اطمینان کے لیے یہ بات کہے دیتے ہیں کہ ہم آخر میں یہاں سے جائیں گے ... اس لیے امید ہے کہ آپ بد نظمی نہیں کریں گے ...“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے سب کی طرف دیکھا ...

”آپ فکر نہ کریں ... ہم آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے ...

یہ کیا کم ہے کہ آپ ہمارے لیے اتنا کر رہے ہیں۔"

"ہنر ٹھیک ہے۔ ہمارے ساتھی راکنہم ادا لیتے ہیں۔ ہر  
انہی طرح نہیں ادا کئے۔ انہیں ابھی تربیت دے دیتے ہیں۔ ایسے تو  
ان سب پر منزل پہلے ہی مقرر ہے۔ یہ یہاں سے سیدھے جگہ  
جائیں گے اور وہاں جگہ سے واپس آئیں گے۔ البتہ وہاں جا کر فرق  
یہ کہ اس گہری پہاڑی وادی میں اتارنے کے بجائے جنگل میں اتاریں  
گے۔ جن ماہرین نے یہ منزل مقرر کی ہے۔ وہ ان میں اب یہ  
تجربہ کر دیں۔ کون ہیں اس کام کے ماہر۔"

ان میں سے پانچ ماہرین آگے آگئے۔ انہوں نے اطمینان کا  
سانس لیا۔ ان میں طولان باریسی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمارے پروفیسر داؤد صاحب کی نگرانی میں آپ  
یہ کام کر لیں۔ تاکہ واپسی کا سفر شروع ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔"

اد پروفیسر داؤد انہیں لے کر چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انسپکٹر  
کامران مرزا کو بھی ساتھ کر دیا کہ وہ کسی قسم کی کوئی گزیر کا ارادہ رکھتے  
ہوں۔ تو وہ ان سے ہٹ لیں۔

"دوستو۔۔۔ ہمیں ایک بار پھر کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

بجوری ہے۔"  
کوئی بات نہیں جناب کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم نے تو خواب میں

بھی نہیں سوچا تھا کہ رہائی کے لمحات ہماری زندگیوں میں آسکتے ہیں۔  
ہم تو اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔"  
"ٹھیک ہے۔۔۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے۔۔۔ کم ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد انہوں نے اس طرح چونک کر کہا جیسے اچانک  
کوئی بات یاد آئی ہو۔۔۔  
"ایک کام تو رہ ہی گیا مسٹر جیرال۔۔۔ ہمارے دوست۔"

"اور وہ کیا؟"

"آجے میرے ساتھ۔"

انہوں نے جیرال کا ہاتھ تھام لیا۔ لیکن پھر کسی خیال سے رک  
جئے۔ انہیں خیال آیا تھا کہ طولان باریسی یہاں موجود ہے۔۔۔ اور  
چھوٹی پارٹی کو طولان والی بات معلوم نہیں۔۔۔ یہ سوچ کر وہ محمود کے  
قریب سے گزرے اور سرگوشی کے انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ  
گئے۔

"طولان پر نظر رکھنا، خاص طور پر یہ دیکھتے رہنا کہ کہیں ان

لوگوں سے الگ نکل کر نہ جائے۔"



”اوہ!“ جیرال حیران رہ گیا۔

”اور اگر ایسا ہی ہے... تو پھر ٹرانسمیٹر اس کی جیب میں ہے اور دوسری وقت بھی ایکورم سے رابطہ کر کے یہاں کے حالات کی خبر کر سکتا ہے...“ انہیں جیرال... جلدی کریں... ہم نے غلطی کی

طواریکوان کے درمیان چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”لیکن انسپکٹر جمشید... آپ انہیں خبردار کر تو آئے ہیں۔“

”ہاں! اللہ کرے وہاں حالات جوں کے توں ہوں۔“ دونوں تیز تیز قدم چلتے واپس میدان میں آ گئے... وہاں حالات جوں کے توں ہی تھے... یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... تاہم اب پریشانی والی بات یہ تھی کہ وہ ٹرانسمیٹر ان کے خیال کے مطابق طواریکوان کے پاس تھا... آخر انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محمود کو پیغام دیا... محمود ان کے پاس سرک آیا... انہوں نے دوسروں کو ادھر ادھر کی باتیں شروع کرنے کا اشارہ کیا تو آفتاب بول اٹھا...

”شکر یہ بھی... سبھی کو مبارک ہو۔“

”یہ اکیلے اکیلے کیسی مبارک باد دی جا رہی ہے اور لی جا رہی

ہے۔“ فاروق نے نزدیک آتے ہوئے برا سامنے بنا کر کہا۔

”تم بھی آکر لے لو... کوئی پابندی نہیں ہے۔“

محمود نے غیر محسوس طور پر سر ہلا دیا... اب انسپکٹر جمشید جیرال کو ساتھ لیے سفید عمارت کی طرف بڑھے... جب سب لوگ نظر دوں سے اوجھل ہو گئے... انہوں نے کہا۔

”اس کمرے میں چلیں... جس میں طواریکوان میز سے ٹکرایا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔“

دونوں جلد ہی اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

”ہو سکتا ہے... یہ کمرہ طواریکوان کا ہو۔“

یہ کہہ کر وہ اس میز کے نزدیک آ گئے... انہوں نے اس کی درازیں کھول کر دیکھیں... ان میں مختلف چیزیں بھری ہوئی تھیں... میز پر پیغام رسائی کے آلات نصب تھے... یہ آلات تو خیر انہیں ہر کمرے میں نظر آتے تھے... یہ ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کے آلات تھے۔

”آپ کو آخر تلاش کس چیز کی ہے۔“

”اس ٹرانسمیٹر کی... جس کے ذریعے پروفسر آشام ایکورم سے

بات کرتا تھا... اسے ہاں... ایک اور خیال آیا ہے... ہو سکتا ہے، یہ کمرہ پروفسر آشام کا رہا ہو اور طواریکوان کو یہ بات معلوم ہو اور اس نے

میز کی دراز سے وہ ٹرانسمیٹر نکالنے کی کوشش کی ہو۔“

"تب تو پھر ہم بھی آجاتے ہیں۔" آصف نے فوراً کہا۔

"دیکھا۔ ذرا جو یہ مبر کر لیں۔" مکھن نے بھٹکا کر کہا۔

"اور تم۔ تم بڑے مبر کرنے والے ہو۔" آفتاب نے ہنسنے لگا۔

کر کہا۔

"میرے منہ نہ لگنا۔ ہاں۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"تو اور کس کے منہ لگوں یہاں۔"

"یہاں اور تھوڑے ہیں۔"

"لگتے ہیں۔۔۔ آج فاروق کا ہم سب کے ہاتھوں مار کھانے کا

ارادہ ہے۔" آصف چنچا۔

"تم۔۔۔ تم اور مجھے مارو گے۔۔۔ تم تو مجھے ہاتھ ہی لگا کر دکھا

دو۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔۔۔ لو ہم آ رہے ہیں اور اب تو لگے ہاتھوں

تمہاری رہ گئی بھی کریں گے۔"

"اے بڑے رنگریز کے بچے۔"

"ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔ تم نے میرے انکل کو رنگریز کہا۔۔۔ تمہاری

یہ ہمت۔۔۔ یہ کہتے ہی آصف نے فاروق کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔

فاروق ہلچک کر بھاگا۔ اور چلا یا۔

"تم اور مجھے پکڑ لو گے۔۔۔ ناممکن۔"

"مگر یہ بات ہے تو ہم بھی آ رہے ہیں۔۔۔ تمہیں پکڑنے کے

لیے۔ ہاں نہیں تو اور کیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سب فاروق کی طرف دوڑ پڑے۔۔۔

اسی بھاگ دوڑ میں انسپکٹر جمشید نے محمود سے پوچھا۔

"طوائف نے ادھر ادھر ہونے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"جی ہاں! کی تھی، وہ الگ جا رہا تھا مگر میں نے چونکہ اس پر

نظر رکھی ہوئی تھی اسی لیے میں بھی ٹہکتا ہوا ادھر چلا گیا۔ تو وہ تھوڑا سا

گڑبڑا سا گیا تھا۔" محمود بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کے پاس ٹراسمیٹر نما کوئی چیز ہے، اب

میں چاہتا ہوں کہ اس میں سے ہم اس کی بیٹری یا انٹینا نکال لیں تاکہ

دو کام کرنے کے قابل نہ رہے۔۔۔ مگر رہے اس کی جیب میں ہی۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے اسی ہڑبونگ میں کھس کر میں جاتا ہوں اس تک۔"

یہ کہہ کر محمود چلا یا۔

"فاروق میں آ رہا ہوں تمہاری مدد کو۔۔۔ خود کو اکیلا نہ سمجھنا۔" یہ

کہتے ہی محمود بھی اس طرف دوڑ پڑا۔ محمود کو گویا پر لگ گئے تھے۔۔۔



اڑا جا رہا تھا۔ ایسے میں اچانک اس کا رخ ان باہرین کی طرف ہو گیا۔ وہ پہلے ہی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ انہیں ہو کیا گیا ہے... اور پھر وہ ان کے درمیان گھس گئے۔ کوئی ادھر سے گھسا تو کوئی ادھر سے، کوئی ادھر سے نکلا تو کوئی ادھر سے... ایسے میں فرزانہ طولان ہار بیسی سے اس بدی طرح ٹکرائی کہ وہ دھڑام سے گرا... ساتھ ہی فرزانہ بھی دھڑام سے اس پر گری۔ اس کے پیچھے فرحت تھی... اس نے بھی ان سے ٹھوکر کھائی اور دھڑام سے فرزانہ پر گری۔

اتنے میں محوہ دوسری طرف سے ان کی طرف آیا اور ان کے نزدیک ہی ٹھوکر کھا کر گرا... دوسری طرف سے آصف آرہا تھا... وہ بھی گرا۔

"ارے ارے... یہ کیا ہو رہا ہے... میرا دم گھٹ جائے گا۔"

طولان باہر سے گھبرا کر کہا۔

"تم لوگوں نے سنا نہیں... مسٹر طولان نیچے دب گئے ہیں اور ان کا سانس گھٹ رہا ہے... فوراً ان کے اوپر سے ہٹ آؤ۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"مالائق کہیں کے۔" خان رحمان نے جھٹکا کر کہا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ طولان کے اوپر سے اٹھے... اب ان سب کے چہروں پر شرمندگی تھی... ادھر طولان کا چہرہ مارے ٹھٹھے کے سرخ تھا۔

"آخر یہ سب کیا تھا۔"

"یہ ہڑبونگ تھی... ہم لوگ اسے ہڑبونگ کہتے ہیں... کبھی کبھار یہ ہڑبونگ ہمیں آتی ہے... ہم سب اس کا بری طرح شکار ہو جاتے ہیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"اور ساتھ میں دوسروں کو بھی اس ہڑبونگ کی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔" اس نے بھٹا کر کہا۔

"ہم... معافی چاہتے ہیں... بس آپ آگے لپیٹ میں۔"

وہ برا سامنے بنا کر رہ گیا... ادھر انسپکٹر جمشید نے جلتے کئے انداز میں کہا۔

"میں تم لوگوں کی ان بے کار کی حرکتوں سے تنگ آ گیا ہوں... چلو اب ادھر آ جاؤ... وہاں کھڑے کیا منہ تک رہے ہو ایک دوسرے کا۔"

"جج... جی اچھا۔"

وہ جلدی سے اور بوکھلائے ہوئے انداز میں ان کے پاس

آگے آئے بھی کچھ اس انداز میں کہ محمود تو انسپٹر جمشید سے گرا بھی گیا۔ اور اسی وقت چپکے سے اس نے کوئی چیز انسپٹر جمشید کی بیب میں ڈال دی۔ اور انسپٹر جمشید سمجھ گئے کہ وہ کامیاب ہوتا ہے۔  
 "کوہو... کیا ہو گیا ہے بھی... ڈرا سنبھل کر..."  
 "آپ کا مطلب ہے... یہ سنبھل کر آپ سے ٹکرائے..." آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"دھت تیرے کی..." انسپٹر جمشید نے تھوڑا کر کہا۔  
 "جی واہ! یہ ہوئی بات..." محمود خوش ہو گیا۔  
 "کیا مطلب... کیا بات ہوئی..."  
 "اب جان بھی دھت تیرے کی کہنے لگے..."  
 "جہ ہوگی..." منور علی خان نے فوراً کہا۔  
 "اور اگل جہ ہوگئی کہنے لگے..." آصف مسکرایا۔  
 "تو یہ ہے تم سے..." خان رحمان نے چیخ کر کہا۔  
 "اور اگل..."

"چپ..." انسپٹر جمشید چلائے۔  
 وہ سب ہم گئے...

"خبردار جواب کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا..."

اسی وقت پروفیسر داؤد نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش بنائے گا۔  
 "پھر انہوں نے کہا۔  
 "اب واپسی کا پروگرام شروع کر دیا جائے..."  
 "بہتر پروفیسر..."

آخر کار واپسی کا پروگرام شروع ہوا... پندرہ راکٹروں میں 225 آدمی سوار ہو گئے اور ان کے دس ساتھی اور پانچ ماہرین انہیں لے کر روانہ ہو گئے... ان میں سے وہاں صرف انسپٹر جمشید، انسپٹر کامران مرزا، خان رحمان، پروفیسر داؤد رہ گئے... منور علی خان کو پہلی کپ کے ساتھ اس لیے بھیجا گیا تھا تاکہ جنگل میں وہ ان کے ساتھ رہیں... پہلی کپ کو روانہ کرنے کے بعد انسپٹر جمشید نے پروفیسر صاحب سے کہا۔

"آپ اپنا کام شروع کر دیں..."  
 "اچھی بات ہے... مجھے بھی پھر اپنے ساتھ کچھ ساتھیوں کو لے جانا ہو گا..."

"ہاں! آپ خان رحمان کو اور بچوں کو لے جائیں... میرا اور انسپٹر کامران مرزا کا یہاں رہنا بہت ضروری ہے..."  
 "اچھی بات ہے..."



دلوں بہت دور آگئے۔ تاکہ ان کی آواز کوئی اور نہ سنے۔ وہ ابھی تک بہت احتیاط کر رہے تھے۔ اگرچہ اب کوئی قدم دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

انہوں نے اپنی گھڑی پر ایک من دیا یا... کچھ دیر ساں ساں کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک بار ایک سی آواز ابھری۔

”یس سر... بہت خوشی ہو رہی ہے۔“

”کیوں؟“

”آپ کی کال دیکھ کر۔“

”اوہ اچھا... ہم ادھر آچکے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... ہم یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں... شاید ایک

گھنٹے سے بھی کم وقت میں ادھر آجائیں گے۔“

”بہت خوب!“

اور پھر ایک گھنٹے بعد انہوں نے ایک بحری جہاز کو آتے دیکھ

لیا... ان سب کے چہروں پر خوشی کے آثار پھیل گئے... وہ دو ہزار

نیدی بری طرح اچھلنے کودنے لگے... اب انہیں اپنی منزل واقعی قریب

نظر آنے لگی... کیونکہ جہاز دیکھنے سے پہلے وہ مسلسل الجھن میں رہے

تھے... اب آنکھوں میں امید ہی امید تھی... رونق ہی رونق تھی

اور پھر وہ جیہٹوں میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس طرح وہ پورا ہفتہ مصروف رہے۔ پروفیسر دادو کا کام بھی لمبا تھا اور لوگوں کو کالا جنگل پہنچانے والا کام بھی پیچیدہ سا نہیں تھا۔ آخر ایک رات بعد پروفیسر دادو نے اپنا کام مکمل کر لیا اور تقریباً سبھی لوگ کالا جنگل پہنچ گئے۔ اب صرف وہ لوگ رہ گئے تھے... طولان ہارسی کو انہوں نے سب سے آخری کھیپ میں بھیجا تھا۔ اب انہوں نے راکنڈوم میں بیٹھ کر دادی بہران کو خدا حافظہ کہا۔ انسپکٹر جمشید نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے

”اللہ حافظ اے دادی بہران... امید ہے، ہم زندگی میں پھر یہاں نہیں آئیں گے۔“

اور پھر راکنڈوم پر واز کر گیا... پورے آٹھ گھنٹے کے سفر کے بعد... آخر وہ کالا جنگل پہنچ گئے... کالا جنگل میں حالات پر سکون تھے... وہاں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں تھی... البتہ انتظار کی کیفیت نے ان سب کو پریشان کر دیا تھا... انہیں دیکھ کر سب کے چہروں پر رونق آگئی۔

”ہم دوستو! اب زیادہ وقت نہیں لگے گا... کامران مرزا تم میرے ساتھ آؤ... سب لوگ یہیں ٹھہریں۔“

سب دوڑتے ہوئے ساحل پر آگئے۔ ادھر سے لائنیں اٹارسی چا چکی تھیں۔ جو کنارے کا رخ کر رہی تھیں۔ اب ان سب کا لائنوں میں بیٹھ بیٹھ کر جہاز تک پہنچنے کا مرحلہ شروع ہوا۔ یہاں تک کہ سب لوگ جہاز پر چلے گئے۔ سب سے آخر میں یہ لوگ لانچ کے ذریعے جہاز کے فرش پر پہنچے۔ اور اب ان کا سمندر میں سفر شروع ہوا۔ انیسویں جمادی الاولیٰ ہیران کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ہی یہ تمام انتظامات کر کے گئے تھے۔ جہاز کو کالا جنگل کے آس پاس ہی رہنا تھا۔ اور اس انتظام میں سلطان برنائی کے ایک ایسے دوست ملک کی مدد شامل تھی جو مسلمانوں کا بہت ہمدرد تھا۔ اور اس کے دوستانہ تعلقات غیر مسلم ممالک سے تھے۔ یہ ہمدردی بہت خفیہ قسم کی تھی۔ یہ جہاز اسی ملک کا تھا۔ اور اس کے کپتان کے پاس ان کے ملک تک جانے کے کاغذات تھے۔ لہذا راستے میں کسی پریشانی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گویا انہوں نے پہلے ہی پروگرام طے کر لیا تھا۔ اور اندازہ لگا لیا تھا کہ ایسا ہونے کے امکانات ہیں۔ اب ان کا سفر سمندر میں شروع ہوا۔ جہاز پر ہر قسم کا اسلحہ لوڈ کر لیا گیا تھا۔ گویا جہاز پر حملہ ہونے کے امکانات موجود تھے۔ بحری ڈاکو بھی حملہ کر سکتے تھے۔ اسی لیے وہ ہیران سے تمام اسلحہ ساتھ لائے تھے اور اب یہ جہاز ایک جنگی جہاز

سے کم نہیں تھا۔ اور ایک دو ماہ تک آسانی سے جنگ کر سکتا تھا۔ یوں بھی عام اسلحے کے مقابلے پر اس پر وہ اسلحہ لوڈ کیا گیا تھا جو جنگ اور جہاز جیسے لوگوں کو دیا گیا تھا۔ ان میں وہ راکٹیں بھی تھیں جن سے نشانہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ جس سے نکلنے والی گولیاں چاروں طرف پھیل کر آگے جاتی تھیں۔ ان حالات میں اس طرف سے بے فکر تھے۔ حملہ ہونے کی صورت میں وہ بہت آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ بلکہ مقابلے میں آنے والے جہاز پر قبضہ کرنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

اللہ کا نام لے کر وہ روانہ ہوئے۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ کسی طوفان وغیرہ کے آثار نہیں تھے۔ تاہم طوفان آجاتا تو اس کے لیے بھی جہاز میں ضروری سامان موجود تھا۔ ایک ہفتے کے سفر کے بعد انیسویں جمادی کی گھڑی اس قابل ہو گئی کہ اپنے ملک کی لہریں کیچ کر سکے۔ ایسا ہوتے ہی انہوں نے صدر کا نمبر ملایا۔ سلسلہ ملتے ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی۔

”خدا کی پناہ جمشید! اس بار تو تم نے ہمیں سکھا دیا۔ میرا مطلب ہے۔ انتظار کرتے کرتے ہم تو سوکھ ہی گئے تھے۔“

”اللہ کی مہربانی سے ہم اپنے ملک کی سمندر کی حدود میں داخل



ہو گئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہم مکمل طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ پوری کہانی تو ہم آکر سنائیں گے۔ اب سونے کے سکوں کی بارش کرنے والے جہازوں کا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔  
 "اللہ کا شکر ہے۔ قوم تم لوگوں پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔"  
 "سرا آپ ایسی بات نہ کہیں۔ شرمندگی ہوتی ہے۔"  
 "اچھا جشید... کامران مرزا اور باقی لوگو... ہم تم لوگوں کا والہانہ انداز میں انتظار کر رہے ہیں... اور آپ ساحل پر ہمیں پائیں گے۔"

"ہمارے ساتھ سہران کے ماہرین بھی ہیں... اور عوام بھی... ان سب کے لیے بڑی گاڑیوں کا انتظام کرنا ہو گا... یہ تقریباً دو ہزار ہیں۔"

"کوئی فکر کی بات نہیں... ان سب کو کہاں لے جایا جائے؟"  
 "پہلے تو انہیں کسی ہوٹل میں ٹھہرایا جائے گا... پھر باقاعدہ ایک قریب منعقد کی جائے گی... یہ تقریب تمام ٹی وی چینل دکھائیں گے... پھر قریب کے بعد ان لوگوں کو ان کے ملکوں میں بھیجنے کا انتظام کیا جائے گا۔"

"یہ سب ہو جائے گا... کیا وہ لوگ دوبارہ واپس اس پر قبضہ

نہیں کر لیں گے... ہماری سب سے بڑی الجھن تو یہ ہے۔"  
 "اس میں شک نہیں... وہ پھر سے سہران پر بہت آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں۔"

"اوہ... اوہ... تب پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جشید... کہ تم مکمل طور پر کامیاب رہے ہو... ہاں یہ کامیابی اس حد تک ضرور ہے کہ تم ان لوگوں کو وہاں سے نکال لائے ہو... لیکن وہ لوگ پھر اپنا کام شروع کر دیں گے، ایک دن پھر سہران سے سونے کے سکوں والے جہاز اڑیں گے اور سکوں کی بارش شروع کر دیں گے..."  
 "اس پہلو پر ہم سوچتے رہے ہیں... ہمارے ذہنوں میں جو باتیں ہیں وہ ہم آکر بتائیں گے... لہذا آپ کو کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔"

"انتظار... انتظار کی کوئی بات نہیں... وہ تو ہم پہلے ہی کرتے رہے ہیں... کچھ اور کر لیں گے... لیکن ذہن بہت الجھے ہوئے ہیں... اگر ان لوگوں نے پھر سے سہران پر قبضہ کر لیا تو بات تو وہیں آجائے گی۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن آپ ہمیں پہنچنے تو دیں۔"  
 "اچھی بات ہے جشید... انہوں نے کہا اور ادھر سے فون بند

کر دیا گیا۔

ان کا سفر غیر امانیت کے ساتھ جاری رہا۔ آخر وہ اپنے ملک کے ساحل کے قریب پہنچ گئے۔ ساحل پر ایک ایسا ان کے استقبال کے لیے آئی ہوئی تھی۔ جہاز کے نظر آنے کے بعد ہی سے ان سب نے پر جوش انداز میں ہاتھ ہلانے شروع کر دیے تھے۔ اب جوں جوں جہاز ساحل سے قریب ہو رہا تھا۔ ان کے جوش میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ پھر جہاز نے نظر ڈال دیے۔ کنارے سے اس جگہ تک۔ جہاں جہاز آکر رکھا تھا، ٹکڑی کے بڑے بڑے تختے بچے ہوئے تھے۔ فوج اور پولیس نے عوام کو بالکل الگ ایک طرف کھڑا کیا تھا۔ اس طرف صرف سرکاری افسران تھے۔ ان میں صدر اور چند بڑے لوگ ان تینوں کے ذریعے جہاز تک پہنچے اور سب لوگوں سے مل گئے۔ ان سب کو مبارک باد گئی۔ پھر جہاز سے اترنے کا عمل شروع ہوا۔ سب سے پہلے ماہرین کو اتارا گیا۔ ان کے بارے میں پہلے ہی انسپٹر جمشید ہدایات دے چکے تھے۔ کہ انہیں زبردست نگرانی میں لے جایا جائے گا۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے باوجود انسپٹر جمشید ان کے ساتھ اترے اور اس بڑی گاڑی تک گئے۔ جس میں انہیں لے جایا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی بیٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد عوام کو اتارا گیا۔ انہیں کئی بڑی گاڑیوں میں بٹھا کر محفوظ مقام تک لے جایا گیا۔ آخر میں انسپٹر جمشید اور باقی ساتھی اترے۔ ان سب کو براہ راست ایوان صدر کے ایک بڑے ہال میں لایا گیا۔ یہ ہال تقریبات کے لیے خاص تھا۔ اب جو پروگرام بھی ہونا تھا۔ وہیں ہونا تھا۔

انسپٹر جمشید اور ماہرین کو بھی وہیں لے آیا گیا۔ کیمرے آن گئے۔ اس جگہ سے پورے ملک کو ہی نہیں۔ پوری دنیا کو یہ پروگرام دکھایا جاتا تھا۔ پھر انسپٹر جمشید کی آواز کو منجھے لگی۔ پرسکون آواز۔ دلوں میں اترتی آواز۔ اور سب کو متاثر کرنے والی آواز۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"میرے وطن کے لوگو! اور مسلمان ممالک کے لوگو اور اسے وہ لوگوں۔ جو مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی صورت کسی نہ کسی طریقے سے، کسی نہ کسی سازش کی صورت میں سرگرم رہتے ہو۔ میں آج تم سب سے مخاطب ہوں اور بتانا چاہتا ہوں۔ اسلام امن کا پیغام ہے، سلامتی کا پیغام ہے۔ محبت کا پیغام ہے۔ خدا کے لیے اسلام کو سمجھو۔ کیوں اسے مٹانے پر تلے ہو۔ یاد رکھو۔ اسلام راجی دنیا تک رہنے کے لیے آیا ہے۔ تمہارے مٹائے یہ کبھی نہیں مٹے گا۔ تم خود



من جاؤ گے۔ اس لیے اس سے پہلے کہ تمہارے منا دیے جانے کا وقت آجائے۔ تم خود اسلام قبول کر لو۔ یہ سازش بھی دراصل اسلام کے خلاف سازش تھی اور یہ سازش آشام کے دماغ میں اس وقت آئی جب وہ بہران کو دریافت کر کے اس کے بارے میں ایک کتاب لکھ چکا تھا۔ کتاب تھی بہران کی دریافت کے بارے میں وہاں کے حالات کے بارے میں۔ اور وہاں کیا کچھ ہے، اس بارے میں تھی کتاب میں بہران تک جانے کا راستہ بھی درج تھا۔ اس راستے کی تمام تفصیلات درج تھیں۔ کتاب ”بہران میں چند روز“ شائع ہو گئی۔ یہ نام بھی اس لیے بتانے کے قابل ہوا ہوں کہ کتاب کی ایک جلد بہران سے ملی ہے۔ بعد میں جب ہم نے کمروں کی چھان بین کی تو وہاں سے دوسری چیزوں کے ساتھ یہ کتاب بھی ملی۔ کتاب میرے ہاتھ میں ہے۔ میں آپ سب کے سامنے کرتا ہوں۔ آپ بھی اس کا ترمیم دیکھ لیں، اس کا نام دیکھ لیں۔ اس کتاب کی فروخت کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا گیا تھا۔ پھر جب پروفیسر آشام کے ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ آیا کہ سونے کے پہاڑوں کے ذریعے یہ کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ جب اسے وہاں باقاعدہ ایک شہر بسانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد وہ یہ کر سکتا تھا کہ سونے کے ذخائر وہاں سے

اپنے ملک میں لے آتا اور وہاں سے یہ کام شروع کیا جاتا۔ لیکن اس سورت میں بہت جلد منصوبے کے سرے کا سراغ لگا لیا جاتا۔ جب کہ بہران ایسی جگہ تھا جس کا سراغ لگایا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ وہ جگہ تو پوری دنیا سے بالکل الگ تھلک ایک جگہ ہے۔ اس طرح یہ منصوبہ شروع ہوا۔ وہاں باقاعدہ ایک شہر بسایا گیا۔ کام کاج کے لیے خادم رکھے گئے۔ ان لوگوں کو بڑے بڑے لالچ دے کر وہاں لے جایا گیا۔ اور وہ وہیں کے قیدی بن کر رہ گئے۔ وہ بس ان سب کے خدمت گزار تھے۔ کھانے بنانا۔ دوسری چیزیں تیار کرنا۔ اور اس سے بھی زیادہ اس جگہ کو پر رونق بنانے کے لیے ان لوگوں کو لے جایا گیا تھا۔ چونکہ انہیں وہاں مستقل طور پر رہنا تھا۔ اس لیے ڈپوں میں بند خوراک کب تک کھائی جاسکتی تھی۔ لہذا طرح طرح کے کھانے بنانے کے ماہرین اور اسی طرح دوسرے کام کرنے والے وہاں جمع کیے گئے۔ سب سے پہلے شہر تعمیر کرایا گیا۔ خاص ماہرین کا قصبہ الگ بنایا۔ ان کے ذریعے سے راکٹوموں کی کنٹرول کرنے کا کام لیا گیا۔ سکے بنانے کی باقاعدہ فیکٹری قائم کی گئی۔ سونا پہاڑوں سے کاٹا جاتا اور سکے بنائے جاتے۔ ان سکوں کو راکٹوموں کے ذریعے مسلمان ملکوں پر پھمار دیا جاتا۔ یہ سب آپ لوگ آنکھوں سے ہوتا دیکھ چکے ہیں۔ وہ

سلسلے کے لیے رکے۔

”ہمارے ملک میں ... بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب ان لوگوں نے کتاب کی آخری جلد تک غائب کر دی ... اب انہیں سونے کے ستے گرانے میں کوئی مشکل نہیں تھی ... انہیں یہ ڈر نہیں رہ گیا تھا کہ اب کوئی سراغرساں ... ہم جیسے کوئی سر پھرے بہران کا سراغ لگالیں گے ... یہ ان کے نزدیک گویا ناممکن تھا اور بات تھی بھی ایسی ہی ... لیکن جب اللہ تعالیٰ مدد کریں تو ہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے اپنی مہم کے آغاز کا ذکر کیا اور واقعات اور حالات بتاتے چلے گئے ... انہیں اور ان کے ساتھ باقی دونوں پارٹیوں کو جو جو مشکلات ... پریشانیاں ، اور تکالیف پیش آئی ہیں ، وہ ان سب کو بیان کرتے چلے گئے ... یعنی ریاست برنائی جانا ... وہاں سے جزیرے تک کا سفر ... پھر ملک میں واپسی پھر سفر ... جزیرے کے بعد کالا جنگل میں جانا ... کالا جنگل کے ہولناک واقعات ... وہاں کے درختوں کی تھامیل اور پھر جنگیوں سے خوں ریز جنگ ... جنگ کے بعد جنگیوں کا فرار ... پھر گھوڑے سواروں کی آمد ... غرض تمام تفصیل بیان کرتے ہوئے پھر ملک میں ایک بار اور واپس آنا اور تیسری بار مہم

پھر برنائی کا سفر ... برنائی سے پھر جزیرے تک کا سفر اور وہاں سے کالا جنگل اور کالا جنگل کے کنارے گھوڑے سواروں کا گم ہونا ... جنگلی جانوروں کا سمندر میں جا گرنا اور غائب ہو جانا ... اس کے بعد انکا منور علی خان کی رسی کے ساتھ تجربہ کرنا اور رسی کا غائب ہو جانا ... اور آخر کار دادی بہران کے لیے راستہ جس درخت میں بنایا گیا تھا ، اس درخت کا دریافت ہونا ... ان لوگوں کا بھی نیچے چھلانگ لگا دینا ... پہاڑوں کی دادی میں خود کو موجود پانا ... وہاں راکڈوم کا آنا ... راکڈوم میں ان لوگوں کا سوار ہو جانا ... اور پھر پاکٹ سے باتوں میں لگنا ... اس کے بعد پروفیسر داؤد کے ذریعے راکڈوم کا ریموٹ کنٹرول سسٹم کو ختم کرانا ... راکڈوم کو پاکٹ سمیت برنائی لے آنا ...

یہ تمام تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر انہوں نے کہا۔  
”اور اس طرح ہم بہران میں داخل ہو گئے ... داخل ہونے سے پہلے تک تو حیرال اور شک کی ہر ممکن ڈیوٹی یہ تھی کہ ہم لوگوں کو بہران کے راستے پر نہیں لگنے دینا ... لیکن جب ہم وہاں پہنچ گئے ... تب انہوں نے ہمیں جان سے نہ مار ڈالنے کا فیصلہ کیا اور بہران کے کرتا دھرتا سے کہہ دیا کہ ہم لوگوں کو بہران میں رہنے دیا جائے ... یہ لوگ بہران کا کچھ بھی بگاڑنے کے قابل نہیں ہیں ... اور ہم وہاں رہنے گئے



ہم نے پہلے دن ہی سونے کے پیازوں کا رخ کیا۔ ان کا معاویہ کیا۔ وہ خالص سونے کے پیاز تھے۔ دھوپ میں فوراً گرم اور نرم سونے لگے تھے۔ وہاں کی دھوپ بھی بہت تیز ہے۔ سونے کے پیاز سمندر کے مین کنارے ہیں۔ اور سمندر اس جگہ بہت گہرائی میں ہے۔ پیاز اونچائی پر ہیں۔ جب ہم ان پر چڑھے اور ادھر سورت نکلا تو وہ فوراً ہی گرم ہونے لگے۔ اس پر ہم نے فوراً واپسی کی کی۔ دوسرے دن ہم اس وقت سے بھی پہلے وہاں گئے۔ ہمیں جیرال نے وہ کاریں دے دی تھیں۔ ان کے ساتھ ڈرائیو ر بھی دیے تھے۔ دوسرے دن ہم پیاز کے دوسری طرف اتر گئے اور سمندر کو قریب سے دیکھا۔ پھر واپس لوٹے۔ اس کے بعد بہران کے بازار بھی دیکھے۔ دراصل ان لوگوں کا منصوبہ یہ تھا کہ آخر کو وہاں آباد ہونا ہے۔ اس شہر کو مستقل ٹھکانا بنانا ہے۔ روز روز ڈبوں کے کھانے نہیں کھائے جاسکتے۔ لہذا ہر طرح کے بازار وہاں ہونے چاہئیں اور اس کی شروعات وہاں کر دی گئی تھیں۔

ہمیں بتایا گیا۔ بہران میں ایک حصہ ایسا ہے۔ جہاں عام لوگ جا ہی نہیں سکتے۔ ادھر سے صرف جیرال اور شک ان کے پاس آتے ہیں۔ ہم اس جگہ بھی گئے۔ وہاں نشان وہی کر دی گئی ہے کہ

اس جگہ سے آگے نہ آیا جائے۔ ہم نے فکر بچیک کر دیکھا۔ وہاں پلٹ آیا۔ لیکن جیرال اور شک اندر چلے جاتے تھے۔ انہیں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہاں دراصل ریلے بائی لہروں کا جال بچھایا گیا تھا۔ وہ لہریں اس طرف جانے والے کو واپس اچھال دیتی تھیں۔ ہم نے غور کیا کہ جیرال اور شک کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کی موجودگی میں لہریں انہیں کچھ نہیں کہتیں۔ آخر فرزان نے کام دکھا دیا۔ اس نے جیرال کی جیب پر ہاتھ صاف کر دیا۔

اس لمحے جیرال مسکرانے لگا۔ اب تو وہ ان کا ساتھی تھا۔ اس طرح ہمارے ہاتھ ایک بن گئے۔ مسٹر جیرال فوراً ہی اس بن کی تلاش میں واپس آئے۔ لیکن وہ ہمارے پاس سے بن تلاش نہ کر سکے۔ پھر اس بن کی مدد سے میں نے اس میدان میں داخل ہونے کا تجربہ کر لیا۔ مجھے کچھ بھی نہ ہوا۔

اس کے بعد انسپکٹر جمشید حالات کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے آخر اس مقام پر آگئے جب وہ سب اس میدان میں پہنچ گئے۔ اور پروفیسر آشام نے انہیں ختم کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت جیرال اڑ گیا۔ اور سچ بات یہ ہے کہ اگر مسٹر جیرال ہمارے ساتھی نہ بن جاتے تو بہران کی فتح آسان نہ ہوتی۔ جیرال کے ہمارا ساتھی بن جانے سے

میں بہت مدد ملی۔ ان کی طاقت کم ہو گئی۔ اس لیے ہم مسز جی رال کے شہر گزار ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ میدان میں ہوا، جس جس طرح لڑائیاں لڑی گئیں۔ اس سب کی تفصیل انہوں نے سنادی۔۔۔ پھر آخر میں شک کا مارا جاہ اور شک کے بعد پروفیسر آشام کے بکولے سے کس طرح مقابلہ کیا گیا۔۔۔ یہ تمام تفصیل جب انہوں نے سنائی تو پورا ملک تالیاں بجاتا نظر آیا۔ پورے ملک میں بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں خوشی کی لہریں پھیل گئیں۔ اور غیر مسلم ممالک کے لوگوں کے چہرے لٹک لٹک گئے۔ ادھر انسپکٹر جمشید کا بیان جاری تھا۔۔۔ وہ کہہ رہے تھے۔۔۔

”پھر ہم نے واپسی کا پروگرام ترتیب دیا۔“

اب انہوں نے اس پروگرام کی تمام تر تفصیلات بیان کیں۔۔۔ لوگ انتہائی دلچسپی سے سن رہے تھے۔۔۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنا بیان ختم کر دیا کہ آخر ہم سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔۔۔ ان کے خاموش ہونے پر صدر صاحب نے فوراً کہا۔

”لیکن جمشید۔۔۔ اگرچہ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔۔۔ لیکن ہم سب لوگوں کے ذہنوں میں بہت خوفناک سوال یہ گونج رہا ہے۔۔۔ کہ سونے کے پہاڑ تو جوں کے توں وہاں موجود ہیں۔۔۔ یہ لوگ پھر بہر ان

کا ہتھ کر لیں گے اور اپنا پہلے والا کام شروع کر دیں گے۔ کیا ایسا نہیں ہے جمشید۔۔۔ اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ ہماری کامیابی ہے۔۔۔ کیا ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں۔“

”جی ہاں! ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں الحمد للہ!“

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن کیسے؟“ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

”وہاں سب سے بڑا اور سب سے خوفناک سوال ہی یہ تھا اور اسی سوال کا جواب تلاش کرنے سونے کے پہاڑ پر گئے تھے۔“

”کیا کہا۔۔۔ اسی سوال کا جواب تلاش کرنے؟“ صدر صاحب نے مارے حیرت کے کہا۔۔۔

”جی ہاں۔۔۔ ہمارے ساتھ آخر پروفیسر داؤد تھے۔۔۔ اور آپ جانتے ہی ہیں۔۔۔ یہ دنیا کے بہترین سائنس دانوں کے مقابلے میں بالکل بھی کم نہیں ہیں۔“

”اس میں تو خیر شک نہیں۔“ صدر صاحب مسکرائے۔

”بس تو پھر جب وہاں سب سے بڑا سوال ہی یہ تھا اور سب سے بڑے سائنس دان بھی ہمارے ساتھی تھے۔۔۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم سونے کے پہاڑ کو جوں کے توں چھوڑ آتے۔“



”اور... جب... جب پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟“ بہت سی آوازیں اُبھریں۔

”پروفیسر داؤد صاحب نے ان لوگوں کے کمرے بہت سے گھرے۔ بڑے سائز کے گھرے حاصل کر لیے... اور کچھ کیمیکلز سے مالا کر ایک نیا کیمیکل بنایا۔“

”گھرے اور کیمیکل!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے لگا۔

”جی ہاں! پروفیسر صاحب نے ان عددوں کو سورج کی شعاعوں کے سامنے اس طرح نصب کیا کہ عددوں کے درمیان سے سورج کی شعاعیں انتہائی باریک اور انتہائی تیز ترین ہو کر سونے کے پہاڑوں پر پڑیں اور پھر ایک راکٹوم کے ذریعے پہاڑوں پر اس کیمیکل کا اسپرے کرنا شروع کیا... اور... وہ کہتے کہتے رک گئے۔“

”اور کیا...“ سب بے چین ہو گئے۔

”اور سونے کا پہاڑ بخارات بن کر فضا میں اڑنے لگا۔“

”کیا!!!“

وہ سب چلا اٹھے... مارے حیرت کے ان کا برا حال ہو گیا...

ان پر ایسا جوش طاری ہو گیا جیسے یہ سب کام انہوں نے خود کیا ہو۔

”اور... اور پھر کیا ہوا جمشید۔“

”ادھر یہ سب لوگ راکٹسوں کے ذریعے ادھر آ رہے تھے ادھر

”ادھر یہ سب لوگ راکٹسوں کے ذریعے ادھر آ رہے تھے۔“

”سونے کے پہاڑ بخارات بن بن کر فضا میں بکھر رہے تھے۔“

”کیا!!!“ مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! یہی ہوا ہے... جب تک سونے کے پہاڑوں کا کوئی

بندوبست نہ ہو جاتا، ہم کس طرح واپس آ سکتے تھے... اس صورت میں

تو اس ساری مہم کا سرے سے کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا... بہران پھر سے

آباد کر لیا جاتا، لیکن اب یہ لوگ بہران جا کر کیا کریں گے... اس

قدر طویل فاصلے پر وہ بس زمین کا ایک ٹکڑا ہے... ایسے ٹکڑے تو جگہ

جگہ موجود ہیں، بہران کی اہمیت تو سونے کے پہاڑوں کی وجہ سے

تھی... ہاں تو پروفیسر داؤد صاحب کی محنت رنگ لائی اور پہاڑ ختم ہونے

لگے... یہ کام بھی چھوٹا نہیں تھا... اور سب لوگوں کو کالا جنگل تک پہنچانا

بھی چھوٹا کام نہیں تھا... لیکن دونوں کام ساتھ ساتھ چل رہے... یہاں

تک کہ ادھر بہران سے کالا جنگل تک لوگوں کو پہنچانے کا عمل مکمل ہوا،

ادھر پہاڑ غائب ہو گئے۔“

”نہیں۔“ سب کے منہ سے نکلا۔

”لیکن جمشید! یہ تو ٹھیک نہیں ہوا... اپنے ملک کے لیے تو سونا

ایسا جاسکتا تھا۔ یا پھر راکنڈوم میں جتنا سونا آسکتا تھا۔ تم لوگوں کو اس سے  
رہے۔ محمد صاحب نے برا سامان بنایا۔  
"یہی تو کام کیا ہے ہم نے۔"  
"کیا؟" سب لوگ خوشی سے چلائے۔

"جی ہاں۔۔۔ وہ سارا سونا بحری جہاز پر ہم اپنے ملک لے آئے  
ہیں۔ اور وہ کوئی تھوڑا سونا نہیں ہے۔ آٹھ دس ٹن سونا تو ضرور ہو  
گا۔"

"دو مارا؟" ان سب نے چلا کر کہا۔ اب انسپکٹر جمشید نے  
کہا۔

"مہم کے آخر میں ایک بات رہ گئی۔۔۔ سہراں پہنچنے کے بعد ہم  
پروفیسر آشام کی آواز سنتے رہے ہیں۔۔۔ ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا۔۔۔  
آخر میں جب فرزانہ اور پروفیسر داؤد صاحب نے راکنڈوم کے ذریعے  
ایک کمرے کی چھت کو گرایا اور ان لوگوں نے محسوس کر لیا کہ ہم سب  
چھتوں کو گرا دیں گے تو پروفیسر آشام نے ان سب کو چیخ کر حکم دیا تھا  
۔۔۔ میدان میں نکل آؤ۔۔۔ سو سب لوگ فوری طور پر کمروں کو خالی  
کرتے ہوئے باہر آ گئے تھے اور ساز و سامان سب اندر ہی رہ گیا تھا۔۔۔  
جب سب باہر آ گئے تو ہم نے پوچھا۔

"پروفیسر آشام۔۔۔ اب آپ بھی خود کو ظاہر کر دیں۔۔۔ آپ ان

ماہرین میں کون سے ہیں۔"  
"پروفیسر آشام نے چالاکی کی اور خود کو چھپا لیا۔۔۔ یعنی اس نے  
خاموشی اختیار کر لی۔ اب ہم کیسے جان سکتے تھے کہ پروفیسر کون ہے  
۔۔۔ ہاں ہم اس کی آواز ضرور سن چکے تھے۔ اب فیصلہ کیا گیا کہ ان  
سب کی تلاشی لی جائے۔ اور ان سے سوالات کیے جائیں تاکہ باقی  
تلاشی کے دوران کوئی ایسی چیز جیب سے نکل آئے۔ جس سے معلوم  
ہو جائے کہ ان میں پروفیسر آشام کون ہے۔۔۔ یا پھر اس کی آواز سن کر  
اندازہ ہو جائے۔۔۔ لیکن نہ تو ان میں سے کسی کی جیب سے کوئی خاص  
چیز نکلی۔۔۔ نہ پروفیسر کی آواز سنائی دی، اس کا مطلب یہ تھا کہ پروفیسر  
آشام نے باہر آتے وقت جیب میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی تھی اور  
دوسرے یہ کہ وہ آوازیں بدلنے کا ماہر بھی تھا۔۔۔

یہاں تک کہ مسٹر جبرال بھی نہ جان سکے کہ پروفیسر آشام کون  
ہیں۔۔۔ جب ہم نے ان سب کو باندھنے کا پروگرام شروع کرنا چاہا تو  
ان میں سے ایک عجیب و غریب حلیے والے اور بہت قد آور شخص نے  
خود ہی اعلان کر دیا۔۔۔ میں ہوں پروفیسر آشام۔۔۔ اور تم مجھے باندھ نہیں  
سکتے، میں اور شک تم سب کے لیے کافی ہیں۔۔۔ اس طرح پہلے شک



سے جنگ ہوئی۔ بہت ہولناک جنگ تھی۔ اس کی تفصیلات بعد میں آپ لوگ پڑھ ہی لیں گے۔ کیونکہ اس پوری مہم کی ٹپ ٹپ لپ لپ کی تفصیلات اخبارات والے شائع کریں گے۔ آخر کار شک مارا گیا۔ اس کی شکست میں ہمارے سب سے کمزور ساتھی اخلاق کا بہت بڑا ہتھیار تھا۔ پہلی چوٹ اسے اخلاق احمد کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی۔ خیر شک کے بعد پروفیسر آشام عجیب انداز میں مقابلے پر آیا۔ اس نے ایک بہت فزناک قسم کی جھرجھری لی۔ جھرجھری لینے سے اس کا جسم بہت پھیل گیا۔ تین گنا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پھر کی کی طرح کھوٹنے لگا۔ اس کے گھومتے ہوئے اب وہ دو چاری تلوار کی مانند ہو گیا۔ گویا ہم اس کے مقابلے میں آتے تو وہ ہمیں کاٹ کر رکھ دیتا۔ ایسے میں ہمارے دوست منور علی خان کا تجربہ کام آ گیا۔ ہم نے ان سب کو باندھنے کے لیے رسیاں منگوائی تھیں۔ ریشم کی مضبوط ترین رسیاں تھیں۔ منور علی خان نے ان لوگوں کی اوت میں رہ کر اپنی رسی تیار کرنا شروع کر دی۔ ادھر ان لوگوں کو باتوں میں لگائے رہے۔ پروفیسر آشام کو بھی ہم نے باتوں میں لگایا تھا، اسی طرح منور علی خان رسی تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسی کے سرے پر انہوں نے آنکھوں کی جگہ سونے کا ایک بڑا سا کٹا پھنسا سا ٹکڑا لگا لیا اور پھر ان کا

پتلا میدان کے اوپر گریش کرنے لگا۔ اس کی ساں ساں گونجنے لگی۔ پروفیسر آشام کو اس ہتھیار کا کچھ پتا نہیں تھا۔ شک مارا جا چکا تھا۔ کہ اسے بتا دیتا۔ حیران ہمارے ساتھی بن چکے تھے۔ بس آنکھ اچھلتا چلا گیا۔ اس کا دائرہ بڑا ہوتا چلا گیا۔ اور آخر وہ پروفیسر آشام کے گرد لپٹا چلا گیا۔ پھر منور علی خان نے رسی کو اپنے طریقے سے جھٹکا دیا تو پروفیسر آشام اوپر اٹھتا چلا گیا۔ انہوں نے دوسرا جھٹکا دیا تو وہ اس قدر زور سے تیر کی طرح سفید عمارت کی طرف گیا کہ کیا بتاؤں۔۔۔ بس پھر وہ پوری قوت سے عمارت سے ٹکرایا اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یہ انجام تھا اس کا۔

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔۔۔ آپ لوگوں نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔۔۔ آپ سب پوری قوم کے محسن ہیں۔۔۔ قوم آپ کی شکر گزار ہے۔۔۔ پوری حکومت آپ کی احسان مند ہے۔۔۔ بلکہ پوری اسلامی دنیا آپ لوگوں کی احسان مند ہے۔۔۔ ہم سب اور پوری اسلام دنیا آپ کو سلام کرتی ہے۔"

"ایک منٹ صاحب صدرا" ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

## آخری بات ہے

سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔ پھر صدر صاحب کی آواز ابھری۔

”میں چھوٹی پارٹی کی زبان میں کہتا ہوں۔۔۔ یہ ایک منٹ کہاں سے آئیگا۔“

”بس یہ آخری بات ہے۔۔۔ جو میں اس کیس کے سلسلے میں کر رہا چاہتا ہوں۔“

”گویا کیس کے سلسلے میں ابھی کوئی بات باقی ہے۔“ صدر صاحب پوچھے۔

”جی ہاں!“

”تو پھر ہو جائے آخری بات۔“ صدر صاحب خوش تھے۔

”یہ جملہ تو آپ نے اس طرح کہا ہے انکل صدر جیسے کوئی کسی

شام سے کہہ دیتا ہے کہ پھر ہو جائے تازہ غزل۔“ فاروق کی شوخ

آواز گونجی۔

اور سب مسکرا دیے۔۔۔ ایسے میں انسپٹر جوشید کہنے لگے۔

”پروفیسر آشام کی آواز ہم اس وقت سے سننے لگے تھے جب

وادی سہران میں پہنچ گئے تھے۔۔۔ اس نے خود ہی ہمیں مخاطب کیا تھا۔

مسلل اس سے بات چیت ہوتی رہی۔

اور پھر وہاں رہنے کے دوران

اس لیے اس کی آواز ہمارے دماغوں میں رچ بس گئی تھی۔۔۔ پھر جب

راکڈوم کے ذریعے ہم نے سفید ٹمارات سے ایک کی چھت تباہ کی تو

پروفیسر نے فوراً محسوس کر لیا کہ اب ان سب کو باہر نکلنا پڑے گا ورنہ

چھتیں ان پر آگریں گی اور وہ نیچے دب جائیں گے۔۔۔ چنانچہ سب باہر

نکل آئے۔۔۔ میدان میں آنے کے بعد پروفیسر آشام نے چپ سادھ

لی۔۔۔ تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ پروفیسر آشام ان میں کون

ہے۔۔۔ شنگ کے خاتمے کے بعد جب ہم ان سب کو ہانڈھنے کا کام

شروع کرنے لگے تو پروفیسر نے سوچا۔۔۔ اگر اس نے خود کو چپ چاپ

بندھوا لیا تو پھر وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔۔۔ لہذا اس وقت اس نے خود کو

ظاہر کر دیا اور یعنی ہمیں بتا دیا کہ وہ پروفیسر آشام ہے۔۔۔ اور یہ کہ وہ

ہم سے لڑے گا۔۔۔ ہمیں مزہ چکھائے گا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے

وہ جھرجھری لی تھی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔۔۔ اور پھر یہ بتا چکا ہوں



کہ اس کا مقابلہ کس طرح منور علی خان نے کیا اور یہ بات بھی درست ہے کہ اگر منور علی خان اپنی رہی اور آنکھ سے اس کا مقابلہ نہ کرتے تو وہ نہ جانے ہم میں سے کتنوں کو زخمی کرتا۔ خیر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ رحم فرمایا۔ اور اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ہماری ان لوگوں سے بات چیت ہوتی رہی۔ اس میں شک نہیں جو پروفیسر آشام مارا گیا۔ اس کی آواز بالکل وہی تھی جو ہم پہلے پروفیسر آشام کی سنتے رہے تھے۔ لیکن... میں نے پہلے والی آواز میں اور دوسری آواز میں ایک خاص فرق محسوس کیا۔ میں نے اشاروں میں انسپکٹر کامران مرزا کی توجہ اس طرف دلائی۔ انہوں نے بھی اشاروں میں میری تائید کی اور آخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ۔۔۔ یہاں تک کہتے کہتے انسپکٹر جمشید رک گئے۔ انہوں نے سب حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اور اس کے بعد بھی کچھ نہ بولے۔ تو فرزانہ بری طرح بے چین ہو گئی۔۔۔ بے چینی تو خیر وہ سبھی محسوس کر رہے تھے۔ فرزانہ کچھ زیادہ ہی بے چین ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے کہا۔

”آپ رک کیوں گئے ابا جان! ہم بہت بے چین ہو گئے ہیں۔“

”اوہ ہاں! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تم بہت بے چین ہو چکے ہو۔۔۔ خیر میں وضاحت کرتا ہوں۔۔۔ میں اور کامران مرزا

دونوں آوازوں پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ پہلے والی آواز دوسری آواز سے مختلف ہے۔“

”کیا!۔۔۔ سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو جمشید تم؟“

”سرا پہلے پروفیسر آشام کی جو آواز ہم سنتے رہے، سامنے آکر بات کرنے والے پروفیسر آشام سے وہ آواز مختلف تھی۔“

”مطلب یہ کہ جو پروفیسر آشام مارا گیا۔۔۔ وہ پروفیسر آشام نہیں تھا۔“

”جی ہاں! ہم یہی کہنا چاہتے ہیں۔“

”تب پھر اصل پروفیسر آشام کہاں ہے۔۔۔ یا کون ہے۔“ صدر

صاحب نے مارے حیرت کے کہا۔

”وہ انہی ماہرین میں موجود ہے۔۔۔ لیکن اب اس نے اپنی اس

آواز کو چھوڑ دیا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ ان کے منہ سے نکلا۔“

”اگر یہ بات ٹھیک ہے۔۔۔ اور پروفیسر آشام ابھی تک نہیں مارا

گیا اور وہ ان میں سے ایک ہے تو آپ کیسے معلوم کریں گے کہ وہ

کون ہے اور جب تک آپ یہ معلوم نہیں کر لیتے، اس وقت تک کیسے

اس کامیابی کو کامیابی کہا جاسکتا ہے۔ ایک وزیر نے کہا وہ انجینئر  
جیشید سے بہت سدا کرتے تھے۔

”جی ہاں! ہماری کامیابی ادھوری ہے جب تک ہم اصل مجرم کو  
نہ پکڑ لیں۔ لہذا ہم نے سوچا ہے۔۔۔ ان سب لوگوں کو فی الحال اپنا  
مہمان رکھیں گے۔ جب تک ہم اپنی تفتیش کے ذریعے ان میں سے  
پروفیسر آشام کو الگ نہیں کر لیتے۔۔۔ اس وقت تک یہ لوگ اپنے ملکوں  
میں نہیں جائیں گے۔“

”کیا! ان سب نے مارے پریشانی کے کہا۔۔۔ پھر ان میں  
سے ایک نے کہا۔

”لیکن جناب! اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔۔۔ آپ نے ہم سے  
وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم نے آپ لوگوں کا ساتھ دیا۔۔۔ آپ کے ساتھ  
تعاون کیا۔۔۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کیا تو آپ لوگ ہمیں اپنے  
ملک لا کر یہاں سے ہمارے ملکوں کو روانہ کر دیں گے۔“

”ہاں! ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔۔۔ لیکن مسئلہ پروفیسر آشام  
کا نکل آیا۔۔۔ دیکھیے نا۔۔۔ جب تک یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ آپ میں  
سے پروفیسر آشام کون ہے۔۔۔ ہم آپ کو کس طرح جانے دے سکتے  
ہیں۔۔۔ اس طرح تو پروفیسر آشام یہاں سے صاف بچ کر نکل جائے گا

اور ہم کلیئر پینٹے رہ جائیں گے۔“

”ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ آپ کی بات درست ہے۔  
ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اپنی تحقیقات مکمل کر لیں۔۔۔ اور جب آپ یہ معلوم  
کر لیں کہ ہم میں پروفیسر آشام کون ہیں تو انہیں ہم سے الگ کر لیں

۔۔۔ اور ہمیں اپنے گھروں کو جانے دیں۔“  
”اب یہی کریں گے۔۔۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔۔۔ ہم یہ  
بات معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔“

”لیکن کیسے جیشید!“ صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

”پروفیسر آشام کے طور پر جو شخص مارا گیا۔۔۔ اس کی آواز میں  
فرق ہم نے محسوس کر لیا تھا۔۔۔ پروفیسر آشام کی آواز ہم سنتے رہے ہیں  
اور وہ ان لوگوں میں موجود ہے۔۔۔ اب وہ لاکھ آواز بدلے۔۔۔ ہم جان  
لیں گے کہ وہ کون ہے۔۔۔ بس ہم باری باری ان کی آواز سنیں گے  
۔۔۔ ان سے سوالات کریں گے۔۔۔ اب ظاہر ہے، آپ لوگ اس  
کارروائی سے اکتا جائیں گے۔۔۔ لہذا آپ لوگ جانا چاہیں تو جا سکتے  
ہیں۔۔۔ جب ہم فارغ ہو جائیں گے تو آپ لوگوں کو بلا لیں گے۔“

”نہیں جیشید۔“ صدر صاحب نے فوراً کہا۔

”جی۔۔۔ کیا فرمایا آپ نے۔“



"یہ کہ ہم نہیں جائیں گے... یہ ساری کارروائی اب تمہارے سامنے ہو گئی۔"

"آپ کی مرضی... لیکن اس میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"کوئی پروا نہیں۔"

"میں اور کامران مرزا ان سے سوالات شروع کرتے ہیں... صرف ایک ایک دو دو سوالات کریں گے اور ساتھ میں سوالات ریکارڈ بھی ہوں گے... یعنی ہر ایک کا نام پہلے پوچھا جائے گا... پھر سوال کیے جائیں گے... اس کے بعد پھر نام پوچھا جائے گا اور سوالات کیے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے... کوئی حرج نہیں۔"

اب انہوں نے یہ کام شروع کیا... وہ ایک ایک کا نام پوچھتے چلے گئے اور سوالات کرتے چلے گئے... یہ بات چیت ریکارڈ ہوتی رہی... آخر کار وہ فارغ ہو گئے... اب انہوں نے ان سب کی آوازوں کو غور سے سننا شروع کیا... سننے کے کام میں بھی انسپکٹر کامران مرزا ان کا ساتھ دے رہے تھے... آخر انہوں نے سب کے الفاظ اور آواز کالوں سے بغور سن لیے... اب وہ صدر صاحب اور باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

... آخر کار ہم نے جان لیا کہ ان میں پروفیسر آشام کون ہے... اور یہ کہ جو شخص مارا گیا، وہ پروفیسر آشام نہیں تھا... اس شخص کا

تراکا تھا... اپنی حفاظت کے لیے اس نے اسے پالا ہوا تھا... جب وہ

خود کو گھمرا رہا تھا... اس وقت اس کی اعلیٰ آواز کنٹرول میں نہیں رہ گئی تھی... لہذا اس کا پول اسی وقت کھل گیا تھا... ہم نے جان لیا تھا کہ

مارے جانے والا پروفیسر آشام نہیں ہے... دیکھیے پہلے ہم آپ کو

پروفیسر آشام کی آواز سناتے ہیں... جو ہم وادی بہران میں بستے رہے

ہیں پھر مارے جانے والے شخص کے جملے سناتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں

نے گھڑی کا ہٹن دبا دیا... فوراً ہی پروفیسر آشام کے جملے سنائی دینے

لگے۔ آشام کے بعد مارے جانے والے شخص کے جملے سنوانے لگے۔

"اوہ... اوہ... اس کا... اس کا مطلب ہے... یہاں موجود

لوگوں میں مسٹر طولان باریسی دراصل پروفیسر آشام ہے۔" مارے حیرت

کے صدر صاحب کے منہ سے نکلا۔

"یہ بات ہم ثبوت کے ساتھ پیش کر چکے ہیں... اس میں اب

کوئی شک نہیں... اور یہ بات بھی نہیں کہ پروفیسر آشام دراصل طولان

باریسی کے میک اپ میں ہے... جی نہیں... طولان باریسی نام کا کوئی

شخص وادی بہران میں تھا ہی نہیں... جب ان لوگوں سے ان کے نام

حیرت تھی۔  
 ”ہم ہمارے طریقے ہیں۔ ہم ابھی سب کے سامنے یہ بات  
 ثابت کر دیں گے۔“  
 ”کیا واقعی۔“  
 ”ہاں! ہاتھ نکلن کو آر سی کیا۔ ہم یہ مسئلہ دو جمع دو چار کے تحت  
 بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب حضرات خود مانیں گے کہ ہاں  
 واقعی۔۔۔ یہی بات ہے۔“  
 ”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ ہنگ لگے نہ پھٹکوی رنگ چوکھا  
 آئے۔“ فاروق مسکرایا۔  
 ”ہاں! یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔۔۔ لیکن اگر ہنگ اور پھٹکوی لگانا  
 پڑ جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔“  
 ”اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ کہیں محاورات کی رو ہم سب کو بہا نہ  
 لے جائے اور ہم سب اصل بات سے دور نہ نکل جائیں۔“ انسپکٹر  
 کامران مرزا گھبرا گئے۔  
 ”لہذا پہلے اصل بات۔۔۔ مسٹر طولان باریکی۔۔۔ اگر پروفیسر  
 آشام نہیں ہیں اور طولان باریکی ہی ہیں تو۔“ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک  
 گئے۔

یاد رکھئے گئے تھے تو پروفیسر آشام نے اپنا نام طولان باریکی بتا دیا۔ اور  
 اس طرح یہ اب تک طولان پہلے آرہے تھے۔ اب آوازوں کے  
 اڑنے ان کا بھاڑا پھوڑا دیا۔۔۔ ورنہ ہوتا یہ کہ یہ یہاں سے اتنا کچھ  
 کرنے اور اتنا بہت کچھ ہونے کے بعد خیریت سے اپنے گھر پہنچ جاتے  
 اور وہاں جا کر ہمارا خوب مذاق اڑاتے۔۔۔ مذاق تو یہ خیر اڑا لیتے۔  
 لیکن وادی سمران پھر سے نہیں بسا سکتے تھے۔“  
 ”اوہ ہاں!“ حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔  
 ”مسٹر طولان باریکی! اب آپ کیا کہتے ہیں۔۔۔ کیا آپ یہ  
 بات تسلیم کرتے ہیں۔۔۔ کہ آپ پروفیسر آشام ہیں۔“  
 ”میرے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔۔۔ یہاں کی  
 عدالتیں تو بہر حال انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے دلائل کو مانیں  
 گی۔ لہذا میں کہہ دیتا ہوں۔۔۔ ہاں میں پروفیسر آشام ہوں۔“  
 ”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ پروفیسر آشام نہیں ہیں۔“  
 ”ہاں۔۔۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔“  
 ”جب پھر ہمارے پاس دو اور طریقے ہیں جس سے ہم یہی بات  
 ثابت کر سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید پھر پورا انداز میں مسکرائے۔  
 ”کیا مطلب۔۔۔ کون سے طریقے۔“ طولان باریکی کے لہجے میں



تو کیا جمشید۔ "پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"تو مسز طولان یہ بتا دیں۔" ادنیٰ سہراں میں آپ کی ذہنی  
کیا تھی۔ آپ وہاں کیا کام کرتے تھے۔"

"اوہ! ان سب کے منہ سے بارے حیرت کے نکلا۔

بات بالکل سامنے کی تھی... ظاہر ہے... اگر طولان پروفیسر  
آشام ہی تھا تو وہ وہاں صرف حکم چلاتا تھا... اس کے ذمے تو کام نہیں  
تھا۔ طولان کے چہرے کا رنگ بالکل اڑ گیا... اور ان سب نے فوراً  
ہی جان لیا کہ طولان ہی پروفیسر آشام ہے... یہ دیکھ کر پروفیسر داؤد  
نے چمک کر کہا۔

"بہت خوب جمشید... اسے کہتے ہیں زبردست کاٹھین کا سر پر۔"

"لیجیے! اب انکل بھی ضرب المثل لے آئے اپنی بات میں۔"

آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں بھی... کیا مجھ پر پابندی ہے۔" انہوں نے براہِ سامت

نمایا۔

"مسز! اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کے پاس جو ٹراسمیٹر موجود ہے اس کی بیٹری... اور یہ

بیٹری محمود نے اس وقت نکال لی تھی جب ہر لوگ کا فائدہ اٹھا کر یہ  
سب لوگ آپ سے ٹکرائے تھے اور آپ کو چھاپ بیٹھے تھے... اسی لیے  
آپ بار بار کی کوشش کے باوجود بھی انشارج، بیگال یا ایکورم سے مدد  
حاصل نہیں کر سکے... ورنہ تو ہمارا سمندری سفر ہی دشوار ہو جاتا۔ اب  
ہم آپ کے پاس سے وہ ٹراسمیٹر برآمد کر کے یہ بیٹری اس میں لگائیں  
گے اور ثابت ہو جائے گا کہ یہ بیٹری بنی ہی صرف اس مخصوص ٹراسمیٹر  
کے لیے ہے کیوں کہ یہ کوئی عام بیٹری نہیں ہے... اور نہ ہی ٹراسمیٹر کوئی  
عام ہے۔ کہیے کیا کہتے ہیں اب آپ؟" انسپٹر جمشید مسکراتے ہوئے  
بولے۔

"آپ جیت گئے انسپٹر جمشید... میں نے آپ کی صلاحیتوں کے

بارے میں بالکل غلط اندازہ لگایا تھا... حیرال نے مجھے سمجھایا تھا، لیکن  
میں نے اس کی باتوں کو ہوا میں اڑا دیا تھا... کاش میں تم لوگوں کو  
اسی وقت موت کے گھاٹ اتروا دیتا جب تم سہراں میں داخل ہونے  
میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"اس وقت بھی تم ہمیں نہیں مروا سکتے تھے۔" انسپٹر کامران مرزا  
مسکرائے۔

"کیوں... کیوں نہیں... اس وقت تو یہ کام میرے لیے بہت

پارٹی کو کیوں اغوا کر دیا اور کالا جنگل لے جا کر اس طرح چھوڑ دیا  
میا۔

”ہوں ا بات میں وزن ہے، اور میں چاہوں گا کہ اس کا جواب

پروفیسر آشام دیں تو بہتر رہے گا۔“

”ہمارے پروجیکٹ میں ایک سائنسی رکاوٹ آرہی تھی جو ہمارے  
ماہرین سے کسی طرح حل نہیں ہو پا رہی تھی، پھر ان ہی لوگوں میں سے  
کسی نے کہا کہ شاید یہ رکاوٹ پاک لینڈ کے پروفیسر داؤد حل کر سکیں،  
تو ہم نے سوچا کہ جب پروفیسر داؤد کو اغوا کیا جائے گا تو تینوں پارٹیاں  
ہمارے خلاف نکل کھڑی ہوں گی... اس پر شک نے کہا کہ ان تینوں  
پارٹیوں کو بھی کالا جنگل لا کر ان کا کانا نکال دیتے ہیں تاکہ اس  
خطرے کا مکمل طور پر سدباب کیا جاسکے اور سہراں ہمیشہ کے لیے محفوظ  
ہو جائے۔ میں نے اور شک نے مل کر اس پلان کی منظوری دے دی  
اور اس پر عمل شروع ہو گیا۔ مگر جب جبرال وہاں آیا اور ہم نے اسے  
اس پلان کے بارے میں بتایا تو اس نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ  
... یہ ہم نے بہت بڑی غلطی کر دی... ہمیں آپ لوگوں کو کالا جنگل تک  
لانا ہی نہیں چاہیے تھا... ابھی یہ بحث چل رہی تھی کہ وہ مسئلہ حل ہو  
گیا جس کے لیے پروفیسر داؤد کو لے جایا جا رہا تھا۔ تو جبرال نے کہا

آسان تھا۔“

”اندگی اور موت تمہارے بس میں نہیں۔ اللہ کے ہاتھ میں  
ہے۔ جاری تو اس وقت موت کا وقت ہی نہیں آیا تھا۔ تم ہمیں نہیں  
مروا سکتے تھے۔ مگر تم یہ باتیں کہاں مانو گے۔ مانو، نہ مانو  
تمہاری مرضی... ہم نے اپنی بات ثابت کر دی اور اس کے ساتھ ہی  
ہم کیس سے فارغ ہو گئے... لہذا ہم اجازت چاہیں گے... کیونکہ اپنی  
مدت تک اپنے گھروں سے دور رہے ہیں... ہمارے گھروں کا بھی ہم  
پر کوئی حق ہے... وہ ہمارے انتظار میں سوکھ رہے ہوں گے... لہذا  
اب ہمیں اجازت ہی دے دیں تو بہتر ہے۔“

”لیکن انکل۔“ ایک ڈری ڈری سی آواز سنائی دی۔

”یہ کون بولا۔“ انسپکٹر جمشید نے حیرت سے کہا۔

”یہ میں بولا انکل۔“ ایک طرف سے شوکی نے اٹختے ہوئے کہا۔

”تم یہ لیکن کہاں سے لے آئے بھائی؟“

”ایک بات مجھے سمجھ نہیں آرہی، جب یہ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں  
تھے کہ ہم سہراں پہنچیں تو ان کو پروفیسر داؤد کو اغوا کرنے اور انکل خان  
، حمان کی جیب میں انکل جمشید کے لیے پرچہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی  
کہ کالا جنگل آجائے، اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اور انکل کامران مرزا



کہ سوچ اچھا ہے۔ ان لوگوں کو پھینک دینے کے بجائے اس کا ا جنگل میں  
چھوڑ دیا جائے اگر یہ وہاں سے کسی طرح نکلے گا سیلاب ہو گئے تو ان  
کا نصیب اور اگر مارے گئے تو ہمارا مقصد خود ہی حل ہو جائے گا۔ اور  
۱۰ جنگل سے ہران کا راستہ تلاش کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔  
لیکن شک آپ لوگوں کو مارنے کے حق میں تھا مگر حیرال نے ہم لوگوں  
کو قائل کر لیا اور اس لیے آپ لوگوں کو چھوڑ دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ  
آپ لوگ جنگلوں کی خوراک بن جائیں گے مگر آپ نے جس طرح  
سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی اس پر ہمیں لگا کہ حیرال کا ہی  
فیصلہ درست تھا۔" پروفیسر آشام نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔  
"میرا خیال ہے شوکی کہ اب نہ صرف تمہاری بلکہ باقی سب کی  
الجھن بھی دور ہو گئی ہو گی اور اب ساری باتیں صاف ہو گئی ہیں لہذا  
اب ہمیں اجازت دے دیں تو بہتر ہے۔"

"نہیں جمشید۔" صدر صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی... کیا فرمایا آپ نے... نہیں جمشید۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے... نہیں جمشید۔"

"لیکن سر... اب آپ نے یہ کیوں کہا؟" وہ پریشان ہو گئے۔

"ابھی پوری ایک فوج تمہاری منتظر ہے... اس فوج سے بچنے

بغیر آپ لوگ اپنے گھروں کو نہیں جا سکتے۔"  
"جی... فوج... کون سی فوج؟" وہ گھبرا گئے۔  
"میڈیا کی فوج... تمام اخبارات کے نمائندے اور تمام ٹی وی  
چینلوں کے نمائندے آپ سب کا گھیراؤ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑے  
ہیں... ان کے سوالات کے جوابات دیے بغیر آپ کی دل نہیں گئے  
گی۔"

"ارے باپ رے۔"

اور واقعی جب وہ ایوان صدر کے بیرونی حصے میں آئے... تو  
انہیں میڈیا کے نمائندوں کی ایک بہت بڑی فوج ہر طرح کے ہتھیاروں  
سے لیس نظر آئی... ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ اس قدر  
تیاری سے آئے ہوں گے کہ انہیں فرار کے لیے کوئی راستہ نہیں ملے گا  
... اب وہ مجبور تھے... ان سے بچ کر جا ہی نہیں سکتے تھے... آخر ان  
کبھی نے ان سب کے سوالات کے جوابات شروع کیے... وہ بھی آخر  
نمائندے تھے... وہ ٹاپر توڑ سوالات کیے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد کہیں جا کر انہیں نجات ملی... اور وہ ایوان  
صدر کی گاڑیوں میں جلوس کی شکل میں گھر کی طرف روانہ ہوئے...  
ظاہر ہے... اس وقت انہیں الیکٹر جمشید کے گھر جانا تھا... کیونکہ تمام

بجائے اور دوسرے تمام افراد بہت پہلے ہی وہاں ذریعہ والے پہنچے تھے۔  
ایوان صدر سے انچنگز جمشید کے گھر کا راستہ میں منٹ کا تھا، لیکن  
آج یہ میں منٹ کا راستہ بہت لمبا محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں محسوس ہو رہا  
تھا کہ جتنے کیا بات ہے۔ آج گھر آنے کا کام ہی نہیں لے رہا۔  
آخر خدا خدا کر کے وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ لیکن یہاں کا تو  
منظر ہی اور تھا۔ ان کی پوری گلی لوگوں سے بھری پڑی تھی۔ اور ان  
کا گھر انہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ لوگ درمیان سے بہتے تو  
گھر نظر آتا تھا۔

”یہ... یہ سب کیا ہے۔“

”یہ سب آپ کے محلے اور آس پاس کے محلے کے لوگ ہیں۔  
دراصل آپ لوگوں کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ آپ خود بھی نہیں سوچ سکتے  
... اخبارات پڑھیں گے تو پتا چلے گا۔ اسلامی ملکوں پر کیا گزرتی رہی  
ہے۔ انہیں کیا کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ کیا کیا طعنے نہیں دیے گئے  
... آپ لوگوں کے ذریعے اللہ پاک نے وہ کام لیا کہ پوری دنیا کے  
اسلامی ملکوں کے آپ ہیرو بن گئے ہیں۔“

ایوان صدر سے جو آفیسران کے ساتھ آئے تھے۔ یہ الفاظ

انہوں نے ادا کیے تھے۔ اور پھر لوگوں کے اس جھوم کی مبارک بادیں

سینے سینے اور گھر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے۔ انہیں ایک گھنٹا اور  
لگ گیا۔ لیکن وہ مجبور تھے۔ لوگوں کے محبت بھری جذبات کا  
جواب وہ بیکار محبت سے ہی دے سکتے تھے۔ ان سب کا دلی شکریہ ہی  
ادا کر سکتے تھے۔ آخر کار وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ایک بار  
پھر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ پورے گھر کو دہن کی طرح سجایا تھا۔ اور

برقی قندیلوں سے گھر میں بھی جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔  
”یہ ان لوگوں نے کیا کیا۔ ہم تو اس قسم کی فضول خرچیوں کے

فائل نہیں اور یہ بات ہماری بیگمات اچھی طرح جانتی ہیں۔“  
”جی ہاں! انہوں نے یہ بات کہی تھی۔“ آفیسر نے کہا۔

”کیا مطلب... کون سی بات۔“

”یہی فضول خرچی والی بات۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ  
لوگ اسے پسند نہیں کریں گے۔ لیکن یہ کام آپ کے گھر والوں کا  
نہیں ہے۔“

”اوہ... تو یہ بھی صدر صاحب نے کرایا ہے۔“

”آپ غلط سمجھے!“ آفیسر مسکرایا۔

”تب پھر؟“ انہوں نے پوچھا۔

”یہ کام آپ کے محلے والوں نے زبردستی کیا ہے۔ وہ کہہ



رہے تھے۔ جس یہ ہماری خوشی ہے۔ ہمیں اس سے نہ روکیں۔

آپ کو پتا ہے۔ اسی جذبات کیا ہوتے ہیں۔

”ہوں۔ واقعی۔ اچھا خیر۔ کوئی بات نہیں۔“

دروازہ بند تھا۔ انہوں نے گاڑی سے اتر کر اپنے خاص انداز

میں دستک دی۔ اندر سے ایک نعرہ سنائی دیا۔

”بچے مجھے۔“

اور پھر دروازہ کھل گیا۔ جو بھی دروازہ کھلا، ان کے نکتوں میں

طرح طرح کی خوشبوئیں یک دم آئیں۔

”اے باپ رے۔ اتنے بہت سے کھانوں کی خوشبوئیں۔“

پروفیسر دادا نے چمک کر کہا۔

”بلکہ خوشبوؤں کا جھگھا۔“ خان رحمان ہنسے۔

”اور طرح طرح کے کھانوں کا انبار۔“ منور علی خان نے جلدی

سے کہا۔

”لگتا ہے۔۔۔ آج بیگمات نے اور بچوں نے ایزی چونی تک کا

ادارہ لگا دیا ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے ہنس کر کہا۔

”ایزی چونی کا ہی نہیں۔۔۔ دل اور دماغ کا زور بھی لگا دیا

ہے۔“ محمود مسکرایا۔

۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ محاورات کی جنگ شروع ہو اور ضرب

انٹال کے حیر چلیں۔۔۔ استعارات کی تلواریں چلیں۔۔۔ اور تشبیہات کے

پھول کھائے جائیں۔ کھانا کھا لیا جائے گا۔۔۔ کیونکہ اتنے بہت سے

کھانے ٹھنڈے ہو گئے تو انہیں کس طرح گرم کیا جائے گا بھلا۔“ بیگم

جشید کی آواز سنائی دی۔

”کوئی بات نہیں بیگم۔۔۔ ہم ٹھنڈے کھانے ہی کھا لیں گے۔۔۔

”کوئی بات نہیں بیگم۔“ انسپکٹر جشید نے ہنس

ہران میں ٹھنڈے کھانے ہی کھاتے رہے ہیں۔“

”ادھو۔۔۔ تو باتوں کے طوفان میں ضرور ہی پہلے گھرنا ہے۔۔۔ یہ

کام آپ لوگ بعد میں کرتے رہے گا۔“ بیگم کامران مرزا نے جھٹکا کر

کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ مشورہ نیک ہے۔۔۔ ہمیں مان لینا چاہیے۔“

اس پر سب نے رضامندی ظاہر کر دی۔۔۔ اور کھانا شروع ہوا۔۔۔

پروفیسر دادا تو فوراً ہی پکار اٹھے۔۔۔

”بھئی واہ۔۔۔ ذائقہ ہو تو ایسا۔“

”اور کاری گری ہو تو ایسی کہ آدمی اٹکیاں چاٹتا رہ جائے۔“

خان رحمان چلائے۔

"یہ آپ کو کھانا کھار ہے ہیں۔" دوسری طرف سے پھر محتاطی بولی آواز آئی۔

"ہاں تو اور کیا کھا ہی تو رہے ہیں۔ کھائے بغیر تعریف کیسے کی جاسکتی ہے۔" انیسٹن کا مرزا نے کہا۔  
 "کی تو خیر جاسکتی ہے۔" انیسٹن جمشید مسکرائے۔  
 "وہ کیسے؟" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"جھوٹ موت کی تعریف۔"

"تو یہ ہے منور علی خان۔" پردیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"یہ تو خیر اچھی بات ہے۔" منور علی خان نے کہا۔

"کون سی بات بہت اچھی ہے۔" پردیسر داؤد نے فوراً پوچھا۔

"تو یہ ہے۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"جیسے... بڑے میاں تو بڑے میاں... چھوٹے میاں

سمان اللہ! محمود نے چمکتی آواز میں کہا۔

"ہاں واقعی تمام بڑے آج ہمارے انداز میں باتوں پر تل گئے

ہیں۔" آصف نے اس کی تائید کی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" شوکی مسکرایا۔

"اور تم نے اللہ کا شکر کس بات پر ادا کیا۔" فاروق نے پوچھا۔

"اس بات پر کہ بڑے بھی کسی بات پر تل تو گئے۔" ورنہ یہ تو

کسی صورت تلنے پر آتے ہی نہیں تھے۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ بات تو خیر نہیں... ہاں انکل جمشید اور انکل کامران مرزا

کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے... ورنہ انکل خان رحمان اور پردیسر انکل تو عام طور پر ہمارے رنگ میں رنگے چلے جاتے ہیں۔"

محمود نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے انکل منور علی خان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔"

فرزانہ بولی۔

"یہ تو ہیں ہی کم گو... بات چیت میں بھی بہت کم حصہ لیتے ہیں

... محاورات اور ضرب المثال کے طوفان کے دھارے میں تو کبھی مشکل

ہی پہنچتے ہوں گے۔" شوکی نے جواب دیا۔

"بس ہم سمجھ گئے۔" دوسری طرف سے بیگم جمشید کی چلاتی آواز

آئی۔

"کیا سمجھ گئے آپ لوگ اور کیوں سمجھ گئے۔" منور علی خان نے

بلند آواز میں گویا انہوں نے اس بات کا جواب دیا تھا کہ وہ بھی بات

چیت میں حصہ لے رہے ہیں۔

"ہم یہ سمجھ گئے کہ اب آپ سب باتوں کے دھارے میں ہے



بھڑکیں رہیں گے کیونکہ سب ایک دوسرے کو ترکی پر ترکی جواب دے رہے ہیں اور کوئی اپنے آپ کو روک نہیں رہا۔ لہذا باتوں کا یہ طوفان آپ سب کو بیا لے جائے گا اور پھر صاف ظاہر ہے... نتیجہ جو نکلے گا۔" بیگم جمشید نے تھلٹے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا نتیجہ نکلے گا۔" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"ارے باپ ارے! یہ سب تو ہمارے خلاف ایک ہو گئے۔" بیگم کا سران مرزا نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا... آپ سب بھی ایک ہو جائیں... روکا کس نے ہے۔"

"اوہو... ہمارے ایک ہونے سے تو اور زیادہ کام خراب ہو جائے گا۔"

"وہ کیسے... ان سب نے کہا۔"

"جب ہم بھی اس میدان میں اتر آئیں گے اور آپ تو پہلے ہی اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں تو ایک عالم گیر جنگ شروع نہیں جائے گی... ہو جائے گی یا نہیں... پہلے تو آپ یہ بتائیں۔" خواتین کی طرف سے کہا گیا۔

"ہاں! ہو تو جائے گی۔" انجیلر جمشید نے فوراً کہا۔

"ہیں تو پھر نتیجہ صاف ظاہر ہے۔"

"شک... کون سا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔"

"یہ کہ کھانا بونٹی دھرا کا دھرا رہ جائے گا... اور ہم سب کو سب کھانوں کو پھر سے گرم کرنا پڑے گا... کیونکہ او دن تو ہمارے گھر میں ایک ہی ہے... بہت سے اور بہت بڑے بڑے او دن تو ہیں نہیں... اور ہم اس بات سے گھبرا رہے ہیں۔"

"اوہ! اب بات سمجھ میں آئی... کہ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں... لیکن آپ کا گھبراننا بالکل بے سود ہے... فضول ہے... بے کار ہے۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"بے شک۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا ان کی تائید کی۔

"یہ اتنی بہت سی باتیں... یعنی بے کار، بے سود اور فضول کیسے ہیں... ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

"اپنے اندرونی کمرے کا دروازہ ذرا سا کھولیں اور صحن میں چھی بسی چوڑی کھانے کی میز پر نظر ڈال لیں... آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم یہ بات کیوں اور کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... یہ کون سا مشکل کام ہے۔" بیگم جمشید کی

آواز سنائی دی..

اور پھر جو ان سب نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو ان کے  
منہ سے ایک ساتھ بہت زوردار انداز میں نکلا۔

”اے اے اے“

کھانے کی میز بالکل صاف تھی .. خالی برتن ان کا منہ چڑا رہے  
تھے .. اور پھر ان کی جو کھی کھی کھی شروع ہوئی ہے تو پھر اس نے نہ  
جانے کتنی دیر بعد رکنے کا نام لیا۔



آئندہ ناول کی ایک جھلک

## سبران کا جھوٹ

### اشتیاق احمد

- ☆ انسپکٹر جمشید نے اخبار میں ایک اشتہار کیا دیکھا کہ ان کی سٹی کم ہو گئی۔
- ☆ وہ اشتہار انہیں ایک دوسرے ملک ڈونگ لے گیا۔
- ☆ ڈونگ میں کیا ہو رہا تھا۔
- ☆ ان کا قیام ہوٹل ساروکا میں تھا۔
- ☆ ہوٹل ساروکا میں ایک شو ہونے والا تھا۔
- ☆ ایک سٹیڈیم میں ایک عجیب ہولناک منظر دیکھنے کو ملے گا۔
- ☆ ایک بہت بڑے پتھرے میں ایک بھوکا شیر لایا گیا۔
- ☆ چار لڑکوں کو اس شیر کے آگے ڈالنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔
- ☆ اور تقریباً دو لاکھ آدمیوں کا مجمع اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔
- ☆ اس لیے کہ یہ شو قانونی تھا۔
- ☆ ان حالات میں ایک آواز بلند ہوئی۔